بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ﴿نساء:٦٩﴾

مَاثِرُ الْاَنْبِیَآءِ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ آثَارُ الشُّھَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ

ملقب بہ

اقوال سلفؒ

حصہ ہشتم

جس میں چودہویں صدی ہجری نصف اول کے اولیاء کرام کے احوال
واقوال مختصراً ذکر کئے گئے ہیں۔

مرتب

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم

ناشران

مکتبہ دار المعارف الہ آباد

ادارہ معارف مصلح الامتؒ الہ آباد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کتاب سے متعلق ضروری معلومات

نام کتاب : مَاثِرُ الْاَنْبِیَآءِ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ آثَارُ الشُّھَدَآءِ وَ الصّٰلِحِین

ملقب بہ ''اقوال سَلَفؒ'' حصہ ہشتم

مرتب : شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم

تعداد صفحات : ۶۰۰ تعداد اشاعت : ۱۱۰۰

سن اشاعت : ذوالقعدہ ۱۴۴۰ھ مطابق جولائی ۲۰۱۹ء

باہتمام : مولوی محمد عبداللہ قمر الزمان قاسمی الہ آبادی

تصحیح : مولوی محمد عبید اللہ قمر الزمان ندوی، مولوی فیروز عالم قاسمی

کمپوزنگ : مولوی رشید احمد دار العلوم ماٹلی والا بھروچ۔ مولوی مسعود احمد قاسمی الہ آباد

ناشر : مکتبہ دار المعارف الہ آباد - ادارہ معارف مصلح الامتؒ الہ آباد

قیمت :

ملنے کے پتے:

(۱) مکتبہ دار المعارف الہ آباد، ۶۳۹ ر بی وصی آباد، یوپی، ۲۱۱۰۰۳

(۲) مکتبہ فیضان قمر ٹائم ٹو ٹائم دکان نمبر ۷ ایس ڈی چال، بہرام باغ روڈ، جوگیشوری، ممبئی

(۳) مکتبہ رحمانیہ، دار العلوم عربیہ اسلامیہ بھروچ، محمود نگر کنتھاریہ، بھروچ، گجرات

(۴) قاضی بکڈپو، بالمقابل بڑی مسجد (مرکز) رانی تلاؤ، سورت، گجرات ۳۹۵۰۰۳

(۵) مکتبہ النور دیوبند، یوپی ۲۴۷۵۵۴

(۶) مکتبہ صدیق دیوبند یوپی ۲۴۷۵۵۴

(۷) الفرقان بکڈپو، ۱۳ر ۱۱۴ نظیر آباد لکھنؤ

فہرست

مَاثِرُ الْاَنْبِیآءِ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ آثَارُ الشُّھَدَآءِ وَ الصّٰلِحِین
ملقب بہ "اقوال سَلَفْ" حصہ ہشتم

نمبر شمار	فہرست عنوان	صفحہ نمبر
ا	عرض ناشر: از محمد عبداللہ قمر الزمان قاسمی الہ آبادی	۹
ب	پیش لفظ: از مولوی محبوب احمد قمر الزمان ندوی الہ آبادی	۱۰
ج	مقدمۂ کتاب: از مرتب عفی عنہ	۱۷
د	تأثر: حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ گجرات	۲۶
ہ	تعارف: حضرت مولانا برہان الدین صاحب ندوۃ العلماء لکھنؤ	۲۷
و	تأثر: حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ ہتوڑہ باندہ	۳۱
ز	تأثر: حضرت مولانا محمد انظر شاہ کشمیریؒ بانی جامعۃ الامام انور دیوبند	۳۳
ح	تبصرہ: مورخ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوریؒ	۳۵
ط	تأثر: حضرت مولانا یوسف متالا صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم بری برطانیہ	۴۲
ی	تأثر: مولانا مجیب الغفار صاحبؒ شیخ الحدیث مظہر العلوم بنارس	۴۸

اولیاء مقربین وعلماء ربانیین چودھویں صدی ہجری نصف اول

نمبر شمار	فہرست عنوان	سنہ وفات	صفحہ نمبر
ا	اویس زمانہ حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی	۱۳۱۳ھ	۴۹

نمبر شمار	فہرست عنوان	سنہ وفات	صفحہ نمبر
۲	شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی فاروقی مہاجر مکیؒ	سنہ ۱۳۱۷ھ	۷۷
۳	حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ صدر المدرسین دار العلوم دیوبند	سنہ ۱۳۰۲ھ	۱۰۲
۴	حضرت مولانا شیخ محمود میاں صاحب چشتی گجراتیؒ	سنہ ۱۳۰۲ھ	۱۰۹
۵	حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتویؒ	سنہ ۱۳۰۳ھ	۱۱۲
۶	حضرت مولانا عبد الحی صاحب انصاری فرنگی محلیؒ	سنہ ۱۳۰۴ھ	۱۲۰
۷	حضرت مولانا غلام نبی صاحب للہی جہلمیؒ	سنہ ۱۳۰۶ھ	۱۳۷
۸	حضرت مولانا مفتی غلام سرور صاحب لاہوریؒ	سنہ ۱۳۰۷ھ	۱۴۴
۹	حضرت مولانا شاہ غلام معین الدین صاحب جونپوریؒ	سنہ ۱۳۰۷ھ	۱۴۷
۱۰	حضرت مولانا نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالیؒ	سنہ ۱۳۰۷ھ	۱۵۲
۱۱	حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ	سنہ ۱۳۰۸ھ	۱۶۳
۱۲	حضرت مولانا محمد جان صاحب شیخ الحرمؒ	سنہ ۱۲۶۶ھ	۱۷۰
۱۳	حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب باجوڑی ترکیسریؒ	سنہ ۱۲۶۳ھ	۱۷۲
۱۴	صاحب الکرامات حضرت موسیٰ جی مہتر صاحب مجددی ترکیسریؒ	سنہ ۱۳۰۹ھ	۱۷۳
۱۵	حضرت مولانا سردار بیگ صاحب حیدر آبادیؒ	سنہ ۱۳۱۰ھ	۱۷۹
۱۶	حضرت مولانا شاہ علی احمد صاحب بھیرویؒ	سنہ ۱۳۱۲ھ	۱۸۲
۱۷	حضرت سید شاہ محمد فضل اللہ صاحب قادری فتحپوریؒ	سنہ ۱۳۱۴ھ	۱۸۵
۱۸	حضرت سید جمال الدین صاحب افغانیؒ	سنہ ۱۳۱۵ھ	۱۹۳
۱۹	حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب صدیقی کاندھلویؒ	سنہ ۱۳۱۵ھ	۱۹۹

نمبر شمار	فہرست عنوان	سنہ وفات	صفحہ نمبر
۲۰	حضرت مولانا محمد صاحب صدیقیؒ کاندھلویؒ	۱۳۳۶ھ	۲۰۲
۲۱	حضرت مولانا یحیی صاحب صدیقیؒ کاندھلوی	۱۳۳۴ھ	۲۰۳
۲۲	حضرت مولانا محمد الیاس صاحب صدیقی کاندھلویؒ	۱۳۶۳ھ	۲۰۵
۲۳	حضرت مولانا محمد یوسف صاحب صدیقی کاندھلویؒ	۱۳۸۴ھ	۲۱۷
۲۴	صاحب الکرامات حضرت الحاج چاند شاہ صاحب ٹانڈویؒ	۱۳۱۷ھ	۲۲۵
۲۵	حضرت شیخ عبدالرحمن صاحب کوابکیؒ	۱۳۲۰ھ	۲۲۹
۲۶	حضرت قاضی عبدالحق صاحب کابلیؒ	۱۳۲۱ھ	۲۳۳
۲۷	حضرت علامہ شوق نیموی صاحبؒ بہار	۱۳۲۲ھ	۲۳۵
۲۸	حضرت مولانا محمد حسین فاروقی صاحب الہ آبادیؒ	۱۳۲۲ھ	۲۳۷
۲۹	حضرت مولانا شاہ محمد کامل صاحب ولید پوریؒ	۱۳۲۳ھ	۲۴۹
۳۰	امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوھیؒ	۱۳۲۳ھ	۲۵۱
۳۱	حضرت شیخ محمد عبدہ صاحب مصریؒ	۱۳۲۳ھ	۲۷۱
۳۲	حضرت مولانا عبدالسبحان صاحب بنارسیؒ	۱۳۲۳ھ	۲۷۴
۳۳	حضرت آغا محمد داؤد ابوالعلائی صاحب دکنیؒ	۱۳۲۴ھ	۲۷۷
۳۴	حضرت مولانا محمد حسین فقیر صاحب دہلویؒ	۱۳۲۴ھ	۲۸۰
۳۵	حضرت مولانا سلطان احمد صاحب مئویؒ	۱۳۲۵ھ	۲۸۷
۳۶	حضرت مولانا عبدالشکور (رحمن علی) صاحب الہ آبادیؒ	۱۳۲۵ھ	۲۸۹
۳۷	حضرت مولانا سید ضیاء النبی صاحب رائے بریلویؒ	۱۳۲۶ھ	۲۹۴

نمبر شمار	فہرست عنوان	سنہ وفات	صفحہ نمبر
۳۸	حضرت مولانا محمد فاروق صاحب چریاکوٹی اعظمیؒ	سنہ ۱۳۲۷ھ	۲۹۷
۳۹	حضرت مولانا صوفی احمد میاں صاحب لاجپوریؒ	سنہ ۱۳۲۷ھ	۳۰۰
۴۰	حضرت مولوی حافظ ناظر علی صاحب کاکورویؒ	سنہ ۱۳۲۹ھ	۳۰۳
۴۱	حضرت مولانا سید احمد حسن محدث صاحب امروہویؒ	سنہ ۱۳۳۰ھ	۳۰۹
۴۲	حضرت مولانا قاری محمد اسماعیل صاحب راندیریؒ	سنہ ۱۳۳۰ھ	۳۱۴
۴۳	حضرت مولانا الحاج محمد عبدالحی صاحب کفلیتوی سورتیؒ	سنہ ۱۳۳۱ھ	۳۱۷
۴۴	حضرت علامۃ الشام جمال الدین صاحب قاسمیؒ شامی	سنہ ۱۳۳۳ھ	۳۲۵
۴۵	حضرت شیخ الدلائل شیخ عبدالحق صاحب الہ آبادیؒ	سنہ ۱۳۳۳ھ	۳۳۲
۴۶	حضرت مولانا الطاف حسین صاحب حالی پانی پتیؒ	سنہ ۱۳۳۳ھ	۳۴۰
۴۷	حضرت مفتی لطف اللہ صاحب علیگڈھیؒ	سنہ ۱۳۳۴ھ	۳۴۸
۴۸	حضرت مولانا حافظ غلام محمد صاحب راندیریؒ	سنہ ۱۳۳۴ھ	۳۵۰
۴۹	حضرت مولانا امام الدین خان صاحب پنجابی مئویؒ	سنہ ۱۳۳۵ھ	۳۵۳
۵۰	حضرت علامہ محمد عبدالعلیم صاحب آسی غازی پوریؒ	سنہ ۱۳۳۵ھ	۳۶۳
۵۱	حضرت مولانا الحاج شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ	سنہ ۱۳۳۷ھ	۳۶۸
۵۲	حضرت مولانا احمد حسن بھام صاحب سملکی گجراتیؒ	سنہ ۱۳۳۷ھ	۳۷۵
۵۳	حضرت مولانا امین الدین صاحب دہلویؒ	سنہ ۱۳۳۸ھ	۳۷۸
۵۴	حضرت مولانا عبدالاول صدیقی صاحب جونپوریؒ	سنہ ۱۳۳۹ھ	۳۸۲
۵۵	حضرت شیخ عبدالحمید بن بادیس صاحبؒ قسطنطنیہ	سنہ ۱۳۳۹ھ	۳۸۵

نمبر شمار	فہرست عنوان	سنہ وفات	صفحہ نمبر
۵۶	حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ	۱۳۳۹ھ	۳۸۹
۵۷	حضرت مولانا حکیم سید محمد ظہور الاسلام صاحب فتحپوریؒ	۱۳۳۹ھ	۴۰۵
۵۸	مشہور شاعر جناب جج اکبر حسین اکبر الہ آبادیؒ	۱۳۴۰ھ	۴۱۳
۵۹	حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب بکھراوی اعظمیؒ	۱۳۴۰ھ	۴۲۲
۶۰	حضرت ابوالانوار مولانا عبدالغفار صاحب مئویؒ	۱۳۴۱ھ	۴۲۷
۶۱	حضرت مولانا سید عبدالحی صاحب رائے بریلیؒ	۱۳۴۱ھ	۴۳۳
۶۲	حضرت شاہ پیر ابواحمد صاحب بھوپالیؒ	۱۳۴۲ھ	۴۴۳
۶۳	حضرت مولانا صوفی سلیمان صاحب لاجپوریؒ	۱۳۴۳ھ	۴۴۶
۶۴	حضرت مسیح الملک حکیم محمد اجمل خاں صاحبؒ	۱۳۴۶ھ	۴۵۰
۶۵	حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ	۱۳۴۶ھ	۴۵۵
۶۶	حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیریؒ	۱۳۴۶ھ	۴۷۰
۶۷	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانی دیوبندیؒ	۱۳۴۷ھ	۴۸۲
۶۸	حضرت مولانا عبدالعلی صاحب میرٹھی دہلویؒ	۱۳۴۷ھ	۴۹۰
۶۹	حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب مکی الہ آبادیؒ	۱۳۴۹ھ	۴۹۷
۷۰	حضرت مولانا حمید الدین صاحب فراہی اعظمیؒ	۱۳۴۹ھ	۵۰۱
۷۱	حضرت قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوریؒ	۱۳۴۹ھ	۵۰۵
۷۲	حضرت مولانا سید محمد امین صاحب نصیر آبادیؒ	۱۳۴۹ھ	۵۰۸
۷۳	حضرت مولانا محمد علی صاحب جوہر رام پوریؒ	۱۳۵۰ھ	۵۱۳

نمبر شمار	فہرست عنوان	سنہ وفات	صفحہ نمبر
۷۴	حضرت سید احمد شریف سنوی افریقیؒ	سنہ ۱۳۵۰ھ	۵۲۰
۷۵	حضرت شہید عمر مختار صاحبؒ لیبیا	سنہ ۱۳۵۱ھ	۵۲۶
۷۶	حضرت مولانا عبدالکریم صاحب گنج مرادآبادیؒ	سنہ ۱۳۵۱ھ	۵۲۹
۷۷	حضرت حکیم احمد حسین صاحب عثمانی الہ آبادیؒ	سنہ ۱۳۵۱ھ	۵۳۰
۷۸	حضرت مولانا شاہ عبدالمجید صاحب مئویؒ	سنہ ۱۳۵۱ھ	۵۳۳
۷۹	حضرت علامہ مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ	سنہ ۱۳۵۲ھ	۵۳۶
۸۰	حضرت مولانا محمد صدیق صاحب برئی پوری اعظمیؒ	سنہ ۱۳۵۲ھ	۵۵۸
۸۱	حضرت مولانا ماجد علی صاحب جون پوریؒ	سنہ ۱۳۵۳ھ	۵۶۲
۸۲	حضرت علامہ رشید رضا صاحب مصریؒ	سنہ ۱۳۵۴ھ	۵۶۵
	مصادر و مراجع		۵۹۶

باسمہ تعالیٰ

عرض ناشر

سب سے پہلے ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے فضل وکرم سے ''اقوال سلف'' کی آٹھویں جلد آپ حضرات کے ہاتھوں تک پہونچانے کی سعادت بخشی اس جلد میں قدیم اقوال سلف چہارم کے وہ اولیاء کرام مذکور ہیں جو چودہویں صدی ہجری کے نصف اول میں اس دار فانی سے دار البقاء کی طرف رحلت فرما گئے، نیز ان کے علاوہ اس صدی ہجری کے ان حضرات اکابرین کے ریاضات وکمالات اور تعلیمات وارشادات کا بھی تذکرہ ہے جن کا تذکرہ اقوال سلف میں نہیں تھا۔

گذشتہ جلدوں کی طرح اس جلد پر بھی بہت سے اہل دل، اہل علم، علماء وادباء کی قیمتی آراء اور وقیع تاثر وتبصرہ مرقوم ہے۔ ان اصحاب فکر ونظر کے قلم گہر بار سے لکھے ہوئے تبصرے اور تاثر سے کتاب کی قدر وعظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اقوال سلف محض تذکرہ نگاری اور سوانح عمری نہیں ہے بلکہ انبیاء کرام اور صحابہ عظام سے لیکر موجودہ صدی ہجری تک کے مشہور ومعروف شخصیات کے دینی، علمی، فکری، اصلاحی، تعلیمی اور بعض شخصیات کے تناظر میں تجدیدی کارناموں اور ان کی متنوع خصوصیات اور امتیازات کا ایک وثیقہ ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

محمد عبداللہ قمر الزمان قاسمی الہ آبادی

۱۳/ذوالقعدہ ۱۴۴۰ھ

۱۷/جولائی ۲۰۱۹ء

پیش لفظ

عزیزم مولوی محبوب احمد ندوی سلمہ

وَ اتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ (لقمان:۱۵)

اوراس شخص کی راہ چلنا جو میری طرف رجوع ہو۔

حامدا ومصلیا: ناظرین کرام کی خدمت میں احقر الوریٰ محبوب احمد قمرالزمان عرض کرتا ہے کہ اہل انابت الی اللہ کی دولت سے مالا مال حضرات کے منہ سے نکلی ہوئی باتوں میں آج بھی اتنی تاثیر ہے جن کو پڑھ کر یا سن کر عمل صالح کا جذبہ بیدار ہوتا ہے اور شوق الٰہی کی چنگاری دل میں سلگنے لگتی ہے، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پذیر ہونے کا جی چاہنے لگتا ہے، اس لئے اگر آج بھی ان ملفوظات واقوال کو صدق دل اور قلب کی سچائی کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو ضرور دل کی دنیا میں تبدیلی آسکتی ہے۔ اسلام کی تعلیمات پر عمل کا جذبہ بیدار ہوسکتا ہے، آج کی انتہائی مشغول اور مشینی زندگی میں مشکل مضامین وتقاریر سے مستفید ومنتفع ہونے کی صلاحیت عوام الناس کی زندگی سے مفقود ہوتی جارہی ہے، لیکن اہل اللہ کے مختصر اور معنی خیز واثر انگیز ملفوظات وارشادات سے مستفید ہوا جاسکتا ہے۔ اسی مقصد کے پیش نظر محترم حضرت والد ماجد صاحب دامت برکاتہم چالیس پینتالیس سال کی طویل مدت سے شب وروز محنت شاقہ کرکے اور انتہائی تحقیق وتدقیق کے ساتھ بزرگان دین واساطین تصوف کے اقوال مع ان کے احوال، اسی طرح متدین سلاطین اور اصحاب دل شعراء وادباء کے حالات

زندگی، مزید براں ان کے اسرار وفوائد ارقام فرمائے ہیں۔

اس کی افادیت کو دیکھ کر بہت سے علماء کرام اور ادباء عظام نے تحسینی کلمات تحریر فرمائے۔ نیز اس کی تائید میں علمائے اعلام کے اقوال نظر نواز ہوں:

چنانچہ علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ تحریر فرماتے ہیں "**فنابت رسائلهم بعد موتهم فی نصح المرید**" یعنی اہل اللہ کی تصنیفات ان کی وفات کے بعد مریدین کی نصیحت وتربیت میں ان کی نیابت کرتی ہیں۔

شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہم نشین بدبخت نہیں ہوتا، اور ان کا جلیس محروم نہیں ہوتا، "**هم جلساء الله اذا رأوا ذكر الله**" ان کے دیکھنے سے اللہ تعالیٰ کی یاد آتی ہے، ان کی نظر دوا ہے اور ان کا کلام یعنی ان کے ارشادات وملفوظات شفا ہیں اور ان کی صحبت سراپا نور اور ضیاء ہے"۔ (از مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم: ۱۸۳)

اسی طرح عالم عرب کے مشہور عالم دین علامہ یوسف القرضاوی حفظہ اللہ رقمطراز ہیں:

ایک خاص بات یہ ہے کہ صوفیہ کے اقوال پڑھنے سے آدمی کے دل میں ایک طرح کی گرمی پیدا ہوتی ہے اور روح کو بالیدگی نصیب ہوتی ہے اور پڑھنے والا براہ راست اپنے کو ان کیفیات سے سرشار ہوتا محسوس کرتا ہے، ایسا لگتا ہے کہ ان حضرات نے تزکیۂ نفس اور اصلاح باطن کے سلسلہ میں جو ریاضتیں کی ہیں اور جن مجاہدات کی مشقتیں جھیلی ہیں، ان کے اقوال کی یہ اثر انگیزی اسی کا نتیجہ اور کرشمہ ہے۔

یقیناً جو شخص خون جگر جلا کر اپنے اندر کوئی کیفیت پیدا کرتا ہے اس کی بات ہی اور ہے، وقتی طور پر ان کیفیات کو اپنے اوپر کوئی طاری کر لے تو وہ بات پیدا نہیں کر سکتا''۔

مزید فرماتے ہیں:

قرآنی آیات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث سمجھنے سمجھانے کے سلسلے میں تصوف کے اس سرمایہ میں ایسے لطیف اور اثر انگیز اشارے ملتے ہیں جس سے آدمی کے اندر ایک طرح کا جذبہ اور تڑپ پیدا ہوتی ہے جس سے وہ اپنے کو شرح صدر کی کیفیت سے سرشار پاتا ہے، صوفیہ کرام کے علاوہ کہیں اور ہمیں ان لطیف اشارات کا سراغ نہیں ملتا''۔

دوسری طرف بات یہ ہے کہ تصوف کا ایک پہلو ایسا ہوتا ہے جو ہمارے لئے بڑی قدر و قیمت کا حامل ہے اور اس کی طرف پوری توجہ دینے کی ضرورت ہے اور وہ ہے اس کا اخلاقی اور تربیتی پہلو۔ دراصل یہی چیز ہے جسے تصوف کا خلاصہ وعطر اور اس کا اصل جوہر کہنا چاہئے۔ چنانچہ علماء اہل سنت میں سے بہت سے جلیل القدر ائمہ اس کے قائل ہیں۔

علامہ ابن القیمؒ ''مدارج السالکین'' میں فرماتے ہیں:

اس فن کے تمام بڑے لوگوں کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ تصوف اخلاق ہی کا دوسرا نام ہے، کتنانی نے یہی بات ان لفظوں میں کہی ہے؛ تصوف اخلاق کا دوسرا نام ہے پس جو شخص تمہارے لئے اخلاق کے کسی خوشگوار باب کا اضافہ کرتا ہے تو سمجھو کہ اس نے تم کو تصوف کی ایک نئی راہ دکھا دی۔

(دعوت دین کے علمی تقاضے، مترجم مولانا سلطان احمد اصلاحی: ۱۹۶)

حضرت امام شافعیؒ تحریر فرماتے ہیں:

میں نے طبقہ صوفیہ سے دو چیزیں حاصل کی ہیں: ایک یہ کہ ''**الوقت سیف ان لم تقطعه یقطعک**'' کہ وقت ایک تلوار ہے اگر تم اس کو نہیں کاٹو گے تم کو وہ کاٹ دے گی۔ دوسری چیز اگر تم اپنے آپ کو حق میں مشغول نہ رکھو گے تو وہ تم کو باطل میں مبتلا کر دے گا۔

علامہ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ:

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ علمائے کرام کی خوبیوں اور محاسن کو بیان کرنا ہمارے نزدیک مسائل کی کثرت سے بہتر ہے۔

اس لئے علمائے کرام کی سیرتوں اور خوبیوں میں پوری قوم کے لئے آداب واخلاق کی رہنمائی ہوتی ہے اور اس کی تائید کتاب اللہ کی اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے: **اولئک الذین هدی الله فبهداهم اقتده**۔

ترجمہ: یہ (حضرات) ایسے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی تھی سو اس بات میں آپ بھی انھیں کے طریق پر چلئے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''**لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ**'' (یوسف:۱۱۱) (ان انبیاء اور امم سابقین کے قصوں میں سمجھدار آدمیوں کے لئے (بڑی) عبرت ہے۔)

الشیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ فرماتے ہیں کہ: بزرگوں کے حکایات وواقعات حوصلوں کو بھڑکانے، جذبات میں جوش پیدا کرنے، اندرونی صلاحیتوں کو روشن کرنے، اور عزائم کو بیدار کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔ اور اسی طرح کسی امر ونہی

کے بغیر سکون وخاموشی کے ساتھ اخلاق کی درستگی اور پست وحقیر چیزوں سے اوپر ہوکر بلند کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور عالی مرتبت ، اسلاف کرام کی پیروی کا بہترین طریقہ اور ذریعہ ہے، یعنی باکمال علماء صالحین کی سیرتوں کو پڑھنا اور عالی مرتبت حضرات کے واقعات کو جاننا اور علماء ربانیین کے مناقب وفضائل سے اپنے سینوں کو لبریز رکھنا اور بلند کردار باعمل مجددین کی قربت حاصل کرنا۔

بلاشبہ بزرگوں کے واقعات اور ان کے ارشادات کے مطالعہ سے پیش آمدہ مشکلات اور گھاٹیوں پر گذرنے کی تکالیف کو برداشت کرنا آسان ہوجاتا ہے، آدمی کے لئے عزت وعظمت کی چوٹیوں پر پہنچنے اور دنیا میں نیک نامی حاصل کرنے اور آخرت میں باقیات صالحات سے بہرہ ور ہونے کے لئے یہی واقعات وحکایات کارگر مہمیز ثابت ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات عالی سے امید ہے کہ اس کتاب کو پڑھنے والے حضرات بہترین نعمتوں اور خوبیوں سے بہرہ ور سرفراز ہوں گے۔ واللہ ولی کل خیر ورشاد۔

چنانچہ اس کی افادیت کو دیکھ کر حضرات علماء کرام کے علاوہ بعض ادیبوں اور مؤرخوں نے بھی اس کے مطالعہ کے بعد اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔

چنانچہ مشہور مصنف خلیق احمد نظامی یوں رقم طراز ہیں : میں نے اقوال سلف کو بڑی دلچسپی سے پڑھا اور بہت استفادہ کیا، آپ نے مشائخ کے اقوال کو انتہائی موثر انداز میں پیش کیا ہے۔ اس میں سلف کا انداز اصلاح وتربیت بھی ہے اور ان کے احساس وشعور کا وجدان بھی، یقین ہے کہ یہ مجموعہ دلوں کو نیکی کی

طرف راغب کرے گا، یہی ان مشائخ کی جہد وسعی کا مرکزی اور بنیادی مقصد ہے۔

نیز نامور ادیب وناقد شمس الرحمن فاروقی اپنے ایک مکتوب میں حضرت والد صاحب کو یوں لکھتے ہیں کہ ”آنجناب کی قابل قدر تصنیف اقوال سلف حصہ چہارم جو آنجناب نے از راہ کرم مجھ ناقص وناکارہ کو بھجوائی ہے پہنچ کر باعث خیر وبرکت ہوئی، میں اس کا اہل ہرگز نہیں کہ ایسی عالمانہ تصنیف کو پڑھوں چہ جائیکہ اس کے بارے میں اظہار خیال کروں، بہر حال یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس کے مضامین نافعہ وافادات حکیمانہ سے بہت فیضیاب ہوا کیوں نہ ہو آپ حضرت مصلح الامتؒ کے جانشین ہیں، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ آپ اسی طرح اس کے دین کی خدمت تادیر کرتے رہیں اور اس کے بندوں کی اصلاح کرتے رہیں۔“

اس کے علاوہ شہرۂ آفاق مورخ حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب نے جو مقدمہ لکھا ہے وہ نہایت جامع وبصیرت افروز ہے، اس میں کتاب کے تعارف کے ساتھ ساتھ حضرت والد صاحب کا تعارف بھی نہایت موزوں طریقہ سے کرایا ہے جو یقینا حق اور حقیقت پر مبنی ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس کے جامع ومولف گرانقدر حضرت مولانا قمر الزماں زید مجدہٗ شریعت وطریقت کے جامع عالم ہیں، مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی جذب وجلال اور بقیۃ السلف حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے احسانی حُسن وجمال کے فیضان وعرفان کے امین ہیں، اسی کے ساتھ صاحب درس وتدریس، مستند عالم دین اور صاحب تصانیف مفیدہ، محقق ومصنف ہیں ۔۔الخ۔اس حقیر کی

دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو امت کیلئے مفید بنائے اور والد ماجد کی اس سعی کو قبول فرمائے، آمین۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

اللہ تعالیٰ حضرت والد ماجد صاحب دامت برکاتہم کی اس کتاب کو بھی دیگر کتابوں کی طرف عوام وخواص کے درمیان شرف قبولیت عطا فرمائے اور قارئین کرام کے حق میں نافع بنائے اور ہم سب لوگوں کے ظاہری و باطنی اصلاح، صلاح وفلاح کا ذریعہ بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

محبوب احمد قمر الزمان

۱۰/رجب المرجب ۱۴۴۰ھ

۱۹/مارچ ۲۰۱۹ء

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وآلہ الطیبین واصحابہ الطاھرین وعلیٰ اتباعہ القائمین بنصرۃ الدین وعلی اولیاءہ الواصلین الی مدارج الحق والیقین۔امابعد!

قال اللہ تعالیٰ: وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ۔(لقمان:۱۵)

اوراسی شخص کی راہ پر چلنا جومیری طرف رجوع ہو۔یعنی میرے احکام کا معتقداورعامل ہو۔(بیان القرآن)

پس خوب یقین کروکہ نافرمانوں، کافروں،مشرکوں اور بدعتیوں کا اتباع ہرگز ہرگز نہ کرواس سے گمراہ ہوجاؤ گے، بلکہ ان لوگوں کے نقش قدم پر چلوجن کا عقیدہ، اخلاق اوراعمال صحیح ہیں۔اورجن میں اللہ تعالیٰ اوررسولؐ کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کی طرف انابت کاعنصر پایا جاتا ہے۔

اب اللہ تعالیٰ کا دوسراارشادملاحظہ ہو۔

"اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ" یعنی یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے۔ پھرفرمایا"فَبِھُدَاھُمُ اقْتَدِہ" (الانعام:۹۰)یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی ہدایت اورطریق کارکواختیارفرماویں۔اس میں ایک ہدایت اہل عرب اورتمام امت کو یہ ہے کہ تقلیدآبائی کی وہم پرستی کوچھوڑیں اوراللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ بزرگوں کی اتباع کریں۔

دوسری ہدایت خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے کہ آپ بھی انھیں انبیاء سابقین کا طریق اختیار فرمائیں۔ (معارف القرآن شفیعی: ج/۳ص/۳۹۵)

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ (سورۂ نساء: ۵۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ اہل حکومت ہیں ان کا بھی۔ (بیان القرآن: ج/۱ص/۳۶۴)

حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ ''معارف القرآن'' میں لطائف ومعارف'' کے تحت ''اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ'' کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

امراء اور حکام اور علماء دین اور خلفاء راشدین سب پر صادق آتی ہیں کیونکہ شاہ عبدالقادرؒ نے اولی الامر کا ترجمہ (اور جو اختیار والے ہیں تم میں) کیا ہے، اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اولی الامر کا ترجمہ اس طرح کیا ہے (اور جو لوگ تم میں اہل حکومت ہیں اور حکومت اور اختیار عام ہے خواہ دنیا کے اعتبار سے ہو یا دین کے اعتبار سے، تدبر ملکی اور حرب وضرب میں امراء وحکام کی اطاعت واجب ہے بشرطیکہ ان کے احکام شریعت کے مطابق ہوں اور اگر امیر اور حاکم معصیت کا حکم دے تو پھر امیر اور حاکم کی اطاعت جائز نہیں۔

اور دینی اعتبار سے علماء اور فقہاء حاکم اور ذی اختیار ہیں عوام پر علماء اور فقہاء کا اتباع واجب ہے اس لئے کہ علماء انبیاء کرام کے وارث ہیں اور حاکم شریعت اور خازن وامین ہیں اور خزانہ علم نبوی کے حفیظ اور علیم ہیں۔

(معارف القرآن: ج/۲ص/۲۴۰)

مزید حضرت شیخ قوام الدینؒ کا ارشاد ملاحظہ فرمائیں جس کو حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ نے اپنی تصنیف تعلیم الدین میں نقل فرمایا ہے۔ چنانچہ بزبان فارسی یوں فرماتے ہیں کہ:

اے درویش محک ومعیار ایں کار کتاب وسنت است وسیرت سلفؒ کہ اہل اقتداء بودند، نہ اجازت مجرد ومقام متبرک کہ فلاں فرزند درویش است بجائے آباء واجداد خود نشستہ۔

ترجمہ اردو میں ملاحظہ فرمائیں: اے درویش اس طریق کا معیار اور کسوٹی کتاب وسنت اور ان اسلاف کی سیرت ہے جو قابل اقتداء ہیں نہ کہ محض اجازت اور مقام متبرک کہ فلاں شیخ کا فرزند ہے جو آباء واجداد کا جانشین ہے۔

غور فرمایئے کہ حضرت شیخ قوام الدینؒ نے دین وطریق کی بنیاد ومعیار صرف کتاب وسنت کو نہیں فرمایا بلکہ سیرت سلف کو بھی اصل بنیاد قرار دیا ہے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ۔

اس لئے ہم کو سلف صالحین کی سیرت کو ملحوظ رکھنا ہوگا، جس کے افراد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں، پھر تابعین، تبع تابعین اور علماء وصلحاء کا ایک عظیم طبقہ ہے، انہیں حضرات سلف کی سیرت اور تعلیم وتربیت سے امت کو روشناس کرانے کے لئے ہم نے ''اقوال سلف'' کے سلسلہ زرین کو مقصد حیات بنایا تاکہ ہم خود ان اصحاب نفوس قدسیہ کی سیرت سے اپنے کو سنوار کر اللہ تعالیٰ کے یہاں فوز وکامرانی سے سرفراز ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور پوری امت مسلمہ کو سلف صالحین کی سیرت کو اپنانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

اسی طرح سلف صالحین کے اقوال واحوال اور تعلیم وتعلم کا سلسلہ اب تک جاری وساری ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال وانوار کا زریں سلسلہ سینہ بسینہ رواں دواں ہے۔ چنانچہ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ فقہ ظاہر وباطن کے جامع تھے، اپنی مشہور کتاب ''مالابدمنہ'' میں کتاب الاحسان کا نیا باب قائم فرمایا ہے جس کا کچھ حصہ نقل کرتا ہوں۔

نور باطن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم را از سینۂ درویشاں باید جست وبداں نور سینۂ خود را روشن باید کرد تا ہر خیر وشر بفراست صحیحہ دریافت شود۔

ترجمہ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نور باطن کو درویشوں کے سینہ سے ڈھونڈنا چاہئے پھر اس نور کے ذریعہ اپنے سینے کو روشن کرنا چاہئے تاکہ ہر خیر وشر فراست صحیحہ کے ذریعہ معلوم ہوجائے۔

نیز ابوالواہب حضرت العلامہ عبدالوہاب شعرانیؒ کی نصیحت جسے اپنی کتاب ''الطبقات الکبریٰ'' میں ارقام فرمائی ہے اس کو اپنی موعظت ومنفعت کے لئے نقل کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اس سے منتفع فرمائے۔ آمین۔

ثم ان من طالع مثل هذاالكتاب ولم يحصل عنده لهضة ولا شوق الى طريق الله عز وجل فهو والاموات سواء۔ والسلام

یعنی جس شخص نے ایسی کتاب کا مطالعہ کیا اور ان کے اندر اللہ تعالیٰ کے طریق کا شوق وجذبہ پیدا نہ ہوا تو وہ اور مردے برابر ہیں۔

چنانچہ جب آپ ''اقوال سلف'' کا مطالعہ فرمائیں گے تو انشاء اللہ آپ کو خود احساس ہوگا کہ ان حضرات کے اقوال کے اندر کتنے علوم وحقائق ہیں اور ان میں

کس قدر اثر وکیف ہے، جس کا انکار معاند ہی کرسکتا ہے، آخر اسی بناء پر تو حضرت شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ فرمایا کرتے تھے کہ اہل اللہ کا کلام نامرد کو مرد اور مرد کو شیر مرد بنا دیتا ہے، بات یہ ہے کہ کلام میں صاحب کلام کی نورانیت اور روحانیت شامل رہتی ہے۔ اس لئے کہ تجربہ ہے بہت سے کم ہمت طالب ان حضرات کے کلام کو سن کر سلوک راہ کے لئے مستعد و کمر بستہ ہوجاتے ہیں۔ اوران کے لئے یہ کلام شمع رہنما ثابت ہوتا ہے۔ پس اگر کسی کو اس کے باوجود ایسی کتابوں کے مطالعہ سے اپنے قلب میں اثر وکیف محسوس نہ ہو تو اپنا قصور سمجھنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ سے اس نعمت عظمیٰ کے حصول کے لئے دعا کرنی چاہئے۔

غنیمت کبریٰ: اس سال ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۰۱۸ء میں حج کے لئے نور چشم مولوی محمد عبداللہ سلمہ کی معیت میں حرمین شریفین کی حاضری نصیب ہوئی، اس سفر میں مدینہ منورہ کے کسی کتب خانہ میں کتب دینیہ علمیہ کی خریداری کے لئے جانا ہوا تو وہاں سے متعدد کتب علمیہ دستیاب ہوئی۔ اس میں ایک کتاب مسمیٰ بہ ''حیاۃ السلف بین القول والعمل'' مؤلفہ احمد بن ناصر الطیار نظر سے گذری چونکہ اس کے نام میں سلف کا لفظ شامل تھا اس لئے اس کی خریداری کی طرف مزید رغبت ہوئی۔

چونکہ ہم کو اپنے دیرینہ موضوع یعنی اقوال واحوال سلف صالحین کو عرصۂ دراز سے نقل کرنے کی سعادت نصیب ہورہی ہے اور اس پر فوائد کا بھی دستور چلا آرہا ہے، اس لئے یہ گرانقدر کتاب بھی اس اہم سلسلہ میں کارآمد معلوم ہوئی، لہذا اس کو بصد شوق حاصل کرلیا۔ فللہ الحمد والمنہ

الحمدللہ اس کی تلخیص بھی شروع کردی ہے اور اس تلخیص کا ترجمہ بھی مولانا

محمد سلمان صاحب قاسمی بستوی نے شروع کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ آسانی کے ساتھ اس کو پایہ تکمیل تک پہنچائے۔ چونکہ اس کا مقدمہ اس کتاب کے بالکل عین مطابق تھا اس لئے مقدمہ کا اقتباس نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

تلخیص مقدمہ "حیوۃ السلف بین القول و العمل"

تمام تعریفیں اللہ رب العزت کے لئے ہے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا اور روز جزا کا مالک ہے اور درود وسلام نازل ہو ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے اہل خاندان اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اور تا قیامت آنے والے ان تمام لوگوں پر جو آپ کے طریق کو اپنانے والے، آپ کی سنت کو اختیار کرنے والے اور آپ کے نقش قدم پر چلنے والے ہوں۔

اس میں شک نہیں کہ علمائے سلف کے کلام کی تاثیر اور اس کا فائدہ بعد والوں کے کلام کے مقابلے میں بڑھا ہوا ہے کیونکہ وہ خیر القرون کے لوگ ہیں جن کے خیر اور افضل ہونے کی بشارت ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اور جب ایک مسلمان ان کی کتابوں، ان کے کلام اور ان کے احوال کا بکثرت مطالعہ کرے گا تو اس کو بڑا فائدہ پہنچے گا اور لوگوں کی نظروں میں بھی اس کی قدر و منزلت اور مقبولیت میں اضافہ ہوگا۔

فائدہ: خوب ہی عمدہ بات ہے کہ سلف کے اقوال واحوال کی برکت سے لوگوں کے یہاں عظمت بڑھے گی۔

حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: آدمی کو جس قدر علماء سلف اور ائمہ کرام سے قرب اور تعلق ہوگا اتنا ہی اس کا قول اعلیٰ اور افضل ہوگا۔

وجہ یہ ہے کہ سلف نے اپنی زندگیوں کو عمدہ اقوال اور اچھے اعمال سے آراستہ کیا ہے، اس واسطے ہمارے لئے مناسب ہے کہ ان کے احوال اور سیرت وسوانح سے واقف ہوکران کے نقش قدم پر چلیں اسی وجہ سے اس کتاب کا نام ''حیاۃ السلف بین القول والعمل'' (سلف کی زندگی قول وعمل کا سنگم) رکھا گیا ہے۔

بلاشبہ سلف کے کلام اوران کی سیرت وکردار کا احاطہ ناممکن ہے، اگران کی ساری باتیں جمع کردی جائیں تو ان کی مقدار دسیوں، کاپیوں اور ضخیم ضخیم جلدوں کو پہنچ جائے۔۔۔۔لیکن آج کل کے لوگوں کی ہمتیں اور ارادے سلف کے عزائم سے پست تر ہیں، یہی وجہ ہے کہ بیشتر لوگوں کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ مشکل ہوگیا ہے، ان کتابوں کو جانتے تک نہیں، حالانکہ ان کتابوں سے بڑا فائدہ ہے اوران میں بڑے علوم پوشیدہ ہیں۔ امام ذہبیؒ اپنی کتاب ''المنتقی'' جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتاب ''منہاج السنہ'' کا اختصار ہے، کے آخر میں لکھتے ہیں: یہ ''المنتقی'' عام لوگوں کی ہمتوں کے اعتبار سے کافی ہے اوراصل کتاب (منہاج السنہ) حضرت شیخ الاسلام کی ہمت کے اعتبار سے ہے۔

تو جب امام ذہبیؒ (اپنے زمانے کے لوگوں کے اعتبار سے) یہ بات کہہ رہے ہیں تو ہمارے اس دور کا کیا کہنا جب کہ غفلت میں ڈالنے والے سامان لہو ولعب اور اشغال وفتن کی کثرت اور بہتات ہوگئی ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ اپنی خصوصی رحمت ہم پر نازل فرمائے۔ (ص/۲۵)

اس لئے انہی باتوں کو ذکر کروں گا جو ایک مسلمان کے دینی اور دنیوی امور میں مفید ہوں گی اوراس کے حال اور قلب، اوراخلاق وسلوک کی اصلاح

میں معین ثابت ہوں گی، ان کے علاوہ دیگر امور کا تذکرہ نہیں کروں گا کیونکہ ان سے کوئی زیادہ فائدہ نہیں ہے۔(ص/۲۷)

لہذا وہ احکام جن کا تعلق زہد فی الدنیا اور خوش حالی کی زندگی سے نفرت وبیزاری سے ہے ان کا ذکر میں نہیں کروں گا، مثال کے طور پر ابراہیم تیمیؒ کا قول: جس نے فرحت بخش کھانا کھایا یا خوش کن پانی پیا آخرت میں اس کا اتنا حصہ کم ہوجائے گا۔

ایسا کلام توقیف اور سماع کا محتاج ہے، اس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے۔(ص/۲۸)

ان باتوں کا بھی تذکرہ نہیں کروں گا جن میں خوف بکاء کے بارے میں اس حد تک مبالغہ کیا گیا ہے جس کا نہ عقل انسانی تصور کرسکتی ہے اور نہ نقل وروایت میں اس کی گنجائش ہے، مثلاً حضرت سفیانؒ سعید بن سائبؒ کے بارے میں کہتے ہیں: ان کا آنسو کبھی خشک نہیں ہوتا تھا، اگر نماز پڑھتے تب روتے، طواف کرتے تب روتے، بیٹھ کر قرآن کریم پڑھتے تب روتے، راستے میں دکھائی دیتے تب روتے نظر آتے۔(ص/۲۸)

اسی طرح بعض لوگوں کے بارے میں منقول ہے کہ انھوں نے کبھی آسمان کی طرف سر نہیں اٹھایا اور چالیس سال تک ہنسے نہیں۔(ص/۲۸)

کتاب کے متعلق: خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہم نے اقوال سلف کے درج کرنے کا سلسلہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ کے کچھ ہی دنوں بعد غالباً ۱۳۹۰ھ، طابق ۱۹۷۰ء شروع کردیا تھا جو تا ہنوز جاری ہے، یوں تو حضور صلی اللہ

علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لیکر اپنے زمانے کے مشائخ کے اقوال واحوال چھ جلدوں میں ''اقوال سلف'' کے نام سے طبع ہو چکی ہے۔ لیکن پھر خیال ہوا کہ اگر یہ زریں سلسلہ مزید جاری رہتا اور افادات کا اضافہ ہوتا رہتا تو امت کے لئے مزید مفید ثابت ہوتا۔ چنانچہ ہم نے مناسب اضافات وافادات کے لکھنے کا سلسلہ جاری رکھا ، جو انشاء اللہ اب گیارہ جلدوں میں شائع ہوگی۔ ہاں البتہ پہلے زیادہ تر اقوال ہی کے درج کرنے کا معمول تھا، مگر بعد میں ان اسلاف کے اقوال کے ساتھ احوال کے درج کرنے کا بکثرت معمول ہو گیا، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین

اب مزید عرض ہے کہ ماشاء اللہ ہمارے عزیزوں نے اس ضخیم کتاب کی تصحیح وتکمیل میں اپنی اپنی صلاحیت ومناسبت کے لحاظ سے بیحد محنت وجانفشانی کی ہے۔ مثلاً مولانا مقصود احمد صاحب قاسمی وعزیزم مولوی محمد عبید اللہ ندوی وعزیزم مولوی فیروز عالم قاسمی وغیرہم۔ اور مفتی زین الاسلام قاسمی ومولانا عبید اللہ قاسمی گورکھپوری نے بھی اس کو بغور دیکھا، اس سے مزید اطمینان ہو گیا۔ اب اس کی طباعت کا حسن نظم انشاء اللہ عزیزم مولوی محمد عبد اللہ قاسمی سلمہ جلد از جلد کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو جزائے خیر مرحمت فرمائے۔ دل سے دعا ہے اور ناظرین کرام سے بھی دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالی اس کی تکمیل کو آسان فرمائے اور قبول فرما کر امت کیلئے مفید ومؤثر بنائے۔ آمین ثم آمین

محمد قمر الزمان الہ آبادی
۱۶/شعبان المعظم ۱۴۴۰ھ
۲۲/اپریل ۲۰۱۹ء
بیت الاذکار وصی آباد الہ آباد

تاثر

حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ متوفی ۱۴۲۲ھ

محترم ومکرم جناب مولانا قمر الزماں صاحب دامت فیوضہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

مزاج اقدس بخیر ہوگا، عرض ایں کہ آنحضرت کی طرف سے علمی قیمتی ہدیہ سنیہ ''اقوال سلف'' حصہ سوم موصول ہوا (کنتھاریہ سے) یادآوری پر صمیم قلب سے مشکور ہوں، جزاکم اللہ خیر الجزاء۔ بہت قیمتی، قابل قدر اور قابل استفادہ کتاب ہے۔ بزرگوں کے اقوال وملفوظات سے بڑا فیض حاصل ہوتا ہے اور ان کے اشاعت کی بڑی ضرورت ہے، یہ کام اللہ نے آپ سے لیا۔ اللہ پاک آپ کی محنت ومساعی جمیلہ کو بارآور فرمائے اور ہر طبقہ کے لوگوں کو اس سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

احقر سید عبدالرحیم لاجپوری ثم راندیری

۷/رجب المرجب ۱۴۱۴ھ

تعارف

حضرت مولانا محمد برہان الدین صاحب زیدت مکارمہم
شیخ التفسیر والحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الامین محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین ومن تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کی ہدایت وکامرانی کے لئے ایک طرف تو آسمانی کتابیں نازل فرمائیں، دوسری طرف ان کی عملی تعلیم کے واسطے کامل ترین انسانوں یعنی (انبیاء علیہم السلام) کی مقدس جماعت مبعوث فرمائی، اس حکمت خداوندی سے یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ اصلاح وہدایت کے لئے علمی راہ نمائی کے ساتھ عملی راہبری بھی ضروری ہے، اس کے بغیر خلق خدا کا راہِ حق پر گامزن ہونا مشکل بلکہ شاید محال ہے، بالفاظ دیگر جس طرح ''کتاب اللہ'' کی ضرورت ہے اسی طرح ''رجال اللہ'' کا وجود بھی ناگزیر ہے، اگرچہ آخری، جامع اور قیامت تک کے لئے راہنما کتاب ''قرآن مجید'' کے بعد ''کتاب اللہ'' کا نزول نہیں ہوگا، مگر اس کی عملی تفسیر اور ہر زمانہ میں پیش آنے والے مسائل کا اسی کے ذریعہ حل تلاش کرکے عوام کے سامنے پیش کرنے کے لئے ''رجال اللہ'' کی ضرورت قیامت تک باقی رہے گی، اسی لئے صادق ومصدوق ﷺ نے قیامت تک ''رجال اللہ'' (جماعت حقہ) کی

موجودگی اور انہیں خداوندی تائید حاصل رہنے کی پیشین گوئی فرمادی ہے، لَاتَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ قَائِمَةً بِاَمْرِ اللّٰہِ لَایَضُرُّھُمْ مَنْ خَذَلَھُمْ۔ (صحیح مسلم: ص/ ۱۴۳)

چنانچہ بعثت نبوی کے بعد کوئی مختصر سے مختصر وقفہ بھی ایسا نہیں گذرا جس میں یہ مقدس جماعت (چاہے وہ چند افراد پر ہی مشتمل ہو) موجود نہ رہی ہو اور ہدایت کا فریضہ انجام دینے میں فتور واقع ہوا ہو! بحمد اللہ یہ سلسلہ آج تک باقی وجاری ہے، ضرورت اس بات کی تھی کہ انبیاء کی سچی جانشین اس مقدس جماعت کے ناموں اور کاموں سے واقفیت بہم پہنچائی جائے تاکہ اس سے فائدہ اٹھانا اور ان کے نقش پا سے راہنمائی حاصل کرنا ممکن ہو، خوش قسمتی سے قرن اول سے لے کر آج تک ''تذکرہ وسوانح'' کے عنوان سے بے شمار کتابیں لکھیں جاچکی ہیں جن میں ان برگزیدہ جماعت کے ''قال وحال'' سے روشناس کرانے کی خدمت بطریق احسن انجام دی گئی ہے، ان کتابوں میں ابن جوزیؒ کی ''صفۃ الصفوۃ'' اور امام شعرانی کی ''لواقع الانوار فی طبقات الاخبار'' (معروف بہ الطبقات الکبریٰ) اپنے موثر وخاص طرزِ ادا کی وجہ سے امتیازی حیثیت وافادیت کی حامل ہیں، غالبا اسی بناء پر مخدوم ومحترم حضرت مولانا قمر الزمان صاحب مدظلہ، (خویش ومجاز مصلح الامت، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ وخلیفہ بقیۃ السلف حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ) نے موخر الذکر کا تشریحی ترجمہ کرکے عربی نہ جاننے والوں کے لئے بھی اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کردیا، اسی طرح خاص طور سے اردو دانوں پر احسان کیا ہے، موصوف نے کتاب مذکور کے علاوہ اس موضوع کی دیگر معتبر کتب سے سلف کے مزید اقوال کا انتخاب کرنے کے بعد

اسے ''اقوال سلف'' کے نام سے دو جلدوں میں شائع کر کے مزید کرم فرمایا (فجزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء) مگر ان دونوں حصوں میں صرف دسویں صدی ہجری تک کے بزرگوں کے ''اقوال'' ہی آسکے تھے، حالانکہ اس کے بعد کی صدیوں میں بھی صدہا ایسے برگزیدہ افراد ہوئے ہیں جن کے اقوال واحوال پوری امت کے لئے مشعلِ راہ ہیں، اس لئے بجا طور پر بعض مخلص قدردانوں نے مولانا سے تقاضہ کیا کہ یہ سلسلہ دسویں صدی پر ختم نہ ہونا چاہئے، بلکہ حال تک کے بزرگوں کے زرین اقوال پر حاوی ہونے تک جاری رہنا چاہئے، اسی کے ساتھ یہ بھی فرمائش کی گئی کہ اصحاب اقوال کے اگر ''احوال'' بھی شامل کر دیئے جائیں تو کتاب کی اہمیت وافادیت فزوں تر ہو جائے، چنانچہ محترم مرتب نے حصہ سوم سے اس کا بھی التزام کیا کہ ''اقوال'' کے ساتھ ''احوال'' کی بھی ایک جھلک قارئین کے سامنے آجائے اور اسی حصہ سوم کے اندر اس ارادہ کا اظہار بھی فرمایا کہ یہ سلسلہ ماضی قریب کے بلکہ حال کے بعض بزرگوں کے اقوال واحوال کے بیان تک (ان شاء اللہ) جاری رہے گا۔

مشہور مثل ہے: مشک آں باشد کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔ واقعہ یہ ہے کہ ان تینوں حصوں کی اصل قدر وقیمت کا اندازہ ان کے مطالعہ بلکہ ان سے استفادہ کے ذریعہ ہی کیا جاسکتا ہے ورنہ ''شنیدہ کے بود مانند دیدہ'' کے مصداق کوئی کتنا ہی ماہر اس کی افادیت، اہمیت، بوقلمونی، جاذبیت، تاثیر اور دلچسپی کی تصویر کشی، موئے قلم سے کرے، صحیح عکاسی ممکن نہیں، راقم کی یہ خوش قسمتی ہے کہ مولانا موصوف نے جلد اول کے مقدمہ لکھنے کی فرمائش کر کے اس سعادت میں اسے

بھی شامل (گویا انگلی کٹا کر شہیدوں میں داخل) ہونے کی عزت بخش کر ممنون فرمایا اور پھر کتاب کے ساتھ مقدمہ کی اشاعت کے بعد جن اہل نظر کی اس پر نظر پڑی انہوں نے کلمات تحسین وتشجیع کے ذریعہ مزید قدر افزائی فرمائی (فالحمد للہ علی ذٰلک)۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام حصوں کو مقبول ونافع بنائے اور مولانا محترم کو اس پر شایانِ شان اجر وفلاح دارین عطا فرمائے۔

والسلام

احقر محمد برہان الدین سنبھلی

دارالعلوم ندوۃ العماء، لکھنؤ

جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ

مطابق ۶ رنومبر ۱۹۹۲ء جمعہ

تاثر

حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی قدس سرہ متوفی ۱۴۱۸ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علیٰ رسولہ الکریم

تمام بنی نوع انسان کو گمراہی سے بچانے اور سیدھے راستے پر چلنے کے لئے اللہ پاک نے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری فرمایا۔ جو آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہوا، اس کے بعد ہر دَور میں اللہ کے برگزیدہ اور مقبول بندے پیدا ہوتے رہے جو لوگوں کے لئے مشعل ہدایت بنے۔

ان کو دیکھ کر خدا یاد آتا، ان کی تھوڑی دیر کی صحبت بھی آخرت کی فکر پیدا کر دیتی تھی، ہزاروں گنہگار بندوں کو توبہ نصیب ہوئی اور وہ وقت کے غوث اور قطب بنے۔ ان کا یہ فیض ان کی حیات تک محدود نہیں رہا۔

بلکہ ان کے بعد ان کے اقوال اور ان کی سیرت سے لوگ مستفید ہوتے رہے اور ان شاء اللہ قیامت تک یہ مبارک سلسلہ جاری رہے گا۔

ضرورت تھی کہ ان اسلاف کے اقوال جو موتیوں کی طرح بکھرے ہوئے تھے یکجا ہو جاتے تاکہ کسب فیض میں سہولت حاصل ہو، اللہ پاک نے یہ کام مجمع البحرین جناب مولانا قمر الزماں صاحب مدظلہ العالی سے کرایا جنہوں نے ماضی قریب کے دو قطب حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا شاہ محمد احمدؒ

سے ایک مدت تک فیض حاصل کیا ہے، یہ سلسلہ ''اقوال سلف'' کے نام سے موسوم ہے۔

جس کی یہ پانچویں جلد ناظرین کے سامنے ہے اللہ پاک اس سے منتفع ہونے کی سب کو توفیق عطا فرمائے۔

احقر صدیق احمد عفی عنہ،
خادم جامعہ عربیہ ہتورا، ضلع باندہ
۲۴/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۴ھ
مطابق ۱۰/ دسمبر ۱۹۹۳ء

تاثر

حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیریؒ متوفی ۱۴۳۰ھ

استاذ تفسیر وحدیث دارالعلوم وقف، دیوبند

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قصص وحکایات، ضرب الامثال اور ملفوظات دل ودماغ کو متاثر اور قول وعمل کو درست، کردار واخلاق کو آراستہ، دین ودانش کیلئے جلا بخش ہیں، کبھی ایک نصیحت کایا پلٹ کردیتی ہے اور ایک کلمۂ خوشگوار انقلاب کا زینہ بن جاتا ہے۔ پھر حضرات صوفیا اولیاء اللہ کے ملفوظات کا کیا کہنا ''از دل می خیزد بر دل می ریزد'' یا ''دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے'' کے مصداق ہیں، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، ابن جوزیؒ، شیخ محی الدین ابن عربی الملقب بشیخ اکبرؒ، داتا گنج بخش ہجویریؒ، سلطان الہند حضرت معین الدین چشتیؒ، محبوب الٰہی دہلویؒ، خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی وغیرہ اکابر اولیاء کے ملفوظات نے ہزاروں زندگیوں کا رخ بدل دیا، ''فوائد الفواد'' تو وہ مجموعۂ ملفوظات ہے جس کی بیکراں تاثیر پر امیر خسرو جیسا یگانۂ روزگار رشک کرتا۔ متاخرین میں حکیم الامت مجدد العصر مولانا تھانویؒ کے ملفوظات علوم کا بحر ذخار، اصلاح حال کا شفا بخش نسخہ، کائنات دل پر براہ راست اثر انداز اور جہان دماغ کے لئے دلآویز دستک ہے، آج بھی ان ملفوظات کا مطالعہ درویش تھانہ بھون کی مقدس مجالس کا سماں سامنے لے آتا ہے، محسوس ہوتا ہے کہ مسترشدین کے حلقہ میں مرشد برحق اپنے آتشیں نفوس سے آتشدان علم وعرفان میں انگارے سلگا رہا ہے۔

مخدومی مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی جو تصوف کے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیئے ہوئے ہیں اور دبستان معرفت کے شفیق معلم نے بڑا کام کیا کہ اکابر اولیاء کے ملفوظات کو ہلکی پھلکی تشریح کے ساتھ تین ضخیم جلدوں میں جمع کر دیا اور کسی عارف کے اس اشعار پر عمل کیا ؎

نوارا تلخ تر می زن چوں ذوق نغمہ کم یابی
حدی را تیز تر می خواں چوں محمل را گراں بینی

انسانیت ٹھٹھر گئی، فحاشی سے لبریز لٹریچر نے نوجوانوں کی روح مردہ کر دی، خیر کا جذبہ مفقود، شر منظر عام پر، ملکوتی قوتیں پسپا ہیں اور ابلیس کی طاغوتی کاروائی پیش قدمی کر رہی ہے، ایسے تنگ و تاریک ماحول اور گھٹا ٹوپ اندھیری میں جدید سوتوں کو بند کر کے قدیم سرچشموں کا سراغ اور پیاسوں کو وہاں تک پہنچانا کیسا جلیل کارنامہ ہے۔

مؤلف حسن نیت کا چمنستان کھلا چکا اب ان رنگ برنگ پھولوں سے مشام جان کو معطر کرنا ہمارا اور آپ کا کام ہے۔ مصنف تو بزبان حال یہ اعلان کر رہے ہیں ؎

گوئے توفیق سعادت در میاں افگندہ ایم
کس بمیداں نمی آید سواراں را چہ شد

وانا الاحقر الافقر
محمد انظر شاہ المسعودی الکشمیری
خادم التدریس بدار العلوم وقف دیوبند
۱۰ر صفر المظفر ۱۴۱۵ھ

تبصرہ

از مورخ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوریؒ متوفی ۱۴۱۷ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علیٰ رسولہ الکریم

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ علماء کے واقعات وحالات اوران کے اقوال وملفوظات بیان کرنا اوران کی مجالس میں بیٹھنا میرے نزدیک بہت سے فقہی مبحث سے بہتر ہے، اس لئے کہ ان کے اقوال ومجالس ان کے آداب واخلاق ہیں، یہاں علماء دین مراد ہیں خصوصاً وہ علماء ومشائخ جو زہد وتقویٰ اورعبادت وریاضت کے بلند مقام پر فائز ہوں، جس کو شریعت کی اصطلاح میں ''احسان'' سے تعبیر کیا گیا ہے، ان ہی حضرات کے متعلق کہا گیا ہے کہ صلحاء کے ذکر کے وقت رحمت خداوندی کا نزول ہوتا ہے، اسلئے دوسری صدی میں جب مختلف موضوعات پر کتابیں لکھی گئیں تو عبّاد وزہّاد اور مشائخ کے احوال واقوال بھی مرتب کئے گئے، تابعین وتبع تابعین کے دور میں بعض مشائخ کے مواعظ وملفوظات ان کے مسترشدین لکھا کرتے تھے، نیز زہد ورقائق پر مستقل کتابیں تصنیف ہوئیں جن میں بزرگان دین کے احوال واقوال اور مواعظ وملفوظات جمع کئے گئے، ہمارے علم میں سب سے پہلے اس موضوع پر مستقل تصنیف حضرت عبداللہ بن مبارکؒ متوفیٰ ۱۸۱ھ کی ضخیم مفصل ''کتاب الزہد والرقائق'' ہے اور ائمہ متبعین میں امام احمد بن حنبل متوفیٰ ۲۴۱ھ رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب الزہد''

تصنیف فرمائی،[1] مدینہ منورہ میں عقلاء المجانین میں ایک بزرگ ابوالنصر جہنی رحمۃ اللہ علیہ تھے، وہ مسجد نبوی کے صُفّہ پر بیٹھا کرتے تھے، اکثر خاموش رہتے تھے اور جب ان سے کوئی سوال کیا جاتا تھا تو نہایت عمدہ باتیں بیان کرتے تھے، جن کو نقل کیا جاتا اور لکھا جاتا تھا۔ (البدایہ والنہایۃ: ج/۱،ص/۲۲۵)

اسی طرح دوسری صدی ہی میں طبقہ عبّاد وزہّاد کے اقوال وملفوظات محفوظ کئے جاتے تھے جن کو ہم بعد کی کتابوں میں پڑھتے ہیں، اس کے بعد یہ سلسلہ جاری رہا، سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی متوفیٰ ۲۹۷ھ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ان کے اقوال اور ملفوظات ومواعظ لکھنے کا خاص اہتمام تھا اس کے لئے کاتبوں کی جماعت حاضر باش رہتی تھی، امام تاج الدین سبکیؒ لکھتے ہیں:

کان الکتبة یحضرونه لالفاظه، الفلاسفةُ لدقّة معانیه و المتکلمون لعلمه۔ (طبقات الشافعیة الکبری للسبکی: ج/۲، ص/۲۶۰)	ان کے پاس کاتبوں کی جماعت ان کے الفاظ واقوال لکھنے کیلئے رہتی تھی، فلاسفہ ان کے دقیق معانی ومطالب کیلئے اور متکلمین ان کے کلامی علم کے لئے حاضر ہوتے۔

اس بیان سے حضرت جنیدؒ کی مختلف علوم وفنون میں جامعیت ومہارت کا بھی پتہ چلتا ہے اور یہ کہ ان کی مجلس میں ہر طبقہ کے اہل علم شریک ہو کر مستفید ہوتے تھے۔

---

(۱) حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی کتاب ''کتاب الزہد والرقائق'' اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی ''کتاب الورع'' (کتاب الزہد) دونوں راقم کے کتب خانہ میں ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ کے معاصرین میں حضرت ابوحمزہ محمد بن ابراہیم بغدادی متوفیٰ ۲۸۹ھ رحمۃ اللہ علیہ طبقۂ صوفیہ ومشائخ میں بڑے مقام ومرتبہ کے مالک، قرآنی علوم کے ماہر اور فقہ وفتویٰ میں مشہور تھے، امام صاحب کی مجلس میں جب عبّاد وزہّاد اور مشائخ کے احوال واقوال کا تذکرہ ہوتا تو امام صاحب ان سے فرمایا کرتے تھے: ماذا تقول فی ھذا یا صوفی۔ (ترجمہ: اے صوفی اس کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟) (طبقات کبریٰ، شعرانی: ج/۱، ص/۸۵)

حضرت ابوعبداللہ حارث بن اسد محاسبی بغدادی متوفیٰ ۲۴۳ھ رحمۃ اللہ علیہ کتاب وسنت کے مستند امام اور طبقہ عبّاد وزہّاد کے سرخیل تھے، اسی کے ساتھ صاحب تصانیف کثیرہ عالم تھے، علم کلام میں بھی مہارت رکھتے تھے، معتزلہ کے رد میں کتاب لکھی تھی[1]، چونکہ امام احمد بن حنبلؒ علم کلام کے سخت مخالف تھے اس لئے شیخ حارث بن اسد محاسبی کے ابتداء میں منکر تھے مگر چونکہ ان کے احسانی وروحانی مواعظ وحکم اور حقائق ومعارف کے بارے میں اچھے خیالات سنا کرتے تھے اس لئے اسماعیل بن اسحاق السراج سے کہا کہ تم حارث محاسبی کو اپنے یہاں بلاؤ اور مجھے ایسی جگہ بیٹھاؤ جہاں سے میں ان کی باتیں سن سکوں، سرّاج نے اسی رات حارث محاسبی اور ان کے مسترشدین ومعتقدین کو بلایا اور امام صاحب کو بالاخانہ کے ایک کمرے میں بیٹھایا، نماز عشاء کے بعد شیخ محاسبی کے سامنے ان کے حلقہ نشین

---

(۱) (امام حارث بن اسد محاسبی کی کتاب رسالۃ المسترشدین بھی راقم کے کتب خانہ میں ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کا اردو ترجمہ بنام "نصیحۃ المسلمین" کرنے کی توفیق بخشی جو آج لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ فالحمد للہ علی ذٰلک)

دیر تک خاموش بیٹھے رہے، آخر میں ایک شخص نے مہر سکوت توڑتے ہوئے ایک سوال کیا اور شیخ محاسبی نے اس پر گفتگو شروع کی تو تاثیر و تاثر کا یہ حال تھا کہ مجمع میں آہ و بکا کا عالم پیدا ہوگیا، کچھ لوگوں پر غشی طاری ہوگئی، سرّاج کہتے ہیں کہ میں نے بالاخانہ پر جا کر دیکھا کہ امام احمد بن حنبلؒ پر بھی گریہ وزاری اور غشی کی کیفیت طاری ہے، میں خاموشی سے واپس چلا آیا، صبح تک شیخ محاسبی کی مجلس وعظ جاری رہی، خاتمہ کے بعد پھر میں اوپر گیا اور دیکھا کہ امام صاحب پر وہی حالت طاری ہے، میں نے عرض کیا کہ ابوعبداللہ! آپ کی طرف سے ابتداء پر مجھے بہت خوشی ہوئی، آپ نے حارث محاسبی اور ان کے متعلقین کو کیسا پایا؟ امام صاحب نے اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان کئے:

ما اعلم أنی رأیتُ مثل هولاء القوم، ولا سمعت فی علم الحقائق مثل کلام هذا الرجل، وعلی ما وقفت من احوالهم فانی لا اریٰ لک صحبتهم۔

(تاریخ بغداد: ج/۸، ص/ ۲۱۴، البدایة والنهایة: ج/۱۱، ص/ ۳۳۰، طبقات الشافعیة: ج/۲ ص/۲۷۵)

(ترجمہ) میں نہیں جانتا کہ اس سے پہلے میں نے ان حضرات کی مثال دیکھی ہو، اور نہ ہی علم حقائق و معارف میں حارث محاسبی کی باتوں جیسی باتیں سنی ہوں، ان لوگوں کے احوال معلوم کرنے کے بعد میں تمہارے لئے ان کی صحبت مناسب نہیں سمجھتا۔

امام تاج الدین سُبکیؒ نے طبقات الشافعیہ میں اس واقعہ کو بیان کر کے لکھا ہے کہ امام صاحب نے سراج کو اس لئے ان حضرات کی صحبت سے

روکا کہ وہ ان کے مقام ومرتبہ کو نہیں پہونچے تھے، سلوک ومعرفت کے جس تنگ راستہ پر وہ لوگ چل رہے ہیں ہر شخص اس پر نہیں چل سکتا ہے، ورنہ امام صاحب شیخ محاسبی کے مواعظ وحکم سُن کر بے اختیار روئے اور ان کے اقوال وملفوظات پر انتہائی پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

حضرت جنید بغدادیؒ کتاب وسنّت کے امام اور مفتی وفقیہ تھے، امام شافعیؒ کے تلمیذ خاص اور ان کے قدیم قول کے راوی ابوثور کے فقہی مسلک پر فتویٰ دیتے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ مخلوق پر نجات کے تمام راستے مسدود ہیں، البتہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی سنت واسوہ کا اتباع کرے اس کے لئے نیکی ونجات کے تمام راستے کھلے ہوئے ہیں، نیز فرماتے ہیں کہ میرے دل میں جب کوئی نکتہ کی بات آتی ہے تو میں اس کو دو شاہد عدل کتاب وسنت پر پیش کرنے کے بعد ہی قبول کرتا ہوں۔ (طبقات الصوفیہ سلمی: ص/ ۱۵۹)

حضرت ابوسعید خرّاز (احمد بن عیسیٰ) بغدادی متوفیٰ ۲۷۹ھ رحمۃ اللہ علیہ حضرت حارث محاسبیؒ، حضرت ذوالنون مصریؒ اور حضرت سرّی سقطیؒ کے صحبت وتربیت یافتہ اور اجلۂ مشائخ سے ہیں، وہ فرماتے ہیں:

العارفون خزائن اللہ، اودع اللہ تعالی فیھا علومًا غریبۃً، واخبارًا عجیبۃً یتکلمون فیھا بلسان الابدیۃ، ویخبرون عنھا بعباراتٍ ازلیۃٍ۔ (طبقات کبریٰ شعرانی: ج/ ۱، ص/ ۷۹، وطبقات الصوفیہ سلمی: ص/ ۲۳۲)

ترجمہ: عارفین اللہ تعالی کے خزانے ہیں جن میں اللہ تعالی نے عجیب وغریب علوم واخبار رکھے ہیں، وہ حضرات ان کو ابدیت کی زبان اور ازلیت کی عبارت سے بیان کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے خصائص نبویہ میں ایک نہایت اہم خصوصیت آپ کا صاحبِ جوامع الکلم ہونا ہے اور اس کا پَرتَو امت محمدیہ کے عرفاء ومشائخ پر خاص طور سے یوں نظر آتا ہے کہ ان کے سیدھے سادے اور مختصر جملوں کے کوزہ میں معارف، حقائق کا سمندر بند ہوتا ہے جس سے ہر انسان بقدر ظرف وحوصلہ سیراب ہوکر دارین کی فلاح ونجاح حاصل کرسکتا ہے ،ان کے اقوال وملفوظات کی ابدیت، جامعیت اور افادیت کے پیش نظر زہد ورقائق اور طبقات صوفیہ ومشائخ کی کتابوں میں ان کی مجالس ،مواعظ اور اقوال کا ذکر خاص طور سے زیادہ سے زیادہ ہوتا ہے جبکہ ان کے ذاتی حالات بہت کم ملتے ہیں،ان کی تذکرہ نگاری میں سلف سے خلف تک یہی انداز رہا ہے جس کی وجہ سے ان کے بعد بھی ان کا روحانی واحسانی فیضان جاری ہے اور اس سلسلۃ الذہب کے ذریعہ اسلاف سے اخلاف کا علمی ودینی اور روحانی تعلق باقی ہے ،اسی سلسلہ کی ایک کڑی ''اقوال سلف'' بھی ہے جس کی جلد پنجم ناظرین کے سامنے ہے،اس سے پہلے اس کی چار جلدیں شائع ہوکر دینی وعلمی حلقوں میں قبول عام وتام حاصل کرچکی ہیں ،جس سے اس کی ضرورت واہمیت اور افادیت معلوم ہوتی ہے ،اس کے جامع مؤلف گرامی قدر حضرت مولانا قمر الزماں صاحب زید مجدہٗ شریعت وطریقت کے جامع عالم ہیں، مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی جذب وجلال اور بقیۃ السلف حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے احسانی حسن وجمال کے فیضان وعرفان کے امین ہیں،اسی کے ساتھ صاحب درس وتدریس، مستند عالم دین اور صاحب تصانیف مفیدہ ،محقق ومصنف ہیں،مولانا موصوف اس

سلسلہ کی چار جلدیں اب سے پہلے نہایت تحقیق وتلاش کے ساتھ مرتب کر چکے ہیں جن سے عوام وخواص مستفیض ہورہے ہیں اوراب پانچویں جلد پیش کررہے ہیں، اس طرح علماء وصلحاء، عبّاد وزہّاد اورصوفیہ ومشائخ کے حالات وملفوظات کا ایک دائرۃ المعارف تیار ہوگیا ہے،''اقوال سلف'' کی یہ خصوصیت قابل ذکر وتوجہ ہے کہ اس میں بزرگوں کے اقوال وملفوظات کے ساتھ ان کے تراجم وحالات کا معتدبہ حصہ آگیا ہے، جس سے قاری محسوس کرتا ہے کہ وہ ان حضرات کی مجلس میں بیٹھ کر ان کے روحانی وعرفانی مواعظ اورعلمی ودینی ملفوظات سن رہا ہے، کتاب کی ترتیب اور انداز بیان میں گرامی قدر مصنف کے ذوق سلیم اورطبع مستقیم نے بڑا حسن پیدا کردیا ہے، اور جگہ جگہ فائدہ کے عنوان سے ان کے لطیف اشارے بڑے کام کے ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالی ان کی اس خدمت کو قبول فرما کر خلائق کے لئے زیادہ سے زیادہ نافع بنائے اوران کے علم وقلم اورزبان میں برکت دے، میں محب گرامی مولانا قمر الزماں صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری ان چند سطور کے ذریعہ بزرگان دین کی اس کتابی مجلس میں مجھے شریک کیا، میرے لئے یہ بڑی سعادت ہے۔ اُولٰئِکَ قَوْمٌ لَایَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ

قاضی اطہر مبارک پوری

۶/صفر المظفر ۱۴۱۳ھ

۶/اگست ۱۹۹۲ء

تأثر

شیخ الحدیث حضرت مولانا یوسف متالا صاحب مدظلہ

دارالعلوم بری برطانیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابھی قریب ہی میں عزیزم مولانا مفتی عمران سلمہ ہندوستان گئے ہوئے تھے واپسی پر انہوں نے شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمرالزمان صاحب الہ آبادی مدظلہ العالی کی تازہ تصنیف، اقوال سلف، کا ساتواں حصہ پہنچائی،

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے ذریعہ سے اللہ عزوجل نے تصنیف و تالیف علم ظاہری وعلم باطنی ہر جہت سے اس قدر اونچا کام لیا کہ دنیا میں بڑے بڑے دین کے ستون اور عمائد اسلام، حضرت اپنی حیات طیبہ میں چھوڑ گئے، اور ان کے ذریعہ اس وقت دنیا کے مختلف علاقوں میں جہاں آپ دیکھیں، کہ حضرت تھانوی قدس سرہ کی کتابیں، حضرت کے رنگ میں رنگے ہوئے حضرات کے مواعظ، تالیفات، تفاسیر، قرآن کریم کی تشریح، فقہ اسلامی اور شریعت اسلامیہ کی تدوین، اتنے عظیم پیمانے پر یہ تمام امور بھی ہم دیکھ رہے ہیں گویا کہ حضرت تھانوی قدس سرہ دنیا میں موجود ہیں اور مختلف حضرات سے یہ کام لے رہے ہیں۔

جامعہ حسینیہ راندیر (گجرات، انڈیا) کی طالب علمی کے زمانے میں ہم ماہنامہ وصیۃ العرفان، جو حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خانقاہ سے

شائع ہوتا تھا اس کے منتظر رہا کرتے تھے، اور جامع مسجد تائیواڑہ راندیر کے نیچے ہمارے مرحوم دوست اسماعیل بھائی کوئیلا والا کی دکان ہوا کرتی تھی وہاں سے گزرتے ہوئے ہم ان سے دریافت کرتے کہ مہینہ کا تازہ وصیۃ العرفان، پہنچ گیا؟ تو ان سے تازہ بہ تازہ لیکر پڑھتے، پھر دوستوں میں پھیلاتے ہمارے محسن مولانا احمد ادا صاحب تھے وہ مختلف جرائد ہم تک پہنچاتے ان سے طلبہ مستفید اور فیضیاب ہوتے۔

کیونکہ اس زمانہ میں مولانا مفتی عمران سلمہ کے والد محترم حضرت مولانا یعقوب دیسائی صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ ہماری انجمن کے صدر ہوتے تھے اور میں سکریٹری تھا، اس لئے کتب خانہ کی نگرانی اور مختلف جرائد وغیرہ کا انتظام میرے ذمہ ہوا کرتا تھا۔ اس لئے اس طرح کے جرائد سے دلچسپی رہا کرتی تھی اور آگے طلباء میں ہم اسے پھیلایا کرتے تھے۔

انہی دنوں حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ صاحب جلال آبادی رحمۃ اللہ علیہ جو کٹھور تشریف لائے ہوئے تھے اور حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب حوالدار کے یہاں مقیم تھے، وہاں ہمارے مہتمم صاحب حضرت مولانا محمد سعید صاحب راندیری رحمۃ اللہ علیہ خود حاضر خدمت ہوئے اور حضرت کو دعوت دی اور لیکر جامعہ حسینیہ راندیر پہنچے، تو ہمارے حفظ خانہ میں جو حافظ ٹونکی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جہاں نشست ہوتی تھی وہاں حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما ہوئے اور حضرت نے بیان فرمایا ، زندگی میں پہلی مرتبہ حضرت کا بیان قریب سے سننے کی سعادت ملی، کتابوں میں موضوع کو پڑھتے رہتے تھے

لیکن تصوف کے انداز میں بیان پہلی مرتبہ بالمشافہہ حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا، کم خوردن، کم خفتن، کم گفتن، کم اختلاط نمودن اور عدم اختلاط مع الانام وغیرہ موضوع پر حضرتؒ نے بیان فرمایا تھا۔

اس وقت اندازہ ہوا کہ ہمارے اکابر نے جو کچھ کتابوں میں لکھا ہے اسے کتنی پیاری زبان میں کس طرح تفہیم، تشریح کے ساتھ اپنے وعظ میں حضرت سمجھاتے تھے، غرض زندگی میں پہلا تصوف پر یہ حضرتؒ کا بیان میں نے سنا تھا۔

پھر اس کے بعد حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی زیارت تو نہیں ہوسکی، البتہ ہمارے بھائی جان حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب متالا رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شیخ قدس سرہ کے ساتھ مدینہ منورہ کے سفر کے لئے ممبئی سیدی حضرت شیخ قدس سرہ کی معیت میں پہنچے ہوئے تھے،

حضرت شیخ قدس سرہ نے ایک دن فرمایا کہ آج مولانا وصی اللہ صاحبؒ سے ملنے کے لئے جائیں گے، چنانچہ حضرت شیخ قدس سرہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قیام گاہ پر جو شاید کرلا یا کسی مقام پر تھی وہاں تشریف لے گئے، بھائی جان بھی ساتھ تھے بھائی جان کا بیان ہے کہ واپسی کے وقت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ قدس سرہ کو دوسو روپیہ ہدیہ پیش کیا تھا، بھائی جان فرماتے تھے کہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بالکل برعکس ہیں، کہ حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر جمال ہی جمال کا غلبہ اور حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر جلال کی کیفیت اکثر

رہا کرتی تھی۔

بھائی جان سے تو اس وقت مجمل سنا تھا، لیکن جب حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو حضرت کے مسترشد خاص ہمارے دوست حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحب دھلیوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہمارے حضرت شیخ قدس سرہ کے یہاں طویل قیام فرمایا تھا، حضرت کی خانقاہ میں کئی ہفتے مقیم رہے، ان کی خواہش تھی کہ حضرت شیخ قدس سرہ سے بیعت ہوجائیں۔

مگر حضرت شیخ قدس سرہ نے فرمایا کہ حضرت تھانوی قدس سرہ کے خلفاء میں حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب حضرت مولانا قاری طیب صاحب دونوں میں سے کسی سے آپ استخارہ کے بعد بیعت ہوجائیں۔

چنانچہ حضرت مولانا سید ابرار احمد دیوبند حاضر ہوئے اور حضرت مولانا قاری طیب صاحب سے رجوع فرمایا، اور حضرت قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز بیعت بنے، حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحب کے سہارنپور کے قیام کے دوران حضرت کی خدمت اور اپنے اسباق سے جو فرصت ہوتی تھی تو مہمان خانہ میں حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحب سے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات سنا کرتا تھا اور حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحب خاص انداز میں ہو بہو نقل اتار کر وہ واقعات بیان کرتے تھے، سناتے تھے اور روتے جاتے چونکہ فراق کا زخم تازہ تھا، چند ہفتے پہلے ہی حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحب کے پیر و مرشد حضرت مولانا وصی اللہ صاحب کا انتقال ہوا تھا تو ایک خاص کیفیت میں وہ واقعات اس وقت حضرت مولانا سید ابرار احمد

صاحب سنایا کرتے تھے، حضرت مولانا وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک اور مجاز حضرت مولانا امجد اللہ گورکھپوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحب کی طرح مدینہ طیبہ میں حضرت شیخ قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی درخواست کی تو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اقدام عالیہ میں بیعت فرمایا اور اپنی طرف سے بھی بیعت کی اجازت دی۔

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طویل عرصہ خدمت کی سعادت حضرت مولانا قمرالزماں صاحب کو میسر آئی تو اس کے اثر کا اندازہ کیجئے کہ حضرت برسہا برس سے یہ اقوال سلف نامی کتاب جو میرے سامنے ہے ان جیسی بے شمار کتابیں مسلسل ہر چند ماہ کے بعد ایک نئی کتاب امت کی خدمت میں پیش فرماتے رہتے ہیں، اقوال سلف کی سات جلدیں اب تک طبع ہو چکی ہیں تفسیر قرآن کریم پر بھی متعدد کتابیں آپ کی آچکی ہیں، اور اسکے علاوہ درجنوں کتب تصوف کے موضوع پر ہیں، ساری جدو جہد اور کاوش و محنت حضرت کی ہے، اللہ تعالی حضرت کی عمر میں برکت فرمائے، بے شمار مختلف الانواع تصانیف تصوف کے علاوہ دیگر مختلف موضوع پر بھی ہیں اللہ عزوجل حضرت کی عمر میں برکت عطا فرمائے حضرت کے فیض کو عام و تام فرمائے۔

احقر گزشتہ سال جب اپنے وطن ورتھی میں کچھ دن رہا تو ہمارے بھتیجے بھائی محمد سلیم متالا جن کے بیعت کا تعلق حضرت مولانا قمرالزماں صاحب سے ہے میں ان کو دیکھتا تھا ماشاءاللہ اپنے پیرومرشد کا ہر وقت تذکرہ فرماتے ہیں، چونکہ وہ بھی ہر سال حضرت کی خدمت میں کنتھاریہ دارالعلوم میں رمضان المبارک کے

اعتکاف کے لئے بھی تشریف لے جاتے ہیں۔

اور ابھی عزیزم مولانا مفتی عمران سلمہ بھی جب ترکیسر پہنچے تو انہی دنوں ان کی خوش قسمتی کہ حضرت مولانا قمرالزماں صاحب بھی وہاں تشریف لائے ہوئے تھے، گاہے بگاہے درالعلوم فلاح دارین کی انتظامیہ کی طرف سے دعوت پر حضرت کی آمد مختلف موضوعات پر ترکیسر ہوتی رہتی ہے۔اس کا اثر وہاں دیکھا کہ ماشاءاللہ ہمارے اطراف کے دیہاتوں میں جگہ جگہ حضرت کے متوسلین مسترشدین ہیں، جو حضرت کے بتلائے ہوئے معمولات وطرق پر عمل پیرا ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت کے فیض کو تادیر باقی رکھیں حضرت کے عمر میں صحت میں برکت عطا فرمائے، حضرت کی نسلوں میں قیامت تک کے لئے علماء صلحاء، دین کے خدام پیدا ہوتے رہیں، اور قرآن وسنت علم ظاہری وعلم باطنی کی خدمت انجام دیتے رہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارے اکابرین کی قدراوران سے استفادہ کی ہم سب کو توفیق دے۔آمین۔

صلی اللہ علی خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ اجمعین۔

یوسف متالا

دارالعلوم بری، ہولکمب، برطانیہ۔

۱۴ جمادی الاخریٰ ۱۴۴۰ھ

شانِ اقوال سلفؒ

مولانا مجیب الغفار صاحبؒ متوفی ۱۴۳۰ھ
شیخ الحدیث مظہر العلوم بنارس

شان "اقوالِ سلف" است ایں چنیں — می نماید خوب راہ متقیں
ایں کتابِ جوہراتِ علم دیں — ایں کلید گنجِ عرفان و یقیں
ایں بشیر ہر دلِ اندوہگیں — ایں نذیرِ کاروانِ غافلیں
تشنگانِ معرفت راایں شراب — ہست خالص سائغاً للشاربیں
ہر کرا شد ہمنشینش ایں کتاب — شد بہ فیضش اولیاء را ہمنشیں
اہل دل یابند در ہر فقرہ اش — لذتے افزوں ز شیر و انگبیں
شد ز اخلاص مرتّب ایں کتاب — دلکشا و دلنواز و دلنشیں

اسعدا من ذرہ و ایں کہکشاں
کے توانم من کہ گویم وصفِ ایں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اُویس زمانہ حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن[1] گنج مرادابادیؒ م:۱۳۱۳ھ

نام ونسب: مولانا فضل رحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد کا نام شاہ اہل اللہؒ تھا، نسب نامہ اس طرح ہے: مولانا فضل رحمن ابن شاہ اہل اللہ ابن محمد فیاض بن برکت اللہ بن نور محمد ابن عبد اللطیف ابن عبد الرحیم ابن محمد (شاہ مصباح العاشقین) صدیقی ملانوی ثم مرادآبادی۔

حدیث میں بلند پایہ، بڑے عالی سند، طویل العمر اور اپنے زمانہ کے صاحبِ مقامات وکرامات اولیاء میں سے تھے، ان کا وجود باجود اس دورِ آخر میں اسلام کے لئے شرف وعزت کا باعث تھا۔

ولادت: ۱۲۰۸ھ میں ملاواں (ضلع اُناؤ) میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت: مولانا نور ابن انوار انصاری فرنگی محلی اور دوسرے علمائے لکھنؤ سے درسیات پڑھیں، پھر مولانا حسن علی لکھنوی محدث کی رفاقت میں دہلی کا سفر

---

(۱) آپ کی سوانح حیات حضرت سیدی مولانا سید ابوالحسن ندویؒ نے ''تذکرہ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی'' کے نام سے نہایت مفید ومؤثر اور بصیرت افروز تحریر فرمائی ہے، اسی کے اقتباسات کو درج کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں، اللہ تعالیٰ مثل اصل کے اس کو بھی مفید ومقبول بنائے۔ آمین!

اس تذکرہ میں اولاً حضرت مولاناؒ نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا حکیم سید عبدالحی صاحبؒ کی کتاب ''نزہۃ الخواطر'' سے اجمالی تذکرہ نقل فرمایا ہے چونکہ وہ نہایت جامع ہے اس لئے یہ حقیر بھی اس کو بعینہ نقل کرنا مناسب سمجھتا ہے، اس کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔ مرتب

کیااور شاہ عبدالعزیز، شاہ غلام علی اور شاہ محمد آفاق رحمۃ اللہ علیہم اور دوسرے مشائخ کبار سے ملاقات کی، اور ان کی صحبت حاصل کی، اس سفر میں آپ نے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے حدیث مسلسل بالاولیۃ اور مسلسل بالمحبۃ کی سند لی، اور صحیح بخاری کے کچھ حصہ کی سماعت کی پھر وطن واپس آگئے، اور کچھ عرصہ قیام کیا، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی وفات کے بعد دوبارہ دہلی کا سفر کیا اور ان کے نواسے شاہ اسحاقؒ سے صحاح ستّہ کا درس لیا اور مدت تک حضرت شاہ محمد آفاقؒ کی صحبت میں رہ کر طریقت کی تعلیم حاصل کی اور علم ومعرفت میں بلند مقام پیدا کیا اور اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے۔

دہلی سے آپ وطن واپس آئے اور ایک عرصہ تک ''ملاواں'' میں قیام فرمایا، اہلیہ صاحبہ کے انتقال کے بعد ''گنج مرادآباد'' منتقل ہوگئے جو ملاواں سے چار میل پر ہے، آپ نے وہاں دوسری شادی کی اور سکونت اختیار کرلی لیکن اس زمانہ میں زیادہ تر سفر میں رہتے تھے، کبھی لکھنؤ، کبھی کانپور، بنارس، قنوج وغیرہ کا سفر فرماتے تھے اور اکثر مطابع میں قرآن مجید کی تصحیح کا کام کرتے تھے، اور حدیث شریف کا درس دیتے تھے، جب عمر مبارک زیادہ ہوئی تو سفر ترک فرمادیا اور مرادآباد میں مستقل قیام اختیار فرمایا، جہاں عقیدت مندوں نے پروانوں کی طرح ہجوم کیا اور تحائف وہدایا کی بارش ہوئی، بڑے بڑے امراء ورؤساء، دور دراز اور دُشوار گذار علاقوں سے عقیدت مندانہ حاضر ہوئے اور آپ کی ذات مرجع خلائق بن گئی۔

فضل وکمال: اور ایسی مقبولیت اور ہر دلعزیزی حاصل ہوئی جو اس زمانہ میں کسی شیخ طریقت کو حاصل نہیں تھی، میں (مولانا سید عبدالحیؒ) نے اپنے زمانہ میں جن علماء ومشائخ کی زیارت کا شرف حاصل کیا ان میں کسی کو سنن نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چال ڈھال اور طور وطریق کا آپ سے زیادہ جاننے والا نہیں دیکھا، چھوٹے سے چھوٹے معاملہ میں آپ طریقۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انحراف پسند نہیں کرتے تھے، ورع واحتیاط، قناعت واستغناء، بذل وسخا اور زہد وکرم میں آپ فرد فرید تھے، مال کو جمع رکھنا اور فقر وفاقہ سے ڈرنا آپ نہیں جانتے تھے، ہزاروں روپیہ خدمت میں آتے اور اسی دن لوگوں میں تقسیم کر دیتے، یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ روپیہ پیسہ پر کوئی رات گذرے، پہننے اور کھانے میں کوئی تکلف اور اہتمام نہیں تھا، علماء کے خصوصی لباس کے پابند نہیں تھے، قولِ حق میں کسی کا لحاظ نہیں کرتے تھے، خواہ وہ کیسا ہی ظالم وجابر کیوں نہ ہو۔ علم وعمل، زہد وورع، شجاعت وکرم، جلالت ومہابت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں اپنے معاصرین میں فائق اور ممتاز نظر آتے تھے، اسی کے ساتھ اخلاص نیت، گریہ وزاری، ذکر واستحضار، دعوت الی اللہ، حسن اخلاق، فیض رسانی عام میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، اگر حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان کھڑا ہو کر میں قسم کھاؤں کہ میں نے دنیا میں ان سے بڑھ کر کریم، درہم ودینار سے بے تعلق، کتاب وسنت کا پیرو نہیں دیکھا تو میں حانث نہیں ہوں گا، اسی کے ساتھ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا ان سے بڑا عالم نہیں پایا۔

متوسط ومیانہ قد، داڑھی چھوڑ دی گئی تھی لیکن چھوٹی تھی، مسجد میں نماز پڑھاتے اور اسی کے ایک حجرے میں قیام فرماتے، اپنے ساتھیوں اور رفقاء وخدام کے کاموں میں حصہ لیتے اور ان کا ہاتھ بٹاتے، آپ کا لباس عام آدمیوں کا سا ہوتا، ظہر سے پیشتر اور ظہر کے بعد اور اکثر عصر کے بعد بھی قرآن حکیم اور حدیث شریف کا درس دیتے، میں نے آپ سے مسلسل بالاوّلیۃ اور مسلسل بالمحبّہ

کی سند لی، اور صحیح بخاری کا کچھ حصہ سنا، آپ خود ہی حدیث کی قراءت فرماتے تھے اور حدیث پر تقریر فرماتے تھے، جہاں تک آپ کے کشف و کرامات کا تعلق ہے وہ حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں، اور اس بارے میں اولیاء متقدمین میں بھی حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے علاوہ اور کوئی نظیر نہیں ملتی۔

حالات و معمولات

از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

حضرت مولانا شاہ فضل رحمن رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد حضرت شاہ اہل اللہ، حضرت شاہ عبدالرحمن لکھنویؒ کے مرید تھے۔ حضرت کا نام شاہ صاحب ہی نے رکھا تھا، مولانا سید محمد علی مونگیریؒ لکھتے ہیں: نام مبارک لفظ ''رحمن'' پر الف لام نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے سنِّ ولادت باسعادت نکلتا ہے یعنی تاریخی نام ہے۔

معمولات: مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں:

بعد فراغتِ نماز صبح تھوڑی دیر ذکر میں مشغول رہتے تھے، پھر کچھ دیر تک مراقب رہتے تھے، ہم لوگ بھی پیچھے بیٹھ کر توجہ لیتے تھے، آپ نے فرمادیا تھا کہ جب میرے حجرہ میں، یا جب میرے پاس بیٹھو، میرے قلب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھو، راقم شب کو جا کر توجہ لیتا تھا، آپ لیٹے لیٹے کبھی توجہ دیتے، کبھی بیٹھ کر، یہ ذکر اس وقت کا ہے جب خود امامت کرتے تھے اور مسجد میں نماز پڑھتے تھے، اور مسجد کے حجرہ میں رہتے تھے، یا مقبرۂ موجودہ جو صحن مسجد میں ہے اس میں رہتے تھے اور کبھی ایسا ہوتا تھا کہ طلوع آفتاب تک آپ مسجد میں مشغول رہتے تھے نماز اشراق ادا کر کے آتے تھے اور کبھی نماز پڑھ کر حجرہ میں آ کر اذکار میں مشغول

ہوتے تھے، اور وہیں مراقب رہتے تھے، مگر جب سے آپ کو ضعف ہوگیا تھا، مسجد میں آنا موقوف ہوگیا اور باہر احاطۂ مسجد کے قبل از وصال ایک سال سے زائد اس میں رہے اور پانچ چھ برس مسجد کے متّصل جو حجرہ ہے اس میں تشریف رکھی، بعد اشراق کے درس حدیث شریف کا ہوتا تھا اور دس برس پہلے فقط صحت قرآن شریف کی ہوتی تھی اور اس میں کچھ ترجمہ ہوتا تھا، پھر نکتے عجائب وغرائب بیان ہوتے تھے، اب آخر زمانہ میں تمام دن حدیث ہوتی تھی، آپ لفظ سے فیض لیتے تھے۔

بعد نماز مغرب اذکار واشغال سے فرصت پا کر حجرۂ مسجد میں کچھ دیر مراقبہ میں رہتے تھے، اکثر مراقبہ محبت کا فرماتے تھے اور کبھی دوسرا مراقبہ بھی فرماتے تھے اس لئے بعض مریدوں سے ارشاد فرمایا کہ مراقبۂ محبت یُحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗ کا کرتا ہوں، پھر آپ حویلی میں جا کر طعام تناول فرماتے تھے، آپ کے کھانے میں اکثر باجرہ کی روٹی کہ بہت محبوب ہوتی تھی اور کبھی مونگ کی یا ماش وغیرہ کی دال بھی ہوتی تھی قلیل سی کھا لیتے تھے اور کبھی کھچڑی، ہمیشہ مٹی کے برتن میں کھاتے تھے اور بوریئے پر بیٹھتے تھے، عشاء کی نماز بہت ہی جلدی ہوتی تھی، بعد ادائے نماز لیٹ جاتے تھے، پھر کلام نہیں فرماتے تھے۔

آپ تہجد کے وقت بہ نسبت تمام دن کے بہت خوش رہتے تھے اور لوگوں سے فرماتے تھے کہ اس وقت جاگا کرو، اور استغفار پڑھو کہ اس وقت کا جاگنا بڑی فضیلت ہے۔

تہجد کے وقت کبھی اس قسم کے اشعار پڑھا کرتے تھے ؎

ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کریں تجھ پر　　مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں

ارض وسما کہاں تری وسعت کے سامنے　　میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

(تذکرہ فضل رحمنؒ:۳۸)

ف: تہجد کی نماز اور وقت سحر کی مناجات کی کتاب وسنت میں خاص فضیلت وارد ہے اور اللہ تعالی کی رحمت خاصّہ کے نزول کا وقت ہے، اس لئے جملہ صالحین کا اس وقت بیدار ہونا، نماز پڑھنا اور جناب باری تعالی میں مناجات اور معروضات کا پیش کرنا طریقہ ومعمول رہا ہے، اور ظاہر ہے کہ ایک عبد مومن متقی کے لئے اس وقت سے زیادہ پر کیف کون سا وقت ہوگا کہ اللہ تعالی سمائے دنیا پر نزول فرما ہو اور بندہ اپنے رب کریم سے ہم کلام ہو اور اس سے مناجات میں مشغول ہو اور اس کے قدموں پر سجدہ ریز ہو، اسی لئے مولاناؒ فرماتے تھے کہ سجدہ میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے مجھے پیار کرلیا، اللہ تعالی ہم سب کو بھی ایسے حال وکیف سے شادماں فرمائے۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْز۔ (مرتب)

تحفہ وتبرّک: بوقت رخصت جو چیز آپ کے پاس موجود ہوتی تھی جیسے کپڑا، برتن یا کھانے کی چیز مسافروں کو دیتے تھے۔

کسی کو چلتے وقت لوٹا اور دری عنایت فرماتے تھے اور جس کے پاس راستہ کا خرچ نہیں ہوتا تھا آپ زاد راہ اپنے پاس سے دیتے تھے، اور مخفی نہ رہے کہ جو لوگ محض طلبِ خدا میں آتے تھے جلدی اپنی زبان سے نہیں فرماتے تھے کہ چلے جاؤ۔

قبل علالت کے آپ کی عادت تھی کہ دروازۂ مسجد تک مسافروں کو پہونچانے آتے تھے اور بزرگان دین کو بستی کے باہر تک بھی پہنچاتے تھے۔

(تذکرہ:۴۰)

خفگی اور اس کا سبب: مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں:

ایک بار ہم نے عرض کیا کہ حضرت اس زمانہ کے آدمی اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت مولاناؒ کا سب عمل سنت پر ہے مگر مخلوق سے اس قدر بگڑنا یہ کیسی سنت ہے؟ آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ میاں ادھر آؤ اور کان میں فرمایا کہ اوپر کے جی سے میں گھڑکا کرتا ہوں، اور ہم نے اپنے خالق سے پہلے ہی دعا کرلی ہے کہ جس کے لئے میں بددعا کروں وہ دعا سمجھی جائے ورنہ ہجوم خلق سے نماز پڑھنا مشکل ہو، دہقانی لوگ (دیہاتی) بہت تنگ کریں، بقول نور میاں صاحب ؎

دیوانگی بھی اپنی ہے تجویزِ عقل سے دانائیوں سے چھنستے ہیں نادانیوں میں ہم
جا اے خیال غیر کہ فرصت نہیں یہاں ہیں جلوۂ نگار کی مہمانیوں میں ہم

درد و محبت: مولانا کے خمیر میں درد و محبت کی ایسی چنگاری تھی کہ ایک ذرا سی تحریک سے مشتعل ہو جاتی تھی اور آپ پر وجد و کیفیت اور عشق و سرمستی کی ایک حالت طاری ہو جاتی تھی، اکثر زبان مبارک سے قائم کا یہ شعر پڑھتے تھے جو بالکل حسب حال تھا ؎

دل ڈھونڈھنا سینہ میں مرے بوالعجبی ہے
اِک ڈھیر ہے یاں راکھ کا اور آگ دبی ہے

اس دبی ہوئی آگ کو اگر کوئی چھیڑ دیتا یا ہوا دے دیتا تو سارے جسم سے اس کی آنچیں نکلنے لگتیں اور پاس بیٹھنے والوں کو بھی اس کی گرمی اور آنچ محسوس ہوتی۔

ایک آیت پر کیفیت: مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں:

ایک بار مولانا محمد علی صاحب وغیرہ کا مجمع تھا قرآن شریف کا ترجمہ ہوا، رکوع یہ تھا: وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا اس کا ترجمہ فرمایا، اس کے بعد وہ آیت پڑھی گئی جو حضرت اسمٰعیلؑ کے بیان میں ہے: وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا۔ ترجمہ فرمایا کہ ''تھا اپنے رب کا پیارا'' یہ فرما کر چیخ ماری اور آپ پر گویا مدہوشی کی کیفیت طاری ہوئی، اس واقعہ کے بعد دو مہینے سخت علیل رہے۔

اللہ و رسول پر جان قربان کرنا چاہئے: مولانا محمد علی صاحب فرماتے ہیں کہ ایک روز ارشاد فرمایا کہ پڑھنے پڑھانے سے کیا ہوتا ہے، دیکھو، میں کچھ قرآن شریف پڑھ لیتا ہوں اور تھوڑا سا کچھ اور، پھر لطف میں آ کر فرمایا کہ اللہ رسول پر جان قربان کرنا چاہئے، اس سے سب کچھ ہوتا ہے اور چند شعر پڑھے۔

(تذکرہ: ۴۴)

ف: جان قُربان کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ و رسول کی کامل اطاعت کریں اور ان کی مرضی پر قربان ہو جائیں۔ (مرتب)

اللہ کی محبت میں مزہ: ارشاد ہوا کہ اللہ کی محبت میں جو مزہ ہے وہ جنت کی چیزوں میں نہیں ہے، حور و قصور اور کھانے کی چیزیں اور حوض و کوثر ان سب کا مزہ اس مزہ کے روبرو کچھ نہیں ہے۔ عاشقوں کو جنت بھی اسی وجہ سے پسند ہوگی کہ اس میں اسی کا جمال ہے، ہمیں یہ مزہ قرآن مجید پڑھنے میں آتا ہے، جنت میں جب ہمارے پاس حوریں آئیں گی تو ان سے کہیں گے کہ آؤ، ذرا قرآن مجید تو سن لو۔

ف: سبحان اللہ! اس سے آپ کے حالِ رفیع اور اللہ تعالیٰ سے کمال محبت اور

قرآن پاک سے غایت درجہ کی مناسبت کا اندازہ ہوتا ہے، جو ہم سب کے لئے قابل اقتداء ہے، اللہ تعالیٰ ان احوال رفیعہ سے بہرہ ور فرمائے۔ (مرتب)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق و عشق: مولوی تجمل حسین اور نواب نور الحسن خاں لکھتے ہیں کہ حضرتؒ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر میں پڑھا۔

''جن گلیاں محمد چلیں وہ گلیاں میں پلکن بہوروں''

نواب نور الحسن مرحوم لکھتے ہیں:

ایک صاحب نے دو کتابیں تصوّف کی حضرت قبلہؒ کی خدمت میں پیش کیں، حضرتؒ نے فرمایا کہ میں کوئی کتاب تصوف کی نہیں دیکھتا، اور میرا دل خود تصوف ہے اور میرا تصوف یہ ہے، پھر سورہ مزّمل کی پہلی آیت پڑھ کر ترجمہ فرمایا، اور شعر نعت کا پڑھا۔

تر ہوئی باران سے سوکھی زمین یعنی آئے رحمۃً للعالمین

(تذکرہ:۴۹)

ف: سبحان اللہ! یہ کس قدر معرفت کا شعر ہے، جو درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک اہم واعظم خصوصیت کا ترجمان ہے، وہ ہے آپ کا جملہ عالم کے لئے رحمت عامّہ بنا کر بھیجا جانا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔

(مرتب)

اتباع سنت اور احترام شریعت: اس عشق ومحبت کے ساتھ آپ کے اندر غایت درجہ کا اتباع سنت اور احترام شریعت تھا، چنانچہ مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں:

میں نے عرض کیا کہ حضور نے کون سا عمل عمدہ فرمایا ہے کہ اس درجہ کو پہنچے؟ ارشاد ہوا کہ سُنّتِ رسول اللہ ﷺ پر عمل کرنے سے۔

نیز آپ نے ارشاد فرمایا کہ غوث ہو یا قطب، جو خلاف شرع کرے وہ کچھ بھی نہیں، نیز ارشاد فرمایا کہ اتباع سنت یہی غوثیت اور قطبیت ہے۔

ایک جلسہ میں یہ ارشاد ہوا کہ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ اس کا ترجمہ کہو، پھر خود ہی فرمایا کہ ہماری چال چلو، تب پیار کرے گا اللہ تم لوگوں کو۔

نیز ارشاد فرمایا کہ جو بات شریعت کے اتباع اور ان اعمال سے حاصل ہوتی ہے جو حدیث میں آئے ہیں وہ کسی سے نہیں ہوتی۔

اذکار و اوراد میں حدیث کی پیروی: مولانا سید محمد علی لکھتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ بعد ظہر "انّا فتحنا" پڑھنا چاہئے؟ ارشاد ہوا کہ حدیث میں نہیں آیا، پھر عرض کیا کہ بعد عصر "عم یتساءلون" پڑھنا چاہئے؟ ارشاد ہوا کہ یہ بھی حدیث میں نہیں آیا، مگر میں کبھی بعد عصر اور کبھی قبل عصر پڑھ لیتا ہوں۔

وضو میں پڑھنے کی دعاء: ایک مرتبہ حضرت قبلہ نے یہ دعا پڑھی:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ وَبَارِکْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ۔	ترجمہ: اے اللہ! میرے گناہ معاف فرمادے اور میرے گھر میں وسعت دیجئے، اور میرے رزق میں برکت عطا فرمایئے۔

اور ارشاد ہوا کہ وضو کے اندر اسی دعا کا پڑھنا حدیث سے ثابت ہے اور کسی دعا کا پڑھنا حدیث میں نہیں آیا۔

ف: کتنی جامع دعا ہے کاش مسلمان اسی دعا کو دل سے پڑھتے تو دین و دنیا کی

نعمتیں سبھی حاصل ہو جاتیں۔ (مرتب)

ماثور دعائیں: فرمایا کہ مشائخ سے جو دعائیں منقول ہیں ان میں وہ تاثیر نہیں جو کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعائیں فرمائی ہیں، ان میں ہے۔

ف: یہ تو ظاہر ہے مگر عملاً عوام کا اعتقاد اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ جو عظمت مشائخ کے اوراد و وظائف کی ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اذکار و ادعیہ کی نہیں خصوصاً اولاد مشائخ کو، اسی وجہ سے یہ لوگ باطنی دولت سے عموماً محروم بھی رہتے ہیں۔ (کما افادہ مرشدی مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ) (مرتب)

درود شریف: ارشاد فرمایا: درود بکثرت پڑھو، جو کچھ ہم نے پایا درود سے پایا۔

ف: اس لئے درود شریف کا کم از کم تین سو مرتبہ تو ضرور ہی معمول رکھنا چاہئے خواہ مختصر سے مختصر ہی کیوں نہ ہو جیسے صلی اللہ علی النبی الامی کما افادہ مولانا محمد احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (مرتب)

فنا فی الرسول کا مطلب: ارشاد فرمایا کہ افعالِ ظاہری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بسہولت اور بے تکلف ہونے لگنا، یہی فنا فی الرسول ہے اور کچھ نہیں۔

ف: سبحان اللہ! فنا فی الرسول کی کیسی جامع تعریف فرمائی اگر اسی پر قیاس کر کے یہ کہا جائے کہ فنا فی اللہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت بلا تکلف ہونے لگے تو کوئی مضائقہ نہیں، اسی طرح حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عرفان کی نہایت جامع تعریف ایک شعر میں یوں فرمائی ہے ؎

ان کی مرضی پر دل سے ہوں قرباں
جانئے اس کو حاصل عرفاں (مرتب)

علم وعلماء کا احترام: مولوی سید تجمل حسین صاحب فرماتے ہیں: جب مولانا عبدالحیؒ صاحب (فرنگی محلی) رحمۃ اللہ علیہ آپ کی ملاقات کو تشریف لائے، تو اتنی بڑی خوشی آپ کو تمام عمر نہیں ہوئی تھی، آپ نے اپنی چار پائی پر بٹھایا اور تعظیم کی، اور فرمایا کہ میں نے بوڑھا ہو کر تمہاری تعظیم بہ سبب تمہارے علم کے جو کی، اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعظیم کی تھی، اور جناب احمد میاں صاحب کو بلا کر فرمایا کہ تم کو ان کے آنے سے خوشی ہوئی یا نواب حیدرآباد کے آنے سے؟ حضرت احمد میاں نے فرمایا: ان کے آنے سے میں خوش ہوا، حضرت نے فرمایا کہ تم اپنے نئے مکان کے دالان میں چار پائی بچھاؤ کہ یہاں مسجد میں زمین پر تکلیف ہوگی اور کھانا ان کے واسطے اچھا اچھا تیار کرو۔

جب مولانا احمد علی صاحب علیہ الرحمہ تشریف لائے، ان کے آنے میں بھی آپ نے بہت خوشی کی اس لئے کہ آپ مولانا شاہ اسحاق صاحبؒ کے شاگرد تھے۔

ف: چونکہ کتاب وسنت سے علم وعلماء کی فضیلت ثابت ہے تو جن حضرات کی طبیعت ہی کتاب وسنت کی اتباع ہو چکی ہو وہ کیوں نہ علماء کی تعظیم وتوقیر کریں گے۔ (مرتب)

قرآن اور حدیث سے عشق: قرآن وحدیث سے آپ کو ایسا شغف تھا جس کو عشق سے کم کسی لفظ سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا، آپ کے واقعات وکیفیات ہی سے اس کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں: ایک روز آپ تلاوت قرآن کر رہے تھے کہ آپ پر کیفیت طاری ہوئی، راقم سے فرمایا کہ جو لذت ہم کو قرآن میں آتی ہے

اگر تم کو وہ لذت ذرہ بھی آوے تو ہماری طرح نہ بیٹھ سکو، کپڑے پھاڑ کر جنگل نکل جاؤ، آپ نے آہ کی اور حجرہ میں تشریف لے گئے، اور کئی روز تک بیمار رہے۔

مولانا سید محمد علی صاحب نے فرمایا کہ میں نے ابتداء میں حضرت سے عرض کیا کہ ہم کو جو مزہ شعر میں آتا ہے قرآن شریف میں نہیں آتا، آپ نے فرمایا: ابھی بُعد ہے، قُرب میں جو مزہ قرآن شریف میں ہے، کسی میں نہیں۔

مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں کہ مجھ سے فرمایا کہ قرآن شریف اور حدیث پڑھا کرو کہ اللہ میاں دل پر آ کر بیٹھ جاتے ہیں۔

ایک روز فرمایا کہ نسبت قرآن کی غایت سلوک ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ ہم کو اگر قرآن شریف کے بدلے جنت ملے تو منظور نہیں، اگر قرآن شریف ہو تو کیا مضائقہ ہے، ہمارے پاس جنت میں حوریں آئیں گی تو ان سے ہم کہیں گے کہ آؤ بی بی بیٹھ جاؤ تم بھی قرآن شریف سنو۔

ف: سبحان اللہ! کیسی مناسبت تھی قرآن پاک سے جو قابل عبرت و نصیحت ہے، اور اس کے حصول کے لئے محنت و ریاضت اور اللہ تعالی سے دعا کی ضرورت ہے۔ (مرتب)

حدیث پڑھنے میں توجہ الٰہی: ایک محدث صاحب تشریف لائے تو حضرت قبلہ نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ حدیث پڑھنے میں اللہ کو کیسی محبت ہوتی ہے اور کیسا پیار ہوتا ہے؟ جیسے کسی عورت کا لڑکا مر جائے اور اس کی کوئی کتاب پڑھنے کی ہو اور اس لڑکے کے مرنے کے بعد اس کی ماں کسی طالب علم کو دے کہ یہ میرے لڑکے کی کتاب ہے اس کو پڑھو اور ہم کو سناؤ،، اب اس وقت پڑھنے میں جو کیفیت اور جوش محبت اس کی ماں کو ہوتا ہے ویسا ہی بعد رسول ﷺ کے ان کی حدیث

پڑھوانے سے ایک محبت کا جوش اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے۔

ف: سبحان اللہ! کیسی عمدہ مثال سے اس حقیقت کو واضح فرمایا جو آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہے، واقعی مثال بیان کرنے میں اہل اللہ کو ملکہ ہوتا ہے کیوں کہ یہ حضرات حقائق کے عارف ہوتے ہیں۔ (مرتب)

حدیث وقرآن کی مزاولت (شغف) کے اثرات: مولوی سید تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں: تعلیم امور باطنی کے باب میں جو طریقہ مروجہ ہے اس بارے میں آپ سے عرض کیا، اس پر ارشاد ہوا کہ یہی طریقۂ شریعت عمدہ ہے، اسی حدیث وقرآن کی مزاولت اور اسی کی محبت کی برکت سے بڑے مراتب حاصل ہوئے ہیں اور اصل دل کی درستگی ہے اور شریعت کی پابندی۔ (تذکرہ: ص/ ۶۰)

ف: سبحان اللہ! اصل دین وطریق کی کیسی ترجمانی فرمائی جو پیش نظر رکھنے کے لائق ہے جو دراصل خلاصۂ تصوف ہے لہذا اب کوئی کیسے کہہ سکتا ہے کہ تصوف شریعت کے خلاف ہے۔ (مرتب)

درس حدیث کی کیفیت: مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواری اپنی حاضری کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: میں حاضر ہو کر ادب سے بیٹھنا چاہتا تھا کہ آپ نے فرمایا کہ بخاری لا کر انہیں دو، میں نے پڑھنا شروع کیا اس وقت کی کیفیت کو نہیں عرض کر سکتا ہوں ''ما دانیم و دل''۔ مختصر اس کا یہ ہے کہ مجھے اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے، اور میں خاص حضرت ﷺ سے پڑھ رہا ہوں، اس وقت حضوری کی ایسی حالت تھی کہ الفاظ کا بالکل خیال ہی نہ ہوتا تھا، اور حضرتؒ کبھی کبھی مسکراتے تھے، اور کبھی آہ آہ

فرماتے تھے، کبھی کوئی شعر پڑھتے تھے، کبھی ہندی کا کوئی گیت ارشاد فرماتے تھے، پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ ''صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کا ترجمہ کرو، میں نے عرض کیا تو آپ نے فرمایا: نہیں، حضرت محبوب ہیں، زبان عشق سے کہو، پھر آپ نے خود فرمایا کہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی پیار کرے ان کو اللہ اور سلامت رکھے، اس جملے سے مجھ پر ایک کیفیت طاری ہوگئی اور میں نے نعرہ مارا، حضرت نے فرمایا کہ مولوی ہو کر اتنا چلاتے ہو۔

(تذکرہ:۶۱)

ف: سبحان اللہ! آپ کے اندر کیسی جامعیت تھی اور کیسی جامع تعلیم تھی۔ (مرتب)

بذل وعطا: مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں: ایک مرتبہ نواب خورشید جاہ حیدرآبادی نے ہزار روپیہ کا نوٹ نذر کیا، ایک بنیا خادم خانقاہ دیر سے عرض کر رہا تھا کہ لڑکی کی شادی کے لئے چھ سو روپیہ چاہئے، نوٹ اسی کے حوالہ ہوا کہ چھ سو روپیہ لے کر چار سو یہاں دے جا۔

آپ کے پاس تحفے اور ہر ملک سے صدہا قسم کی چیزیں از قسم ملبوس یا غیر ملبوس آتی تھیں مگر سب تقسیم ہو جاتی تھیں، ایک مرتبہ فقیر کے سامنے ایک ٹوکرہ مرادآبادی برتن کا آیا، آپ نے بعد مغرب سب نمازیوں کو برتن تقسیم کر دیئے، دو ایک برتن نواسہ کھڑے ہوئے تھے ان کو دے دیئے کہ صاحبزادی کو دے آؤ، اور ایک گلاس اپنے لئے رکھ لیا، اس کو بھی کسی مسافر کو شب میں دے دیا۔

(تذکرہ:۶۴)

ف: بذل وعطا کے اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جو کتابوں میں مسطور ہیں جن کا مطالعہ کرنا چاہئے تاکہ خود اپنے اندر بھی جود و بخشش کا داعیہ و جذبہ پیدا ہو۔

واللہ ولی التوفیق۔(مرتب)

شرفاء وغرباء کی مدد کا طریقہ : راقم سطور (مولانا ابوالحسن علی ندویؒ) نے نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی مرحوم سے خود سنا کہ ایک بار سر شام کسی نے پانچ سو روپئے نذر کئے، اسی وقت اعلان فرمادیا کہ ہمارے حجرہ کی دیوار گری جارہی ہے اس کی مرمت کی ضرورت ہے، اہل قصبہ اس ادا سے واقف تھے ،بہت سے شرفاء اور غرباء ٹوکریاں اور پھاوڑے وغیرہ لے کر حاضر ہوگئے اور کسی نے دیوار کو ہاتھ لگایا کسی نے کچھ کیا، آپ نے کسی کو کچھ دیا کسی کو کچھ، سونے سے پہلے پہلے ساری رقم تقسیم فرما کر فارغ ہوگئے، کسی صاحب نے عرض کیا کہ آخر ایسی عجلت کی کیا بات تھی؟ فرمایا: واہ ہماری دیوار گری جارہی تھی، تم باتیں بناتے ہو۔

ف : سبحان اللہ! یہ تھی سچی درویشی اور حقیقی فقیری کہ مال کی موجودگی میں رات گذارنا گوارا نہ ہوا، اور اس کے صرفہ کا کیا ہی خوب حیلہ نکالا کہ خود اپنے لئے کسی پر احسان جتلانے کا موقع فراہم ہونے نہ دیا اور نہ شرفاء کو صدقہ کے مال لینے کی ذلت وندامت سے دوچار ہونا پڑا، اور یہ طریقہ عین مطابق ہے رسول اللہ ﷺ کی سنت کے، اللہ تعالی ہم سب کو عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔آمین۔(تذکرہ/۶۶)

زہد وتوکل : آپ کا توکل محض اللہ پر تھا چنانچہ روزمرہ کے خرچ کا یہ قاعدہ تھا کہ بنیا مقرر تھا آپ کو ادھار دیا کرتا تھا، جب آپ کو فتوحات آتے تھے تب اس کو ادا کردیا جاتا تھا، اس کے لئے کوئی بہی کھاتا نہ تھا۔جب کسی نے نذر کیا فوراً بنئے کو بلا کر دے دیتے تھے، آپ کے ذاتی مال میں سے لوٹا، ایک دو گھڑے، ایک

چار پائی، دو جوڑے کپڑے، اس کے سوا کچھ نہیں تھا۔

ف: یہ سب اسی حقیقی فقیری و درویشی کا ثمرہ تھا کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی قلب میں ذرا وقعت نہیں تھی۔ (مرتب)

فقر کی دَولت: ایک مرتبہ الہ آباد سے ہائی کورٹ کا افسر اس تحقیق کے لئے آیا تھا کہ آپ کے پاس مجمع ہر ملک کے لوگوں کا اس قدر کیوں رہتا ہے؟ کیوں کہ اسی زمانہ میں حیدرآباد سے نواب خورشید جاہ حضرتؒ کے پاس آئے تھے، آپ نے فرمایا کہ توبہ کے لئے لوگ آتے ہیں، ہم ان کے گواہ ہو جاتے ہیں، تم بھی شرک سے توبہ کرو، ہم گواہ ہو جائیں گے، پھر وہ انگریز بہت خوش ہوا اور کہا کہ خرچ خانقاہ کے لئے اگر فرمایئے تو ''ملکہ'' کے پاس لکھوں؟ آپ نے فرمایا کہ کیا ضرورت ہے؟! ہمارے پاس خدا کے فضل سے دو جوڑے کپڑے اور دو لوٹے مٹی کے اور دو گھڑے موجود ہیں، مجھے کیا ضرورت ہے؟ وہ انگریز رخصت ہو گیا۔

اسی طرح کسی حاکم کے پیش کش پر مزید یہ فرمایا کہ اور بعض مرید ہمارے باجرہ لے آتے ہیں اس کی روٹی ہو جاتی ہے، بی بی صاحبہ کچھ ساگ یا دال پکا دیتی ہیں، اسی سے لگا کر کھا لیتے ہیں۔ (تذکرہ:۶۸)

ف: سبحان اللہ! حضرت شاہ صاحبؒ نے پیری مریدی کی غرض وغایت کتنے مختصر اور جامع الفاظ میں بیان فرمادی جو انگریز کے بھی سمجھ میں آگئی ہوگی، مگر افسوس کہ اب یہ حقیقت مرید تو مرید؛ بہت سے پیروں کے اذہان سے بھی اوجھل ہوتی جارہی ہے! العیاذ باللہ تعالیٰ۔ (مرتب)

حاتم دگراں وگدائے خویشتن: مولوی محمد یحییٰ صاحب لکھنوی نے فرمایا کہ

جب آپ لکھنؤ میں تشریف لائے تو مطبع مصطفائی میں ٹھہرے، ہم بھی حدیث پڑھنے کو جاتے تھے، آپ کے مکان سے بنجارہ آیا، ہم نے خبر دی کہ حضرت! وطن سے آدمی آیا ہے، اس سے خیریت دریافت کی جائے، آپ نے فرمایا کہ ہاں! بلاؤ کہاں ہے؟ وہ حاضر کیا گیا، آپ نے اس سے پوچھا کہ کہو وطن میں کوئی مرا تو نہیں، اس نے کہا: نہیں صاحب، کوئی مرا نہیں ہے، پھر جب وہ جانے لگا تو اس نے میر صائب علی صاحب سے کہا کہ گھر میں خرچ مانگا تھا، میر صائب علی صاحب نے کہا کہ حضرت عورتوں نے کچھ خرچ مانگا ہے، آپ نے فرمایا کہ خدا کی پناہ، سولہ سیر باجرہ اور سولہ سیر جوار ہم دے کر آئے، یہ سب کھا گئیں، غضب خدا کا! جنگ تبوک میں صحابہ کو ایک خرما روز دیا جاتا تھا، اسی پر قناعت کرتے تھے، المختصر اپنے گھر والوں کو کچھ نہیں دیا، باوجودیکہ شرف الدولہ نے کئی ہزار روپیہ آپ کو دیا تھا وہ روز تقسیم ہوتے تھے، اس میں سے ڈیڑھ سو بچ گیا تھا مگر اس کو بھی لینے دینے کے لئے رکھا تھا، کہ کوئی مستحق آجائے گا تب کام آوے گا، پہلے روز جو روپیہ آیا تو آپ نے عبدالرحمن خاں صاحب سے پوچھا کہ بخاری شریف تمہارے پاس کے جلد ہے؟ انہوں نے کہا: بیس جلد، فرمایا: قیمت کیا ہے؟ کہا: تیس روپیہ، آپ نے فرمایا کہ ہم نے لے لیا، پھر پوچھا کہ مسلم شریف وغیرہ کس قدر ہے؟ غرض جتنی کتابیں حدیث وفقہ کی تھیں سب خرید لیں اور پھر تقسیم کرتے تھے، آخر بنجارہ کو میر صائب علی صاحب نے اپنے پاس سے تین روپئے نکال کر دیئے اور اس کو رخصت کیا۔ (تذکرہ: ۷۰)

ف: سبحان اللہ! خود تو خود اپنے اہل وعیال کو بھی سیدھی سادی زندگی گزارنے کی عملی تعلیم دیتے تھے تاکہ کھانے پینے، لباس و پوشاک میں تنعم وتکلف اختیار نہ

کرسکیں اور یہی سنت کا طریقہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اے عائشہ! جب تک کپڑے میں پیوند نہ لگالو اتارانہ کرو، نیز کھانے پینے میں عدم اہتمام کا حال تو سب کو معلوم ہی ہے، اس لئے لکھنے کی ضرورت نہیں۔ (مرتب)

لاکھ روپیہ پر خاک: مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں: مولوی محب اللہ خاں صاحب امروہہ نے بیان فرمایا کہ ہم سے نواب کلب علی خاں والئی ریاست رامپور بے تکلفی رکھتے تھے اور بہت محبت کرتے تھے، ایک دن نواب صاحب نے ہم سے اپنا خیال ظاہر کیا کہ ہم کو بہت تمنا ہے کہ مولانا فضل رحمٰن صاحب محدث اگر رامپور میں ہمارے یہاں تشریف لائیں تو خوب ہو؛ کیونکہ سب اہل علم ہر فن کے مجتمع ہیں مگر وہی ایک صاحب یہاں نہیں ہیں جو شاہ عبدالعزیز صاحب کے صحبت یافتہ ہیں۔ اس پر مولوی صاحب موصوف نے نواب صاحب سے کہا کہ اگر ان کو ہم لائیں تو آپ ان کے لئے کیا نذر کریں گے؟ نواب صاحب نے کہا کہ لاکھ روپیہ مولوی صاحب کی خدمت میں پیش کروں گا، چنانچہ مولوی محب اللہ خاں صاحب کہتے تھے کہ ہم گنج مراد آباد پہنچے اور مولانا سے ملے، سب قسم کی باتیں توحید وغیرہ کی ہونے لگیں، پھر ہم نے عرض کیا کہ رام پور تشریف لے چلئے، نواب کلب علی خاں آپ کے بہت مشتاق ہیں اور لاکھ روپیہ نذر کریں گے، آپ جس طرح سے بات کررہے تھے اسی طرح کرتے رہے اور اس حکایت کو معمولی بات کی طرح ٹال دیا اور فرمایا کہ میاں لاکھ روپیہ پر خاک ڈالو اور بات سنو۔

جو ہم دل پر ان کا کرم دیکھتے ہیں　　تو دل کو بہ از جام جم دیکھتے ہیں

اور پھر وہی سب عشق وغیرہ کی کہانی کرتے رہے۔ (تذکرہ:۷۱)

ف: غور فرمائیے! مال و دولت سے کس قدر بے نیازی اور دنیا سے کیسی بے رغبتی دل میں رچی بسی تھی کہ کسی حال میں دنیائے دَنِیّہ کی طرف قلبی میلان نہیں ہوتا تھا، حالانکہ حدیث میں آیا ہے کہ بُڑھاپے میں حرص مال جوان ہو جاتی ہے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ جوان تو وہ چیز ہو جو پیدا ہوئی ہو اور یہ حضرات اہل اللہ تو شروع ہی سے ایسے صاحبِ توفیق ہوتے ہیں کہ بچپن ہی سے ان کا قلب غل وغش، حرص وطمع سے پاک رہتا ہے اور بُڑھاپے میں جا کر تو مزید زہد وتوکّل کی صفت پیدا ہو جاتی ہے۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔ (مرتب)

اہل حکومت و وجاہت کی بے وقعتی: جس اللہ کے بندے پر اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی منکشف ہو جاتی ہے اور اہل دنیا اور ان کے مال و دولت سے وہ اپنی امید منقطع کر لیتا ہے اور بے طمع ہو جاتا ہے اس کی نگاہ میں اہل حکومت اور اہل ثروت کی عظمت اور اس کے دل پر ان کا رعب نہیں رہتا اور بعض اوقات بڑے بڑے اہل جاہ اور ارباب حکومت اس کو مور و مگس کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔

ابتدائے عہد انگریزی میں حاکم ضلع (کلکٹر) کی بھی جو حیثیت اور رعب وداب تھا اس کو ابھی لوگ بھولے نہ ہوں گے، گورنر اور لفٹنٹ گورنر کی تو شان ہی اور تھی لیکن اہل حقیقت اور اہل بصیرت کے یہاں ان خارجی واضافی چیزوں، (عہدوں اور حیثیتوں) کی کوئی اہمیت نہ تھی، اور وہ ان سے معمولی انسان کا سا سلوک کرتے تھے، مولاناؒ کی خدمت میں دو مرتبہ صوبجات متحدہ آگرہ واودھ کا لفٹنٹ گورنر حاضر ہوا، اور مولانا اس سے بے تکلفانہ بلکہ درویشانہ ملے، ایک حاضری کا حال حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ بیان کرتے ہیں:

ایک دفعہ لفٹنٹ گورنر نے مولانا فضل رحمن صاحب سے ملنے کی اجازت چاہی، آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ میں تو ایک فقیر آدمی ہوں، ان کے بیٹھنے کا کیا انتظام ہوگا؟ اچھا ایک کرسی منگالینا لفٹنٹ گورنر کی طرف سے تاریخ اور وقت بھی مقرر ہوگیا اور آپ لوگوں سے یہ کہہ کر بھول بھی گئے، یہاں تک کہ لفٹنٹ گورنر مع چند حکام کے آموجود ہوئے، سب کھڑے تھے، ایک میم بھی کھڑی تھی، مولانا نے ایک الٹے گڑھے کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ بی، تو اس پر بیٹھ جا، لفٹنٹ گورنر نے کچھ تبرّک مانگا، آپ نے ایک خادم سے فرمایا کہ بھائی دیکھو، میری ہنڈیا میں کچھ ہو تو ان کو دے دو، اس میں کچھ چورا مٹھائی کا نکلا، بس سب کو تھوڑا تھوڑا تقسیم کردیا، سب نے ادب اور خوشی سے قبول کیا اور تھوڑی دیر بیٹھ کر اجازت چاہی اور رخصت ہوگئے، چلتے وقت نصیحت کی درخواست کی، فرمایا کہ ظلم مت کرنا۔

ف: بات یہ ہے کہ یہ حضرات ؎

ندارند چشم از خلائق پسند کہ ایشاں پسندیدۂ حق بسند

یعنی یہ حضرات چونکہ اللہ کے پسندیدہ ہیں اس لئے ان کو خلق کی پسندیدگی کی پرواہ نہیں رہتی۔ (مرتب)

علماء کے تاثرات

حضرت مصلح الامتؒ کی عقیدت: مرشدی مصلح الاُمت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ قدس سرّہٗ کو حضرت شاہ صاحب سے بہت مناسبت تھی، اکثر آپ کے حالات و کرامات بیان فرماتے رہتے تھے۔

حضرت حکیم الامت کی حاضری: حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی

تھانویؒ تو آپ کی خدمت میں دو مرتبہ حاضر ہوئے ہیں۔ جس کی تفصیل خود اپنے سفرنامہ ''گنج بے رنج'' میں نقل فرمائی ہے جسے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے ''تذکرہ حضرت مولانا فضل رحمن'' میں شامل فرمادیا ہے جو قابل مطالعہ ہے۔

اس میں چند ارشادات بھی نقل فرمائے ہیں ان کو درج کرتا ہوں، وہ یہ ہے:

(۱) فرمایا کہ کہنے کی بات تو نہیں لیکن تم سے کہتا ہوں کہ جب میں سجدہ کرتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اللہ نے پیار کرلیا۔

ف: سبحان اللہ! حضرت کی محبوبیت کا کیا حال تھا جو آپ کے اس ارشاد سے عیاں ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس حال سے باکیف فرمائے۔ (مرتب)

۲) دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ بھائی! جنت کا مزہ برحق، حوض کوثر کا مزہ برحق، مگر نماز میں جو مزہ ہے کسی چیز میں نہیں۔

۳) نیز فرمایا کہ بھائی ہم تو قبر میں بس نماز پڑھا کریں گے، دعا ہے کہ ہمیں تو اللہ میاں قبر میں اجازت دے دیں کہ بس نماز پڑھے جاؤ۔

ف: اس سے بھی نماز کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی نماز سے مناسبت عطا فرمائیں اور صحیح انابت الی اللہ کی توفیق دیں۔ آمین (مرتب)

حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیری کی حاضری: مولانا محمد علی صاحب خود لکھتے ہیں کہ مجھ سے دریافت فرمایا کہ تم کیا پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ قاضی مبارک! ارشاد ہوا: استغفر اللہ، نعوذ باللہ، قاضی مبارک پڑھتے ہو اس سے حاصل ؟! ہم نے فرض کیا تم منطق پڑھ کر قاضی مبارک کے مثل ہو گئے، پھر کیا؟ قاضی مبارک کی قبر پر جا کر دیکھو کہ کیا حال ہے، اور ایک بے علم کی قبر پر جاؤ جس کو

خدا سے نسبت تھی اس پر کیسے انوار و برکات ہیں۔ (تذکرہ/۱۰۰)

حضرت مولانا حکیم سید عبدالحیؒ کی حاضری: حضرت سید صاحبؒ خود یوں ارقام فرمارہے ہیں کہ میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ علم کی غرض عمل ہے، اگر عمل نہ ہوا تو علم حاصل کرنا بیکار ہے، اولیاء اللہ جتنا پڑھتے تھے اس پر عمل کرتے تھے، فرمایا کہ شاہ میناؒ شرح وقایہ پڑھتے تھے جب کتاب الزکوٰۃ تک پہنچے، چھوڑ دیا۔ استاد نے سمجھایا تو کہا کہ علم کی غرض عمل ہے، صوم وصلوٰۃ مجھ پر فرض ہے اس کا علم حاصل کرنا ضروری تھا، زکوٰۃ مجھ پر فرض نہیں، جب کبھی فرض ہوگی تو اس کے مسائل سیکھ لوں گا، اس وقت اس کا پڑھنا وقت کو ضائع کرنا ہے، یہاں تک پہونچ کر آپ پر کیفیت طاری ہوگئی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ نے اشعار پڑھنا شروع کئے۔ (تذکرہ:۱۰۷)

آگے تحریر فرماتے ہیں کہ تیسری بار جب میں حاضر ہوا تو عصر کا وقت تھا، آپ صحن سے باہر حجرہ کے محاذی تشریف رکھتے تھے، نہایت لطف ومحبت سے آپ نے شرف پذیرائی عطا فرمایا اور دیر تک اپنے حالات بیان فرماتے رہے۔ اسی گفتگو میں آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

دل ڈھونڈھنا سینہ میں میرے بوالعجبی ہے
ایک ڈھیر ہے یاں راکھ کا اور آگ دبی ہے

سلسلہ کلام کے ختم ہونے کے بعد میں نے عرض کیا کہ مجھ کو حدیث مسلسل سنائیے، آپ بہت محظوظ ہوئے اور فرمایا کہ میں نے اپنے کانوں سے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی زبان سے سنا ہے، پھر آپ نے تیمم فرمایا اور یہ حدیث پڑھی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُھُمُ الرَّحْمٰنُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی، اِرْحَمُوْا مَنْ فِیْ الاَرْضِ یَرْحَمُکُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ۔

پھر آپ نے فرمایا: میں تم کو حدیث مسلسل بالمحبۃ کی بھی اجازت دیتا ہوں اس حدیث کو میں نے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے سنا: یَامَعَاذُ اِنِّی اُحِبُّکَ فَقُلِ اللّٰھُمَّ اَعِنِّی عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ۔

آپ کے مشہور خلفاء یہ ہیں: (۱) مولانا عبدالکریمؒ (۲) مولانا محمد علی صاحب مونگیریؒ (۳) مولانا بدرعلی شاہ صاحبؒ (۴) مولانا ظہورالاسلام صاحب فتحپوریؒ (۵) مولانا نورمحمد صاحبؒ۔ ان کے علاوہ بہت سے علماء ومشائخ اور دوسری ممتاز شخصیتیں آپ سے مستفیض ہوئی ہیں۔ (مرتب)

علالت کی ابتداء: حضرت کی بیماری زُکام اور بُخار سے انتقال سے بیس روز پیشتر شروع ہوئی اور یہ سلسلہ وفات تک چلتا رہا۔

ایک نعتیہ شعر اور کیفیت: ۸ ربیع الاول کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ فضائل بیان کر کے آپ نے یہ شعر دو مرتبہ پڑھا ؎

سرسبز سبزہ ہو جو ترا پائمال ہو ٹھہرے تو جس شجر کے تلے وہ نہال ہو

اس وقت حاضرین کی عجیب کیفیت تھی کہ دل گدازی سے سب پر ایک حالتِ رقت طاری تھی، بعد اس کے آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

بندۂ عیب دار کس نخرد با ہزاراں گُنہ خرید مرا

آپ روئے اور عجیب کیف کی حالت تھی کہ بیان میں نہیں آتی۔ (تذکرہ: ۸۷)

دعائے تسہیل: ۱۶؍ربیع الاول سے آخر وقت تک یہ شعر آپ کے وردِ زبان تھا۔

فَسَهِّلْ يَا اِلٰهِیْ كُلَّ صَعْبٍ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْاَبْرَارِ سَهِّلْ

ف: اگر ہم لوگ بھی اس کا ورد رکھیں تو ان شاء اللہ ضرور جملہ امور دینی و دنیوی میں یسر و سہولت سے شاد کام ہوں گے۔ (مرتب)

فنائے کامل: اکیسویں کو دو بجے دن کو آپ نے فرمایا کہ ہم مر گئے، ہمارے جنازہ کی نماز پڑھ دو، اگر کوئی نہ پڑھے تو میں خود پڑھ لیتا ہوں اور تمام مقتدی کھڑے ہیں، اللہ اکبر فرما کر ہاتھ باندھ لئے۔

حدیث کا تقاضا: سوا دو بجے فرمایا: اگر ہم کو کوئی حدیث سناتا تو بہتر تھا کہ ہمارا دم حدیث شریف سنتے سنتے نکلتا۔

دعا: ۲۲؍ربیع الاول کو ساڑھے تین بجے دست مبارک اٹھا کر نہایت خشوع سے دعا فرمائی کہ اے اللہ پاک! آپ میرے جملہ مریدین و معتقدین، دوست احباب، اعزا و اقارب کو خوش و خرّم کھاتا کھلاتا رکھئے گا اور سب کا خاتمہ بخیر کیجئے گا، آمین۔ آمین۔ آمین۔ (مرتب)

وفات: ۲۲؍ربیع الاول ۱۳۱۳ھ کو بعد مغرب آپ نے سانس اوپر کر لی اور روح پرفتوح نے جسم خاکی کو چھوڑا اور عالم بالا کی طرف پرواز کی، إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ اور گنج مراد آباد میں مراد خاں کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔

رحمہ اللہ تعالی

خانقاہ امدادیہ[1] تھانہ بھون ضلع مظفر نگر

برصغیر ہندوپاک کے علمی وروحانی اور تعلیمی و تصنیفی خدمات کے قدیم واہم ترین مراکز میں سے ایک نہایت بلند پایہ اور باوقعت مرکز خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون اور اس سے ملحق مدرسہ امداد العلوم ہے۔

ابتدائی دور میں یہ جگہ حضرت شاہ پیر محمد صاحب خلیفہ محمد صادق صاحب گنگوہی کے دم سے آباد وشاداب رہی اور انہوں نے ہی سب سے اول خام مسجد بنائی تھی؛ پھر ۱۱۱۴ھ میں بعہد عالمگیرؒ شیخ احمد فاروقی نے اس کو بعمارت پختہ تعمیر کرایا، طویل عرصہ تک یہ خانقاہ اور مسجد اولیاء اللہ کا مسکن، علمائے کرام اور مشائخ عظام کی تربیت گاہ رہی ہے۔ ''کشّاف اصطلاحات الفنون''، جیسی شہرۂ آفاق کتاب کے درویش صفت مصنف قاضی محمد اعلیٰؒ یہیں فروکش رہے اور یہیں مدفون ہیں، خاتم مثنوی مولانا رومؒ حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ بھی یہاں ایک مدت تک طالبین کی ظاہری و باطنی تکمیل فرماتے رہے، اس کے بعد سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ اور ان کے اخوانِ طریقت حضرت حافظ محمد ضامن شہیدؒ اور حضرت مولانا شیخ محمد محدث تھانویؒ کے قدوم ولزوم سے اس کی زینت ہوئی اور اس میں علوم ومعرفت کی ایسی شمع روشن ہوئی کہ اس کی روشنی سے عالم کا عالم منور اور ضیابار ہے۔ جس وقت یہ اقطاب ثلاثہ ایک ہی وقت میں

---

(۱) چونکہ اب حضرت شیخ العلماء حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی مہاجر مکیؒ کا تذکرہ مذکور ہوگا اس کے ضمن میں خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کا بار بار ذکر آئے گا، بلکہ اس کے بعد بھی اس کا ذکر آتا رہے گا۔ اس لئے مولانا سید نجم الحسن صاحب سلّمہٗ نے بسلسلۂ تعارف مدرسہ امداد العلوم خانقاہ تھانہ بھون کی جو مختصر تاریخ لکھی ہے، اس کو سامنے رکھتے ہوئے کچھ تفصیل ذکر کر رہا ہوں۔ (مرتب)

اس مبارک مقام پر اقامت گزیں تھے بڑے بڑے علماء ومشائخ کا مرکز ومرجع ہونے کی وجہ سے یہ خانقاہ ''دکان معرفت'' کہلاتی تھی۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے علاوہ بیشتر علماء کرام ومشائخ عظام نے ان اکابر سے اکتساب فیض اور تصوف وسلوک کا عرفان حاصل کیا۔

یہی وہ مسجد وخانقاہ ہے جو ۱۸۵۷ء میں ''جنگِ آزادی تھانہ بھون وشاملی'' کا مرکز بنی اور پھر اس کی پاداش میں انگریز فوجوں کی اس پر یورش و یلغار ہوئی اور اس خانقاہ کو آگ لگانے کی کوشش کی گئی، جلے ہوئے دروازے اور آثار اب تک موجود ومحفوظ ہیں، جنگِ آزادی میں حصہ لیتے ہوئے حضرت حافظ محمد ضامن صاحبؒ شہید ہوگئے اور حضرت حاجی صاحبؒ نے تھانہ بھون بلکہ ہندوستان سے ترکِ وطن کرکے حجاز مقدس ہجرت فرمائی اور مولانا شیخ محمد صاحبؒ ایک عرصہ تک روپوش رہے اور پھر ان کا بھی وصال ہوگیا، یہ دور اس خانقاہ پر بڑی کسمپرسی کا گزرا، حضرت حاجی صاحبؒ مکہ مکرمہ میں قیام کے باوجود اس مقام کی بازآبادکاری کے لئے برابر متفکر اور کوشاں رہے اور اپنے متوسلین ومتعلقین کو برابر اس کے بارے میں متوجہ فرماتے رہے اور انہوں نے تعمیل بھی کی، چنانچہ مدرسہ کی تعمیر اور تعلیم کا سلسلہ جاری ہوا جس سے اہل قصبہ کے علاوہ اطراف واکناف کے باشندوں کو بہت منافع حاصل ہوئے لیکن یہ سلسلہ زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکا، پھر ۱۳۱۵ھ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے اپنے مرشد حضرت حاجی صاحب کے ایماء اور منشاء کے مطابق توکلاً علی اللہ خانقاہ امدادیہ میں رونق افروز ہوکر مسجد کی مرمت اور مدرسہ کی توسیع کی طرف توجہ مبذول فرمائی اور تھوڑی ہی مدت میں مرشد ومسترشد کی حسنِ توجہ

سے اس مدرسہ میں خوب وسعت ہوگئی ،خانقاہ بھی نہایت آباد و پر بہار رہی اور اس کے فیض و برکات اور فوائد واثرات سے ایک عالم فیض یاب ہوا،حضرت حکیم الامتؒ نے ہجوم کارو دیگر مصروفیات کی بنا پر مدرسہ امداد العلوم کا نظم ونسق اور خانقاہ کے انتظامی امور کی ذمہ داری ۱۳۳۵ھ میں اپنے برادرزادے مولانا شبیر علی صاحب کو سونپ دی تھی ،یہ حضرتؒ کے برادر خورد منشی اکبر علی صاحب کے صاحبزادے تھے جن کو حضرت حکیم الامتؒ نے ہمیشہ مثل اولاد کے چاہا اور خود ہی تربیت بھی فرمائی تھی، مولانا شبیر علی صاحب اعلیٰ قسم کے مدبر، منتظم اور نہایت باوقار شخصیت کے مالک تھے ،دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کی مجلس شوریٰ کے ممتاز رکن تھے،قیام پاکستان کے بعد جب ان کے لئے ہجرت ناگزیر ہوگئی تو اپنی قائم مقامی کیلئے حضرت مولانا سید ظہور الحسن صاحب کا انتخاب فرمایا جو حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے مجاز صحبت اور حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادیؒ کے خلیفہ مجاز تھے،اور حکیم الامتؒ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا: اللہ تعالی نے مولانا ظہور الحسن کو فہم دین کی دولت کے ساتھ ساتھ دنیاوی امور کا بھی بہترین سلیقہ عطا فرمایا ہے ،بہر حال مولانا سید ظہور الحسن صاحب نے مولانا شبیر علی صاحب اور حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی اعانت ونصرت اور مفید مشوروں کے تحت فکر اشرف کو باقی رکھتے ہوئے تاحیات خانقاہ کی حفاظت ونگرانی اور مدرسہ امداد العلوم کے انتظام کے فرائض بخوبی انجام دیئے۔ان کی وفات ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا سید نجم الحسن سلّمہٗ اپنے والد محترم کی نیابت کا حق ماشاء اللہ ادا کر رہے ہیں ۔واللہ الموفق۔

۲۰ر شعبان ۱۴۱۴ھ

شیخ العرب والعجم

حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ فاروقی چشتی مہاجر مکیؒ م ۱۳۱۷ھ

اجمالی تعارف: پچھلی صدی میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب فاروقی مہاجر مکیؒ قدس اللہ سرہٗ العزیز کی ذات منبع برکات، اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی، ان کی مبارک زندگی کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ وہ پارس پتھر کی سی خاصیت رکھتے تھے، جسے ان کی خدمت نصیب ہوگئی وہی کندن بن گیا، آج عرب وعجم میں ان کا روحانی فیض جاری ہے، برصغیر، پاک وہند میں شاید ہی کوئی ایسا عالم دِین ہو جو حاجی صاحبؒ سے عقیدت وارادت کا رشتہ استوار نہ رکھتا ہو، اس برصغیر میں حضرت حاجی صاحبؒ کا روحانی فیضان حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ، حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ،

---

(۱) مرقومات امدادیہ کے مقدمہ میں حضرت حاجی صاحبؒ کے حالات مکرم جناب ڈاکٹر نثار احمد فاروقی استاذ شعبہ عربی دہلی یونیورسٹی، نے نہایت تحقیق اور عمدہ طریقے سے درج فرمائے ہیں اس لئے زیادہ تر اسی کے اقتباسات درج کرتا ہوں جس کو ناظرین کرام ان شاء اللہ پسند فرمائیں گے، اس کے بعد ان شاء اللہ تعالی آپ کے ملفوظات امداد المشتاق مؤلفہ حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی صاحبؒ سے نقل کروں گا، اللہ تعالی میری اس سعی کو قبول فرمائے اور امت کے لئے مفید بنائے۔ آمین۔ (مرتب)

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ جیسی باکمال شخصیتوں کے بے مثال کارناموں کی شکل میں آج بھی صدقہ جاریہ بنا ہوا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے ناکام ہوجانے سے ہندوستان میں امت مسلمہ کا شیرازہ بکھر چکا تھا، طاقت اور حکومت کے چھن جانے سے اقتصادی نظام کی باگ ڈور مکمل طور پر غیر ملکی حکمرانوں کے ہاتھوں میں چلی گئی تھی، اس لئے معاشی زبوں حالی، اقتصادی پسماندگی اور دنیوی بے سروسامانی ان کا مقدّر بن چکی تھی، فرنگی سیاست نے ایک نیا جال بچھا دیا تھا، نئی تہذیب کا سیل بے اماں امڈا چلا آرہا تھا، جس میں وہ اخلاقی، روحانی، اور معاشرتی اقدار، جنہیں اسلامی فکر نے ایک ہزار سال تک سنوارا تھا خس وخاشاک کی طرح بہنے لگی تھیں، تعلیم کا طریقہ معیار اور نصاب سب کچھ بدل رہا تھا جس کی طرف اکبر الہ آبادی نے یوں اشارہ کیا ہے۔ ؎

ہم ایسی کل کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جن کو پڑھ کر لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

اسی زمانہ میں ایک فقیر بوریہ نشین تہمد پوش جو ضلع مظفر نگر کے قصبہ تھانہ بھون کا رہنے والا تھا اور جس نے محض دینی غیرت اور للہیت کے بل پر ۱۸۵۷ء میں انگریزی حکومت کے خلاف شاملی میں جہاد کر کے مسلمانوں کی حکومت بھی قائم کرلی تھی، جس کے کچھ ساتھیوں نے جام شہادت نوش کیا تھا اور بعض رفقاء انگریز کی قید میں پہونچ چکے تھے، جو خود داروگیر سے بچ کر صحنِ کعبہ میں بیٹھا ہوا حکمت و روحانیت کا درس دے رہا تھا، اور اس سرزمین سے ہزاروں میل دور رہ کر بھی یہاں کے حالات وکوائف سے باخبر رہتا تھا، جو مسلمانوں کی بے کسی

اور درماندگی پر کُڑھتا تھا۔ حُبِّ الٰہی اور عشق محمدی کی زندہ تصویر، قناعت، صبر و رضا اور تسلیم و توکل کی منھ بولتی ہوئی تفسیر تھا، اس نے اپنے ہم وطن مسلمانوں کے دینی، اخلاقی اور روحانی سرمائے کی حفاظت تنِ تنہا ایک عظیم انقلابی تحریک اور ایک فعال انجمن کی طرح کی۔

اس فقیر بے نوا نے دارُالعلوم دیوبند جیسا دینی تعلیم کا قلعہ تعمیر کرنے کے لئے اپنے مخلص مریدوں کو آمادہ کیا جہاں سے دین کی تعلیم و تبلیغ اور حفاظت وحراست کا کام سارے برِصغیر میں پھیل گیا، مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کی تحریک دعوت و تبلیغ بھی دراصل حاجی صاحب ہی کے مشن کا ایک حصہ ہے۔

حضرت حاجی صاحبؒ نے بیت اللہ شریف کے صحن میں بیٹھے بیٹھے اور مثنوی روم کا درس دیتے دیتے سیکڑوں خلفاء صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ جزیرہ نمائے عرب، ترکی اور شمالی افریقہ میں دور دور تک پہنچا دیئے، خانقاہوں میں زندگی کی نئی لہر دوڑ گئی، روحانی تربیت اور ارشاد و ہدایت کے سوتے جو خشک ہو چکے تھے ایک بار پھر پوری قوت سے پھوٹ نکلے اور پیاسی دھرتی کو سیراب کرنے لگے۔

غرض دینی فکر کے بقاء، عقائد کے تحفظ، الحاد و زندقہ کی یورش سے حفاظت اور اسلامی تصوف کے روحانی ورثے کو عام و موثر بنانے میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا کارنامہ بے مثال ہے اور ان کا فیضان ہمیشہ جاری رہے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ (مقدمہ مرقومات: ص/ ۹)

ولادت باسعادت: حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ ۲۲/صفر ۱۲۳۳ھ مطابق یکم جنوری ۱۸۱۸ء کو پنجشنبہ کے دن اپنی ننہال نانوتہ ضلع مظفر نگر

میں پیدا ہوئے تھے، آپ کی دادھیال تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں تھی، آپ کے والد ماجد کا اسم مبارک حافظ محمد امین تھا۔

آپ کا تاریخی نام ظفر احمد ہے جس سے ۱۲۳۳ھ برآمد ہوتے ہیں، والد ماجد نے آپ کا نام امداد حسین رکھا تھا لیکن حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ (نواسہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ) کے ایماء پر آپ نے امداد اللہ نام اختیار کیا، کیونکہ امداد حسین میں بوئے شرک آتی تھی۔

نسب: نسبی اعتبار سے آپ شیخ فاروقی ہیں، حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر اجودھنی (پاکپٹن) علیہ الرحمہ اور حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندی فاروقی کا سلسلہ نسب بھی اوپر جا کر اسی شجرے میں مل جاتا ہے۔

آپ کی والدہ ماجدہ کا نام بی بی حسینی تھا، اور وہ نانوتہ (سہارنپور) کے شیخ علی محمد صدیقی کی دُختر نیک اختر تھیں، ان کا انتقال ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۸۲۴ء میں ہوا۔

تعلیم: آپ نے ابتداء میں عربی و فارسی کی تعلیم اپنے وطن ہی میں حاصل کی اور خاندانی روایت کے مطابق سب سے پہلے قرآن شریف حفظ کیا۔[1]

۱۲۵۸ھ میں درسی کتابوں کی طرف متوجہ ہوئے مگر تعلیم ادھوری رہ گئی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو آپ کی ذات میں ''علم لدنی'' کا جمال دکھانا تھا۔

مثنوی مولانا روم[2] سے آپ کو ہمیشہ خاص شغف رہا، اور یہ آپ کے

---

(۱) امداد المشتاق کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حفظ کلام پاک شروع تو فرمایا مگر اس وقت تکمیل نہ ہوسکی بلکہ بہت بعد میں اس کی تکمیل ہوئی۔ مرتب

(۲) مگر افسوس! بعض نادان مولانا رومؒ کو ملحد قرار دیتے ہیں، العیاذ باللہ تعالیٰ۔

سلسلہ چشتیہ صابریہ کے اکابر کا روحانی فیض تھا کیونکہ اس سلسلہ عالیہ کے سب بزرگوں نے اور خصوصاً حضرت شاہ محبُّ اللہ الہ آبادی کے بعد کے سلسلے کے تمام اکابر نے مثنوی مولانا روم کو اپنا وظیفہ بنائے رکھا تھا۔

بیعت: حضرت حاجی صاحبؒ نے ابتداء میں حضرت شاہ نصیر الدین دہلوی سے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت کی تھی، شیخ نصیر الدین دہلوی حضرت شاہ محمد آفاق مجددی کے خلیفہ و مرید اور مولانا شاہ محمد اسحاق مہاجر دہلوی کے شاگرد و داماد تھے، ان سے کچھ اذکار طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کے اخذ کئے، امداد المشتاق کی روایت ہے کہ ''خرقہ واجازت سے مشرف ہوئے'' لیکن استفادہ زیادہ مدت تک نہیں رہا، اسی زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کا ہاتھ میاں جیو نور محمد جھنجھانوی کے ہاتھ سے ملا دیا، آپ نے اس خواب سے پہلے کبھی میاں جیو کو دیکھا نہیں تھا، بیدار ہو کر بہت سرگرداں رہے کہ یہ کون بزرگ تھے جن سے بیعت کرنے کی ہدایت رسالت مآب (روحی فداہ) نے فرمائی ہے؟! یہ عالم کئی سال تک رہا۔

ایک دن مولانا محمد قلندر محدث جلال آبادی جن سے حضرت حاجی صاحبؒ نے ''حصن حصین'' کا درس لیا تھا؛ خود ہی فرمانے لگے: تم پریشان کیوں ہوتے ہو، یہاں سے قریب ہی قصبہ لوہاری میں میاں جیو نور محمد موجود ہیں ان سے تمہارا مقصود حاصل ہوگا، آپ نے سواری کے انتظام کا بھی انتظار نہ کیا اور سخت گرمی کے موسم میں تھانہ بھون سے قصبہ لوہاری پہنچ گئے۔ حضرت میاں جیؒ نے حضرت سید احمد شہید رائے بریلویؒ سے بیعت جہاد کی تھی اور سلسلہ چشتیہ میں حضرت سید عبد الرحیمؒ ولایتی فاطمی شہید قدس اللہ سرہٗ العزیز سے خلافت واجازت رکھتے تھے۔

اس لئے یہ سلسلہ ایسا لطیف مرکّب ہے جس میں علم بھی ہے عرفان بھی، سوز وگداز بھی ہے اور جذبۂ جہاد بھی، اتباع سنت سنیہ بھی ہے اور وجد وشوق کی متاع گراں مایہ بھی۔

چنانچہ ۱۸۵۷ء میں جب ہندوستانی مسلمان غیر ملکی حکومت کے خلاف جہاد کے لئے صف آراء ہوئے اور اس جذبہ کی لہریں شاملی اور تھانہ بھون تک پہنچیں تو حضرت حاجی صاحبؒ اور حضرت حافظ ضامن شہیدؒ، مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ مجاہدین کی ایک جماعت لے کر انگریزوں کے خلاف میدان میں آگئے، ان مجاہدین کے سپہ سالار حضرت حاجی صاحب ہی تھے جنہوں نے کبھی بندوق نہیں چلائی تھی، اور اس جہاد میں جب پہلا فیر کیا تو آپ پر بے ہوشی کی سی کیفیت طاری ہوگئی تھی مگر جس دینی حمیت اور ملّی غیرت کے ساتھ میدان میں آئے تھے اس نے پایۂ ثبات میں لغزش نہیں آنے دی۔

جب انگریزوں نے اپنی کھوئی طاقت کو دوبارہ بحال کرلیا اور دارو گیر شروع ہوئی تو حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے مکہ معظمہ کو ہجرت فرمائی، ۱۲۷۶ھ کو مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ گرفتار ہوگئے تھے، حاجی صاحبؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ روپوش رہے، حاجی صاحبؒ نے اسی طرح روپوش رہ کر تھانہ بھون سے کراچی بندرگاہ تک کا سفر کیا، وہاں جہاز میں سوار ہو کر مکہ معظمہ پہنچے۔

مکہ معظمہ پہنچ کر ابتداء میں آپ کو بہت تکلیف اٹھانی پڑی، کئی کئی وقت فاقے ہوجاتے تھے، اول چند سال جبل صفا پر اسماعیل کی رباط کے ایک حجرے میں معتکف رہے، اکثر اوقات عبادت میں گذرتے تھے، کبھی کبھی وہاں کے بعض

علماء وشیوخ کے ساتھ مجالست ہوتی تھی جن میں سے شیخ فانیسی شاذلی ،شیخ ابراہیم رشیدی اور شیخ احمد دحلان مکی حضرت حاجی صاحبؒ کا بہت احترام فرماتے تھے،اسکے بعد حضرت محلہ حارۃ الباب کے مکان میں تشریف لائے اور اخیر تک وہیں رہے۔

مکان: ۱۲۹۴ھ (۱۸۷۷ء) میں بعض مخلص مریدوں نے محلہ حارۃ الباب میں ایک مکان خرید لیا اور اسے بطور خود تعمیر کر کے حضرت کی نذر کر دیا، آپ اس مکان میں تشریف لے آئے اور آخر تک اسی میں رہے۔

نکاح: حضرت حاجی صاحبؒ نے پچاس سال عالم تجرّد میں بسر کئے، پھر غیبی اشارہ ہوا کہ نکاح سنت موکّدہ ہے ،اس سنت کو بھی ترک نہ کرنا چاہئے ،بعض مریدین بھی اصرار کرتے تھے ،تاکہ حضرت کو اپنے مشاغل اور عبادات میں راحت نصیب ہو سکے،کلکتہ کی ایک خاتون بی بی نورن زوجۂ سید حیدر علی مہاجر بنارسی نے ۲۱ رمضان ۱۲۸۲ھ (۷ رفروری ۱۸۶۶ء) کو اپنی نواسی حضرت بی بی خدیجہ بنت حاجی شفاعت خاں رام پوری سے (جن کے ماں باپ دونوں کا انتقال ہو چکا تھا) ساٹھ ریال (فرانسیسی ایکسوبیس ۲۰ روپئے ہندوستانی) مہر کے عوض آپ کا نکاح کر دیا۔لیکن زوجۂ اولی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی اور ان کا انتقال ہوگیا تو دوسرا نکاح فرمایا۔اور تیسرا نکاح آخر عمر میں فرمایا تھا ،کیونکہ ضعیفی کے باعث اٹھنے بیٹھنے میں کسی سہارے کی ضرورت تھی اور آپ یہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی غیر محرم خاتون آپ کو ہاتھ لگائے اس لئے مصلحتہً نکاح فرمالیا تھا۔

آپ کے صُلبی اولاد کوئی نہیں ہوئی ،مگر معنوی اولاد سے آج بھی شرق وغرب عالم معمور ہے۔

ارشادات عالیہ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے حضرت حاجی صاحبؒ کے بہت سے مفید ارشادات ''امداد المشتاق'' اور کمالات امدادیہ میں درج فرمائے ہیں جو درحقیقت سالکین راہ کے لئے آب حیات سے کم حیات بخش نہیں ہیں، ان میں سے بعض کو اس مقام پر نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

(۱) ارشاد فرمایا: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ تصوف کی اصل ہے۔(امداد المشتاق:۴۵)

ف: حضرت حاجی صاحبؒ کی یہ غایت معرفت کی بات ہے کہ حدیث ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ'' کو تصوف کی اصل قرار دیا اس لئے کہ یہی حدیث شریعت مقدسہ کی بھی اصل ہے، اسی بناء پر مشکوٰۃ شریف کے مولفؒ نے مشکوٰۃ شریف کو اسی حدیث سے شروع فرمایا ہے، اس کے بعد حدیث جبرئیل علیہ السلام لائے ہیں جو شریعت وطریقت اور حقیقت سب کی جامع ہے چنانچہ صاحب مرقاۃ مُلّا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ حدیث ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ'' بمنزلہ ''بسم اللہ'' کے ہے اور حدیث جبرئیل بمنزلہ ''سورہ فاتحہ'' کے، اور دونوں کے یکے بعد دیگرے لانے کا مقصد یہ ہے کہ قاریٔ کتاب حدیث ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ'' سے اپنی نیت کو درست کرے اور حدیث جبرئیل علیہ السلام سے علاوہ اسلام وایمان کے نسبت احسان بھی حاصل کرنے کی فکر کرے جو تصوف وسلوک کی اصل وغایت ہے۔(مرتب)

فرمایا: صورت نیکوں کی اختیار کرنا چاہئے، سیرت اللہ تعالی درست کردے گا، کیوں کہ وہ واہب وفیاض ہے۔(امداد المشتاق)

ف: سبحان اللہ! سیرت کی درستگی کا کتنا آسان نسخہ ہے، پھر کیوں نہ آدمی اپنے

اختیار سے نیکوں کی صورت اختیار کرے، یعنی سنت کے مطابق شکل وصورت کو بنائے اور یہ دعا کرے۔

ترے محبوب کی یارب شباہت لیکے آیا ہوں
حقیقت اسکو تو کردے میں صورت لیکے آیا ہوں

اس کی وجہ سے امید ہے کہ اللہ تعالی جو مربی حقیقی ہے اپنے فضل سے اسکی سیرت کو ضرور درست فرمادے گا۔

فرمایا: ظاہر میں خَلق کے ساتھ رہنا چاہئے اور باطن میں حق کے ساتھ، اگر پانی کشتی کے اندر آجائے تو کشتی غرق ہوجائے اور اگر باہر ہے تو باعثِ نجات کشتی ہے۔

آب درکشتی ہلاکِ کشتی ست　　آب ازبیرونِ کشتی پُشتی ست

(مولانا روم)

(یعنی کشتی کے اندر پانی کا آجانا اس کی ہلاکت کا باعث ہے اور اگر پانی کشتی کے باہر ہو تو اس کی تقویت کا موجب ہے۔) اسی طرح محبت مال واولاد وغیرہ دل سے دور رکھنا چاہئے کیونکہ موجب حجاب ہے، قلب میں سوائے محبتِ خدا کے کسی چیز کو جگہ نہ دینا چاہئے۔ (امداد المشتاق: ص/ ۷۲)

ف: سبحان اللہ! دنیا کی حقیقت کتنے مختصر الفاظ میں کیسے عمدہ طریقہ سے سمجھادیا کہ دنیا کی جگہ قلب نہیں ہے، یعنی مال و دولت کو جیب میں رکھنا تو جائز ہے، صندوق میں رکھنا روا ہے، مگر قلب کو اس سے بالکل پاک وصاف رکھنا چاہئے اس لئے کہ دل محبتِ خدا تعالی کی جگہ ہے، اس میں دوسری کسی چیز کی ہرگز گنجائش نہ ہونی

چاہئے اس کی ہدایت ونصیحت کرتے ہوئے حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ یوں فرمارہے ہیں ؎

نہ کوئی راہ پاجائے نہ کوئی غیر آجائے

حریم دل کا احمد اپنے ہر دم پاسباں رہنا (مرتب)

ارشاد: کسی غالی درویش نے نماز کی نسبت حضرت سے عرض کیا: حضرت جب دل متوجہ نہ ہو تو اس اٹھک بیٹھک سے کیا نتیجہ؟ فرمایا: اس اٹھک بیٹھک کی قیمت وہاں معلوم ہوگی کہ کس درجہ کی چیز ہے اور یہی سب کچھ ہے، حق تعالیٰ اسی کی توفیق عطا فرمائیں کہ بلا حضور قلب ہی اٹھک بیٹھک ہو جایا کرے۔

ف: مطلب یہ کہ خلوص سے بلا حضور قلب ہی سہی نماز ادا کرتے رہنا چاہئے، یہ بھی غنیمت ہے بلکہ بڑی نعمت ہے مگر ہاں حضور قلب اور خشوع وخضوع کے پیدا کرنے کی سعی کرتے رہنا چاہئے کیونکہ یہ بھی ضروری ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ کم از کم تکبیر تحریمہ کے وقت تو ضرور ہی حضور قلب اور خشوع کی کیفیت ہونی چاہئے، تاکہ فریضۂ خضوع ادا ہو جائے اور ممکن ہے کہ اس کی وجہ سے بفضلہٖ تعالیٰ پوری نماز باخشوع قرار دی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔ (مرتب)

فرمایا: جو مزہ میں نے فقر وفاقہ میں دیکھا اور اس میں میرے مراتب کی ترقی ہوئی اور انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ مقربین کی زیارت ہوئی اور انوار وتجلیات مجھ پر نازل ہوئے وہ امور پھر فراغت میں میسّر نہ ہوئے۔

(امداد المشتاق: ص/ ۱۱۱)

ف: فقراء ومساکین کے لئے حضرت حاجی صاحبؒ کے اس ملفوظ میں کتنی حوصلہ افزائی ہے، کاش کہ ہم لوگ اس کی قدر ومنزلت پہچانتے، مگر ہاں بلاء ومصیبت کی طلب ہرگز نہ کرنی چاہئے، بلکہ اللہ تعالی سے خیر وعافیت ہی کا طلب گار رہنا چاہئے، یہی تقاضائے سنت ہے تاہم اگر مصائب سے دوچار ہوں تو اللہ تعالی کی قضاوقدر سے راضی رہنا چاہئے، یہی عبدیت وبندگی کا تقاضا ہے، خوب سمجھ لیں۔(مرتب)

فرمایا: جناب مولوی رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ نے ایک دن فرمایا کہ اجازت ہوتو سلطان روم (خلَّد اللہ ملکہٗ) کو آپ کے مراتب سے اطلاع دوں۔ آپ نے جواب دیا کہ انتہائی عنایتِ سلطانی یہی ہوگی کہ اپنے حضور میں طلب فرمائیں گے، جیسا کہ آپ کو طلب کیا تھا اور میں مکہ مکرمہ کو چھوڑنا نہیں چاہتا، البتہ سلطان کی دعا چاہتا ہوں کہ دعائے سلطانِ عادل مستجاب ہوتی ہے اور یہ استدعا سلاطین کے حضور میں بہت دشوار ہے، پس مناسب ہے کہ آپ میرا اسلام سلطان سے کہہ دیں، کیوں کہ جوابِ سلام ضرور دیں گے اور سلام دعا ہے بس اتنا ہی کافی ہے۔(امداد المشتاق: ص/ ۴۷)

ف: اس قصہ سے چند امور مستفاد ہوئے:

(۱) اول یہ کے حضرت حاجی صاحبؒ نے سلطان کے سامنے اپنی تعریف ومدح کئے جانے کو پسند نہ فرمایا، اس لئے کہ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔

(۲) نیز حدیث بِئْسَ الْفَقِيْرُ عَلٰى بَابِ الْاَمِيْرِ کی رو سے دربار شاہی میں جانا گوارا نہ فرمایا، یعنی بدترین درویش وہ ہے جو امیر کے در پر جائے، نیز اس سے

بیت اللہ شریف سے حضرت حاجی صاحب کے عشق ومحبت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی سکونت ومجاورت کو بادشاہ کے قرب وقبول کے منصب جلیل پر فوقیت دی، نیز اس جواب سے یک گونہ جو ترفع کا ایہام تھا اس کو اس طرح دفع فرمائی کہ بادشاہ کو سلام کہلایا، اور اس کی غرض وغایت کیا خوب بیان فرمائیں کہ بادشاہ عادل کی دعا قبول ہوتی ہے جب سلام کا وہ جواب دیں گے تو دعائے خیر وسلامتی نصیب ہو جائے گی، نیز اس میں صاحبِ مرتبہ کا ادب بھی ملحوظ رکھا جو عین صواب اور مطابق سنت ہے۔ (ھذا ما افادہ حکیم الامتؒ)

ف: سبحان اللہ! یہ واقعہ تو نصیحت آموز ہے ہی، حکیم الامتؒ کے فوائد بھی نہایت بصیرت افروز ہیں جس کا لکھنا حکیم الامتؒ ہی کا کام تھا اس لئے بغور مطالعہ کرنا چاہئے۔ (مرتب)

اب کمالات امدادیہ سے چند باتیں ملاحظہ فرمائیں: ایک بار حضرت حاجی صاحبؒ یہ مضمون بیان فرمارہے تھے کہ بلاء بھی نعمت ہے اور حاضرین پر ایک خاص اثر تھا اسی اثناء میں ایک شخص حاضر خدمت ہوا، جس کا ایک ہاتھ گل رہا تھا اور سخت تکلیف تھی عرض کیا: حضرت! سخت مصیبت میں گرفتار ہوں، دعا کیجئے کہ اس سے نجات ہو، حضرت نے فرمایا کہ بھائیو! اس کے لئے دعا کرو، اور ہاتھ اٹھا کر پکار کر دعا کی، مضمون دعا یہ تھا کہ یا الٰہی! ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ بلا بھی نعمت ہے؛ مگر ہم اپنے ضعف سے اس نعمت کا تحمل نہیں کر سکتے، اس لئے التجا ہے کہ آپ اس نعمت کو مبدّل بہ نعمتِ صحت فرمادیجئے۔

ف: سبحان اللہ! کیسے علوم ومعارف ہیں جو اولیاء اللہ کے قلوب میں القاء کئے

جاتے ہیں جن کو سن کر علمائے کرام بھی عش عش کرتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ یہ حضرات یقیناً اسرار شریعت اور رموز حقیقت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ (مرتب)

کمال: بروایت ثقہ مسموع (سنا گیا) ہوا کہ کسی شخص نے حضرت حاجی صاحب کی طرف سے ایک جعلی خط بنا کر کسی امیر سے کچھ رقم وصول کرلی، کسی نے حضرت صاحب کو اطلاع دے کر مشورتاً عرض کیا کہ ایسے شخص کو تنبیہ ہونا چاہئے، حضرت صاحب نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ بھائی! مجھ سے دین کا تو کسی کو نفع نہیں ہوا اگر میرے ذریعہ سے یہ مردار دنیا ہی کسی کو حاصل ہو جائے تو مجھ کو حق تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ اس میں بھی بخل اور اس سے بھی دریغ کروں۔

ف: اللہ اکبر! اس سے حضرت حاجی صاحب کے چند کمالات ثابت ہوتے ہیں: اولاً کہ آپ کو اس کا احساس تھا ہم سے کسی کو دینی نفع نہیں پہونچتا، کسی قدر تواضع و نیستی کی بات ہے جب کہ علماء کرام کو آپ سے علمی و عرفانی نفع بدرجہ اتم پہنچ رہا تھا۔ (مرتب)

دوسرے دنیا کو نہایت درجہ حقیر سمجھنا کہ اس کارروائی کا کچھ انسداد نہ فرمایا، جیسے کہ کوئی شخص کسی کے نام سے ایک سنگریزہ کسی سے مانگ لاوے تو ہرگز اس کو سن کر اس کے انسداد کی طرف التفات نہیں ہوتا۔

تیسرے حب نفع رسانی کہ اس شخص کے نفع کے روکنے کو گوارا نہیں فرمایا، حدیث میں ہے کہ خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُ النَّاسَ یعنی انسانوں میں سب سے اچھا وہ ہے جو سب سے زیادہ نفع رساں ہے۔

چوتھے غایت حلم اور درگذر کہ باوجود اس کے کہ ایسے امور جن سے بدنامی ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے ایسے موقع پر ضرور غصّہ آجاتا ہے مگر آپ نے مطلقاً

تشدد نہیں فرمایا۔ (کمالات امدادیہ)

ف: بیشک یہ حقیقی کمالات تھے اور اخلاق حسنہ تھے جن سے ہمارے اکابر بہرہ وراور متخلق تھے، جس کی وجہ سے ان حضرات سے امت کو دینی بلکہ روحانی فیض پہنچا۔ (مرتب)

ارشاد فرمایا کہ (لوگوں کی آمدورفت اور ہجوم سے) مجھے کوئی تکلیف نہیں اور اگر تکلیف بھی ہوتو کیا ہوا، طالبانِ حق کے لئے اس کو برداشت کرنا چاہئے، اور میرے پاس رکھا کیا ہے، کوئی دنیا کی دولت تو ہے نہیں محض حسن ظن سے لوگ میرے پاس آتے ہیں، سو میں خود اچھا نہیں ہوں مگر ان لوگوں کے اچھا ہونے میں کوئی شبہہ نہیں کہ خدا کی طلب میں قدم اٹھا کر مجھ تک آتے ہیں اس لئے میں تو ان کے قدموں کی زیارت کو موجب نجات سمجھتا ہوں۔ (کمالات امدادیہ

ف: اس سے حضرت کا حسن خُلق وتحمل جفاء خلق اور کمال تواضع ظاہر و باہر ہے اور آیت وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ پر عمل ہے۔

کمال: حضرت سلطان ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی مزار کے متعلق کچھ اوقاف ہیں جن کی آمدنی کثیر ہے، اس کے متولّی کا انتقال ہوگیا تھا اور بعض مشائخ نے اس کو حضرت صاحب کے لئے اس لئے تجویز کیا کہ خود متولّی بھی اپنے مصارف اس سے بطریق مباح لے سکتا ہے اور حضرت صاحب کے پاس کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے تو اس سے اطمینان کی صورت ہوجاوے گی، اور حضرت صاحب کو وہاں رہنے کی ضرورت بھی نہ تھی، کوئی نائب کام کرتا اور احکام یہاں سے پہونچتے رہتے؛ غرض یہ تجویز کرکے حضرت صاحب سے عرض کیا گیا تو آپ نے فی البدیہہ

ارشاد فرمایا کہ اولاد میں ہونے کی خصوصیت سے جو میرے لئے تولیت تجویز کی گئی ہے تو حضرت سلطان نے تو سلطنت بلخ پر لات ماردی تھی، اگر میں اس دنیا کو اختیار کروں تو ان کی اولادِ خلف کب رہا اور اس خدمت کے لئے خلف ہونا ضرور ہے اور اگر خلف بننا چاہوں تو ان کا اقتدا کرنا ضرور ہے۔

ف: مگر افسوس کہ ہم لوگوں نے اس کو فراموش کر دیا ہے، یعنی باوجود خلف بلکہ خلیفہ ہونے کے بھی اپنے سلفِ صالحین کی اقتداء نہیں کرتے۔

ع بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا (مرتب)

حضرت حاجی صاحب نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ بعض درویش، امراء کی (جو کہ ان کے پاس آتے ہیں) بہت تحقیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم امیر دنیا دار کی کیوں تعظیم کریں اور اس کو استغناء سمجھتے ہیں تو یہ سخت غلطی ہے، یہ استغناء نہیں ہے بلکہ تکبر ہے، کیونکہ وہ شخص تمہارے پاس امیر و دنیادار ہو کر نہیں آیا بلکہ جب وہ اللہ کے واسطے آیا تو دیندار طالبِ حق ہو گیا، مشہور ہے کہ نِعْمَ الْاَمِیْرُ علٰی بَابِ الْفَقِیْرِ اور بِئْسَ الفَقِیْرُ عَلٰی بَابِ الْاَمِیْرِ تو جب وہ امیر فقیر کے دروازے پر آیا تو نرا امیر نہ رہا بلکہ نعم الامیر ہو گیا، تو اس کی مدارات و تکریم کرنا امیر ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ نعم الامیر اور طالب حق ہونے کی وجہ سے ہے۔

ف: سبحان اللہ! کیا خوب نکتہ بیان فرمایا جو حضرت حاجی صاحبؒ کے کمال علم و معرفت پر دال ہے۔ (مرتب)

ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجاہدہ نہیں کرتا اس کی تعلیم میں برکت نہیں ہوتی۔

ف: حقیقت میں کیسی سچی تحقیق ہے، تجربہ و مشاہدہ اس پر شاہد صدق ہے، اس میں

تعلیم ہے شیوخ و ناصحین واعظین کو کہ جس کا دوسروں کو امر کریں خود اس کے عامل بنیں، الخ۔ (از حکیم الامتؒ)

ایک بزرگ سے سنا گیا: میں حضرت صاحبؒ کی خدمت میں بیٹھا تھا، تھوڑی دیر کے بعد میں نے عرض کیا کہ اب میں جاتا ہوں، آپ کی عبادت میں حرج ہوتا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ میاں دوستوں سے باتیں کرنا کیا عبادت نہیں؟ اسی کے مناسب احقر کو ایک بار واقعہ پیش آیا کہ میں بالکل خلوت کے وقت حضرت صاحب کی حضور میں چلا گیا اور معذرۃً عرض کیا کہ یہ وقت حضرت کی خلوت کا ہے مجھ کو حاضر نہ ہونا چاہئے تھا، مگر شدتِ اشتیاق میں چلا آیا۔ ارشاد فرمایا کہ خلوت از اغیار نہ از یار، اور فرمایا کہ بھائی طالبان حق کا اپنے پاس بیٹھنا مخل خلوت نہیں۔

ف: سبحان اللہ، کیا ہی جامعیت کی شان تھی کہ اتنے اہم مسئلہ کو چند کلمات میں یوں حل فرمادیا کہ خلوت سے مقصود توجہ الی الحق ہے اور وہ کاملین کو بہر حال حاصل ہے، لہذا طالبان حق کی صحبت اس کیلئے مضر ثابت نہیں ہوتی، مگر ہاں! ناقصین کے اختلاط سے خصوصًا ناجنسوں کی مخالطت سے پرہیز کرنا چاہئے۔ (مرتب)

ارشاد فرمایا کہ اتفاق باہمی کی اصل تواضع ہے، جن لوگوں میں تواضع ہوگی باہم اتفاق رہے گا۔

ف: یہ بھی بڑے تجربہ کی بات ارشاد فرمائی اس لئے کہ تواضع وانکسار اللہ تعالی کو تو پسند ہے ہی مخلوق بھی اس صفت کو پسند کرتی ہے، اس لئے ہر شخص میں تواضع کی صفت ہوجائے تو پھر باہم منازعت کا سوال ہی نہیں اٹھتا بلکہ اتفاق واتحاد ہوجائے گا۔

ایک صاحب بیان کرتے تھے کہ حضرت صاحب سے کسی نے یہ خبر بیان کی کہ فلاں شخص آپ کی نسبت یوں کہتا ہے، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص تجھ سے اچھا ہے ،اس نے اتنا تو لحاظ کیا کہ پس پشت کہا ،تو تو ایسا بدلحاظ نکلا کہ روبرو (سامنے) کہہ دیا، وہ شخص نہایت ذلیل ہوا اور چغلخوری کا پھر حوصلہ نہ رہا۔

ف: یہ مضمون تقلید کے قابل ہے اگر اکابر و مشائخ ایسے نماموں (چغلخوروں) کو ایسا ہی جواب دے دیا کریں تو باب نمیمہ بند ہو جاوے، اس میں بالکل اتباع ہے سنت کا کہ ایسے خوشامدیوں کی تذلیل کا حکم ہے اور اعلیٰ درجہ کی حکمت کا اثبات ہے کہ بہت سہل طریق سے باب مفاسد کا انسداد ہوتا ہے۔ (حکیم الامتؒ)

ف: سبحان اللہ! حضرت حکیم الامتؒ نے کیا خوب فائدہ تحریر فرمایا؛ خصوصاً سربراہانِ دین و دنیا کے لئے نہایت مفید اور قابل عمل ہے۔ (مرتب)

ایک بار جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونے کا تذکرہ ہوا، فرمانے لگے کہ بھائی! ایسی بڑی آرزو کرنی بڑے لوگوں کی ہمت اور حوصلہ ہے، ہم کو اگر مزار شریف کے گنبد کی زیارت ہی ہو جائے تو غنیمت سمجھتے ہیں۔

ف: اس ارشاد سے جس درجہ تواضع و انکساری مترشح ہے، ظاہر ہے اور تنبیہ و تعلیم ہے طالبانِ احوال بشارات کو کہ یہ شان عبدیت و محبت کے خلاف ہے بلکہ اصل مقصود رضا و تسلیم ہے جو عطا ہو جائے۔ (حکیم الامتؒ)

کمال: ایک بار ایک شخص حاضر ہو کر افسوس کرنے لگے کہ میں اتنے روز بیمار رہا اور حرم میں نماز نصیب نہ ہوئی۔ حضرت صاحب نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص عارف ہوتا ہے وہ حرم میں بلا اختیار نماز نہ ملنے پر متاسف نہیں ہوتا کیونکہ طرقِ قُرب مختلف

ہیں اگر محب نے بجائے صلوٰۃ فی الحرم کے مرض کو طریق قرب تجویز فرمایا ہو تو اس شخص کا کیا منصب ہے کہ اپنی تجویز کو ترجیح دے۔

ف: اس ارشاد میں مغز معرفت ظاہر فرمادیا ہے، اس کو حضرت عارف شیرازیؒ نے لسان اشارت میں بیان کیا ہے۔ ؎

در طریقت پیش سالک ہر چہ آید خیر اوست
بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

ترجمہ: طریقت میں سالک کو جو بھی پیش آئے وہ سب خیر ہی خیر ہے، اے دل صراط مستقیم پر رہتے ہوئے کوئی گمراہ نہیں ہوسکتا۔ (مرتب)

جو شخص اس میں اتقان وایقان حاصل کرے گا اس کو ہمیشہ باطنی ترقی ہوتی رہے گی۔ (حکیم الامتؒ)

ایک بار ارشاد فرمایا کہ اگر عبادت میں ریا بھی ہو تب بھی عبادت نہ چھوڑے، ریا ہمیشہ ریا نہیں رہتی، چند روز ریا رہتی ہے پھر وہ عادت ہوجاتی ہے پھر اس میں اخلاص پیدا ہوجاتا ہے۔

ف: سالکین راہ کے لئے اس میں ہدایت ہے کہ ریا سے گھبرا کر عمل نہ چھوڑے بلکہ کرتا رہے، اللہ تعالیٰ اخلاص پیدا فرمادیں گے۔ سبحان اللہ! کیسی معرفت کی بات ہے۔ (مرتب)

ایک بار ارشاد فرمایا کہ جوانی میں خوف غالب رہنا چاہئے اور بڑھاپے میں رجا۔ (کمالات امدادیہ: ص ر ۵۰)

ف: ان اخلاق میں کیسی تعدیل فرمائی ہے اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ خوف سے مقصود

سعی فی العمل ہے اوراس کا وقت جوانی ہے، اگر بڑھاپے میں اسکا غلبہ ہوا تو باعث یاس وناامیدی ہوجائے گا جس میں ایمان جانے کا اندیشہ ہے۔(حکیم الامتؒ)

ایک بار ارشاد فرمایا کہ اخلاق فی نفسہٖ سب محمود ہیں، بُری جگہ صَرف کرنے سے مذموم ہوجاتے ہیں، کاملین ان کا ازالہ نہیں کرتے بلکہ مصرف بدل دیتے ہیں۔

ف: کیسی عمدہ تحقیق ہے کہ اللہ تعالی نے ان سب ملکاتِ نفسانیہ میں فوائد رکھے ہیں، ریاضت سے ان کا ازالہ نہ کرے ورنہ ضرورت استعمال کے وقت ضرر ہوگا مثلاً اگر غضب بالکل نہ رہے تو منکرات کا ازالہ نہ کرے گا۔(حکیم الامتؒ)

دعا کی چار قسمیں ہیں: حضرت حاجی صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ دعا کی چار قسمیں ہیں، اول: دعائے فرض، مثلاً نبی کو حکم کہ اپنی قوم کے واسطے بلا کی دعا کرے، پس اس پر یہ دعا کرنا فرض ہے، دوم: دعائے واجب، جیسے (وتر میں) دعائے قنوت، سوم: دعائے سنت، جیسے بعد تشہد ادعیۂ ماثورہ، مثلاً (اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ الخ)، چہارم: دعائے عبادت جیسا کہ عارفین کرتے ہیں، اوراس سے محض عبادت مقصود ہے، کیونکہ دعا میں تذلل ہے اور تذلل حق تعالی کو محبوب ہے لہذا ''اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ'' وارد ہوا ہے جس کی وجہ سے خواہ دعا قبول نہ ہو مگر عبادت کی شان تو بہر حال باقی رہتی ہے)۔حاشیہ: یعنی حضرت حاجی صاحبؒ کا ارشاد ''دعائے عبادت'' کے متعلق مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد عبدیت وتذلل یعنی محض اظہار عبدیت ہی مقصود ہو اور دوسرے اقسام میں جو دوسرے اوصاف ہیں وہ نہ ہوں۔(امداد المشتاق:۵۰)

مکتوبات امدادیہ

بنام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد حمد وصلوٰۃ بخدمت بابرکت مقبولِ دارین مولوی محمد قاسم صاحب دام ذوقہ وشوقہ وعرفانہٗ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اور اشتیاق ملاقات واضح رائے شریف ہو کہ نامۂ عالی پہونچا، مسرور کیا، مضمون سے اطلاع ہوئی، آپ جیسے مقبول الٰہی نے جو حوالۂ قلم کیا ہے ایک بندۂ عاجز کو اپنی نسبت ایسا ہی گمان کرنا چاہئے اگرچہ اپنی دانست واعتقاد میں ہم اپنے دین وایمان اور اعتقاد واعمال کو بہتر اور لائق خیال کرتے ہیں، لیکن نعوذ باللہ منہا حضرت کردگار کے دربار عالی وقار کے ہرگز لائق وشایان نہیں ہے لیکن بندۂ گندہ ونادم کے لئے اس سے چارہ نہیں ہے کہ بُری بھلی طرح کی بندگی کرتا رہے۔[1]

بہر صورت اسی شکستہ وخستہ حالت میں اپنی کوتاہی کے اقرار کے ساتھ درگاہِ کریم کارساز پر ہمیشہ پڑا رہے اور یہ خیال نہ کرے کہ میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے دربار کے لائق نہیں ہوں۔

---

(۱) حضرت حکیم الامتؒ حاشیہ پر یوں رقم طراز ہیں: سیاق کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے از راہِ تواضع خدمتِ تعلیم وتلقین سے کچھ عذر فرمایا ہوگا اس پر حضرت حاجی صاحبؒ نے یہ ارشاد فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ اعتقاد تو یہی رکھنا چاہئے کہ میں کوئی چیز نہیں ہوں لیکن توکلاً علی اللہ باتباعِ طریق مشائخ اس سنت کو جاری رکھنا چاہئے۔ (حکیم الامتؒ)

بیت

تو مگو[1] مارا بداں شہ بار نیست　　با کریماں کارہا دُشوار نیست

بلکہ ہمت کے ہاتھ سے رحمت کے دامن کو نہ چھوڑے اور امیدوار رہے، اگر اسی طرح کرتا رہے تو امید قوی ہے کہ ارحم الراحمین اپنے بندۂ شکستہ کو نہ چھوڑے گا، کیونکہ خداوند تعالیٰ بجز شکستگی و خستگی کے کچھ نہیں چاہتے۔ (اس لئے کہ اس کے علاوہ سب کچھ ان کے خزینہ میں موجود ہے۔)

ف: سبحان اللہ! اس سے شکستگی و خستگی کی کیسی نافعیت معلوم ہوئی، جسے ہر سالکِ طریق کو شمعِ رہنما بنانا چاہئے اس لئے کہ اس کے متعلق حدیث قدسی بھی ہے کہ میں شکستہ دلوں کے پاس رہتا ہوں، اور کسی بزرگ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ ہر چیز کے شکستہ ہونے پر اس کی قدر و قیمت کم ہو جاتی ہے مگر قلب جس قدر بھی شکستہ ہوتا ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی قدر و منزلت بڑھ جاتی ہے۔ (مرتب)

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کو ہی دوسرے مکتوب میں یوں تحریر فرما رہے ہیں:

مشائخ کرام کے نزدیک استقامت کے برابر کوئی چیز کم ہے، پس جو چیز تمہارے حوالہ ہے اس پر التزام مناسب ہے اور جو چیز اس سے مانع ہو اس کو بالکلیہ ترک کرنا چاہئے۔

نوکری کو اچھا نہیں سمجھتا ہوں کہ صبح و شام ہمہ تن اس میں مصروفیت رہتی

---

(۱) یہ نہ کہو کہ اس شاہ تک ہماری رسائی نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ کریموں کے لئے کوئی کام دشوار نہیں ہے، یعنی وہ اپنے کرم سے نااہلوں کو بھی شرف زیارت کی سعادت بخش سکتے ہیں۔ (مرتب)

ہے اور اگر معلّمی کی نوکری ہو تو کیا اچھا ہو کہ سنت سیدی و شیخی قدس سرہٗ کی ہے، (یعنی حضرت میاں جیو نور محمد جھنجھانویؒ)

ف: اس میں تنبیہ ہے کہ اسباب معاش کو اختیار کرنا منافی طریق نہیں، مگر اس میں بھی اس کی رعایت مناسب ہے کہ حتی الامکان ایسے اسباب ہوں جو مانع مشغولیٔ طریق سے نہ ہوں، نیز اس میں ترجیح ہے معلّمی کی دوسرے اسباب معاش پر۔ (حکیم الامت)

ف: اس سے حضرت حاجی صاحبؒ کا حسن مذاق معلوم ہوا کہ باوجود تعلیمی مشغلہ میں نہ رہنے کے اپنے لوگوں کو اس کی تاکید و ترغیب دے رہے ہیں، اس لئے تو علمائے کرام نے آپ کی طرف رجوع فرمایا، جب کہ آپ خود اصطلاحی عالم نہ تھے۔ (مرتب)

مکتوب بنام حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ

اب حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے نام جو مکتوبات ارقام فرمائے ہیں ان میں سے بعض کو ملاحظہ فرمایئے، اور باہمی تعلقات کی خوبی واستواری کا اندازہ لگائیے۔

فقیر امداد اللہ عفی اللہ عنہ کی طرف سے بخدمت بابرکت عزیزم مولوی رشید احمد صاحب رزقہ اللہ عرفانہٗ۔ بعد سلام مسنون واشتیاق ملاقات مشہود خاطر عاطر ہو، للہ الحمد کہ احقر بہر حال مشکور اور آں عزیز کے دارین کی بہبودی کا خواہاں ہے، صحیفۂ شریفہ پہونچا، وہاں کے حال سے اطلاع ہوئی۔ پیرزادوں کی پرخاش اور قحط بارش اور لامذہب اور بدعات کے غلبہ کو معلوم ہونے سے رنج ہوا، خداوند تعالیٰ رحم فرمائے اور ان بلاؤں سے مخلوق کو نجات بخشے، اگرچہ تکالیف، شدائد دنیاوی ظاہر میں رنج ہیں لیکن جب حقیقت پر غور کرلے تو کیا رنج، بلکہ بے انتہاء گنج ہے، اور رضا بقضا مقصود و مطلوب

ہے، بہرحال ہر چہ ساقی ماریخت عین الطافست اور غذائے طالبان ہے۔ اگر مخالفین چاہتے ہیں اور ایذاء دیتے ہیں تو امر حق جان کر خانقاہ و حجرہ ترک[1] کرنا چاہئے درس وتدریس کی مشغولی اور مراقبہ سے آپ کے فرحت ہوئی، شکر بجالایا گیا۔

وہ جو لکھا ہے کہ وقت پر درس حدیث وتفسیر کی مشغولی دلچسپی کا سبب ہے اور صبح کے وقت کہ اس عزیز کام (یعنی ذکر اللہ) میں مشغول ہوتا ہوں تو اس طرف سے بھی آنا ناگوار ہوتا ہے، اور لذت خلوت کی نہیں چھوڑتی ہے،۔ شکر بجالائیں کہ مقامِ کاملین عطا ہوا،۔ اور جو کچھ کہ بعض اوقات کوئی حال باعث کلفت ہوتا ہے یہ بھی عمدہ مشائخ کے احوال سے ہے اور ترقی مقام کا باعث، اور بے کلفت ثمرۂ الفت حاصل نہیں ہوتا۔

---

(۱) حضرت حکیم الامتؒ حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اس پر نظر نہ کریں کہ خانقاہ چھوڑنے سے اس کی برکات سے مفارقت ہو جائے گی، وہ مقصود بالذات نہیں

ف: سبحان اللہ! حضرت حکیم الامت کا کیا خوب توضیحی حاشیہ ہے جس سے ہم کو اپنا عقیدہ درست کرنا چاہئے اس لئے کہ اس قسم کا عقیدہ کہ خانقاہ چھوڑنے سے شیخ کے فیوض و برکات سے محرومی ہو جائے گی عوام تو عوام بعضے خواص کا بھی عقیدہ ہے، حالانکہ فیض کے حصول کے لئے کسی جگہ کی قید نہیں اگر طلب وارادت ہے تو دور رہ کر بھی فیض حاصل کیا جاسکتا ہے، خوب سمجھ لیں۔

دوسری اہم بات اس مکتوب عالی سے یہ واضح ہوئی کہ پیرزادگان، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے پرخاش رکھتے تھے تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے مگر یہ کس قدر وبال کی بات ہے کہ کسی عالم ربّانی، ولی کامل سے محض نفسانیت کی بناء پر عداوت رکھا جائے، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

بات یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے آباء واجداد سے ان کی زندگی میں باطنی دولت تو حاصل کرتے نہیں، جب دوسرے لوگ اپنی طلب وارادت وہمت اور ریاضت سے اس دولت سے بہرہ ور ہو جاتے ہیں تو رشک وحسد ان کے گلوگیر ہوتا ہے اور باب عداوت کھول دیتے ہیں۔ اللھم احفظنا بتوفیقہ۔ (مرتب)

بنام حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

ازطرف فقیر امداد اللہ عفی عنہ۔ بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بمطالعہ عزیزم مولوی اشرف علی صاحب سلّمہ اللہ تعالی۔ واضح ہو کہ خط آپ کا پہنچا، کُل حال معلوم ہوا، خداوند تعالی بتصدّق اپنے حبیب احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب مرادیں پوری کرے آمین یارب العالمین۔ اور دربارۂ سرپرستی مدرسہ جو تم لکھتے ہو اگر صرف دعا خواہی پر منحصر ہو تو اس سے مجھے انکار نہیں، ان شاء اللہ تعالی جب یاد آئے گا اس کی ترقی کی دعا کی جائے گی، باقی رہی ظاہری تدابیر، نہ وہ ہمیں آتی ہے اور نہ ہم سے ہوسکیں، نہ ہم ان کے اہل ہیں، ان سے معاف رکھیں، ہاں! صرف دعا پر اکتفاء کریں سب صاحبوں کی خدمت میں سلام کہہ دینا، خصوصاً جناب عبدالرحمن خاں صاحب کو اور ان کے لئے حرم محترم میں بہبودیٔ دارین کی دعا کرتا ہوں، اللہ تعالی قبول فرمائے۔

والسلام ۱۵/رجب المرجب ۱۳۰۴ھ (مکتوب: ۲)

ف: سرپرستیٔ مدرسہ کے سلسلہ میں حضرت حکیم الامتؒ سے حضرت حاجی صاحبؒ نے اپنا مذاق بلاتکلف ظاہر فرمادیا جب کہ آپ نہایت رفق وخوش خُلقی سے متّصف تھے، اس سے معلوم ہوا کہ اپنے مذاق کی وضاحت کردینے میں کچھ حرج نہیں بلکہ صفائی معاملہ ہے اور قلب کو فارغ کردینا ہے جو عین طریق ہے، ہاں! مگر یہ ضروری نہیں کہ ہر بزرگ کا یہی مذاق ہو اس لئے اگر کوئی بزرگ سرپرستیٔ مدرسہ کو قبول کرتا ہے تو وہ موجب ملامت نہیں۔ (مرتب)

وفات کا حال: ایک غیر مطبوعہ تحریر سے قبل وصال کے احوال رفیعہ معلوم ہوئے اس کو مختصراً عبرت ونصیحت کے لئے نقل کرنا موجب سعادت سمجھتا ہوں۔

۱۳/جمادی الثانی ۱۳۱۷ھ میں بعد نماز ظہر حضرتؒ تلاوت کلام اللہ میں مشغول ہوئے، نہایت فصاحت سے اول فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ بعد ازاں اخیر آیت سورہ حشر اور اس کے علاوہ بعض دوسری آیات پڑھیں، رات میں بھی کلمہ اور دعا وغیرہ پڑھتے رہے، رات ۲/بجے ۱۳/جمادی الثانیہ ۱۳۱۷ھ کو جاں جان آفریں کے سپرد کر دیا۔ إنا لله وإنا إليه راجعون۔ صبح ۹/بجے دن جنت المعلی مکہ مکرمہ میں مدفون ہوئے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (مقدمہ امداد المشتاق: ص:۹۰)

خلفاء: آپ کے مشہور خلفاء یہ ہیں:

(۱) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ

(۲) حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ

(۳) حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ

(۴) حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

(۵) حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب کاندھلویؒ

(۶) حضرت مولانا حکیم ضیاء الدین صاحب انصاریؒ رامپوری

(۷) حضرت مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوریؒ

(۸) حضرت مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادیؒ

(۹) حضرت مولانا احمد حسن صاحب کانپوریؒ

(۱۰) حضرت مولانا شاہ افضل بخاریؒ

ان کے علاوہ بہت سے علماء ومشائخ اور دوسری ممتاز شخصیتیں آپ سے مستفیض ہوئیں۔ (مرتب)

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ م:۱۳۰۱ھ

صدر المدرسین دار العلوم دیوبند

نام ونسب وولادت: آپ کی ولادت ۱۳؍صفر ۱۲۴۹ھ میں ہوئی، تاریخی نام آپ کا ''شمس الضحیٰ'' تھا نسباً صدیقی ہیں، آپ استاذ العلماء مولانا مملوک علی صاحبؒ کے فرزند ارجمند تھے اور اپنے والد محترم ہی سے بعد حفظ کلام مجید علوم ظاہری حاصل فرمائے، بعد فراغت اولاً اجمیر شریف میں تیس روپیہ کے ملازم ہو کر تشریف لے گئے، اس وقت آپ بہت کم سن تھے۔ اس کے کچھ عرصہ کے بعد سو روپیہ ماہوار پر بنارس بھیجے گئے، وہاں سے پھر ڈیڑھ سو روپیہ کی تنخواہ پر ڈپٹی انسپکٹری پر سہارنپور تشریف لائے، اور توکلاً علی اللہ معاش کے لئے متفرق کام کرتے رہے۔

ف: سبحان اللہ! یہ تھا ہمارے اکابر کا تقویٰ وتوکل جس کی وجہ سے علمِ نبوت کے ساتھ ساتھ نورِ نبوت کی بھی اشاعت ہوئی، اسی لئے جو بھی ان حضرات کی صحبت میں رہا متقی ومتدین ہی نہیں بلکہ انوار شریعت وسنت سے منور ہو گیا، اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ جیسے شاگرد پیدا ہوئے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ (مرتب)

دار العلوم کی صدارت: بعد ازاں حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحبؒ وغیرہ کے فرمانے سے صرف چالیس روپیہ ماہوار وظیفہ پر مدرسہ عربیہ دار العلوم دیوبند میں مدرس ہو کر تشریف لائے جبکہ چند مقامات سے بڑی تنخواہ پر ان کو بلایا

گیا تھا، مگر اس کی طرف کچھ بھی التفات نہ فرمایا اور دارالعلوم ہی میں اقل قلیل تنخواہ پر تدریسی خدمت انجام دیتے رہے۔

چنانچہ آپ دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے صدر مدرس ہوئے جیسا کہ ''بیس بڑے مسلمان'' کے مصنف مولانا عبدالرشید ارشد صاحب تحریر فرماتے ہیں: دارالعلوم دیوبند کی صدارت تدریس پر سب سے پہلے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہٗ فائز ہوئے، جو اپنی جامعیت علوم ظاہرہ و باطنہ کے سبب شاہ عبدالعزیز ثانی تسلیم کئے جاتے تھے، آپ ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۷ء سے ربیع الاول ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۸۸۶ء تک اس عہدہ پر فائز رہے، آپ سے حدیث پڑھ کر ۷۷ رطلباء فارغ التحصیل ہوئے۔ (بیس بڑے مسلمان: ص/ ۶۹)

اصلاحی تعلق: آپ کا باطنی و اصلاحی تعلق حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ نور اللہ مرقدہ ہی سے تھا اور آپ کو بھی حضرت حاجی صاحبؒ ہی سے اجازت و خلافت کا شرف حاصل تھا۔

اقتباس از مکتوبات یعقوبی: اب ہم مکتوباتِ یعقوبی سے چند مفید باتیں نقل کرتے ہیں، امید ہے کہ ناظرین کرام ان سے مستفیض ہوں گے اور ان پر عمل پیرا ہوں گے۔

چنانچہ اپنے ایک مخلص مرید منشی محمد قاسم صاحب کو طویل مکتوب میں یوں تحریر فرمارہے ہیں: عزیز من راہِ محبت بہت نزدیک مگر نہایت دشوار گذار ہے ؎

سعدیا کنگرہ عشق بلندست بلند　　دست ہر بوالہوس آنجا بہ فضولے نرسد

ترجمہ: اے سعدی! عشق کا کنگرہ بہت ہی بلند ہے اس لئے ہر بوالہوس کا ہاتھ صرف ہوس سے وہاں تک نہیں پہنچ سکتا (بلکہ اس کے لئے طلب

صادق اور جہد وہمت کی ضرورت پڑا کرتی ہے۔) مرتب

اور یہ راہ آسان ہے بلکہ بہت آسان ہے مگر نہایت ہی دور، ہر چند اس راہ کے دو قدم ہیں مگر ہر قدم لکھوک منزل اور کرُ دہ (کوس) کا ہے۔ جس کی دستگیری ہو جائے ایک پل میں طے ہو، اور جس پر عنایت نہ ہو ایک آڑ اور ایک کانٹے میں الجھ کر عمر کھو دے۔

خلاصہ اس طول کا یہ ہے کہ اس بارگاہ عالی میں قبولیت حاصل ہو، اگر چہ دیکھے کہ وصول وہاں تک میسر نہیں، اور اگر غور کیجئے، تو مطلوب حقیقی قبول ہے نہ وصول، دیکھو چور کمند لگا کر خواب گاہ شاہی میں جا سکتا ہے مگر جب خبر ہو جائے تو جوتیاں کھاوے، اور غلام خاص کہ خدمتِ شاہی سے برسوں کی راہ پر ہو اور خدمات (سپرد فرمودہ) نمایاں بجالاوے تو وہ ہر دم مقبولِ بارگاہ ہے، ہر چند بظاہر دور ہے مگر اس کا ہر کام مقبول ہے اور اگر وصول اور قبول باہم جمع ہوں تو سبحان اللہ محبوبیت سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں، اور راہ وصول کا خلاصہ خودی کو چھوڑنا ہے کہ علاج اس کا متقدمین کے نزدیک وہ ہے جو منہاج العابدین میں مذکور ہے۔ (یعنی اصلاح اخلاق جدا جدا) اور متاخرین کے نزدیک کثرتِ ذکر اور کم کھانا، کم سونا، کم بولنا اور کم خلق سے ملنا اس کی اصل ہے کہ غلبہ ذکر میں سب صفائی ایک ہی ساتھ ہو جاتی ہے، اور مشغولی ذکر کی کم سے کم ایک پہر یعنی آٹھواں حصہ شب و روز کا چاہئے اور اعلیٰ یہ ہے کہ ایک تہائی آرام کرے اور ایک تہائی ذکر میں گذارے اور ایک تہائی میں حقوق خلق اگر ذمہ ہوں ادا کرے، اور اگر کچھ علائق نہیں رکھتا ہے تو اس کو اوراد و وظائف میں گذارے، اول ابتداء ذکر جہر لسانی پھر ذکر جہر کے ساتھ ذکر خفی بھی کرے، اس کے بعد مراقبات، اس کے بعد ان شاء اللہ وہ

امور (نمایاں) ہوتے ہیں کہ وہی خود رہبر ہو جاتے ہیں، اور ان سب امور میں اتباع شرع شریف اور استقامت راہِ سنت پر لازم ہے ورنہ یہ سب باتیں بیکار ہوتی ہیں ، اگرچہ وصول ہو مگر وہی چور کا ساقصہ ہوتا ہے۔

راہِ قبول: راہ قبول[1] منحصر اتباعِ سنت پر ہے، ظاہر میں، باطن میں، عقیدہ میں، عمل میں ، بدعات اور رسوم سے اعراض کرنا اس زمانہ میں اتباعِ سنت کی اصل ہے، طالب کو لازم ہے کہ ہر امر کو حکم خدا اور رسول پر اور اقوال علمائے حقانی پر جانچ لے اور اس کو حق سمجھے اور اعتقاد کرے ، اگر توفیق عمل کی پاوے شکر بجالاوے، نہیں تو اپنے کو قصوروار اور نابکار سمجھے اور عجز وزاری میں عمر گزارے اور زینہار زینہار (ہرگز ہرگز) راہ تاویل کی نہ چلے، اور برے عمل کر کے اپنے آپ کو بھلا نہ بتاوے کہ یہ اصل تمام شیطان کے مکروں کی ہے۔ (مکتوبات یعقوبی: ص/ ۳۳)

اس مکتوب کے اخیر میں حضرت مولاناؒ منشی محمد قاسم صاحب کو یوں رقمطراز ہیں:

اور یہ بھی معلوم ہو کہ طلب اس راہ کی غایت مطلوب ہے اور بڑی نعمت، اس کا شکر یہ ہے کہ اس کو ضائع نہ کرے اور اگر کچھ حاصل معلوم نہ ہو تو گھبرائے نہیں۔

چوں نشینی برسر کوئے کسے عاقبت بینی تو ہم روئے کسے
گفت پیغمبر کہ چوں کوبی درے عاقبت زاں در بروں آید سرے
سایۂ حق برسرِ بندہ بود عاقبت جوینده یابنده بود

---

(۱) حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کو یہ عبارت بہت پسند تھی، اپنی بعض تصنیفات میں نقل بھی فرمایا ہے۔ (مرتب)

ف: ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے: (۱) جب تم کسی کی گلی کے سرے میں بیٹھو گے تو آخر کار کسی نہ کسی کے چہرے کو ضرور دیکھو گے۔ (۲) پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب کسی دروازے کو کھٹکھٹاؤ گے تو اس دروازے سے ضرور کوئی سرنمودار ہوگا۔ (۳) حق تعالی کا سایہ بندہ پر موجود رہتا ہے اس لئے ڈھونڈھنے والا ایک نہ ایک دن ضرور کامیاب ہو جاتا ہے۔ (مرتب)

ہمت عالی رکھے اور خواب وخیال اور کشف وکرامت کی حقیقت کچھ نہ سمجھے، اور ان کو کچھ شمار نہ کرے اور ان کا ہونا نہ ہونا ایک جانے، بلکہ نہ ہونے کو فراغ خاطر کا سبب سمجھے، اور اگر احیاناً کوئی خواب ایسا نظر آوے کہ کچھ انوار دیکھے یا زیارت بزرگوں کی ہووے یا کوئی نعمت حاصل ہو، اس کو مبارک سمجھے اور سوتے وقت آیۃ الکرسی اور درود شریف اور الم نشرح سترہ بار اور سبحان اللہ ۳۳ بار اور الحمدللہ ۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھا کرے، اس کی برکت سے اچھے خواب نظر آیا کریں گے، اور چاہئے کہ بہر حال طلب کم نہ ہو، باقی زیارت حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وقت اور نصیب پر منحصر ہے۔[1] ہر چند اس کے لئے بہت طریقے لکھے ہیں اور بزرگوں سے پوچھے مگر بات وہی ہے کہ نصیب سے تعلق ہے اور وقت پر موقوف ہے، والسلام۔ (مورخہ ۱۵/ربیع الثانی ۱۲۸۴ھ)

ف: سبحان اللہ! کیا خوب مکتوب ہے جسے سالکین کو بار بار پڑھنا چاہئے اور اس کے مضمون کو مستحضر رکھنا چاہئے۔ (مرتب)

---

(۱) بڑی غلطی کا ارتفاع ہے، لوگ اس دولت کو اختیاری سمجھ کر عدم حصول سے بے حد پریشان ہوتے ہیں اس میں ان کی ضیق سے نجات ہے۔ (حاشیہ مکتوبات یعقوبی: ۳۸)

ملفوظات منقول از حضرت مولانا امیر شاہ خان صاحب

حکایت: فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے عرض کیا کہ حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ قیامت کے دن جب جنت نہ بھرنے کی شکایت کرے گی تو اللہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا کرے گا اور اسے بلا عمل جنت میں داخل کرے گا تو یہ لوگ تو بڑے مزے میں ہوں گے؟

فرمایا: انہیں کیا خاک مزہ ملے گا، وہ راحت کا لطف کیا اٹھائیں گے؟ جو راحت بعد کلفت کے حاصل ہو اس میں لذت ہوتی ہے، جنت میں آرام و چین ہم کو ہوگا جو مختلف شدائد و آلام، مصائب و نوائب جھیلے ہوئے ہیں۔

اے ترا خارے بپا نہ شکستہ کے دانی کہ چیست
حال شیرانے کہ شمشیرِ بلا بر سر خورند

(ترجمہ) اے وہ شخص جس کے پاؤں میں ایک کانٹا بھی نہیں چبھا ہے وہ ان شیروں کا حال کیا سمجھے گا جو بلا و مصیبت کی شمشیر اپنے سروں پر برابر کھاتے رہتے ہیں۔ (مرتب)

حکایت: ایک مرتبہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ گنگوہ تشریف لائے، مغرب کی جماعت کھڑی تھی اور غالباً مولانا رشید احمد گنگوہیؒ امامت کے لئے مصلے پر پہنچ گئے تھے، مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کو دیکھ کر مولانا پیچھے تشریف لے آئے، اور ان کو امام بنایا، مولانا یعقوب صاحبؒ چونکہ سفر سے آرہے تھے پاؤں پر گرد تھی، مولانا گنگوہیؒ نے رومال لے کر آپ کے پاؤں جھاڑنا شروع کئے اور آپ تسبیح پڑھتے رہے، ذرا جنبش نہ کھائی۔ (از تحریرات بعض ثقات، منقول از اشرف التنبیہ)

اس روایت کا اضافہ مولانا محمد نبیہ صاحب ٹانڈوی نے فرمایا ہے۔

(ارواح ثلاثہ: ص/ ۳۲۴)

ف: سبحان اللہ! اس سے باہم پیر بھائیوں نیز استاذ بھائیوں میں کس قدر محبت والفت، تواضع ومسکنت کا اندازہ ہوتا ہے چونکہ حضرت مولانا یعقوب صاحب استاذ زادے بھی تھے اس لئے انہوں نے سمجھا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب غایت محبت میں قلبی داعیہ وجذبہ کی بناء پر اپنے رومال سے پاؤں جھاڑ رہے ہیں تو ان کی خواہش کو بلا تکلف پوری ہونے دیا اور منع نہ فرمایا۔

ماشاء اللہ ہمارے اکابر کا یہی حال تھا، تصنع وتکلف سے پاک وصاف اور صدق وخلوص کے پیکر تھے جن کو دیکھ کر صحابہ کرام یاد آجاتے تھے، اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین اور ہم لوگوں کو ان اکابر کے اسوہ وسیرت پر عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین (مرتب)

وفات: آپ کو ماہ ذی قعدہ ذی الحجہ ۱۳۰۱ھ میں نہایت صدمۂ جانکاہ کا سامنا ہوا یعنی چار لڑکے اور بیوی کا انتقال ہوا جس کا آپ کو بہت صدمہ ہوا، خصوصاً مولوی علاء الدین جوان العمر فارغ التحصیل صالح عالم باعمل کے انتقال نے آپ کو بہت کچھ صدمہ پہونچایا، آخر ۳/ ربیع الاول ۱۳۰۲ھ کو آپ نے بھی اس دار ناپائیدار کو ترک فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آپ کا مدفن خاص قصبہ نانوتہ جانب شمال لب سڑک جو سہارنپور کو جاتی ہے باغ میں واقع ہے اور وہیں حضرت مولانا منیر صاحب بھی مدفون ہیں۔

ف: الحمد للہ کہ ان حضرات کی قبر پر حاضری نصیب ہوئی ہے۔ نور اللہ مراقدہم (مرتب)

حضرت شیخ محمود میاں چشتی گجراتیؒ المتوفی ۱۳۰۲ھ

نام ونسب : شیخ محمود میاں نام اور دسامی میاں لقب ہے۔ آپ مخدوم شیخ حسام الدین عرف خوب میاں کے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت پندرہویں تاریخ ماہ جمادی الاول ۱۲۳۲ھ میں احمد آباد گجرات میں واقع ہوئی۔ ولادت سے پہلے آپ کے والد ماجد کو حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی نے عالم رویا میں بشارت دی تھی کہ تجھ کو فرزند نیک اختر پیدا ہوگا۔ اسکا نام میرے نام پر رکھنا۔ اسکے وجود سے خاندان نصیریہ وکمالیہ کا چراغ روشن ہوگا۔ بناءً علیہ آپ کے والد ماجد نے استخارہ کیا۔ استخارہ میں چراغ دہلوی کے اشارہ کے موافق شیخ محمود نام منکشف ہوا۔ وہی نام رکھا گیا۔

تحصیل علوم وفنون : آپ نے سن تمیز وشعور کے بعد علم وفنون کی تحصیل شروع کی۔ بیس برس کی عمر میں علما وفضلا کی خدمت میں تحصیل سے فراغت پائی۔ علوم ظاہری کی تحصیل کے بعد والد ماجد کی خدمت میں علوم باطنی کی تکمیل کی پھر اذکار واشغال میں مصروف ہوئے مدت تک ریاضت ومجاہدہ کرتے رہے۔ آخر درجہ کمال کو پہنچے۔

خلافت : والد ماجد نے خلافت کا خرقہ واجازت کا فرمان عطا فرمایا۔ آپنے ہدایت وتلقین ددرس وتدریس کا بازار گرم کیا اور شیخوخت اور سجادگی کی مسند کو رونق دی۔ ہندو دکن کے طلبہ خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اور فیض نعمت سے

مستفید ہوتے تھے۔

فضل وکمال : آپ تصوف وتعرف میں کامل اور منازل سلوک وعرفان میں واصل تھے، آپ مکاشفہ، مجاہدہ، ومراقبہ اور مشاہدہ میں مستغرق تھے۔ دنیا ومافیھا سے متفرق تھے آپکی شان شانِ عرفاء، آپ کی سیرت سیرت اسلاف کہلاتی تھی، آپ صوفی با صفات و درویش صاحب اذواق تھے ۔ صاحب خوارق عادات وطوارق حادثات وبوارق کرامات تھے۔ آپ عارف باللہ وفنا فی اللہ وفنا فی الرسولؐ، عاشق اہل بیت واولادرسولؐ تھے۔ آپ کی تعریف وتوصیف، تحریر وتقریر کے دائرہ سے خارج ہے، ہم جس قدر لکھیں گے اسکا عشر عشیر بھی نہیں ہوگا۔

تصانیف : آپ صاحب التصانیف تھے۔ آپ نے ایک کتاب مسمی بہ تبصرۃ التوحید لکھا ہے ۔ اسمیں مشائخ کرام کے حالات اور انکے مکاشفات کے واقعات شرح وبسط کے ساتھ درج کئے ہیں ۔ کتاب عجیب وغریب ہے گویا حقائق وسلوک کا زینہ ہے ۔ آپ کو چوالیس طرق کی اجازت وخلافت حاصل تھی۔ جس طریقہ کا طالب آتا تھا اسی طریقہ میں مرید فرماتے تھے صاحب باطن وروشن ضمیر تھے۔ جو شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اسکے مافی الضمیر سے واقف ہوتے تھے۔ دکن وگجرات میں آپ نے قبولیت عام پائی تھی۔ اہل دکن و گجرات کثرت سے آپ کے دائرۂ بیعت میں داخل ہوتے تھے ۔ دونوں مقامات میں آپکے معتقدین بیشمار ہیں ۔ آپ ۱۲۷۸ھ میں برائے زیارات اولیاء دکن احمد آباد گجرات سے حیدرآباد دکن روانہ ہوئے ۔ راہ میں بڑودہ وسورت ممبئی و پونہ وشولہ پور وگلبرگہ وغیرہ مقامات کی سیر کرتے ہوئے اور بزرگوں کی

زیارت سے مشرف ہوتے ہوئے ساتویں تاریخ محرم ۱۲۷۹ھ میں حضور افضل الدولہ بہادر کے زمانہ میں حیدرآباد میں رونق افروز ہوئے۔ اولاً بندہ علی خان مرحوم کے بالا خانہ واقع کمان شیر دل میں فروکش ہوئے۔ شہر کے علماء وامراء نے آپ کا اعزاز واحترام کیا۔ ہر وقت آپکی خدمت میں علماء ومعتقدین کا مجمع رہتا تھا۔ آپ کی صحبت بابرکت سے مستفید ہوتے تھے۔ ثانیاً آپ حسب خواہش نواب محی الدولہ مرحوم فرودگاہ سابق سے نقل مکان کر کے نواب موصوف کے بالا خانہ واقع مچھلی کمان کے متصل فروکش ہوئے۔ بدستور طالبین ہر روز جوق در جوق آتے تھے۔ اور بیعت سے مشرف ہوتے تھے۔ آپ شہر میں ایک برس دس ماہ تک سکونت پذیر رہے۔ پھر اکیسویں تاریخ ماہ شوال ۱۲۸۰ھ میں حیدر آباد سے اورنگ آباد روانہ ہوئے اول روز حسین شاہ ولی کی درگاہ مین منزل گزیں ہوئے شہر سے اکثر علماء ومشایخ وامرء درگاہ شریف میں رخصت کے لئے گئے آپکی رخصت کے وقت قیامت برپا ہوگئی۔ معتقدین مفارقت کے صدمہ سے آہ ونالہ کرتے تھے، آپ تسلی وتشفی فرماتے تھے۔ آپ روانہ ہوئے اور اورنگ آباد پہنچے اور بزرگوں کی زیارت سے مشرف ہو کے احمد آباد گجرات روانہ ہوئے۔ اور وطن میں مع الخیر پہنچے۔ اہل گجرات آپ کی دیدار فیض آثار سے ممتاز ہوئے۔ آپ بدستور ہدایت وارشاد میں مشغول ہوئے۔

وفات: آپ کی وفات ۱۳۰۲ھ میں شاہ پور احمد آباد گجرات میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

(محبوب التواریخ یعنی تذکرہ اولیاء دکن ص ۸۹۶ جلد ۲)

حضرت مولانا محمد مظہر صاحب[1] نانوتوی متوفی ۱۳۰۳ھ

نام ونسب: نام محمد مظہر، والد کا نام شیخ لطف علی ہے نانوتہ میں سادات وشیوخ کے متعدد خاندان آباد ہیں اسی میں سے ایک ممتاز خاندان سے آپ کا تعلق ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت ۱۲۳۷ھ مطابق ۱۸۲۲ء یا ۱۸۲۱ء میں ہوئی۔

مولانا مفتی صدر الدین آزردہ سے تلمذ: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے مولانا کے جو حالات تحریر فرمائے ہیں اس میں مولانا مفتی صدرالدین آزردہ کو بھی مولانا کے استاذوں میں ذکر کیا ہے۔

لیکن حضرت شیخ کی اوجز المسالک سے اور اس کے علاوہ کسی اور ذریعے سے بھی یہ معلوم نہیں ہوا کہ مولانا محمد مظہرؒ نے مفتی صاحب سے کیا پڑھا تھا، کن علوم کی کون کون سی کتابیں، کس وقت پڑھیں، اور مفتی صاحب سے کب سے کب تک استفادہ کی سعادت نصیب رہی۔

مولانا شاہ عبد الغنی کی خدمت میں: اس وقت اس نواح کے علماء کا معمول تھا کہ وہ حدیث شریف پڑھنے کے لئے خاندان حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے کسی بڑے عالم، یا ان کے کسی قریبی اور معتمد شاگرد کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، مولانا محمد مظہر صاحب نے بھی اس معمول کی پاسداری فرمائی۔

---

[1] آپ کے حالات مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی مدظلہ نے بڑے محققانہ انداز میں تحریر کیا ہے اسی تذکرہ حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ سے یہ مضمون ماخوذ ہے۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء (مرتب)

مولانا نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی طرح حضرت مولانا کی خدمت میں رہ کر حدیث شریف پڑھی، مگر حضرت شاہ سے تلمذ کی تفصیلات مفقود ہیں، تاہم حضرت شاہ عبدالغنیؒ نے حضرت مولانا محمد قاسم کو جو سند و اجازت عطا فرمائی تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے یہاں درس میں مولانا محمد مظہر، مؤطا امام مالک کے اسباق میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے رفیق تھے۔

حضرت شاہ محمد اسحاق سے تلمذ اور اجازت حدیث: مولانا نے اگر چہ حدیث شریف کی چند کتابیں حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ سے پڑھی تھیں، لیکن مولانا کا اصل تلمذ حضرت شاہ محمد اسحاقؒ سے تھا۔ خصوصاً مولانا کی بخاری شریف کی سند واجازت حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ کے واسطے سے ہے، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے ''بذل المجہود'' کے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے:

''وقد روی حضرت مولانا محمد مظهر، صحیح البخاری عن الشهیر فی الآفاق مولانا محمد اسحاق''

سلسلۂ ملازمت: دہلی کے انگریز افسران جو دہلی کالج سے بھی وابستہ تھے، ان کی کالج کی کارگردگی پر نظر رہتی تھی، وہ دہلی کالج کے ایسے طالب علموں سے فائدہ اٹھانے کی خاص کوشش کرتے تھے، جو اپنی جماعت یا کسی خاص مضمون میں کالج میں ممتاز ہوں، یہ افسران یہ چاہتے بھی تھے کہ ان نوجوان ونوعمر فاضلوں کو گورمنٹ کے (ملک بھر میں بکھرے ہوئے) اعلی تعلیم کے اداروں میں پڑھانے کے لئے فوراً منتخب کرلیا جائے، مولانا محمد مظہر بھی کالج کے

طلبہ کی اس فہرست میں شامل اور کالج کے نہایت عمدہ طالب علموں میں ممتاز تھے، مولانا جیسے ہی دلی کالج کی تعلیم سے فارغ ہوئے، ان کا اسی اصول کے مطابق اپنی عمدہ لیاقت کی وجہ سے، بنارس کے سرکاری کالج میں شعبۂ عربی کی صدارت و مدرسی کے لئے تقرر ہو گیا، چوتھے سال حج کے لئے روانہ ہو گئے، حج سے واپسی کے بعد دہلی، رڑکی، اجمیر اور آگرہ وغیرہ میں آپ نے ملازمت کیا۔

ف: اس کے بعد اہم مضامین کے لئے اصل کتاب کا مطالعہ کیجئے جو نہایت بصیرت افروز اور روح افزا ہیں ہم نے بغرض اختصار حذف کر دیا ہے (مرتب)

مظاہر العلوم میں تقرر کی تاریخ اور تنخواہ: مولانا محمد مظہر شوال ۱۲۸۳ھ مطابق فروری ۱۸۶۷ء میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں تشریف لائے، تیس روپے ماہانہ تنخواہ مقرر ہوئی، مدرسہ کی روداد میں لکھا ہے:

> واضح ہو کہ رجب ۱۲۸۳ھ میں اس مدرسہ کی بنیاد مولوی سعادت علی صاحب نے قائم کی، اس وقت سے یہ مدرسہ بفضل الٰہی جاری ہے، مدرسوں کی تنخواہ چندہ مجتمعہ سے جو وقتاً فوقتاً ارباب ہمت کی توجہ سے جمع ہوتا ہے، ملتی ہے۔
>
> ۱۲۸۳ھ میں جب مدرسہ شروع ہوا تھا صرف ایک مدرس مقرر کیا گیا تھا، جس کی تنخواہ (بارہ روپے) تھی، دوسرے سال جب چندہ کی ترقی ہوئی ایک اور مدرس جس کی تنخواہ پچیس روپے بہ منظوری ارباب جلسہ قرار پائی، مدرسہ کے لئے طلب کیا گیا۔

بہر حال مولانا آئے اور آتے ہی مدرسہ کی مسند درس پر جلوہ افروز

ہو گئے، اور اس دن سے وفات کے دن تک اس قدر محنت، اخلاص اور دل سوزی سے مدرسہ کی خدمت کی اور اس طرح ہمہ تن علم اور درس میں مصروف ہو گئے کہ گویا کسی اور کام سے کبھی واسطہ اور واقفیت ہی نہیں تھی۔

مدرسہ کے اوقات میں احتیاط کا بے نظیر معمول: مدرسہ سے اس گہرے رابطہ اور ہر وقت مدرسہ کی خدمت میں مشغولیت، اور اس کی ہر ایک ذمہ داری کو پوری جانفشانی اور نہایت دل جمعی سے انجام دینے کے ساتھ، مدرسہ کے اوقات میں احتیاط کا یہ حال تھا کہ اس کی مثال ڈھونڈنا بھی آسان نہیں۔

مولانا مدرسہ کے اوقات میں اپنے پاس کاغذ پنسل رکھا کرتے تھے، اگر مدرسہ کے وقت میں کوئی شخص مولانا سے ملنے آ گیا، یا کسی ذاتی کام میں چند لمحے صرف کرنے پڑے تو فوراً اس کی یادداشت لکھ لیتے، اور ایسے تمام پرچوں کو احتیاط کے ساتھ محفوظ رکھتے، ان کے مجموعی وقت کا حساب لگا کر مہینہ کے اختتام پر اس وقت کو اپنے حاضری کے اوقات میں سے کم کرا دیا کرتے تھے، اور اس کی تنخواہ کٹوا لیتے تھے، مولانا کے اس معمولات کا ذکر کرتے ہوئے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے لکھا ہے:

> ''حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی قدس سرہ جو گویا مظاہر علوم کے بانی ہیں، کا یہ معمول میری جوانی میں عام طور سے مشہور اور لوگوں کو معلوم تھا، کہ مدرسہ کے اوقات میں جب کوئی مولانا قدس سرہ کا ذاتی ملاقات کے لئے آتا، تو اس سے باتیں شروع کرتے وقت گھڑی دیکھ لیتے اور اس کی واپسی پر گھڑی دیکھ

کر(حضرت کی کتاب میں ایک پرچہ رکھا رہتا تھااس پر) تاریخ اوران منٹوں کا اندراج فرمالیتے تھےاور ماہ کے ختم پران کوجمع فرما کر،اگرنصف یوم سے کم ہوتو آدھے روز کی رخصت اوراگرنصف یوم سے زائد ہوتا تو ایک یوم کی رخصت مدرسہ میں لکھوادیتے ''

حاجی امداداللہ صاحبؒ کی پسندیدگی اورعلماءکواس پرعمل کی ہدایت:

مولانا محمد مظہر صاحب کے اس طرزعمل کوحضرت حاجی امداداللہؒ بہت پسند فرماتے تھے،اور چاہتے تھے کہ اہل مدارس اور علماء کرام خصوصاً دار العلوم دیوبند کے حضرات بھی اس کونمونہ بنائیں،اور اسی طریقہ پرعمل کریں،حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی وفات کے بعد مولانا محمد یعقوب نانوتوی کوایک پر درد خط لکھا تھا،جس میں یہ ہدایت بھی تھی کہ ''چندایک باتیں اپنی ذات پرلازم واجب مانو''ان میں سے ایک ضروری بات یہ تھی کہ اگرکسی روز اپنی ذاتی غرض سے مدرسہ کے کام نہ کرسکیں تو مدرسہ سے تنخواہ نہ لیں،جیسے مولوی محمد مظہر صاحب کرتے ہیں''

مولانا کے اخلاص کا اثر: مولانا کے اس اخلاص کا اثر مدرسہ کے تمام معاملات میں اثرانداز اورکارفرما تھا،بعض معاملات ایسے پیش آتے تھے کہ ان کومولانا کےخلوص کی برکت یا کرامت کےعلاوہ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔مولانا مفتی

محمود حسن گنگوہی مولانا کا ایک دلچسپ مگر قابل قدر اور اہم قصہ سنایا کرتے تھے کہ:

''مولانا ایک مرتبہ اپنی قیام گاہ سے مدرسہ مظاہر علوم تشریف لا رہے تھے، راستہ میں آپ کی ایک اشرفی گر گئی، شام کو جب واپس ہوئے تو راستہ میں پڑی ہوئی تھی اٹھا لیا، فوراً ایک شخص اپنے مکان کے اوپر سے اتر کر نیچے آپ کے پاس آیا اور پوچھا کیا ہے، آپ نے بتلا دیا کہ یہ میری اشرفی تھی جو صبح گر گئی تھی'' کہنے لگا میں صبح ہی سے اوپر سے اس کو دیکھ رہا ہوں لیکن جب نیچے آتا ہوں تو نظر ہی نہیں آتی اور دیگر رہ گزروں کو بھی نظر نہیں آتی، اس پر ارشاد فرمایا، جب تیری تھی ہی نہیں تو نظر کیسے آتی''

دار العلوم دیوبند کی عمارت، نودرہ کا سنگ بنیاد: مولانا اگرچہ ہمہ تن مظاہر علوم کی خدمت میں مشغول رہتے تھے، لیکن اور دینی کاموں اور ذمہ داریوں سے بھی غیر متعلق اور بے خبر نہیں تھے، مظاہر علوم قائم ہونے سے چھ مہینے پہلے دیوبند میں مدرسہ اسلامیہ (دار العلوم) قائم ہو چکا تھا، مولانا مدرسہ دیوبند کے قیام کے اول دن سے اس کے نہایت معاون اور مددگار رہے، مدرسہ دیوبند کے ذمہ داران اور اکابر بھی حضرت مولانا کے قدرداں اور منزلت آشنا تھے، جب دار العلوم دیوبند کی سب سے پہلی عمارت، نودرہ کا سنگ بنیاد رکھنے کی بات طے ہوئی، تو سنگ بنیاد رکھنے کے لئے حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے درخواست کی گئی تھی، جو اکثر علماء مظاہر علوم و دار العلوم دیوبند کے استاذ تھے، مولانا محمد مظہر

صاحب کو بھی بطور خاص مدعو کیا گیا تھا، جن حضرات نے نودرہ کے بنیاد کی سب سے پہلی اینٹیں رکھیں، ان میں مولانا محمد مظہر بھی شامل تھے، روداد دارالعلوم میں ان حضرات کے ناموں کی اس طرح صراحت ہے:

''اول پتھر بنیاد کا، جناب مولانا مولوی احمد علیؒ صاحب سہارنپوری نے اپنے دست مبارک سے رکھا، بعد میں جناب مولوی محمد قاسم صاحب و مولانا مولوی رشید احمد صاحب، و مولانا مولوی محمد مظہر صاحب نے ایک ایک اینٹ رکھی''

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے اجازت وخلافت: مولانا محمد مظہر صاحب اگرچہ عمر میں حضرت مولانا گنگوہیؒ سے خاصے بڑے تھے، لیکن حضرت مولانا کے کمالات کی وجہ سے حضرت مولانا کے نہایت معترف تھے، اور حضرت مولانا گنگوہی کے ساتھ اپنے بزرگوں جیسا معاملہ فرماتے تھے، مولانا محمد مظہر حضرت مولانا گنگوہی سے آخر میں بیعت ہو گئے تھے، اہتمام سے گنگوہ جاتے اور ذکر و شغل کرتے، کئی مرتبہ رمضان المبارک بھی گنگوہ میں گذارا اور تعلق مع اللہ کی ترقی کے لئے مشغول رہتے، حضرت مولانا گنگوہی بھی حضرت موصوف کا نہایت احترام کرتے اور ان کے عمل اور کوشش سے نہایت خوش تھے۔

ہیبت اور شان فاروقی: مولانا کو ایک ہیبت عطا ہوئی تھی، ہر ایک کو مولانا کے سامنے بولنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نے لکھا ہے کہ مولانا نسب کے لحاظ سے صدیقی اور مزاجاً فاروقی تھے:

''یقال فی شانہ انہ صدیقی نسبا و فاروقی خلقا''

وفات: ۲۴/ذی الحجہ ۱۳۰۳ھ مطابق ۳/اکتوبر ۱۸۸۵ء ہفتہ کا دن گذار کر یکشنبہ کی رات میں آٹھ بجے آپ کی روح دارالبقاء کی طرف پرواز کرگئی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

خاص عادت: حدیث شریف میں موت کے وقت پسینہ آنے کو مومن کا ایک نشان فرمایا گیا ہے، مولانا وفات کے وقت بار بار اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیر رہے تھے اور دیکھ رہے تھے کہ پسینہ آیا یا نہیں، جب پسینہ آیا تو خوش ہوئے اور مسرت کا اظہار کیا۔

دوسرے روز صبح کے وقت سہارنپور کے پرانے اور مشہور قبرستان حاجی شاہ کمال میں جو مدرسہ کی قدیم عمارت سے تقریباً چھ سات فرلانگ کے فاصلہ پر، سہارن پور کے اختتام پر شمال کی جانب ہے حافظ محمد فضل حق کے برابر میں دفن کئے گئے، مولانا محمد احسن نانوتوی نے قطعہ تاریخ وفات کہا، جس کے ہر ایک مصرعہ سے سن وفات ۱۳۰۲ھ نکلتا ہے:

برفت چو زمیں بہ دار البقاء عابدا روحانی وشیخ اجل
ہاتف غیبی، پئے تاریخ سال داد ندا مظہر لطف ازل

۱۳۰۲ھ

(تذکرحضرت مولانا مظہر نانوتوی)

حضرت مولانا عبدالحی صاحب انصاری فرنگی محلی لکھنویؒ م: ۱۳۰۴ھ

نام ونسب: عبدالحی، والد کا نام مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت شہر باندہ میں ۱۲۶۴ھ میں ہوئی۔

تعلیم: آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد مکرم سے حاصل کی، دس سال کی عمر میں حافظ قرآن ہو گئے، حفظ قرآن کے ساتھ خوشنویسی بھی سیکھ لی اور فارسی کی کچھ کتابیں پڑھ لیں، اس کے بعد اپنے والد کے ماموں نقی نعمت اللہ لکھنوی سے پڑھیں اور سترہ برس کی عمر میں تمام علوم اسلامیہ سے فارغ ہوئے اور لوگوں کو درس دینے کے لئے حیدرآباد تشریف لے گئے، اور ایک زمانہ تک وہاں رہے۔

سفر حج: ۱۲۷۹ھ میں پہلی دفعہ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ حج وزیارت کے لئے گئے، ادائے حج تک مکہ میں قیام ہوا، ذی الحجہ کے آخری عشرہ میں مدینہ کے لئے روانہ ہوئے ۲/محرم ۱۲۸۰ھ کو مدینہ پہنچے، ۸/دن قیام کر کے ۱۰/محرم الحرام کو مکہ روانہ ہوئے، پھر مکہ سے دس صفر کو چلے اور جدہ سے بادبانی جہاز میں بیٹھ کر ربیع الاول کے درمیانی عشرہ میں بمبئی پہنچے اور جمادی الاول کے شروع میں داخل حیدرآباد ہوئے، تقریباً گیارہ مہینے میں یہ سفر پورا ہوا۔

دوسری بار ۱۲۹۲ھ میں تنہا حج کے لئے گئے، اس سال جمعہ کو حج ہوا تھا، حج کے بعد ۲۱/ذی الحجہ کو مدینہ کی زیارت کو نکلے، وہاں دس دن رہ کر مکہ روانہ ہوئے، چند روز قیام رہا، پھر جدہ سے ۸/صفر ۱۲۹۳ھ کو جہاز میں سوار ہوئے اور

۱۲؍صفر کو جہاز بخیر وعافیت بمبئی پہنچا۔

سند حدیث: مولانا عبدالحیٔ صاحبؒ نے سفر میں حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ وغیرہ سے حدیث کی سند حاصل کی ،مولانا نے بکثرت درسی کتابوں پر حواشی لکھے ہیں، جن سے مدرسین وطلبہ آج تک فائدہ اٹھارہے ہیں ،حواشی کے علاوہ **سعایة الفوائد البهية، النافع الكبير** اور کئی رسائل کے مجموعے نہایت مفید ہیں، طالب علمی کے دور کے علاوہ فراغت کے بعد بھی مولانا کی تصنیفات سے میں نے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔(اعیان الحجاج مولفہ مولانا حبیب الرحمن الاعظمی: ج ۲/ص ۲۴۵)

حضرت مولانا سید عبدالحی صاحب حسنیؒ نزھۃ الخواطر: ج ۸/ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

وكان على مذهب ابى حنيفة فى الفروع والاصول ولكنه كان غير متعصب فى المذهب يتتبع الدليل ويترك التقليد اذاوجد فى مسئلة نصّا صريحا مخالفاً للمذهب۔	آپ فروع واصول دونوں ہی میں امام ابوحنیفہؒ کے مقلد تھے لیکن مذہب میں متعصب نہ تھے ،دلیل کو ڈھونڈھتے تھے، اگر کسی مسئلہ میں مذہب کے خلاف کوئی صریح نص مل جاتی تو تقلید کو ترک فرمادیتے تھے۔
قال فى كتابه النافع الكبير:ومن منحه (اى منح الله سبحانه)انى رزقت التوجه الى فن الحديث وفقه	اپنی کتاب ''النافع الکبیر''میں تحریر فرمایا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی کے انعامات میں سے ایک انعام یہ ہے کہ فن حدیث اور فن فقہ کی طرف توجہ کی

الحدیث۔

ولا اعتمد علی مسألة مالم یوجد اصلها من حدیث او آیة۔ ما کان خلاف الحدیث الصحیح الصریح اترکه، واظن المجتهد فیه معذوراً، بل ماجوراً، ولکنی لست ممن یشوش العوام الذین هم کالانعام۔ بل اتکلم الناس علی قدر عقولهم۔ انتهی۔

(نزهة الخواطر: ج۔۸، ص۔۲۳۵)

توفیق ملی۔

اور میں کسی مسئلہ کو اس وقت تک قابل اعتماد نہیں سمجھتا جب تک کہ اس کی اصل آیت یا حدیث سے نہ مل جاتی۔

اور جو مسئلہ صریح حدیث صحیح کے خلاف ہوتا ہے تو میں اسے ترک کر دیتا ہوں، اور اس میں مجتہد کو معذور بلکہ ماجور سمجھتا ہوں، لیکن میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں کہ عوام جو عقل میں مثل چوپایوں کے ہوتے ہیں ان کو تشویش میں ڈالوں بلکہ میں کلام ان کے عقلوں کے مطابق کرتا ہوں۔

اہم اقتباس: اب ہم چاہتے ہیں کہ حضرت مولانا فرنگی محلیؒ کی تصنیف لطیف مسمیٰ بہ ''اقامة الحجة علی أنّ الاکثار فی التعبد لیس ببدعة'' کے اقتباسات کو درج کریں جسے ناظرین کرام ان شاء اللہ تعالیٰ مفید اور بصیرت افروز پائیں گے، یہ کتاب حضرت مصلح الامت مرشدی مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کو بیحد پسند تھی اس لئے اس سے مضامین برابر سنایا کرتے تھے، پس یہ بات مزید ہماری پسندیدگی کا باعث ہے۔

اس رسالہ کی تالیف کی وجہ بیان کرتے ہوئے مولانا فرنگی محلیؒ یوں رقمطراز ہیں:

میں اولاً ارباب کمال کے فضائل ومناقب پر مشتمل کتابوں کا مطالعہ کیا کرتا تھا تاکہ مجھے بھی ان حضرات کے اخلاق حمیدہ سے تخلق کی سعادت نصیب ہو، چنانچہ اس کی وجہ سے سلف صالحین اور حضرات متاخرین کی ریاضات اور ان کے مجاہدات کی معرفت حاصل ہوئی، جو اپنے ہر ہر لحظہ کو عبادت میں صرف کرتے تھے اور اللہ کی جناب میں زیادتیٔ قرب وقبول کے طالب ہوتے تھے، اور میں اعتقاد رکھتا تھا کہ یہی وہ صراط مستقیم ہے جس سے درجات نعیم تک پہنچا جاسکتا ہے۔

پھر مجھے اللہ تعالی نے اپنے فضل سے ترقی عطا فرمائی اور کتب حدیث کے دیکھنے کی توفیق مرحمت فرمائی تو ایسے اخبار واحادیث پر مطلع ہوا جو بظاہر ریاضت ومجاہدہ اور عبادت میں کثرت کو منع کرتی ہیں، تو میرے قلب میں اختلاج واشکال پیدا ہوا کہ آخر ان احادیث اور اکابر کی ریاضات ومجاہدات میں تطبیق کی کیا صورت ہوگی؟ تو میں نے فقہاء ومحدثین کی عبارات وتحقیقات کو بغور دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس سلسلہ میں اخبار واحادیث مختلف ہیں یعنی بعض تو عبادت میں جدوجہد کے جواز پر دال ہیں اور بعض توسط واعتدال کی طرف رہنمائی کرتی ہیں مگر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ ان میں درحقیقت اختلاف نہیں ہے بلکہ ہر ایک کا محل وموقع الگ الگ ہے، پس جہد ومشقت کی احادیث ان لوگوں کے لئے خاص ہیں جو اس پر قادر (اور ان کو کسی قسم کے جسمانی یا دینی ضرر کا اندیشہ نہیں ہے) اور توسط واعتدال والی حدیثیں ان کے لئے ہیں جو اس قدر جہد ومشقت سے عاجز ہیں، لہذا ان دونوں قسم کی احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

اسی اثناء میں بعض لوگوں کی یہ بات پہنچی کہ یہ مجاہدات اور عبادات جو مروی ہیں وہ سب بدعتِ قبیحہ ہیں اور جن حضرات سے یہ عبادات وریاضات ثابت ہیں ان پر بھی یہ لوگ طعن وتشنیع کرتے ہیں، یہ سن کر میں نے ان لوگوں پر شدت سے نکیر کی اور حق وصواب کو اپنی مجالس وعظ وتذکیر میں واضح کیا اور طالبین مخلصین کی طلب پر ایک نادر رسالہ مسمّٰی بہ ''اقامة الحجة علی آنّ الاکثار فی التعبد لیس ببدعة'' لکھا، اللہ تعالی سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی عوام وخواص سب کے لئے اس کو نافع بنائے اور اس کو اللہ تعالی کی رضا وخوشنودی کے لئے خاص فرمادے اور میرے قلم کو خطا وسہو سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

پس یہ رسالہ دو اصل، دو مقصد، اور ایک خاتمہ پر مرتب کیا گیا ہے، مضامین کی اہمیت اور افادیت کو دیکھتے ہوئے بطور خلاصہ کچھ باتیں درج ذیل ہیں تاکہ ناظرین کرام کو کل نہیں تو کچھ ہی سہی نفع ہو جائے، کیونکہ مَا لَا یُدْرَکُ کُلُّهٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّهٗ مشہور مقولہ ہے، اس لئے بغور مطالعہ فرمائیں۔

الاصل الاول: اصل اول اس امر میں یہ ہے کہ صحابۂ کرام اور تابعین نے جو کام کیا ہے یا ان کے زمانہ میں کوئی کام ہوا ہے مگر ان حضرات سے اس پر نکیر ثابت نہیں ہے تو پھر یہ وہ بدعت نہیں ہے جس سے شارع علیہ السلام نے بچنے کا حکم دیا ہے اس کے بعد مولانا فرنگی محلیؒ نے بدعت کی تعریف کے سلسلہ میں علمائے اعلام کے بہت سے اقوال نقل فرمائے ہیں، اس کے بعد یوں رقم طراز ہیں:

فهذه اقوال العلماء كلها ناصة على ان ما حدث في زمانِ الصحابة بل والتابعين بل وتبعهم من غير نكير ليس بداخلٍ في بدعةٍ والارتكاب به ليس بضلالة۔ (ص: ۴)

یہ علماء کے اقوال ہیں جو اس بات پر صراحۃً دلالت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں بلکہ تابعین وتبع تابعین کے زمانہ میں کوئی چیز صادر ہوئی اور ان حضرات کی طرف سے نکیر ثابت نہیں تو وہ بدعت میں داخل نہیں ہے اور اس پر عمل کرنا بدعت کا ارتکاب نہیں ہے۔

اور تفصیل اس مقام کی یہ ہے کہ جو عمل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کیا یا ان کے صحابہ نے کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو ثابت رکھا (یعنی اس پر نکیر نہ فرمایا) تو وہ بالاتفاق بدعت نہیں ہے۔

اور وہ چیز جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھی بلکہ آپ کے بعد وجود میں آئی تو عام معنی کے اعتبار سے وہ بدعت ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد واقع ہوئی، مگر اس کی دو صورت ہے یا تو وہ عادات کے قبیل سے ہے یا عبادات کے، پس اگر عادات کے قبیل سے ہے تو وہ بدعت ضلالت نہیں ہے جب تک کہ اس کے قبح پر دلیل شرعی قائم نہ ہو، اور اگر عبادات کی قسم سے ہے تو اس کی تفصیل یہ ہے:

تفصیل: بہرحال وہ چیز جو صحابہ کے زمانہ میں حادث ہوئی پس وہ دو صورت سے خالی نہیں یا تو صحابہ کی طرف سے نکیر پائی گئی یا نہیں، پس اول بدعتِ ضلالت ہے، حدیث پاک ''کل بدعۃ ضلالۃ'' میں داخل ہے (یعنی ہر بدعت ضلالت ہے)۔ اس کی مثال عیدین میں نماز سے پہلے خطبہ دینا ہے، اسی طرح جمعہ کے

خطبہ میں دعا کیلئے ہاتھوں کا اٹھانا ہے، اور ثانی یعنی صحابہ کی طرف سے اس فعل پر نکیر نہ کی گئی ہو تو وہ بدعت شرعیہ نہیں ہے اگرچہ معنی عام کے اعتبار سے اس پر بدعت کا اطلاق ہوگا مگر اس کو حسنہ کے ساتھ مقید کر کے بدعتِ حسنہ کہا جائے گا۔

اس میں سے جمعہ کے دن اذان اول ہے جیسا کہ بخاری، ابن ماجہ اور ترمذی نے سائب ابن یزید سے تخریج کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو بکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں جمعہ کے دن پہلی اذان اس وقت ہوتی جب کہ امام منبر پر بیٹھتا تھا پس جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور لوگ کثیر ہو گئے تو زوراء پر تیسری اذان کا اضافہ کر دیا۔

علامہ نوویؒ نے فرمایا کہ اس کو تیسری اذان اس لئے کہا گیا ہے کہ اقامت کو اذان کے لفظ سے موسوم کیا جاتا ہے، اس میں سے رمضان المبارک کی راتوں میں بیس رکعت نماز تراویح بھی ہے جس کا وقوع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوا اور اس کے بارے میں "نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ" فرمایا یعنی بہترین بدعت ہے۔ (ص/ ۲)

بہر حال وہ عمل جو تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں حادث ہوا تو اس کا بھی یہی حال ہے کہ اگر نکیر ان حضرات کی طرف سے ثابت ہے تو بدعت ہے اور اگر نکیر ثابت نہیں ہے تو بدعت نہیں ہے۔

اور اگر ان حضرات صحابہ وتابعین اور تبع تابعین کے زمانہ کے بعد کوئی نیا عمل پایا گیا تو اس کو دلائل شرعیہ پر پیش کیا جائے گا پس اگر شریعت میں اس کی کوئی اصل ہوگی یا اس کی نظیر پائی جاتی ہوگی تو وہ بدعت نہ ہوگا اور اگر اس کی کوئی

اصل شرع میں نہ ملے گی تو پھر وہ نیا عمل بدعتِ ضلالت ہوگا اگر چہ اس کا مرتکب اصحابِ فضیلت یا مشہور بالمشیخت ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ علماء وعابدین کے افعال حجت نہیں ہیں جب تک کہ شرع کے مطابق نہ ہوں۔

الاصل الثانی اصل دوم اس جماعت کے ذکر میں ہے جس نے عبادت میں جہد ومشقت برداشت کیا اور اپنی ساری عمر غایت طاعت میں صرف کیا۔

چنانچہ صحابہ کرام میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور رات میں اول حصہ کے علاوہ عبادت کرتے رہتے تھے۔ (ص/۹)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ عشاء کی امامت کرتے، اسکے بعد گھر میں داخل ہوجاتے اور فجر تک نماز پڑھتے رہتے تھے اور اخیر عمر تک مسلسل روزہ رکھتے تھے۔

اور حضرت تمیم داریؒ ایک رکعت میں پورا قرآن ختم فرماتے تھے، اور شداد ابن اوسؓ جب بستر پر جاتے تو کروٹ لیتے رہتے تھے ان کو نیند نہ آتی تھی تو فرماتے: اے اللہ! جہنم کی آگ نے ہماری نیند کو اڑا دیا، پس کھڑے ہوجاتے اور صبح تک نماز پڑھتے رہتے۔

اور علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ایک دن میں آٹھ مرتبہ قرآن پاک ختم فرماتے تھے، جیسا کہ بعض شراح بخاری نے ذکر کیا ہے۔

حضرت عمیر ابن ہانی تابعیؒ ہر دن ایک ہزار رکعت نماز پڑھتے تھے، اور ایک لاکھ مرتبہ تسبیح پڑھتے تھے، (یعنی سبحان اللہ)

حضرت اویس قرنیؒ جب شام کرتے تو فرماتے کہ یہ رکوع کی رات ہے

اور صبح تک رکوع فرماتے اور کبھی فرماتے یہ سجدہ کی رات ہے اور صبح تک سجدہ ہی فرماتے رہتے۔

اور حضرت ثابتؒ دن رات قرآن پڑھتے رہتے اور ہمیشہ روزہ رکھتے۔

حضرت زفرؒ سے روایت ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ایک رات ہمارے یہاں گذاری پس پوری رات ایک آیت پڑھتے ہوئے گذار دی اور وہ آیت یہ تھی وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ اور قیامت بڑی سخت اور ناگوار چیز ہے)۔

اور انہیں سے روایت ہے کہ آپ نے ایک شخص کو نماز عشاء میں سورہ اذا زُلزلت پڑھتے سنا اور آپ اس کی اقتدا میں پیچھے تھے پس آپ مسجد سے لوگوں کے نکلنے کے بعد ٹھہر گئے، یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور کھڑے ہو کر اپنی داڑھی پکڑے یہ کہہ رہے تھے:

يَامَنْ يَجْزِىْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً خَيْراً وَيَامَنْ يَجْزِىْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرّاً شَرّاً أَجِرْ عبدَک النعمان منَ النَّار۔	ترجمہ: اے وہ ذات عالی جو ذرہ برابر نیکی کا بدلہ نیکی سے دے گی اور اے وہ ذات گرامی جو ذرہ برابر برائی کا بدلہ برائی سے دے گی اپنے بندے نعمان کو آگ سے پناہ دیجئے۔ (ص/ ۱۳)

ف: سبحان اللہ اس سے اپنے اکابر کی کثرت عبادت اور غایت خوف وخشیت کا اندازہ ہوتا ہے اللہ تعالی ہم سبکو توفیق بخشیں۔ آمین ! (مرتب)

المقصد الاول مقصد اول اس بات کے اثبات میں ہے کہ کثرت عبادت چند وجوہ سے بدعت وضلالت نہیں ہے، وجہ اول یہ ہے کہ حسب طاقت

صحابہ وتابعین اور تبع تابعین سے عبادت میں جدو جہد ثابت ہے اور کسی نے اس پر انکار بھی نہیں کیا ہے، اور ہر وہ چیز جو اس قسم کی ہو وہ بدعت نہیں ہے۔

وجہ دوم یہ ہے کہ عبادت میں جدو جہد حضرت عمرؓ وحضرت علیؓ جیسے خلفاء راشدین سے ثابت ہے اور ہر وہ عمل جو بغیر نکیر کے ثابت ہو وہ سنت ہے، اس لئے کہ سنت کا اطلاق صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے فعل کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ یہ آپ کے فعل کے علاوہ صحابۂ کرام کے فعل کو بھی عام ہے بلکہ اگر وہ کسی فعل سے راضی ہوں اگر چہ خود اس پر عمل نہ کیا ہو تو وہ بھی سنت ہے۔

المقصد الثانی: مقصد دوم ان شبہات کے دفع میں ہے جو کثرت مجاہدات پر واقع ہوتے ہیں، نیز علماء کی ان عبارات کے ذکر میں ہے جن سے تشدد کا جواز ثابت ہوتا ہے مگر شرائط کے ساتھ۔

جان لو کہ عبادت میں تشدد سے منع میں بعض اخبار مروی ہیں تو بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ سب کے لئے یہ عام ہے مگر اس امر میں ان لوگوں نے غور نہیں کیا کہ کہاں منع ہے اور کہاں نہیں۔ لہذا ہم کسی قدر اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

من جملہ ان اخبار کے جن میں تشدد سے منع کیا گیا حولاء اسدیہ کی حدیث ہے کہ وہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں آئیں، اس وقت وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس موجود تھیں تو انہوں نے کہا کہ یہ حولاء بنت تویت ہیں، اور لوگوں کا ان کے بارے میں خیال ہے کہ یہ رات میں سوتی نہیں ہیں۔ تو آپ نے فرمایا: عمل اتنا ہی کرو جس کی طاقت رکھتے ہو، اللہ تعالی تو (اجر وثواب دینے سے) نہیں

اکتائے گا مگر تم لوگ اکتا جاؤ گے۔(مسلم)

انہیں اخبار میں سے حضرت زینبؓ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ دو ستونوں کے درمیان رسی لٹک رہی تھی، تو آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ زینب کی رسی ہے، نماز پڑھتی رہتی ہیں پس جب کسلمند ہوتی ہیں تو اس سے اپنے کو باندھ لیتی ہیں، تو فرمایا: اسے کھولدو۔ آدمی کو اپنی نشاط تک نماز پڑھنی چاہئے اور جب کسل و سستی معلوم ہو تو سو جانا چاہئے۔(مسلم شریف)

ف: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز معکوس باطل ہے اس لئے کہ جب کسل کے وقت رسی سے باندھنا منع ہے تو صلوٰۃ معکوس تو بدرجہ اولیٰ منع ہوگی اس لئے کہ یہ قواعد شرع کے بالکل منافی بلکہ مخالف ہے۔(ص/۲۱)

اسی میں سے ابو درداء کی بھی حدیث ہے کہ سلمان فارسی ابو درداء کی خدمت میں گئے تو ان کی بیوی کو خستہ حال دیکھ کر کہا کہ یہ کیا حال ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ آپ کے بھائی عورتوں سے رغبت نہیں رکھتے، دن میں روزہ رکھتے ہیں اور رات میں قیام یعنی عبادت کرتے ہیں، تو حضرت سلمان نے حضرت ابو درداءؓ کی طرف خطاب کر کے کہا کہ آپ کی بیوی کا بھی آپ پر حق ہے، اس لئے نماز پڑھئے اور سوئیے بھی، روزہ رکھئے اور افطار بھی کیجئے، تو یہ بات جب حضور ﷺ تک پہنچی تو ارشاد فرمایا کہ سلمان علم دیئے گئے۔(یعنی حضور ﷺ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی بات کو پسند فرمایا)(ابونعیم فی الحلیہ)

نیز حضرت عکرمہؓ سے روایت ہے کہ صحابہ میں سے کچھ لوگوں نے خصی ہونے اور گوشت اور عورت کو چھوڑنے کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۔

ترجمہ: اے ایمان والو! مت حرام ٹھہراؤ وہ لذیذ چیزیں جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کر دیں اور حد سے نہ بڑھو، بیشک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

پس اس قسم کی احادیث بانگ دہل پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ تشدد فی العبادت از روئے شرع ممنوع ہے اور ملت حنفیہ سہلہ کے بالکل خلاف ہے لہذا عبادت میں شدت وکثرت بدعت ہے اس لئے کہ قابل قبول قول تو بس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا قول ہے نہ کہ کسی غیر کا۔

الجواب: جواب ان احادیث کا یہ ہے کہ حضرت حولاءؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کثرت نماز سے منع نہیں فرمایا تھا بلکہ آپ نے ان کو حسب طاقت عمل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی اور یہ اجازت اس حد تک ہے کہ عامل عمل سے اکتا نہ جائے اور عمل ہی کو نہ چھوڑ دے۔

اسی طرح حضرت ابو درداءؓ پر بھی حضرت سلمان نے اس لئے نکیر فرمایا کہ کثرتِ عبادت کی وجہ سے حقوق واجبہ کو فوت کر رہے تھے جو یقیناً ممنوع ہے۔

اسی طرح حضرت زینبؓ کو اس لئے منع فرمایا کہ وہ کسل کی صورت میں رسی سے اپنے آپ کو باندھ لیتی تھیں، ظاہر ہے کہ اس کی قباحت میں کسی کا نزاع نہیں ہے، (اس لئے کہ یہ تکلیف مالایطاق ہے، یعنی اپنی طاقت سے زیادہ اپنے اوپر بار وکلفت ڈالنا ہے۔)

اسی طرح صحابہ کی ایک جماعت نے جو گوشت وعورت وغیرہ کے ترک کرنے کا ارادہ کیا تو ظاہر ہے کہ ان لوگوں نے اپنے اوپر اس چیز کو حرام قرار دیا

تھا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام نہ فرمایا تھا تو ظاہر ہے کہ یہ ایک غیر شرعی چیز تھی جس سے منع کرنا ضروری تھا اس لئے اس سے روکے گئے۔

اور الحدیقۃ الندیہ میں ہے کہ سلفؒ سے جو ریاضات ومجاہدات منقول ہیں وہ دین محمدی کے بالکل خلاف نہیں ہیں بلکہ وہ کتاب وسنت سے ان لوگوں کے حق میں ثابت ہیں جو ان ریاضات کے بجالانے کی قدرت رکھتے ہیں مگر وہ واجب نہیں ہیں بلکہ نفل ہیں جن کے کرنے پر اجر وثواب دیئے جائیں گے۔

اور ارشاد الساری شرح صحیح البخاری میں ''حضور ﷺ کا قیام کہ آپ کے قدم مبارک سوج گئے'' کے تحت فرماتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوا کہ انسان کا اپنے نفس پر شدت اختیار کرنا جائز ہے اگرچہ اس کے بدن کو کچھ ضرر ہی کیوں نہ پہنچے، لیکن یہ قید لگانا ضروری ہے کہ اسی وقت تک ہے جب تک یہ شدت ملال کا باعث نہ ہوجائے جس سے عبادت کے ترک کی نوبت نہ آجائے، رہے حضور ﷺ تو اکمل الاحوال تھے اس لئے آپ کثرتِ عبادت سے ملول خاطر ہرگز نہ ہوتے تھے کیونکہ یہ صحیح حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قرۃ عینی فی الصلوٰۃ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

بہرحال حضور ﷺ کے علاوہ افرادِ امت کو جب ملال کا خوف ہو تو اس قدر عبادت میں کثرت اور جدوجہد اختیار نہ کرنا چاہئے، ہاں! مگر جس کو اس کا اندیشہ نہ ہو یا عبادت سے لذت آشنا ہو چکا ہو یا نفس کی اصلاح کے لئے ضروری سمجھتا ہو تو وہ ریاضت وعبادت میں کثرت کو اختیار کرسکتا ہے، بلکہ اس کا اختیار کرنا افضل ہے اس لئے کہ جب حضور اقدس ﷺ جو مغفور اور مبشّر بالجنّۃ تھے، ان کا جب عبادت میں یہ

حال تھا تو پھر ہمارا کیا حال ہونا چاہئے جس کا انجام مخفی ہے اور گناہوں نے اس کی پشت کو بوجھل کر رکھا ہے اور عذاب جہنم سے وہ مامون نہیں ہے۔

ف: سبحان اللہ! کیا خوب تطبیق دی جو عوام وخواص سب کے مطالعہ کے لائق ہے اور اگر اصل کتاب دستیاب ہو جائے اور پوری کتاب کا مطالعہ کرلیا جائے تو بہت ہی اچھا ہو۔ واللہ الموفق۔ (مرتب)

خاتمہ: مولاناؒ نے تحریر فرمایا کہ مجھ سے لوگوں نے ''شبینہ'' کے متعلق دریافت کیا جس میں مختلف حفاظ مل کر رمضان کی کسی رات میں پورا قرآن ختم کرتے ہیں، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ تو میں نے یہ جواب دیا:

الجواب: ایک رات میں پورا قرآن ختم کرنا عمل مستحسن ہے مگر اس کے ساتھ دوسرے قبیح امور کا شامل کرلینا قبیح ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

اول: ایک رات میں ختم قرآن کرنا امر مستحسن ہے، بہت سے ہمارے سلف صالحین نے ایسا کیا ہے، بلکہ بعض نے تو ایک رکعت میں پورا قرآن ختم فرمایا ہے۔

دوم: قرأت میں جلدی کرنا، یہ امر قبیح ہے، پس یہ لوگ قراءت میں اس قدر جلدی کرتے ہیں کہ صحیح مخارج سے حروف نہیں نکلتے چہ جائیکہ قرآن میں تدبر اور ترتیل؛ بلکہ بعض حافظ تو ایسے ہوتے ہیں کہ کئی کئی آیتیں چھوڑ دیتے ہیں اور تیزی کی وجہ سے سننے والے حافظ لقمہ دینے پر قادر نہیں ہوتے بلکہ بعض تو لقمہ قبول ہی نہیں کرتے تاکہ اس کی تیزی میں فرق نہ آنے پائے، اور اس سے بدتر چیز یہ ہے کہ جب حافظ قراءت قرآن سے فارغ ہوتا ہے تو اس کی تعریف میں لوگ زبان درازی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کس قدر تیز رفتاری سے تمہاری

قراءت ہوتی ہے اور کتنی عمدہ تمہاری آواز ہے، مگر یہ لوگ اس کے ترتیل سے نہ پڑھنے اور آیات کے چھوڑنے پر ذرا نکیر نہیں کرتے۔

سوم: قراءت کے سننے میں کسلمندی کا اختیار کرنا ہے جو امر قبیح ہے، چنانچہ حافظ جب قراءت کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو سامعین پہلی رکعت کے رکوع کا انتظار کرتے ہیں، پس جب حافظ رکوع کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اس میں شریک ہو جاتے ہیں، پس ان لوگوں کے حق میں ہے کہ یہ آیت پڑھی جائے وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى یعنی جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کسل سے کھڑے ہوتے ہیں۔ (جو منافقین کی شان ہے)

چہارم: مقتدیوں کو نفرت میں مبتلا کرنا ہے، ظاہر ہے کہ یہ کس قدر قبیح ہے، اس لئے کہ حافظ جب قراءت کو طویل کرے گا تو بعض ایسے بھی نمازی ہوں گے جو نماز میں بیٹھ جائیں گے، اور بعض اپنے قدموں کے بل آرام کریں گے اور بعض تو نماز سے علیحدہ ہو کر بیٹھ کر سننے لگیں گے، پس اس سے بڑھ کر اور کیا مفسدہ ہوگا؟ اسی لئے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ تراویح میں قراءت اتنی ہی مناسب ہے جو مقتدیوں کے بار کا سبب نہ ہو۔

ف: مگر افسوس کہ بعض خاص لوگ اس میں غلو کرتے ہیں۔ (مرتب)

پنجم: ضرورت سے زائد چراغ جلانا (راڈ، بلب اس میں داخل ہیں)۔ ظاہر ہے کہ یہ لہو ولعب ہے جس سے بچنا لازم ہے جس کی تصریح متعدد جگہ فقہاء نے فرمائی ہے۔

ف: مگر افسوس کہ اس بدعت کا ایسا شیوع ہو گیا کہ ایسے چراغاں سے علماء بھی صرف نظر کر کے اس بدعت سیئہ میں بلا توقف شریک ہوتے ہیں بلکہ اس کے حسن کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ العیاذ باللہ، چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔ (مرتب)

پس یہ وہ مفاسد ہیں جس نے ایک امرِ حسن (یعنی ایک رات میں پورا ختمِ قرآن) کو حُسن سے نکال کر قباحت کے درجہ تک پہنچا دیا اور ایسے بہت سے اعمال ہیں جو اپنی ذات کے اعتبار سے حَسن ہیں مگر اشیائے قبیحہ کے مل جانے سے وہ قبیح ہو گئے۔

واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب وھذا آخر الکلام فی ھذا المقام۔

اس رسالہ کا اختتام جمعہ کے دن ۲۰ ربیع الثانی ۱۲۹۱ھ میں ہوا۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی رسولہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔ (تمت) (اقامۃ الحجۃ)

آپ کا ایک رسالہ حقہ، بیڑی، سگریٹ وغیرہ پینے میں مسمی بہ "ترویج الجنان بتشریح حکم شرب الدخان" ہے جو قابل مطالعہ ہے، اس میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ جس نے اس بدبودار درخت سے کھایا تو وہ ہماری مسجد کے ہرگز قریب نہ ہو اس لئے کہ جس چیز سے انسانوں کو اذیت ہوتی ہے اس سے فرشتوں کو بھی اذیت ہوتی ہے، پس یہ اشارہ عام ہے ہر بدبودار چیز کے لئے جس سے بھی انسان کو اذیت ہوتی ہو۔

اور صحیح مسلم میں ہے: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی آدمی سے پیاز لہسن کی بو محسوس فرماتے تو اس کو بقیع تک نکالنے کا امر فرماتے۔ اس لئے فقہاء نے فرمایا ہے کہ جس شخص سے ایسی بدبو پائی جائے جس سے انسانوں کو تکلیف ہو تو اس کو مسجد سے نکال دینا چاہئے، اس طرح بہت سے اماموں اور مؤذنوں کو مسجد سے نکالا جانا چاہئے اس لئے کہ ان لوگوں کے (بیڑی، سگریٹ) کے مسلسل استعمال سے ان

کے اندر بدبو رہتی ہے۔

اور جالینوس حکیم نے کہا ہے کہ تین چیزوں سے بچو اور چار چیزوں کو لازم کرلو تو تمہیں طب کی ضرورت نہ پڑے گی، دھواں، غبار اور بدبو سے بچو، دسم (چربی)، حُلو (شیرینی)، طیب (خوشبو) اور حمام کو اختیار کرو۔

اور ابن سینا نے کہا ؎

لولا الدخان و القتام لعاش ابن آدم الف عام

ترجمہ: یعنی اگر دھواں اور غبار نہ ہوتا تو انسان ایک ہزار سال زندہ رہتا۔

(حکم شرب الدخان: ص/۵)

مزید معلومات کے لئے اصل کتاب کا مطالعہ فرمایا جائے واللہ الموفق۔ اس لئے کہ نفیس ومفید ہے، ماشاء اللہ آپ کی سبھی تصنیفات مفید اور تحقیق سے پُر ہیں ،اسی لئے علماء عرب مثلاً حضرت شیخ عبد الفتاح ابو غدہ جیسے علمائے اعلام بھی اسکی قدر فرماتے ہیں اور انکی تحسین وتعریف فرماتے ہیں، جو ہم مبتدیوں کے لئے موجب فرح وسرور ہے، فللّٰہ الحمد والمنۃ۔ (مرتب)

آپ کی وفات کے متعلق صاحب نزہۃ الخواطر یوں رقمطراز ہیں:

وفات: آپ کی وفات اخیر ربیع الاول ۱۳۰۴ھ میں ہوئی جبکہ آپ کی عمر ۳۹ سال تھی، اور اپنے آبائی قبرستان لکھنؤ میں مدفون ہوئے اور اس موقع پر میں حاضر تھا، ان کی تدفین میں ہر جماعت اور ہر فرقے کے لوگ شریک تھے اور اس قدر کثیر تھے جن کا شمار نہیں ہوسکتا اور لوگوں نے تین مرتبہ ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ (ج/۸، ص/۲۳۸)

حضرت مولانا غلام نبی للّٰہی جہلمی متوفی ۱۳۰۶ھ

نام وولادت: مولانا غلام نبی ۱۲۳۴ھ میں بمقام للّٰہ ضلع جہلم صوبہ پنجاب میں پیدا ہوئے۔

تعلیم: صرف ونحو اور منطق وغیرہ فنون کی کتابیں اپنے والد ماجد اور دیگر علماء سے پڑھیں۔ بعد ازاں پشاور جا کر حضرت مولانا مفتی محمد حسن وغیرہ سے پڑھیں۔ معقولات اور منقولات کی تمام کتابیں پڑھکر فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے مکان پر آ کر تدریس کی خدمت انجام دینے لگے۔

بیعت واجازت: اس کے بعد اپنی باطنی اصلاح کی فکر ہوئی تو مرشد کی تلاش میں گھر سے نکلے اتفاقاً حضرت مولانا غلام محی الدین قصوریؒ سے ملاقات ہوئی بعد استخارہ انہیں سے بیعت ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے خصوصی توجہ وتعلیم فرمائی اس کے بعد عرصہ قلیل میں تمام مقامات مجددیہ طے کرا کے دستار خلافت سے نوازا۔ اسکے بعد آپ کو کلام مجید کے حفظ کا شوق ہوا۔ چنانچہ آپ نے چھ ماہ میں یاد کر کے تراویح میں سنا دیا۔ آپ قرآن شریف نہایت تجوید اور ترتیل سے پڑھتے تھے۔ اور اس قدر یاد تھا۔ کہ گاہ گاہ ایک شب میں بھی سنا دیتے تھے، حضرت کچھ دنوں دولت خانہ پر قیام فرما کر پھر بمقام قصور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

آ۔ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ مولفہ مولانا محمد حسن نقشبندی مجددی میں تفصیل سے آپ کے حالات مذکور ہیں اسی سے یہ اقتباس پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں (مرتب)

حضرت مولانا بکمال عنایت پیش آئے۔اور اکثر طالبین کو تربیت کے واسطے آپ کو سپرد کیا اسی اثنا میں حضرت مولانا کا انتقال ہو گیا۔اور حضرت دولت خانہ پر مراجعت فرما کر مصروف ہدایت خلق اللہ واشاعت علم ظاہری و باطنی ہوئے۔آپ کی خدمت میں ستر' اسی 'طلباء علم ظاہری و باطنی کا مجمع رہا کرتا تھا۔اور سب کو آپ اپنے پاس سے کھانا کھلاتے اور کتابیں دیا کرتے تھے۔ بلکہ بعض بعض کی پوشاک اور دیگر اخراجات کی بھی خبر گیری کیا کرتے تھے۔اور بعض مع اہل وعیال مقیم رہتے تھے۔طالب کے حال پر خواہ وہ علم ظاہری کا ہو یا باطنی کا اس قدر شفقت فرمایا کرتے کہ ہر شخص اپنی جگہ یہ خیال کرتا تھا کہ میرے برابر آپ کسی پر مہربان نہیں ہیں۔

ف: یہ تھا علم دین کا مقام کہ اس کے طالبین کی کس قدر رعایت فرماتے تھے مگر افسوس کی آجکل خواص کے اندر بھی طلبہ علوم دینیہ کی قدر ومنزلت باقی نہیں رہی۔العیاذ باللہ (مرتب)

معمولات: آپ کا معمول تھا کہ دو بجے شب میں بیدار ہو کر تہجد میں قرآن شریف کی منزل پڑھتے تھے اور بعد نماز طلباء کو چھوٹی بڑی کتابوں کا درس دیتے تھے اور اشراق کی نماز کے بعد دعا حزب البحر پڑھتے پھر طلبہ کو پڑھانا شروع کرتے یہ معمول آپکا دس بجے تک رہتا دس بجے کے بعد کھانا کھانے کیلئے گھر تشریف لے جاتے اس کے بعد نماز ظہر پڑھتے بعد ازاں طلبا کو سبق پڑھاتے تھے اور عصر کی نماز کے بعد حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ختم پڑھا جاتا اس میں شریک ہوتے۔

ارشادات

فرمایا زمانے میں چونکہ لوگوں کی ہمت وطلب بہت قاصر ہو گئی ہے اس لئے بعض کو جلد اجازت دیتا ہوں۔طالب کو چاہئے کہ اس اجازت وخلافت پر مغرور نہ ہو

مقصود کچھ اور ہی ہے۔

ف: اچھی نصیحت فرمائی ہے ورنہ تو تجربہ ہے کہ بہت سے مجاز اپنی اصلاح سے غافل ہو جاتے ہیں حالانکہ اجازت کے بعد مزید اصلاح کی فکر ہونی چاہئے مگر اب عموماً ایسا نہیں ہے۔ (مرتب)

طالب کو چاہئے کہ اپنی جگہ جا کر ہمیشہ ذکر و فکر و حفظ نسبت مع اللہ اور اتباع شریعت و استقامت بر طریقت پر قائم رہے۔

فرمایا کہ پیران کبار قدس اللہ اسرارہم کا معمول تھا کہ اگر طالب سے لغزش ہو جاتی تھی۔ اس کو تنبیہ اور سرزنش فرماتے۔ اور جب تک وہ توبہ نصوح نہ کرتا۔ اس پر ملتفت نہ ہوتے۔ لیکن فقیر بجائے تنبیہ و سرزنش کے اعراض باطن ہی پر اکتفا کرتا ہے اور ظاہر میں کچھ نہیں کہتا۔ اگر طالب کو تغیر احوال سے تنبہ ہو گیا تو خیر ورنہ ظاہری اعراض بھی کیا جاتا ہے کہ تائب ہو جائے۔

فرمایا کہ تربیت باطنی جلالی و جمالی ہر دو وضع سے چاہیے جس شیخ میں یہ دونوں اوصاف ہوتے ہیں اس سے جلد فائدہ پہنچتا ہے۔

فرمایا کہ مرید نارسیدہ مثل طفل شیر خوار ہے کہ اگر قبل از ایام رضاعت اپنی والدہ سے علیحدہ ہو جائے تو اس کے نشوونما میں فرق آ جائیگا۔ اسی طرح اگر مرید قبل از وقت پیر سے علیحدہ ہوگا تو ناقص و ابتر رہ جائیگا۔

فرمایا کہ باوجود تحصیل نسبت باطن اگر کسی شخص کے اخلاق درست نہ ہوں وہ قابل اجازت نہیں ہے۔

ف: حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرماتے تھے کہ جس کے اخلاق درست نہیں ہوتے اس کے اندر نسبت مع اللہ کی صلاحیت پیدا نہیں ہوتی واللہ الموفق (مرتب)

فرمایا کہ اگرچہ میں بعض اوقات جلد اجازت دے دیتا ہوں مگر وہ باعث ضرورت و مصلحت مقید بشرائط ہوتی ہے۔

فرمایا کہ محبت مشائخ وصول الی اللہ کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

فرمایا کہ کلمہ حق پوشیدہ نہیں رکھنا چاہئے اگر امید قبول ہو اور اگر امید قبول کی نہ ہو دل سے اس کو مکروہ جاننا چاہئے۔

فرمایا کہ ترک دنیا دل سے ہوتی ہے نہ کہ ترک اسباب ظاہر سے۔

فرمایا کہ معرفت الٰہی کی نہایت نہیں ہے تھوڑے سے ذوق وشوق پر قانع نہیں ہونا چاہیے۔ ہرگاہ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا فرمایا تو دوسروں کا کیا ذکر ہے۔

فرمایا کہ مثل حضرت مجدد الف ثانیؒ امت محمدیہ میں کم گزرے ہیں۔

فرمایا بڑا کام یہ ہے کہ شریعت پر استقامت رکھے۔

ف: اسی لئے علماء اور مشائخ اس پر متفق ہیں کہ **الاستقامة فوق الکرامة** (مرتب)

فرمایا کہ جس شخص میں طلب صادق و محبت الٰہی ہوتی ہے۔ اس کو طریقت میں داخل ہونے سے ضرور فائدہ باطنی ہوتا ہے۔

فرمایا کہ آدمی کو چاہئے کہ ہر وقت توشہ آخرت کی فکر میں رہے۔

فرمایا کہ کپڑا مثل صلحاء کے پہننا چاہئے۔ فرمایا کہ طالب صادق وہ ہے کہ جس پر محبت مرشد و اتباع خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غالب ہو۔

فرمایا کہ طالب مولیٰ کی کبھی پیاس نہیں بجھتی اور ہر وقت ترقی کی فکر میں ہوتا ہے۔

فرمایا جس قدر طالب میں شکستگی و عاجزی زیادہ ہوتی ہے اسی قدر فیض اس پر زیادہ وارد ہوتا ہے۔

فرمایا اسم ذات سے جذبہ پیدا ہوتا ہے اور نفی اثبات سے سلوک۔

ف: سبحان اللہ کیسے معرفت کی بات ارشاد فرمائی۔فجز اہم اللہ تعالی (مرتب)

فرمایا بعض میں جذبہ زیادہ ہوتا ہے اور بعض میں سلوک۔جس طالب میں جذبہ زیادہ ہوتا ہے اس کو اسم ذات سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔اور جس میں سلوک زیادہ ہوتا ہے اس کو نفی واثبات زیادہ فائدہ کرتا ہے۔

ف: ماشاءاللہ خوب مسئلہ کی وضاحت فرمائی جس کا مشائخ کو لحاظ رکھنا لازم ہے (مرتب)

فرمایا بعض کے حلقہ میں جوش وخروش وہائے ہو ونعرہ بہت ہوتا ہے اور عوام کی نظروں میں اس کی بڑی وقعت ہوتی ہے حالانکہ یہ جوش وخروش کوئی چیز نہیں ہے۔

ف: بہت ہی عمدہ بات ارشاد فرمائی جو عین حقیقت ہے۔(مرتب)

فرمایا جس شخص کی طرف لوگ بہت رجوع ہوں یہ نہ خیال کرنا چاہئے کہ وہ شخص کامل مکمل ہے۔حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ بر کروفر صوفیہ غرہ نباید شد۔(یعنی صوفیہ کرام کے شان وشوکت سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے)

فرمایا سالک کو چاہیے کہ نیچی نظر کر کے چلا کرے کسی کا شعر ہے۔ ؎

خوے سگا نست بہر سوئے نگاہ　　شیر سر افگندہ رود سوئے راہ

ترجمہ: کتے ہر طرف نظر کر کے چلتے ہیں اور شیر سر نیچے کئے راستہ پر چلتا ہے اس لئے کہ ادھر ادھر کا دیکھنے والا کامیاب نہیں ہوتا ۔(مرتب)

فرمایا سلوک حاصل کرنے کی چند شرطیں ہیں

اول: استعداد کامل۔ دوم: پیر کامل مکمل۔ سوم: توفیق الٰہی۔

ف: بالکل صحیح ہے اللہ ہم سب کو ان شرائط سے مشرف فرمائے تا کہ نسبت مع اللہ کی نعمت میسر ہو (مرتب)

فرمایا حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلویؒ نے حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری کی نسبت فرمایا کہ یہ ہماری آخری عمر کی کمائی ہیں۔

ف: سبحان اللہ جس کے متعلق اسکا پیر یہ باتیں کہے اس کے لئے بہت ہی سعادت کی بات ہے (مرتب)

فرمایا کہ جس قدر نسبت باطنی بلند ہو جاتی ہے اسی قدر لطیف ہوتی جاتی ہے۔

فرمایا کہ طالب خلافت قابل خلافت نہیں ہوتا۔

ف: مگر افسوس کہ اس حال زار میں عام ابتلاء ہے۔ العیاذ باللہ (مرتب)

فرمایا فقر بڑی دولت ہے۔ دولت جس قدر ہو سکے پوشیدہ رکھنا چاہیے۔

فرمایا خواہ دوست ہو خواہ دشمن سب سے اخلاق سے پیش آنا چاہیے۔

چنانچہ یہ شعر اس معنی میں خوب تر ہے۔

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرفست　　با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

ترجمہ: دونوں جہان کی آسائش ان دو حرفوں کی تفسیر ہے، دوستوں کے ساتھ تلطف و کرم کا معاملہ اور دشمنوں کے ساتھ حسن و سلوک۔

فرمایا کہ اگر باوجود پیر کی التفات کے مرید کی جانب سے کم توجہی پائی جائے تو یہ مرید کی نقص استعداد کی علامت ہے۔

فرمایا صحبت بد سے نہایت نقصان ہوتا ہے۔

فرمایا مرید کو چاہئے کہ پیر کی خدمت میں مردہ بدست زندہ رہے۔ کسی بات کی اپنی طرف سے خواہش نہ کرے۔ پیر جو کچھ اس کے ساتھ معاملہ کرے وہ عین ثواب ہوتا ہے ۔

فرمایا اگر کوئی شخص داخل طریق ہی نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں ۔لیکن طریق میں داخل ہونے کے بعد بے استقامتی بہت بری بات ہے۔

فرمایا جو شخص ولیوں کو نقصان پہنچائے اس کے واسطے یہ ضروری نہیں کہ اس کو جانی یا مالی نقصان پہونچے۔ بلکہ ان بزرگوں کے فیوض و برکات سے محروم ہو جانا ہی بڑا نقصان ہے۔

ف: بیشک یہی حقیقت ہے مگر عام طور پر لوگ اسکو نہیں سمجھتے (مرتب)

فرمایا کہ انسان کی پیدائش سے مقصود حصول معرفت ہے۔ اور بلا صحبت کامل مکمل یہ ممکن نہیں۔ پس چاہیے کہ جس جگہ ایسے شخص کا پتہ لگے۔ بعد استخارہ اس کی طرف رجوع کرے۔

فرمایا مدار کار دو چیز پر ہے۔ ایک اللہ ورسول سے محبت اور دوسرے اتباع شریعت۔

ف: سبحان اللہ! کیا ہی خوب مدار کار کی وضاحت فرمادی، اللہ تعالیٰ ان پر عمل کی توفیق دے۔ (مرتب)

وفات: آپ کی وفات ۲۲ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ کو ہوئی انا للہ و انا الیہ راجعون اور اپنے وطن ضلع جہلم میں مدفون ہوئے، رحمہ اللہ تعالیٰ

(تذکرہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ مولفہ مولانا حسن نقشبندی: ص ۴۹۸)

حضرت مفتی غلام سرور لاہوریؒ متوفی ۱۳۰۷ھ

نام ونسب وولادت: مفتی غلام سرور بن غلام محمد بن مفتی رحیم اللہ قریشی ۱۲۴۴ھ مطابق ۲۹۔۱۸۲۸ء میں کوچہ کوٹلی مفتیاں میں پیدا ہوئے۔ایک علمی خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔

تعلیم: انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد مفتی غلام محمد (م ۱۲۷۶ھ) سے حاصل کی۔ ان ہی سے فنِ طب سیکھا پھر مولانا غلام اللہ فاضل لاہوری کے سامنے زانوئے تلمّذ تہہ کیا اور علوم متداولہ کی تحصیل کی، مفتی صاحب نے عملی زندگی کا آغاز ملازمت سے کیا۔لیکن جلدی ہی ملازمت ترک کر کے ہمہ تن علم وادب کی خدمت میں مصروف ہو گئے اور ساری زندگی اسی گلستان کے گل بوٹے سنوارنے میں گزار دی۔ (تذکرہ علماء پنجاب صفحہ ۴۵۹)

بیعت: مفتی صاحب شگفتہ مزاج، ملنسار اور عبادت گزار صوفی تھے۔سلسلہ سہروردیہ میں اپنے والد ماجد سے بیعت تھے۔ ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۹۰ء میں ارضِ حجاز میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (م ۱۳۱۷ھ) سے چشتی سلسلے میں تعلق پیدا کیا۔مگر انہیں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی ذات وخدمات سے از حد دلچسپی تھی۔

فضل وکمال: مفتی صاحب کی طبیعت میں استغنا اور قناعت کی صفت پائی جاتی تھی۔حکام وقت سے دور رہتے تھے۔اگر وہ چاہتے تو ادنیٰ کوشش سے

''شمس العلماء'' کا خطاب حاصل کر سکتے تھے مگر انہوں نے علم وادب کی خدمت ان خواہشات سے بے نیاز ہو کر کی۔ سر سیّد احمد خان (م ۱۳۱۵ھ) کے متجددانہ خیالات سے اختلاف کرتے تھے۔ ۱۸۸۴ء مطابق ۲۔۱۳۰۱ھ میں سر سیّد احمد خان ''زندہ دلانِ پنجاب'' کا تعاون حاصل کرنے پنجاب آئے۔ لاہور میں ڈپٹی برکت علی ان کے دوست تھے۔ انہیں کے یہاں قیام تھا۔ ڈپٹی برکت علی نے معززین لاہور کو اپنے ہاں مدعو کیا تاکہ سر سیّد خان ان سے اپنے دل کی بات کہیں اور علی گڈھ کالج کے لئے ان کا تعاون حاصل کریں ان معززین میں مفتی صاحب بھی شامل تھے۔ سر سیّد خان غائبانہ طور پر ان سے متعارف تھے۔ ملاقات پر خوشی کا اظہار کیا اور کوئی کام ان کے ذمے کرنا چاہا۔ مفتی صاحب نے جواب دیا کہ میں گوشہ نشین آدمی ہوں۔ تصنیف وتالیف میرا شغل ہے۔ آپ نے اپنے گرد جو افراد اکٹھے کئے ہیں وہی ان کے مقاصد کے لئے موزوں ہیں۔ نیز جماعتی اتحاد کے لئے عقائد کی ہم آہنگی بھی ضروری ہے۔ سر سیّد ان کا جواب سن کر خاموش ہو گئے۔

ف: ماشاء اللہ! حضرت مفتی صاحب نے بڑے ہی حکمت ومعرفت کی بات صاف صاف ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے صحیح نیت سے بیان فرمائی ہے یہی علماء حق کی پہچان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو فہم وفراست اور دین ودیانت کے ساتھ کلمہ حق کہنے کی صفت سے متصف فرمائے آمین۔ (مرتب)

روانگی حج: جون ۱۸۹۰ء مطابق ۱۳۰۷ھ مین اپنے برادر زادہ جلال الدین بن مفتی سید محمد کے ہمراہ حج کے لئے روانہ ہوئے۔

تصنیف: مفتی صاحب بلند پایہ عالم، مورّخ، تذکرہ نگار، تاریخ گو اور شاعر تھے۔ان کی بہت سی کتابیں یادگار ہیں۔مثلاً خزینۃ الاصفیاء، حدیقۃ الاولیاء لغات سروری وغیرہ۔

وفات: حج کا فریضہ ادا کرنے کے بعد مرض ہیضہ میں مبتلا ہو گئے اور سفر میں ۲۴/ ذی الحجہ ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۴/اگست ۱۸۹۰ء کو وفات فرمائی مولانا غلام دستگیر قصوریؒ ان کے رفیق سفر تھے۔انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی اور میدان بدر کے قریب بیر بالا حسانی میں دفن ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔نور اللہ مرقدہ۔ (علماء پنجاب صفحہ ۴۵۹)

حضرت شاہ غلام معین الدین[1] جونپوریؒ متوفی ۱۳۰۷ھ

نام ونسب: آپ کا نام غلام معین الدین، کنیت ابوالخیر اور لقب قطب الہند ہے والد کا نام شیخ قیام الحق ہے آپ اپنے والد کے چھوٹے لڑکے اور مرید وخلیفہ تھے۔

تعلیم: آپ نے درسی کتابیں مولوی معشوق علی جون پوریؒ اور مولانا محمد شکور مچھلی شہریؒ سے پڑھا اس کے بعد آخر وقت تک طلبہ کو درس دیتے رہے۔ آپ کے یہاں طالبان علوم نبوت کیلئے خورد ونوش کا باقاعدہ انتظام رہتا تھا اور گاہے گاہے عام غرباء اور مساکین کیلئے لنگر چلتا تھا۔

اخلاق فاضلہ: آپ میں توکل، استغنا، غیرت، شفقت اور مروت تھی۔ غربا پروری اور مساکین نوازی میں شہرت عام تھی۔ بیماروں اور عاجزوں کی خبر گیری فرماتے یتیموں وبیکسوں پر شفقت کرتے تھے۔

بیعت واجازت: والد سے مختلف سلاسل کی اجازت وخلافت کے علاوہ شیخ بدرالدین بدر عالم زاہدی سے سلسلۂ زاہدیہ کی بطریق اویسیہ اجازت وخلافت رکھتے تھے۔ حرمین شریفین کی زیارت کے لئے مکہ شریف کا سفر کیا تو حاجی امداد اللہ مہاجر مکی چشتی صابری نے ان سے ملاقات کی اور جو کچھ مطلوب

---

[1] آپ کے حالات ماھنامہ معارف دارالمصنفین اعظم گڈھ بابت ستمبر ۲۰۱۸ء مطابق ذوالحجہ ۱۴۳۹ھ کا مضمون ''خانقاہ عالیہ رشیدیہ جون پور تاریخ اور کارنامے'' اور اس کے علاوہ تاریخ شیراز ھند جون پور مولفہ مکرم اقبال احمد کو سامنے رکھکر ترتیب دیا گیا ہے۔ (مرتب)

ومقدر تھالے گئے۔ دوسرے دن جب دوبارہ تشریف لائے تو اپنا ایک رسالہ مع اجازت نامہ کے دے گئے۔

صاحب سمات الاخیار نے لکھا ہے کہ مولوی شاہ عبد الغفور ابوالعلائی یوسف پوری جو بڑے سیاح اور مشائخ کی صحبت اٹھائے ہوئے درویش تھے، ان کا بیان ہے کہ ہند سے عرب تک میں نے اس جامعیت کا شیخ کہیں نہیں پایا۔ آپ سلسلہ رشیدیہ کے پانچویں سجادہ تھے۔

بانی سلسلۂ رشیدیہ کی سیرت: شیخ محمد رشیدا[1] ایک متبحر عالم، عارف باللہ اور زبردست صاحب تصوف بزرگ تھے۔ آپ سے مدعائے دل ظاہر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اٹھتے بیٹھتے اللہ کا لفظ زبان پر جاری رکھتے۔ قناعت اور استغناء آپ کے مزاج میں ہی داخل تھا۔ سلاطین اور امراء کے دروازے پر جانا پسند نہ تھا۔ جس کام کو شروع کرتے اس کو پورا کرتے۔ کل کا لفظ بغیر ان شاء اللہ کے نہ فرماتے۔ تہذیب وادب کا لحاظ رکھتے۔ ہر کام میں بزرگوں کی پیروی کرتے۔ مریدوں کو نماز اور عبادت کی تعلیم دیتے اور اس کی پابندی کا حکم فرماتے۔

بیمار ہوتے تو بہت کم دوا لیتے اور فرماتے کہ دوا میں توکل اچھی چیز ہے اور دوا کرنے کا حکم بھی ہے۔ سماع سے آپ کو انکار نہ تھا۔ آپ کسی کی غیبت نہیں سنتے تھے۔ اگر کوئی ناواقف غیبت کر بیٹھتا تو آپ بیزار ہوتے اور اس کی کسی اچھی بات سے تاویل فرماتے۔ مثلاً ایک مرتبہ حاجی جلال الدین نے سادات خاندان

---

(۱) قطب الاقطاب محمد رشید عثمانی جون پوری کے تفصیلی حالات اقوال سلف پنجم ص ۴۸۰ پر درج کر دیا ہے جس کو تفصیل مطلوب ہو وہاں مطالعہ کرے (مرتب)

سے حاکم شہر کی شکایت کی انہوں نے فرمایا کہ میرے سامنے کوئی کسی کی بدی ظاہر کرتا ہے تو مجھے اس کے جواب میں مشکل درپیش آتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بدی اور گمان بد سے منع فرمایا ہے بلکہ اس کے رسولؐ نے حسن ظن کا حکم دیا ہے۔ لامحالہ مجھے توجیہ کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً اگر کسی کو رمضان میں سر بازار کھاتے ہوئے دیکھوں تو گمان کروں گا کہ مسافر یا بیمار ہے کہ بھوک کے غلبے سے الگ لے جا کر کھانے کی طاقت نہیں رکھتا ہے۔ اگر کسی کو جانوں کہ اس نے شراب پی ہے، کہوں گا توبہ کر لی ہوگی۔ ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ حاکم شہر ظالم اور رافضی ہے مگر نماز عید اس نے جماعت سے پڑھی تھی، فرمایا کہ جب تم نے نماز جماعت سے پڑھتے ہوئے دیکھا پھر کیوں اس کے حق میں برا گمان کیا، انسان کو نیکی پر نظر کرنی چاہیے نہ کہ بدی پر۔ (سمات الاخیار، ص ۸۲، ۸۳)

اقوال زریں

مورخین نے ان کی سیرت پر بہت کچھ لکھا ہے اور ان کے اقوال وعادات اور اطوار کو تفصیل سے تحریر کیا ہے۔ یہاں سب کی گنجائش تو نہیں، ذیل میں چند اقوال قلم بند کیے جاتے ہیں۔

(۱) سالک کو چاہیے کہ وہ صفِ نعال (جوتوں کی صف) میں بیٹھا کرے تاکہ اپنے کو پستی میں دیکھ کر بلندی کی طرف ترقی کرے اور شیخ کو چاہیے کہ صدر میں بیٹھے تاکہ نعال نشینوں (جوتوں میں بیٹھنے والے لوگوں) کی طرف متوجہ ہو اور ان کی تعلیم اور ترقی کی کوشش کرے۔

(۲) طلب کامل وہی ہے جو اپنی زبان سے کہنے کی نوبت نہ آئے اور شیخ

خود اس کی عرضی کی طرف توجہ کرے۔

(۳) دنیا والے چاہتے ہیں کہ فقرا کو ایک دو ملاقات میں پہچان لیں، یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ فقیر کو غیر فقیر پہچان لے۔

(۴) کل سرٍ جاوز الاثنین شاع اس حدیث میں اثنین سے مراد دو آدمی نہیں ہیں بلکہ دولب ہیں۔ معنی یہ ہوئے کہ بھید جب دولب سے گزر جاتا ہے تو پھیل جاتا ہے۔ (سمات الاخبار، ص ۸۸ تا ۹۰)

ف: سبحان اللہ کیا خوب مطلب بیان فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ کسی راز کا مخفی رکھنا ضروری ہو تو تم اپنے منھ سے بھی نہ نکالو ورنہ وہ راز شائع ہو جائیگا اور راز نہ رہیگا (مرتب)

سلسلہ رشیدیہ کے ممتاز علما و مشائخ: شیخ محمد رشیدؒ کے تین اولوالعزم خلفاء ہیں! میر سید قیام الدین قدس سرہ گورکھپوری، میر سید محمد جعفر قدس سرہ پٹنوی، شیخ یسین جھونسوی قدس سرہ ہیں۔

(۱) **میر سید قیام الدین گورکھپوری قدس سرہ:** (م ۸ صفر ۱۱۲۸ھ) کا اصل وطن سکڑی اعظم گڈھ تھا۔ بعد میں انہوں نے گورکھپور کو شرف بخشا۔ شیخ محمد رشید قدس سرہ سے ارادت و خلافت دونوں حاصل تھی۔ وہ زاہد، صائم الدہر، قائم اللیل درویش تھے۔ ان کے بارے میں مرشد گرامی نے فرمایا: ''تم اور سید محمد جعفر کل قیامت میں اس فقیر کی نجات کے سبب ہوگے''۔ خاندان میں سجادگی کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ شاہ شاہد علی سبز پوش قدس سرہ کے وہ مورث اعلیٰ ہیں (آپ کی مزار سبز پوش ہاؤس کے اندر مسجد کے صحن میں محلہ جعفرا بازار شہر

گورکھپور میں واقع ہے)

(۲) سید محمد جعفر پٹنوی (م ۳؍رمضان ۱۱۰۵ھ) نام محمد جعفر اور لقب بحر الحقائق نجم الحق تھا۔ سلسلۂ نسب حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔ (سمات الاخیار، ص ۱۰۷ تا ۱۰۹)

(۳) شیخ یسین جھونسوی [۱] : شیخ احمد بن شیخ محمد بن شیخ عبدالرحیم بن بندگی شیخ اوجھڑ صدیقی جون پوری کے بیٹے تھے۔ چونکہ سعید ازلی تھے اس وجہ سے ان کو بچپن ہی سے مخدوم طیب بنارسی کی صحبت نصیب ہوئی۔ مخدوم بنارسی نے ان کی پرورش اور تعلیم مربیانہ فرمائی۔ اپنے پیرانؔ سلاسل کے حالات میں ''مناقب العارفین'' ان کی عمدہ تصنیف ہے۔ آپ کا مزار قصبہ جھونسی، الہ آباد میں شیخ نصیر الدین اسد العلماء کے روضے کے اندر ہے۔ (سمات الاخیار، ص ۱۱۱؍ ۱۱۲)

وفات: حضرت شاہ غلام معین الدینؒ کی وفات ۱۶؍ذی الحجہ ۱۳۰۷ھ کو ہوئی اور مزار بہار میں ہے۔ نور اللہ مرقدہ۔

---

[۱] شیخ یاسینؒ کے تفصیلی حالات اقوال سلف پنجم صفحہ: ۴۷۲ پر احقر نے درج کیا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ (مرتب)

حضرت مولانا نواب صدیق حسن خاں بھوپالیؒ[1] م: ۱۳۰۷ھ

سلسلہ نسب: نواب صدیق حسن خاں کا سلسلۂ نسب حضرت حسین ابن علی رضی اللہ عنہما سے ملتا ہے، یہ خاندان بلادِ عرب سے ایران کے راستے ملتان آیا اور وہاں سے ہندوستانی پایۂ تخت دہلی منتقل ہوا۔ سلطان ہند بہلول شاہ لودھی نے (جو نواب صاحب کے دادا جناب شیخ جلال سوم کے خصوصی مریدوں میں سے تھے) شیخ کا بڑا اعزاز واکرام کیا اور قنوج کے آباد علاقہ کی ایک بڑی جائداد آپ کے نام لکھ دی، کچھ دنوں کے بعد شیخ کا خاندان قنوج منتقل ہوگیا، اور تین سو سال تک علم اور دین کی خدمت کرتا رہا، یہاں تک کہ قنوج دعوت واصلاح کا عظیم الشان مرکز بن گیا۔

اسی خاندان عالیشان میں حضرت مولانا سید صدیق حسن خاں ۱۲۴۸ھ مطابق ۱۸۳۲ء میں اتوار کے روز بوقت چاشت اپنی ننہال بانس بریلی میں پیدا ہوئے، کچھ دنوں کے بعد ان کی ماں انہیں لے کر قنوج چلی گئیں، جہاں ان کے والد پہلے سے سکونت پذیر تھے، آپ ابھی پانچ سال کے تھے کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، اب بچے کی تعلیم وتربیت اور کفالت کی تمام ذمہ داری محض ماں پر آپڑی، ماں خود بھی مومنہ تھیں، تقویٰ وطہارت، سمجھ بوجھ اور تربیتی امور میں طاق

---

(۱) ہماری درخواست پر مشفقی المکرم مولانا محمد اجتباء ندوی رحمہ اللہ صدر شعبہ عربی وفارسی الہ آباد یونیورسٹی نے حضرت مولانا نواب صدیق حسن خاں کے متعلق نہایت محقق وبصیرت افروز مضمون ارقام فرمایا جو بعینہٖ نقل کئے جانے کے لائق ہے؛ مگر بغرض اختصار اس کا اقتباس نقل کر رہا ہوں فجزاہم اللہ احسن الجزاء ۔(مرتب)

اور ضرب المثل تھیں، انہیں نے بیٹے کی تعلیم وتربیت پر خاص توجہ دی، اور بچپن ہی سے اس کو اسلامی رنگ میں رنگنے کی کوشش کی، نواب صدیق حسن خاں صاحب خود فرماتے ہیں:

میں سات برس کا تھا، مسجد میرے گھر سے قریب ہی تھی، فجر کی نماز میں میری والدہ گہری نیند سے مجھ کو جگا کر وضو کراتیں اور پابندی سے مسجد بھیجتیں، گھر میں نماز ادا کرنے کی اجازت ہرگز نہ دیتیں اور اگر کبھی گہری نیند سے اٹھنے میں دیر لگاتا تو میرے چہرے پر پانی کی چھینٹیں مار مار کر زبردستی مجھ کو جگاتیں۔

اسی طرح کی دینی تربیت حاصل کرنے کے بعد نواب صاحب عمر بھر دینی فرائض کی ادائیگی میں چاق وچوبند رہے اور منصب واقتدار اور عزت وشہرت کے بلند وبالا مقام پر فائز ہونے کے بعد بھی کبھی آپ کے عقیدہ ومسلک اور دینی روش میں سرمو فرق نہ آیا۔

تعلیم: حضرت نواب صاحب شہر کے مدرسہ میں داخل ہوئے، ابتدائی کتابیں اپنے بڑے بھائی مولانا سید احمد حسن سے پڑھیں، پھر فرخ آباد اور کانپور چلے گئے، وہاں بھی علم حاصل کرتے رہے، علم کا شوق کشاں کشاں دہلی دارالسلطنت کھینچ لایا، یہاں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کے علمی خاندان سے انہوں نے استفاضہ کیا، صدرالافاضل مفتیٔ ہند جناب صدرالدین خان یمانی، م ۱۲۹۵ھ ۱۸۷۸ء اور امام شوکانی محدث کے شاگرد شیخ عبدالحق بنارسی ہندی متوفی بمقام منی (۱۲۸۶ھ ۱۸۶۹ء) سے حاصل کیا۔

دلی سے واپسی کے وقت نواب صاحب کی عمر ۲۱ سال کی تھی اس لئے

اپنے وطن قنوج میں محض چند مہینے گزارنے کے بعد تنگی معاش سے پریشان ہو کر رجب ۱۲۷۱ھ مطابق ۱۸۵۴ء میں آپ مشہور مسلم ریاست بھوپال پہنچے، جس کی علم نوازی کے بارے میں آپ نے اپنے ایک پڑوسی محمدی سے بہت کچھ سن رکھا تھا، وہاں تاریخ بھوپال کی تدوین کے لئے آپ کا تقرر ہوگیا مگر بعض معاصر علماء سے اختلاف کی بناء پر وہ زیادہ دن اس ملازمت کو باقی نہ رکھ سکے اور بھوپال سے مستعفی ہو کر ٹونک چلے گئے، جہاں کافی دنوں تک رہے مگر وہاں کی فضا بھی کچھ بہت زیادہ راس نہ آئی، وہاں سے اپنے وطن قنوج کی واپسی کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ اتنے میں آپ کو بیگم سکندر جہاں اور مولانا جمال الدین کا دعوت نامہ ملا، اور آپ بھوپال دوبارہ واپس چلے گئے، جہاں بیگم بھوپال سے ان کو تبادلہ خیالات کا موقع ملا، بیگم صاحبہ نے آپ کے ساتھ بڑے اعزاز و اکرام کا معاملہ کیا اور دربار کے ایک اہم عہدے پر فائز کر دیا۔

نکاح اول: ادھر مولانا جمال الدین صاحب کو نواب صاحب کے علم و فضل، تقویٰ و امانت داری اور حسن اخلاق کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، اس لئے انہوں نے اپنی دیانت دار اور پڑھی لکھی بیٹی ذکیہ بیگم کی شادی نواب صاحب سے کر دی، نواب صاحب نے شادی کے چند روز کے بعد ہی اپنی ماں اور بہنوں کو قنوج سے بھوپال بلوالیا جہاں پورا خاندان ہنسی خوشی سے رہنے لگا، نواب صاحب کی اس بیوی سے دو بیٹیاں اور دو بیٹے نور الحسن اور علی حسن پیدا ہوئے۔

حج: نواب صاحب حج و زیارت حرمین کے بیحد مشتاق تھے؛ ان کے دل میں حرمین شریفین کے علمی اور روحانی جھونکوں سے کسبِ فیض کا شوق تھا، وہ وہاں کے

دینی وعلمی کتابوں کے حصول اورنوادر سے استفادہ کے شیدائی تھے،۱۲۸۵ھ میں وہ عازم حج ہوئے اورحج وزیارت کے شرف سے مشرف ہوئے،اور بہت سی کتابیں خریدیں۔

۱۲۸۶ھ میں آٹھ مہینے کے بعدنواب صاحب حج سے بخیر وعافیت واپس ہوئے،واپسی کے بعد تصنیف وتالیف اورترجمے کے کاموں میں ہمہ تن مشغول ہوگئے،قدیم وجدید کتابوں کی طباعت بھی آپ کا خاص مشغلہ تھا،نواب صاحب کی اپنی تصانیف کی تعداد ڈھائی سو سے زیادہ ہے لیکن یہاں ان تمام علمی تصانیف کے تذکرے کی گنجائش نہیں۔

نکاح ثانی: نواب صاحب اپنی محنت واخلاص اورگرانقدرخدمات کی بناء پر ارباب حکومت وریاست کے دل میں اتر گئے اورآپ ریاست بھوپال کے ناظم اعلیٰ بنادیئے گئے۔

جس کی وجہ سے نواب شاہ جہاں بیگم والیۂ ریاست سے روابط بڑھے اورانہوں نے نواب صاحب کا خلوص وللہیت اورکام کی لگن وصلاحیت کوبخوبی دیکھا تو (چونکہ وہ چندسال پہلے بیوہ ہوچکی تھیں اس لئے ان کو نظام ریاست کے لئے معین کی بھی ضرورت تھی)انہوں نے نواب صاحب سے نکاح کا تہیہ کرلیا اوربرطانوی حکومت سے باقاعدہ اجازت لے کر ۱۲۸۸ھ مطابق ۱۸۷۱ء میں نکاح کرلیا،اس کے بعد پچاس ہزارروپیہ سالانہ آمدنی کی جائدادنواب صاحب کو عطاہوئی۔

لہذا نواب صاحب حکومت کے کاموں کی اصلاح اوراسلامی شریعت

کے مطابق اس کو ترقی بخشنے میں مشغول رہے، اور رفاہ عام کے ساتھ ساتھ علمی و دینی سرگرمیاں بھی چلتی رہیں، مگر افسوس کہ سلطان جہاں بیگم جو نواب شاہ جہاں بیگم کی پہلے شوہر کی بیٹی تھیں جب والیۂ ریاست ہوئیں تو حاسدین نے نواب صاحب کے خلاف ان کے کان بھرے جس کی وجہ سے وہ درپئے آزار ہوئیں، جس سے نواب صاحب کو بیحد تکلیف پہنچی، مگر نواب صاحب نے سب برداشت کیا اور ان کو مثل حقیقی بیٹی کے سمجھتے رہے۔

محدث کبیر اور مورّخ عظیم حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی نے اعیان الحجاج: ج ر ۲ میں نواب صاحب کے متعلق لکھا ہے کہ حدیث میں وہ ایک واسطہ سے شاہ عبدالعزیزؒ اور علامہ شوکانیؒ کے شاگرد ہیں، ۱۲۸۷ھ میں نواب شاہ جہاں بیگم والیۂ ریاست بھوپال ان کے عقد نکاح میں آئیں، اور انہوں نے ان کو نائب دوم کا عہدہ اور بیش قیمت جاگیر عطا کی، بعد میں نواب والا جاہ امیر الملک کا خطاب اور پچاس ہزار کی جاگیر عطا کی۔ (ج ر ۲ ص ر ۲۴۷)

تصانیف: اخیر میں مولانا المذکور تحریر فرماتے ہیں:

نواب صاحب کی تصنیفات بہت ہیں، عربی، فارسی و اُردو تینوں زبانوں میں ہیں، آخر میں انہی کے خاندان والے نواب صاحب کا عروج دیکھ نہ سکے، اور وہ درپئے آزار ہو گئے، اس لئے ان کو جیسا عروج حاصل ہوا تھا ویسا ہی ابتلاء بھی پیش آیا۔ (اعیان الحجاج: ج ر ۲ ص ر ۲۴۹)

اب آپ کے چند ارشادات ان کی تالیف فرمودہ کتاب ''حظیرۃ القدس و ذخیرۃ الانس'' سے نظر نواز ہو۔

ارشادات

بندہ رابایدکہ رجاوامید ازحق سبحانہ درین حیات پنجروزہ بیشتردارد ہردم انس والفت ومحبت وے درجناب اوسبحانہ بیفزاید۔

ترجمہ:- بندے کو چاہئے کہ حق سبحانہ وتعالی سے اس پنجروزہ زندگی میں رجاءوامید زیادہ رکھے تاکہ اللہ تعالی کی جناب میں انس والفت اورمحبت زیادہ سے زیادہ بڑھے۔

قُلْ لِعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰیٓ اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْم۔

اللہ تعالی ارشادفرماتے ہیں: آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے (کفروشرک کرکے)اپنے اوپرزیادتیاں کی ہیں کہ تم خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو،بالیقین خدائے تعالی تمام (گذشتہ) گناہوں کو معاف فرمادے گا،واقعی وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے۔

وخوف ودہشت وے تعالی ہماں قدر شاید از اقتراف منہیات و ارتکاب موبقات و مہلکات منع فرمایدوبامتثال مامورات واشغال معروفات سرگرم سازد، نہ آں کہ چنداں

اور اللہ تعالی سے خوف ودہشت اتنا ہی رہے کہ وہ ممنوعات کے ارتکاب اور مہلکات پرعمل کرنے سے باز رکھے اورمامورات ومعروفات (نیکی)کے بجالانے پرسرگرم کردے، نہ یہ کہ خوف اتناغالب ہوجائے کہ رب رحیم اورخدائے

ترس چیرہ شود کہ رب رحیم وایزد کریم کہ تمام عمر بابندہ شرمندۂ خود بلطف ورأفت پیش آمدہ سخت تر از دشمن پندارد، وبغلط فہمی چناں اندیشد کہ در دنیا از دستش محفوظ ماندم بارے در عقبی باختیار او افتم۔

کریم جو تمام عمر اپنے بندۂ شرمندہ سے لطف ورأفت سے پیش آیا ہے اس کو دشمن سے زیادہ سخت سمجھنے لگے، اور اس قدر غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے کہ دنیا میں تو اس کے ہاتھ سے محفوظ رہا مگر آخرت میں اس کے اختیار میں گرفتار ہو جاؤں گا جس کی وجہ سے مجھ پر عتاب ہوگا۔

وعاظ نافہم عوام الناس راہمی قسم می ترسانند، و بندگانِ اورا از حق تعالی متوحش می گردانند۔ (ص/ ۵۲)

نافہم واعظین عوام الناس کو اسی طرح ڈراتے ہیں اور اللہ تعالی کے بندوں کو حق تعالی سے ایسے ہی متوحش (دور) کر دیتے ہیں۔

فرمایا کہ جو کچھ بھی موجود ہے وہ سب اللہ تعالی کے علم وقدرت میں ہے اور سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے، اس لئے کام کے انجام میں غور کرنا چاہئے اور چشم عبرت آخرت کے معاملہ میں کھولنا چاہئے۔

درپس ہر گریہ آخر خندہ ایست مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

یعنی ہر گریہ وزاری کے بعد ایک نہ ایک دن ہنسی وخوشی ہے اور انجام بیں بندہ مبارک بندہ ہے۔

تم چاہو یا نہ چاہو موت سے چارہ نہیں ہے، اور تقدیر کے پنجہ سے رہائی ممکن نہیں ہے، بچہ مکتب جانے پر راضی نہیں ہوتا مگر اس کے ولی (ماں باپ) اس کو وہاں پہنچاتے ہیں، چاہئے کہ ہماری تمام تر توجہ وہمت امور آخرت کی

طرف مصروف ہو اور بمقتضائے بشریت دنیا کی طرف توجہ بقدر ضرورت ہو اور اس قدر توجہ میں کچھ مضائقہ بھی نہیں ہے اس لئے کہ یہ درحقیقت دنیا ہے ہی نہیں بلکہ یہ منجملہ امور آخرت کے ہے۔

اور اگر اللہ تعالیٰ کسی پر ایسا فضل فرمادیں کہ اس کے دل میں دنیا کا خطرہ بھی نہ گذرے اور کسب معیشت میں اس کو ذرا بھی رغبت نہ رہ جائے اور وہ ہمہ تن متوجہ الی اللہ ہو جائے تو یہ ہمارے اور تمہارے قصد سے میسر نہ ہوگا ، ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ ۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاءُ ۔

فرمایا کہ اس وقت جس قدر دنیاداروں کی توجہ دنیا کی طرف ہے اسی قدر سلف صالحین کی توجہ آخرت کی طرف تھی ،اور جس قدر بے التفاتی اب کے لوگوں کی آخرت کے معاملہ میں ہے اسی قدر سلف صالحین کی بے توجہی دنیا کے معاملہ میں تھی ،اس سے اس زمانہ کے لوگوں میں اور پہلے زمانہ کے حضرات میں فرق سمجھا جاسکتا ہے،پس غربتِ اسلام اور دین سے تہی دستی کو بچشم خود دیکھ کر رونا چاہئے۔

نیک صحبت کی ضرورت : نیز فرمایا کہ جب تک یہ لازوال باطنی دولت اور پائیدار اقبال مندی میسر نہ ہو ایسے شخص کی صحبت کو غنیمت کبریٰ سمجھ کر ضرور اختیار کرنی چاہئے جو اس شرف سے بہرہ ور اور اس شربت کے ذائقہ سے متمتع ہو چکا ہو۔

مگر افسوس کہ ایسے باکمال شخص کا وجود ،خواب وخیال سے زیادہ نہیں ہے ،مگر ہاں! ایسے لوگ ضرور موجود ہیں جن کا ظاہر تو درست ہے مگر ان کا باطن ظاہر کے خلاف ہے۔

ف: سبحان اللہ! نواب صاحب جو جماعت اہل حدیث کی طرف منسوب ہیں تاہم اہل اللہ کی صحبت کو ضروری قرار دے رہے ہیں (مرتب)

آگے تحریر فرمارہے ہیں:

پس اگر اس نسبت کا حصول ممکن ہے تو اس طرح کہ سنت مطہرہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے خصوصا کتاب الرقاق کا، (اس کتاب میں ایسی احادیث درج کی جاتی ہیں جن سے قلب میں رقت ونرمی پیدا ہو۔مرتب) اور اگر عوارض وحوادث کی بناء پر اس بیداری میں فرق محسوس ہو تو توبہ نصوح اور استغفار سے اس کی تلافی کی جائے، اور رجوع الی اللہ کا رشتہ ہرگز منقطع نہ کیا جائے، ففرّوا الی اللہ کی طرف دوڑو۔اللہ کا فرمان ہے، ہرگز ہرگز نفس وشیطان کے اغواء سے مایوس نہ ہوں اس لئے کہ وہ رحیم وکریم ہے پھر عنایت فرمائے گا اور باب ہدایت کو مفتوح فرمائے گا۔

رحمت خداوندی سے ناامیدی شیطان کا شیوہ ہے اور مغفرت الٰہی کی امید انسان کا شعار ہے، خدا نہ کرے انابت الی اللہ کی مضبوط رسی منقطع ہو جائے۔مطلق گناہ کا نہ کرنا کارِ ملائکہ ہے، اور گناہ پر اصرار کرنا ابلیس کا کام ہے اور گناہ کرنا پھر اس پر نادم ہونا اور دوبارہ اس کی طرف نہ لوٹنا یہ بنی آدم کا کام ہے۔(ص:۳۸)

ف: بالفرض اگر لوٹے اور توبہ کرلے تو بھی غنیمت ہے، کیونکہ حدیث ہے التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ۔(مرتب)

نیز آپ کا ارشاد ہے کہ

حیاتیکہ دل میراند بدتر از مماتست ومماتیکہ باایمان بسوئے جنت راند بہتر از حیات۔

ترجمہ: جو حیات دل کو مردہ کر دیتی ہے وہ موت سے زیادہ بری ہے اور جو موت ایمان کے ساتھ جنت کی طرف لے جاتی ہے وہ حیات سے بہتر ہے۔

وَاللّٰہُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر۔

ترجمہ: اور اللہ ہی حیات دیتا ہے اور موت بھی اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔

تیقظے کہ از یاد خدا غفلت آرد، و دل در لذات فانیہ بندد، خواب گراں بہتر از واست۔

ترجمہ: اور جو بیداری یاد حق سے غافل کر دے اور دل کو لذات فانیہ میں گرفتار کر دے تو خواب گراں اس سے بہتر ہے۔

ظالمے راخفتہ دیدم نیم روز گفتم ایں فتنہ ست خوابش بردہ بہ

ترجمہ شعر: ایک ظالم کو میں نے دوپہر میں سویا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ فتنہ ہے اس لئے اس کا خواب میں رہنا ہی بہتر ہے۔ (حظیرۃ القدس: ص/۱۰)

نیز فرمارہے ہیں کہ:

موت کا سیلاب اچانک آجاتا ہے تم اگرچہ تاخیر ومہلت کے طالب ہوگے مگر وہ تم کو اچانک اچک لے گا۔ پس تم کو اس طرح زندگی گذارنی چاہئے اور اس طرح آگاہ و بیدار رہنا چاہئے کہ موت کا قاصد تمہارے پاس آئے تو تم کو ادھر ادھر متوجہ نہ پائے۔

اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ تم ہمہ وقت اللہ کی طرف متوجہ رہو اور اپنے اوقات کو اللہ تعالی کے ذکر وفکر میں مشغول رکھو، اور تصنع وتکلف سے دور رہو، اور ”دل بیار و دست بکار“ (دل یار کے ساتھ ہو اور ہاتھ کام میں مشغول ہو) کے یہی معنی ہیں جو

اللہ تعالی کے اس ارشاد کا مفہوم ہے: رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ یعنی ایسے مردان خدا ہیں کہ ان کو تجارت اور بیع لہو وغفلت میں نہیں ڈالتی۔

دیکھو اللہ تعالی ہر دن رات تم پر کس طرح اتمام حجت فرماتے ہیں کہ ہر رات کو موت دے دیتے ہیں اور ہر صبح کو زندگی بخشتے ہیں، بس نیند مثل موت کے ہے اور بیداری مثل حیات کے۔

مگر اصل حیات کی نشاندہی کرتے ہوئے نواب صاحب نے بڑا ہی معنی خیز یہ شعر نقل فرمایا ہے۔

زندگانی نتواں گفت حیاتے کہ مراست　　زندہ آنست کہ بادوست وصالے دارد

(حظیرۃ القدس: ص/۱۱)

یعنی جو ہم کو زندگی حاصل ہے درحقیقت اس کو زندگی نہیں کہہ سکتے بلکہ زندہ تو وہ ہے جو دوست سے قرب ووصال رکھتا ہے۔

ف: ماشاء اللہ تعالی کیا خوب ارشادات ہیں جو صفحہ قلب پر ثبت کئے جانے کے لائق ہیں۔ اللہ تعالی حضرت نواب صاحب کو جزائے خیر مرحمت فرمائے۔ اور ہم لوگوں کو ان باتوں سے اثر لینے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔ (مرتب)

وفات: آپ کی وفات ۲۹/جمادی الاخری ۱۳۰۷ھ میں ہوئی۔ إنا لله وإنا إليه راجعون۔ اخیر وقت میں آپ کو استسقاء کی بیماری لاحق ہوگئی تھی۔

(ترجمہ نزہۃ الخواطر: ۸/۲۶۷)

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ م: ۱۳۰۷ھ

(مصنف ''اظہار الحق'')

تعارف: حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی ان مقدس ہستیوں میں سے ہیں جن کی نظیریں ہر زمانہ میں گنی چنی ہوا کرتیں ہیں، انہوں نے اگر ایک طرف عیسائیت کے تابڑ توڑ حملوں کا دفاع کرنے کے لئے اپنی زبان وقلم کی تمام توانائیاں وقف کر دیں تو دوسری طرف ہندوستان کو مغربی اقتدار سے آزاد کرانے کے لئے تلوار لیکر بھی نکلے اور دونوں میدانوں میں جہد وعمل کی وہ ولولہ انگیز داستانیں چھوڑ گئے جو رہتی دنیا تک یادگار رہیں گی۔

ولادت وخاندان وتعلیم: حضرت مولاناؒ کیرانہ کے مشہور ومعروف عثمانی خاندان کے چشم وچراغ ہیں، مولانا کیرانہ ہی میں جمادی الاولیٰ ۱۲۳۳ھ کو پیدا ہوئے، اور ۱۲ سال کی عمر تک ختم قرآن کریم کے ساتھ ساتھ فارسی اور ابتدائی دینیات کی کتابیں اپنے بزرگوں سے پڑھ لیں، اس کے بعد علوم اسلامیہ کی تحصیل کے لئے دہلی تشریف لے گئے، جہاں حضرت مولانا محمد حیات صاحب نے ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔ پھر لکھنؤ کی علمی شہرت سن کر وہاں تشریف لے گئے اور حضرت مولانا مفتی سعد اللہ صاحب سے شرف تلمذ حاصل کیا اور ان سے مسلم الثبوت اور میر زاہد کا درس لیا۔

---

(۱) مولانا کی معرکۃ الآراء تصنیف ''اظہار الحق'' کے ترجمہ بائبل سے قرآن تک کے مقدمہ سے یہ مختصر حالات لکھے ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ (مرتب)

تدریس: ہندوستان میں حضرت مولانا کیرانویؒ کو تدریس کا بہت کم موقع ملا، ملک میں عیسائیت کا فتنہ اپنے شباب پر تھا، اس کی روک تھام کی فکر نے مولاناؒ کو اتنی مہلت نہ دی کہ اطمینان کے ساتھ تدریس کا فیض جاری رکھتے۔ طالب علمی سے فراغت کے بعد اور ۱۲۷۰ھ سے قبل مولاناؒ نے قصبہ کیرانہ میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا تھا، وہاں آپ کے سیکڑوں تلامذہ ہوئے پھر جب مولانا ہجرت کر کے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو آپ کا حلقۂ درس سیکڑوں علمائے وقت پر مشتمل ہوتا تھا۔

مناظرہ: مولاناؒ نے پادری فینڈر سے ''اکبر آباد آگرہ'' ۱۱، ۱۲/رجب ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۰، ۱۱/اپریل ۱۸۵۴ء کو دو دن مناظرہ فرمایا جس میں وہ بری طرح مغلوب ہوا۔ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا۔

جہاد ۱۸۵۷ء: پادری سے مناظرے کے بعد تین سال تک مولانا تصنیف وتالیف میں مشغول رہے، بالآخر ۱۸۵۷ء میں سلطنت مغلیہ کا ٹمٹماتا ہوا چراغ گل ہوگیا اور انگریزی اقتدار نے اپنے پاؤں پوری طرح جما لئے۔

اس زمانہ کے علماء کی ایک خدامست جماعت اپنے فرائض سے غافل نہ تھی، جہاد فی سبیل اللہ کے عظیم مقصد کے لئے یہ جماعت میدان میں آئی اور اپنی بساط وہمت کے مطابق خدمتِ دین کا حق ادا کیا، انہیں حضرات نے شاملی میں انگریزی فوج کی ایک گڑھی پر حملہ کر کے تحصیل شاملی کو فتح کر لیا۔

اسی کے نتیجہ میں آپ کے نام حکومت نے گرفتاری کا وارنٹ جاری کر دیا۔

ہجرت: ایک دن انگریزی فوج کو کسی طرح یہ اطلاع مل گئی کہ مولانا ''پنجیٹھ'' گاؤں میں مقیم ہیں، چنانچہ انگریزی فوج کا شہسوار دستہ مولانا کو گرفتار

کرنے کے لئے ''پنجیٹھ'' روانہ ہوا، گاؤں کے مکھیا کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے مولانا سے گذارش کی کہ آپ'' کھرپا'' لے کر کھیت میں گھاس کاٹنے چلے جائیں، مولانا تشریف لے گئے اور گھاس کاٹنی شروع کر دی ،انگریزی فوج اسی کھیت کی پگڈنڈی سے گذری۔مولانا خود فرماتے تھے:

''میں گھاس کاٹ رہا تھا اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے جو کنکریاں اڑتی تھیں وہ میرے جسم پر لگ رہی تھیں اور میں ان کو اپنے پاس سے گذرتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

فوج نے گاؤں کا محاصرہ کیا، مکھیا کو گرفتار کرلیا گیا، پورے گاؤں کی تلاشی ہوئی مگر مولانا کا پتہ نہ چلا، مجبوراً یہ فوجی دستہ'' کیرانہ'' واپس ہوا، مولانا کی روپوشی کی وجہ سے انگریزوں نے حالات پر قابو پالیا تھا، مولانا پر فوجداری کا مقدمہ دائر کیا گیا، وارنٹ جاری ہوا اور آپ کو مفرور باغی (بھاگے ہوئے) قرار دے کر گرفتاری کے لئے ایک ہزار روپیہ کے انعام کا اعلان ہوا۔

ہجرت کی سنت پر عمل قسمت میں لکھا تھا، مولانا نے یہ حالات دیکھ کر ہجرت حجاز کا عزم فرمالیا، حجاز پہنچنا اس وقت کوئی ہنسی کھیل نہ تھا مگر مولانا کی حوصلہ مندی اور مجاہدانہ جفاکشی نے تمام مراحل سر کرادیئے، مولانا نے اپنا نام بدل کر مصلح الدین رکھا اور پیدل دہلی پہنچے، پھر وہاں سے خطرناک راستوں کو نہایت صبر واستقلال کے ساتھ طے کر کے سورت پہنچ گئے۔

پھر مولانا چند در چند آلام ومصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہوئے اس مقدس سرزمین میں پہنچ گئے، جسے قدرت کی طرف سے ''مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ آمِنًا'' کا شرف عطا ہوا ہے۔(بائیبل سے قرآن تک:۱/۱۹۹)

بیت اللہ میں : حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ مولانا سے پہلے ہی ہجرت فرما کر مکہ معظمہ پہنچ چکے تھے اور باب العمرہ سے متصل رباط داؤدیہ کے ایک حجرے میں مقیم تھے، صبح صادق کے قریب حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب مکہ معظمہ پہنچے، مطاف میں حضرت حاجی صاحب ساتھ رہے، اس کے بعد دونوں رباط داؤدیہ میں آگئے، اس زمانے میں سلطان عبدالعزیز خاں خلافت عثمانیہ کے خلیفہ تھے اور عبداللہ ابن عون ابن محمد شریف مکہ، شیخ العلماء حضرت سید احمد دحلان مسجد حرام میں درس دیا کرتے تھے اور شریف مکہ ان کا بڑا احترام کرتا تھا، مولانا رحمت اللہ صاحب اکثر شیخ العلماء کے درس میں بیٹھ جاتے، شیخ العلماء شافعی المذہب تھے اس لئے ایک روز دوران تقریر کسی مسئلے پر بحث کرتے ہوئے اپنے مذہب کی ترجیح کے ساتھ حنفیہ کے دلائل کو کمزور قرار دیا، درس ختم ہونے کے بعد حضرت مولانا نے شیخ سید احمد دحلان سے پہلی بار ملاقات کی اور اس مسئلہ کے بارے میں طالب علمانہ انداز سے اپنی تشفی چاہی، تھوڑی دیر کے سوال وجواب اور علمی گفتگو سے شیخ العلماء کو اندازہ ہوگیا کہ یہ شخص طالب علم نہیں، اس پر انہوں نے مولانا سے حقیقتِ حال دریافت کی، مولانا نے اختصار کے ساتھ کچھ حالات بیان فرمائے، دوسرے دن شیخ نے مولانا کو اپنے گھر پر مدعو کیا، آپ اپنے رفیق عزیز حضرت حاجی صاحب کے ساتھ شیخ کی دعوت میں شریک ہوئے، اسی مجلس میں انقلاب ۱۸۵۷ء کے تمام حالات اور خاص طور سے نصاریٰ کی تبلیغی سرگرمیوں اور ان کی تردید میں مسلمانوں کی عظیم الشان کامیابیوں کا ذکر آگیا، شیخ نے اس پر بیحد مسرت کا اظہار فرمایا اور حضرت مولانا سے دیر تک بغل گیر ہوئے، اسی مجلس میں انہوں نے آپ کو مسجد حرام میں

درس کی باقاعدہ اجازت دی اور علماء نے مسجد حرام کے دفتر میں آپ کا نام درج کرادیا، مولانا شیخ دحلان سے بہت متاثر تھے، اظہار الحق کے مقدمہ میں آپ نے ان کا ذکر نہایت عقیدت ومحبت کے ساتھ کیا ہے۔ (حوالہ بالا: ص/۲۰۱)

قسطنطنیہ کا پہلا سفر: ۱۸۵۷ء کے بعد پادری فینڈر جرمن، سویزر لینڈ اور انگلستان میں رہا، اس کے بعد لندن کی چرچ مشینری سوسائٹی نے اسے قسطنطنیہ بھیج دیا تاکہ وہاں کام کرے، وہاں اس نے سلطان عبدالعزیز خاں سے بیان کیا کہ ہندوستان میں میرا ایک مسلمان عالم سے مذہبی مناظرہ ہوا تھا جس میں عیسائیت کو فتح اور اسلام کو شکست ہوئی، سلطان عبدالعزیز خاں مرحوم کو دینی معاملات سے کافی شغف تھا، انہوں نے تحقیق حال کے لئے مکہ عبداللہ پاشا کے نام فرمان جاری کیا کہ حج کے زمانے میں ہندوستان سے جو باخبر حضرات آئیں ان سے پادری فینڈر کے مناظرے اور انقلاب ۱۸۵۷ء کے خاص حالات معلوم کرکے باب خلافت کو مطلع کیا جائے۔

شریف مکہ کو اس مناظرے کی پوری کیفیت شیخ العلماء سید احمد دحلان سے معلوم ہو چکی تھی، چنانچہ انہوں نے فوراً خلیفہ کو جواب میں مناظرے کی کیفیت کے ساتھ اطلاع دی کہ وہ عالم جن سے ہندوستان میں مناظرہ ہوا تھا مکہ مکرمہ میں موجود ہیں، سلطان کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت مولانا کو قسطنطنیہ طلب کرلیا، چنانچہ ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۴ء میں آپ شاہی مہمان کی حیثیت سے قسطنطنیہ پہنچے۔

پادری فائندر کو جب یہ معلوم ہوا کہ مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی قسطنطنیہ آرہے ہیں تو وہ قسطنطنیہ چھوڑ کر چلا گیا، سلطان نے مولانا کی تشریف آوری پر ایک

مجلس علماء منعقد کی جس میں وزرائے سلطنت کے علاوہ اہل علم حضرات کو مدعو کیا گیا، اور حضرت مولاناؒ سے ہندوستان میں مذہب عیسوی کی شکست اور انقلاب ۱۸۵۷ء کے حالات سنے، دولتِ عثمانیہ میں اس فتنہ وفساد کو روکنے کے لئے حکومت نے مشینریوں پر مختلف قسم کی پابندیاں لگائیں اور سخت احکام جاری کئے۔

اکثر نماز عشاء کے بعد سلطان پوری توجہ اور اشتیاق کے ساتھ حضرت مولانا کو بلاتے، خیرالدین پاشا تونسی صدر اعظم اور شیخ الاسلام وغیرہ بھی شریک مجلس ہوتے، سلطان نے حضرت مولاناؒ کی جلیل القدر دینی خدمات کی قدرافزائی کی اور خلعتِ فاخرہ کے ساتھ تمغہ مجیدی درجہ دوم عطا کیا اور مولانا کے لئے گراں قدر ماہانہ وظیفہ مقرر کیا۔

اظہارالحق کی تصنیف: سلطان عبدالعزیز خاںؒ اور صدر اعظم خیرالدین پاشا کی خواہش تھی کہ مولانا عربی زبان میں ایک کتاب تصنیف فرمائیں، جس میں ان پانچوں مسائل پر محققانہ بحث کی گئی ہو جو اکبر آباد کے مناظرے میں موضوع بحث بنے تھے، چنانچہ ماہ رجب ۱۲۸۰ھ میں حضرت مولانا نے ''اظہارالحق'' لکھنی شروع کی اور ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ میں چھ ماہ کے اندر اسے مکمل کر کے سلطان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ (۱/۲۰۲)

مدرسہ صولتیہ کا قیام: قسطنطنیہ سے واپس تشریف لانے کے بعد حضرت مولانا نے محسوس فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں ایک ایسے دینی مدرسہ کی شدید ضرورت ہے جو دینی معاملات میں ٹھوس علم وبصیرت رکھنے والے علماء پیدا کرے، اس زمانہ میں اگرچہ مسجد حرام میں مختلف علماء کے درس ہوا کرتے تھے جن کی سرپرستی خلافتِ عثمانیہ پوری توجہ کے ساتھ کرتی تھی لیکن اول تو درس کے یہ حلقے کسی جچے تلے نظام

اور ضابطے کے ماتحت نہ تھے، یہاں تک کہ کوئی نصاب تعلیم بھی مقرر نہ تھا، دوسرے تدریس کا طریقہ ایسا تھا کہ درس میں شریک ہونے والے ایک وعظ وتقریر کی طرح اس سے مستفید ہوتے تھے، طلبہ میں قوتِ مطالعہ اور ذاتی استعداد پیدا کرنے کے لئے جس طرز تدریس کی ضرورت ہوتی ہے وہ مفقود تھا، تمام عمر میں طلبہ نحو وفقہ وتفسیر اور حدیث پڑھتے تھے اور وہ بھی نامکمل طریقے سے، اس لئے مولانا نے مکہ معظمہ کے ہندوستانی مہاجرین اور اہل خیر حضرات کو اس طرف متوجہ فرمایا اور رمضان ۱۲۹۰ھ میں نواب فیض احمد خاں صاحب مرحوم رئیس ضلع علی گڈھ کے رہائشی مکان کے ایک حصہ میں مدرسہ کی ابتداء کی، پھر ۱۲۹۰ھ کے موسم حج میں کلکتہ کی ایک فیاض خاتون صولت النساء صاحبہ حج کرنے آئیں تو حضرت مولانا کے مشورہ سے انہوں نے محلہ ''خندریہ'' میں ایک جگہ خریدی اور اس پر مدرسہ کی تعمیر خود اپنی نگرانی میں کروائی، انہیں نیک دل خاتون کے نام پر مدرسہ کا نام ''مدرسہ صولتیہ'' رکھا گیا۔

وفات: اسلام اور مسلمانوں کی گوناگوں علمی وعملی خدمات کے بعد اس مجاہد فی سبیل اللہ نے پچھتر سال کی عمر میں جمعہ کے دن ۲۲/رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ کو وفات پائی، اور حرم محترم کی مقدس سرزمین میں دفن ہونے کی سعادت حاصل ہوئی، جنت المعلیٰ میں حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے جوار میں صدیقین وشہداء کے قریب آپ کا مزار ہے، اس چھوٹے سے احاطے میں پانچ قبریں ہیں جن میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے علاوہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، اور شیخ الدلائل مولانا عبدالحق صاحب، مصنف اکلیل شرح مدارک التنزیل بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ (مقدمہ بائبل سے قرآن تک: ۱/۲۱۱)

حضرت مولانا محمد جان[1] شیخ الحرمؒ المتوفی ۱۲۶۶ھ

حضرت مولانا محمد حسن نقشبندی بجنوریؒ نے ''تذکرہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ'' میں آپکا تذکرہ یوں ارقام کیا ہے۔

فضل وکمال: حضرت مولانا محمدؒ جان علیہ الرحمۃ بعد تحصیل علم حضرت شاہ غلام علی صاحب قدس سرہ کی خدمت مبارک میں آئے اور ریاضات شاقہ کیں ہر روز حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جاتے اور شب کو اس جگہ مشغول رہتے۔صبح کے وقت ایک گھڑا پانی کا بھر کر (کہ وہاں کا پانی بہت گوارا ہے۔) حضرت شاہ صاحب کے واسطے لاتے۔

نقل ہے کہ ایک وہاں کے خادم کا لڑکا قریب الموت تھا۔شب کے وقت وہ درگاہ میں آیا تو آپ مراقب بیٹھے تھے۔بچہ کو آپ کے سامنے ڈال دیا۔اور عرض دعا اور سلب مرض کیا۔اسی وقت آپ نے سلب مرض کیا۔اور وہ بچہ بفضلہ تعالےٰ تندرست ہوگیا۔

نقل ہے۔کہ ایک شخص ایک عورت کی محبت میں گرفتار تھا۔اس نے آپ

---

[1] چونکہ آگے تذکرہ حضرت مولانا موسیٰ ترکیسریؒ کا آرہا ہے اسی مناسبت سے آپ کے استاد مولانا سید نظام الدین کا تذکرہ اوران کے استاد شیخ الحرم کا تذکرہ کیا جارہا ہے گرچہ صدی بدل گئی ہے۔مرتب

سے اپنا ماجرہ آ کر عرض کیا۔کہ حضرت میری مدد فرمائے کہ اب سواء زنا کے کچھ باقی نہ رہا اگر مجھ سے گناہ سرزد ہوگیا۔تو قیامت کے دن میں اللہ تعالیٰ کے سامنے آپ کا نام لوں گا۔کہ انہوں نے میری حال پر عنایت نہ فرمائی انہوں نے اِس کو عمل لَا حَولَ وَلَا قوۃَ اِلَّا باللہِ تعلیم فرمایا۔اس نے عرض کیا کہ یہ ہمیشہ پڑھتا رہتا ہوں فرمایا کہ اب ہمارے کہنے سے پڑھو۔چنانچہ اس نے پڑھا اس کے پڑھ نے سے ایک سد سکندری اس مرد وعورت کے درمیان میں حائل ہوگئی۔اور دو سال تک اس کی قوت شہویہ نا اہل ہوگئی۔حضرت شاہ صاحب سے اجازت وخلافت حاصل کر کے حرم دفتر چلے گئے ابتداء میں وہاں بہت تکلیف اور صعوبت کھینچی بعدہ آپ پر فتوح کھل گئے۔اور اہل سلطنت کا آپ کے جانب رجوع ہوگیا۔حتی کہ والدہ سلطان بھی آپ کی معتقدین میں سے ہوگئیں۔استنبول و دیگر اضلاع روم میں آپ کے خلفاء منتشر ہو گئے ایک خانقاہ تیار کی اور آئندہ درونده کی خدمت کیا کرتے تھے۔

وفات : آخر ۱۲۶۶ھ میں مکہ معظمہ مین انتقال فرمائے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (تذکرہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ صفحہ:۳۵۶)

حضرت شیخ سید نظام الدین باجوڑی ترکیسریؒ المتوفیٰ ۱۲۸۳ھ

فضل وکمال: مولانا سید نظام الدین نقشبندیؒ افغانستان کے علاقہ باجوڑ کے رہنے والے تھے، سلوک کی تعلیم وتربیت مولانا شیخ محمد جان شیخ الحرمؒ (م ۱۲۶۶ھ) سے حاصل کی جو حضرت شاہ غلام علی صاحب مجددی دہلویؒ کے خلفاء میں سے تھے۔ شیخ کی خدمت میں آپ مدتِ دراز تک رہے، ان سے فقر وسلوک کی تعلیم کے علاوہ عملیات کا فن بھی حاصل کیا۔ شیخ کے حکم کے مطابق آپ نے بڑا مجاہدہ، ریاضت اور محنت شاقہ برداشت کی اور انہی کے ہمراہ ہندوستان سے مکہ معظّمہ بھی تشریف لے گئے، جہاں کافی مدت تک مقیم رہے اس کے بعد شیخ نے آپ کو مکہ معظّمہ سے رخصت کیا اور بقول شخصے اپنی آدھی روحانی کمائی آپ کو عنایت کردی۔ ہندوستان آتے وقت شیخ نے آپ کو یہاں قیام کرنے کی جگہ کا بھی اشارۃً تعین کردیا تھا اور وہاں کی کچھ علامتیں بھی بتادی تھیں چنانچہ اسی کے مطابق آپ نے ترکیسر کو اپنا مستقر قرار دیا، آپ کی بے شمار کرامات اور کشف وادراک کے واقعات مشہور ہیں۔

وفات: ایک طویل عمر پاکر آپ نے ترکیسر میں ۱۲۸۳ھ میں وفات پائی، ایک ٹیلہ پر جہاں پہلے سے کسی کامل درویش کی قبر موجود تھی آپ کو دفن کیا گیا، اب اس کے اردگرد ایک حظیرہ بنادیا گیا ہے۔ نوراللہ مرقدہ۔ (عہد رفتہ کے چند علماء ومشائخ: ۸۸)

۱؎ پروفیسر عبدالحی فاروقیؒ نے اپنی کتاب ''عہد رفتہ کے چند علماء ومشائخ'' میں آپ کا تذکرہ فرمایا ہے، اسی سے یہ مضمون ماخوذ ہے۔ (مرتب)

حضرت موسیٰ جی مہتر مجددی صاحب[1] ترکیسریؒ م:۱۳۰۹ھ

نام: حضرت رحمۃ اللہ کا اسم گرامی موسیٰ جی ابن حسین ابن احمد ہے۔

وطن: ترکیسر ہے جو شہر سورت صوبہ گجرات کے تقریباً ۴۰ کیلومیٹر کے فاصلہ پر ایک قصبہ ہے۔

ولادت وتربیت: ولادت کی تاریخ یقینی طور سے معلوم نہ ہوسکی مگر قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۵۴ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، آپ بہت ہی کم عمر تھے کہ والد محترم کی وفات ہوگئی اور یتیم ہوگئے اس لئے آپ کی تربیت آپ کی والدہ ماجدہ کے ہاتھوں ہوئی، آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو زمانۂ رضاعت میں حضرت مولانا نظام الدین صاحب مجددیؒ کی خدمت میں لے گئیں (جو افاغنہ میں سے تھے اور ترکیسر میں مقیم تھے) حضرت نے آپ کو اسی وقت برضا ورغبت اپنی فرزندی میں لے لیا اور فرمایا کہ ان کو روزانہ میرے پاس لایا کرو، چنانچہ آپکی آمدورفت اسی وقت سے حضرتؒ کی خدمت میں رہنے لگی، بعض فقراء نے آپ کی ولادت سے پہلے آپ کے ولی کامل ہونے کی شہادت دی تھی۔

ذریعہ معاش: آبائی پیشہ زمینداری تھی مگر اسباب ایسے پیش آئے کہ اکثر حصہ زمینداری کا تلف ہوگیا، باقی ماندہ حصہ جب کافی نہ ہوا تو ابتداءً حضرتؒ کا یہ معمول رہا کہ

---

(۱) امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ نے آپ کی مستقل سوانح مسمیٰ بہ ''کرامات موسویہ'' تحریر فرمائی ہے اسی سے اخذ کرکے کچھ حالات درج کررہا ہوں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ (مرتب)

جنگل سے لکڑیاں کاٹ لاتے اور بیچ کر گزارا فرماتے، پھر کچھ زمین اللہ تعالی نے دلوادی تو آپ نے زراعت شروع کر دی اور وقت وفات تک اسی کسب حلال پر قائم رہے۔

خود بنفس نفیس زراعت کے تمام کام انجام دیتے مثلاً ہل جوتنے اور بونے اور کاٹنے وغیرہ کے، بعض اہل علم مریدین نے عرض کیا کہ حضرت! ہم آپ کی خدمت میں آتے ہیں اور آپ ایسے کام میں مصروف رہتے ہیں تو ہمیں شرم معلوم ہوتی ہے، تو فرمایا کہ تو پھر میں کیا بھیک مانگ کر کھلاؤں؟

الغرض آپ محنت ومشقت خواہ وہ کسی قسم کی ہو اس کے کرنے میں عار محسوس نہ فرماتے تھے، اگر آپ پسند فرماتے تو پیری مریدی کے ذریعہ فتوحات کی اس قدر کثرت ہوتی کہ آپ کو ان مشغلوں کی حاجت نہ رہ جاتی مگر آپ نے اپنے اختیار سے اس کو گوارا نہ فرمایا۔

حالت علمی: آپ کے پڑھنے کی مفصل حالت معلوم نہ ہوسکی، غالباً تعلیم مکمل نہ تھی بلکہ ابتدائی تعلیم عربی وفارسی اور اُردو سے واقف تھے، حافظ قرآن تو نہ تھے مگر تراویح میں حفاظ سے کوئی غلطی ہوتی تو لقمہ دے دیتے، قرآن مجید بہت اچھی طرح عربی لہجہ میں پڑھتے تھے۔

اخلاق: اللہ تعالی کے بندوں پر شفقت کا یہ حال تھا کہ اہل حاجت کا آپ کے دروازہ پر ہجوم رہتا تھا، کوئی تعویذ مانگتا کوئی پھونک ڈلوانا چاہتا، کوئی اپنے مقدمہ کے لئے دعا کراتا، باوجودیکہ آپ اکثر سخت مریض رہتے تھے تاہم اہل حاجت سے عذر نہ فرماتے تھے، اور سب کا کام نہایت کشادہ پیشانی سے کر دیا کرتے تھے۔

بعض لوگ آپ کو سامنے ہی سخت بات کہتے تھے مگر آپ کو بالکل غصہ نہ

آتا تھا بلکہ وہی شخص جب اپنی حاجت لے کر آتا تو اس کا کام کشادہ روئی سے فرمادیتے تھے، آپ کسی کی غیبت وشکایت نہ کرتے تھے۔

ف: یقینا صوفیہ صافیہ کے اخلاق ایسے ہی ہوا کرتے ہیں اور غیبت سے بچنے کو تو بزرگان دین منجملہ صفات صدیقین کے فرماتے ہیں۔(مرتب)

تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد آہ سرد کا کھینچنا آپ کا معمول تھا۔

ف: اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باطنی حال کی متابعت تھی، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اکثر حزین رہتے تھے۔(مرتب)

معاشرت: اپنے اہل وعیال کے ساتھ بہت محبت ولطف کا برتاؤ کرتے تھے اور ہمیشہ ان کو دین کے متعلق اچھی اچھی نصیحتیں کرتے تھے، اپنے مزاج کے خلاف اگر کوئی بات دیکھتے تو صبر کرتے، مہمانوں کے آنے سے بہت خوش ہوتے اور کم ایسا ہوتا کہ کوئی مہمان آپ کے یہاں نہ ہو، اکثر اہل علم وفضل آپ کے یہاں آیا کرتے تھے۔

فرماتے تھے کہ مہمانوں کے آنے سے ہم کو کھانا اچھا ملتا ہے، جب کوئی مہمان نہیں ہوتا تو ہم کو کھانا روکھا ملتا ہے، جب گھر میں کچھ علالت یا معذوری ہوتی تو کھانا اپنے ہاتھ سے پکادیتے ،بوقت ضرورت اپنا اور اپنے اہل وعیال کا کپڑا خود سی لیتے۔

ف: یہ سب اعمال وآداب اتباع سنت کا کرشمہ ہے جو نہایت رفیع ومحمود حال ہے۔اللہ تعالی ہم سب کو اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔آمین۔(مرتب)

مجاہدہ: آپ بیماری کی حالت میں پچیس ہزار اور حالتِ صحت میں پچاس

ہزار مرتبہ اللہ اللہ کا ذکر فرماتے تھے ،دُعا نہایت تضرع وزاری سے دیر تک مانگا کرتے تھے ،نماز فجر کی اذان جامع مسجد میں ہمیشہ آپ ہی دیا کرتے تھے،آپ کی آواز نہایت بلند اور درد آمیز ہوتی تھی۔

بیعت کے سلسلہ میں آپ کا معمول: حضرتؒ کی یہ عادت تھی کہ طالبین سے بیعت نہ لیتے تھے بغیر بیعت کے طالبین کو فائدہ ہوتا تھا۔

فرماتے تھے کہ سلوک کے لئے بیعت کچھ ضروری نہیں ہے،محبت رکھنی چاہئے اسی سے سب کام ہوتا ہے۔

ف: چنانچہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ بھی یہی فرماتے تھے کہ اصلاح نفس ضروری ہے،بیعت ضروری نہیں بلکہ مسنون ہے۔(مرتب)

مختلف قسم کے مصائب: حق تعالی نے بفحوائے حدیث شریف :"اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً الْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ" آپ کو اقسام وانواع کی بلایات میں مبتلا فرمایا تھا،مالی نقصانات بھی آپ کو پہونچے ،کبھی بیل مرگیا،کبھی بھینس مرگئی،کبھی زراعت میں نقصان آگیا،اور ثمرات القلب (یعنی اولاد) کے نقصانات بھی آپ کو پہونچا کرتے تھے۔

نیز آپ کو حرارت ہمیشہ رہتی تھی جس کی آپ کچھ پروانہ کرتے تھے اور وہ آپ کے کاموں میں خلل انداز نہ ہوتی تھی ،اسی حرارت کی حالت میں سب معمولات پورے کرتے تھے،سر میں درد اکثر رہا کرتا تھا،پیٹ میں ایک خاص قسم کے درد کا دورہ ہوا کرتا تھا ،جب تک خفیف رہتا تھا اس وقت تک تو آپ پیٹ کو باندھ کر سب کام کرتے رہتے تھے مگر جب شدت ہوتی تو بیہوش ہوجاتے

تھے، نکسیر اکثر پھوٹا کرتی تھی، ۱۳۰۴ھ میں آپ کو مرض استسقاء ہوا۔

وفات: ان تمام مصائب میں کبھی آپ نے جزع وفزع کیا معنی، آہ بھی نہ کی، جب کوئی پوچھتا کہ مزاج کیسا ہے؟ تو بڑی بشاشت سے فرماتے کہ الحمدللہ بہت اچھا ہوں۔ اخیر میں بخار شدید میں مبتلا ہوئے، اور بڑھتا ہی رہا اور قبل وفات ذکر بالجہر جاری ہوا، آخر اسی حالت میں یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً کی دلنواز صدا آپ کے سمع مبارک میں پہنچی اور آپ نے اپنا روئے مبارک قبلہ کی طرف پھیر کر باآواز بلند اللہ کہا کہ تمام حاضرین نے سنا اور اسی نام پاک پر آپ کی گویائی ختم ہوئی اور روح مقدس بتاریخ ۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۹ھ میں رفیق اعلیٰ جلّ مجدہ کے جوار میں پہونچ گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اپنے پیرومرشد حضرت مولانا نظام الدین صاحبؒ کی قبر کے پاس جو ترکیسر ضلع سورت گجرات میں ایک حظیرہ کے اندر ہے مدفون ہوئے رحمہ اللہ تعالیٰ، اس میں ایک بزرگ کی اور قبر ہے، حضرتؒ کی وصیت کے مطابق خام رکھی گئی، آپ سوئم چہلم سے بھی منع فرما گئے تھے، اور فرمایا تھا کہ مرنے کے بعد صرف یہ کرنا کہ جو مسافر میرے یہاں آئیں ان کو کھانا کھلاتے رہنا۔

سلسلۂ طریقت: شیخ موسیٰؒ نے طریقت حاصل کیا حضرت شیخ سید نظام الدین صاحب سے، اور انہوں نے شیخ محمد جان شیخ الحرم سے، اور انہوں نے شاہ غلام علی دہلیؒ سے، اور انہوں نے حضرت شاہ مرزا مظہر جان جاناں سے، انہوں نے شیخ سید نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے شیخ سیف الدین ابن خواجہ محمد معصوم سے، اور انہوں نے اپنے والد ماجد شیخ احمد مجدد الف ثانیؒ سے اس کے بعد سلسلۂ

نقشبندیہ معروف ہے، دوسری کتاب میں ملاحظہ فرمالیا جاوے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سلسلۂ عالیہ کے فیوض و برکات سے بہرہ ور فرمائے آمین۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ان کے پڑپوتے مکرم مشتاق احمد ابن محمد سلیمان سورت میں قیام پذیر ہیں اور اس حقیر سے خاص تعلق رکھتے ہیں اور بہت محبت فرماتے ہیں، جزاہ اللہ تعالیٰ۔

حضرت سردار بیگ حیدرآبادیؒ متوفی ۱۳۱۰ھ

نام ونسب: آپکا نام مرزا سردار بیگ ہے۔آپ معزز خاندان سے ہیں مرزا شہسوار بیگ مرحوم کے برادر اور سردار جنگ کے عم بزرگوار ہیں۔

فضل و کمال: عالم شباب میں آپکو دنیا و مافیہا سے نفرت کلی واقع ہوئی۔ درویشی وفقیری کا شوق دل میں موج زن ہوا۔اور عشق الٰہی کی آگ حاشیۂ قلب میں شعلہ افگن ہوئی۔ مدت تک پیر کامل و مرشد واصل کی جستجو میں مصروف اور بزرگانِ سلف کے رسائل تصوف کے مطالعہ میں رات دن مشغول رہتے تھے بقدر ضرورت رزق حلال اور جلد بندیٔ کتب سے حاصل کر کے زندگی بسر کرتے تھے ہر چند کہ آپکے برادر آپکو ملازمت سرکار عالی نظام خلد اللہ ملکہ کی ترغیب دیتے تھے مگر آپ پسند نہیں فرماتے تھے۔قانع وصابر تھے۔ جو کچھ اجرت جلد بندی سے ہمدست ہوتی تھی۔ بقدر ضرورت اسمیں سے خرچ فرماتے تھے۔اور باقی فقراء ومساکین ویتامیٰ کو تقسیم کر دیتے تھے۔ریاضت ومجاہدت وعبادت میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے۔ایک مسجد میں جو ایرانی گلی کے قریب ہے سکونت پذیر تھے، ریاضت وعبادت وتلاوت قرآن اور بزرگان کرام کے رسائل کے مطالعہ کی برکت سے اکثر منازل طریقت و مسائل تصوف سے واقف و ماہر ہوئے۔مگر ابھی درجہ کمال کو نہیں پہنچے تھے پیر مرشد کی تلاش میں تھے کہ یکا یک حضرت حافظ محمد علی صاحب عرف حاجی محرم علی صاحبؒ خیرآباد سے حیدرآباد دکن

میں آئے۔اردو کی مسجد میں فروکش ہوئے۔اہل دکن میں سے اکثر امراء آپکے حلقہ بیعت میں داخل ہوئے۔حضرت صاحب دل و عارف کامل تھے مرزا صاحب بھی آپکی خدمت میں حاضری سے مشرف ہوئے۔حضرت شیخ نے آپکو دیکھتے ہی سمجھ لیا کہ یہ باصلاحیت معلوم ہوتے ہیں۔چنانچہ حضرتؒ سے مرزا صاحب نے حسن ارادت سے بیعت کی درخواست کی۔حضرت نے منظور کی۔آپ حضرت کے مرید ہوئے۔چند ہی روز کے بعد حضرت نے آپکو خلافت سے سرفراز فرمایا۔اوراد و وظائف بزرگان سلف سے جو حاصل کئے تھے آپکو عطا کئے۔آپ مرشد کی خدمت میں صبح و شام حاضر رہتے تھے۔جب تک حضرت مرشد حیدرآباد میں سکونت پذیر رہے آپ مستفید ہوتے رہے چنانچہ آپ مرشد کی توجہ اور اپنی ریاضت و عبادت کی برکت سے درجہ کمال کو پہنچے۔صاحب کشف و کرامات ہوئے۔مرشد کے جانیکے بعد مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔باشندگان دکن شہر حیدرآباد و بیرون شہر سے جوق در جوق آپکی خدمت میں آتے تھے۔

مریدین کو نصائح: آپ ہر ایک کو بیعت سے سرفراز کر کے پند و نصائح سے سربلند فرماتے تھے ہر ایک سے کہتے کہ فسق و فجور سے احتراز کرو۔شرع محمدی اور اتباع سنت نبوی کی پیروی میں مستعد رہو جہاں تک ممکن ہو خلاف شرع نہیں کرنا چاہئے بزرگانِ طریقت کو نیکوئی و خیر کے ساتھ یاد کرنا چاہئے۔اور تکبر و غرور سے منزلوں دور رہنا چاہئے۔

آپ کے اخلاق حمیدہ: آپ صوم و صلوۃ کے پابند تھے۔اکثر ایام میں

روزہ رکھتے تھے۔افطار کے وقت بقدر ضرورت ماحضر تناول فرماتے تھے۔ تارک اللذات تھے اپنی ہستی کو نیست جانتے تھے۔ موتوا قبل ان تموتوا۔کے مصداق تھے۔کسر نفسی میں آپکی وہ شان تھی کہ آپ ہر ایک کے سامنے جھکے جاتے تھے۔کس و ناکس کے ساتھ ہمدردی فرماتے تھے۔حیدرآباد دکن میں آپکے مرید بیشمار ہیں۔اکثر امراء اور امراء زادے آپکے سلسلہ بیعت میں داخل ہیں۔آپ کم سخن و کم گو تھے۔اکثر اوقات عالم سکوت یا عالم وجد میں محو رہتے تھے۔آپ کسی امیر و فقیر کے دروازے پر نہیں جاتے تھے۔مثنوی شریف کو شوق سے دیکھتے تھے۔اور مریدوں کو مثنوی کے مضامین خوب سمجھاتے تھے۔ آپ کی تقریر مریدوں کے دلوں پر موثر ہوتی تھی۔آپ فرماتے تھے کہ پیر و مرشد جو کچھ فرمائے اس کے حکم کی تعمیل واجب و لازم جاننا چاہئے۔پیر کی محبت میں اسطرح محو ہونا چاہئے کہ باہم دوئی کا تصور باقی نہ رہے۔آپ صاحب کشف تھے۔جو کوئی طالب آپکی خدمت میں جاتا تھا۔اور دل میں سوال یا اعتراض مسائل تصوف پر قرار دیتا تھا کہ حضرت سے جواب طلب کرونگا۔جب طالب آپکی خدمت میں پہنچتا تو آپ مسائل کے کہنے سے اول ہی جواب بیان کردیتے تھے۔سائل وہیں پشیمان ہوکے قدموں پر گرجاتا۔اور گستاخی کی معافی چاہتا آپ مسکرا کے فرماتے ایسی شوخی نہیں کرنی چاہئے۔

وفات : آپ کی وفات جمادی الثانی ۱۳۱۰ھ میں ہوئی حیدرآباد دکن میں بمقام بہوئی گوڑہ مدفون ہوئے۔رحمہ اللہ تعالیٰ

(محبوب التواریخ یعنی تذکرہ اولیاء دکن ص ۴۰۷)

حضرت مولانا شاہ علی احمد بھیروی اعظمیؒ متوفی ۱۳۱۲ھ

نام ونسب: نام مولانا علی احمد، والد کا نام نعمت اللہ بن محمد بن اطہر ہے۔آپ شاہ ابواسحاق لہراوی کے نواسے اوران کے خلیفہ وجانشین ہیں۔آپ کے پردادا شیخ محمد واجد،شاہ ابوالغوث گرم دیوان کے بھائی ہیں۔آپ کا تذکرہ گذر چکا ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت ۱۲۲۹ھ میں موضع بھیرا اعظم گڈھ موجودہ ضلع مئو میں ہوئی جیسا کہ تذکرہ علمائے ہند میں ہے مگر نزہتہ الخواطر میں ۱۲۳۸ھ لکھا ہے۔

تعلیم: انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد شیخ نعمت اللہ سے حاصل کر کے اپنے نانا کے مرید وخلیفہ مولانا احمد چریا کوٹی متوفی ۱۲۷۲ھ اور مولانا قاضی محمد سلیم مچھلی شہری متوفی ۱۲۶۶ھ قاضی دارالقضا محمد آباد گوہنہ سے پڑھا، بعد میں اپنے نانا شاہ ابواسحاق سے بیعت کر کے ان کے خلیفہ ہوئے، ماشاءاللہ۔

فضل وکمال: حضرت مولانا علی احمد صاحبؒ نہایت ذہین وذکی اور شب بیدار قوی الحافظہ عالم تھے، زہد وتقویٰ اور اتباع سنت میں اپنے نانا کی مثال تھے جو تہجد گزار اور بکثرت روزہ رکھنے والے بزرگ تھے۔انکی مجلس ذکر الٰہی سے معمور رہا کرتی تھی، کسی کی مجال نہیں تھی کہ ان کے سامنے دوسرے کی غیبت کرے۔ان کی تعلیم کے بارے میں تذکرہ علمائے ہند میں ہے کہ اکثر کتب درسیہ فاضل ادیب مولوی محمد سلیم مچھلی شہری رحمۃ اللہ تعالیٰ سے پڑھیں اور کچھ

مولوی احمد علی عباسی چریاکوٹی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے پڑھا۔

آپکی مجلس: اسی کتاب میں مولانا محمد فاروق چریاکوٹی کا یہ بیان درج ہے کہ بندہ تیس سال سے زائد مدت سے ان کی خدمت سراپا برکت سے فیض یاب ہوا ہے مگر آج تک انکی زبان سے کوئی ایسی بات نہیں سنی جس میں کسی کو شکوہ شکایت ہو اور ان کی مجلس کبھی ذکر الٰہی سے خالی نہیں دیکھی ۔

کہنا چاہئے کہ مولانا علی احمد صاحبؒ خانوادہ سہروردیہ بھیرا کے حسنات و برکات کے آخری نمونہ تھے، ہمارے بچپن تک ان کے علم وفضل اور زہد وتقویٰ کے واقعات سنے سنائے جاتے تھے،مولانا کی ذات اپنے زمانہ میں دینی امور کا مرجع تھی اور ارباب دین ودیانت شرعی معاملات میں ان کو حجت قرار دیتے تھے۔

نوادہ (مبارک پور) کے مشہور بزرگ حافظ ضیاء اللہ صاحبؒ متوفی ۱۳۵۴ھ مولانا کے خاص معتقدوں میں سے تھے۔اور اکثر ان کی خدمت میں حاضری دیتے تھے، وہ حسب عادت ایک مرتبہ مولانا کی زیارت کے لئے بھیرا گئے ان کے ساتھ ایک اور شخص تھا، ولید پور پہونچ کر اس شخص نے ایک صاحب سے سلام ومصافحہ کے بعد ان کے ہاتھ کا بوسہ لیا جو عرس وقوالی اور سرود ونغمہ کی حد تک صوفی تھے،اس کے بعد مولانا علی احمد صاحبؒ کی خدمت میں بھیرا پہونچے تو مولانا نے حافظ ضیاء اللہ صاحبؒ سے سلام کے بعد مصافحہ فرمایا اور جب دوسرے شخص نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تو مولانا نے یہ کہ کر اپنا ہاتھ کھینچ لیا کہ سلام تو ہر شخص کے لئے ضروری ہے، کیا ہر شخص سے مصافحہ بھی ضروری ہے اور واپس ہونے کے

وقت بھی مولانا نے یہی کہہ کر اس سے مصافحہ نہیں کیا۔

وفات: آپ کی وفات ۱۶ رصفر ۱۳۱۲ھ کو بھیرا ضلع مئو میں ہوئی اور وہیں جامع مسجد کے باہر صحن میں دفن کئے گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(دیار پورب میں علم اور علماء صفحہ ۴۶۱ مؤلفہ حضرت مولانا قاضی اطہر مبارک پوری اعظم گڈھ)

ف: حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ حضرت مولاناؒ کا بکثرت ذکر فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہمارے برادری کے لوگ ان کے معتقد تھے اور ان کی خدمت میں جاتے تھے۔ اور حضرت مصلح الامتؒ آپ کا یہ ارشاد نقل کرتے تھے کہ ہمارے پاس پورا طالب تو کیا ادھورا طالب بھی نہیں آیا اور یہ بھی فرماتے تھے کہ کھانا پکا پکایا موجود ہے مگر کوئی کھانے والا نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت مصلح الامتؒ اپنی برادری کے لوگوں کو رشد وصلاح کی طرف متوجہ فرماتے رہتے تھے اے کاش ہم لوگوں کو اپنی اصلاح کی فکر ہو جاتی تا کہ اللہ تعالی کی خوشنودی حاصل کرنے والے ہو جاتے۔ اللھم وفقنا لما تحب و ترضی (مرتب)

حضرت سید شاہ محمد فضل اللہ قادری فتحپوری ؒ متوفی ۱۳۱۴ھ

نام ونسب : آپ کا نام سید محمد فضل اللہ ہے۔آپکی ولادت ۱۲۴۰ھ بمقام فتح پور ہنسوہ واقع ہوئی آپ کے والد ماجد بزرگان مشائخ کے خاندان سے تھے۔ نیک سیرت و پسندیدہ خصلت تھے۔فرزند کے پیدا ہونے سے بہت خوش ہوئے آپ کے چہرے سے بزرگی کے آثار نمایاں وسعادتمندی کے انوار درخشاں تھے۔تربیت میں مصروف ہوئے۔

بچپن کے حالات : آپ روز بروز نشوونما کے میدان میں ترقی کرنے لگے۔ جب آپ عمر کے سات آٹھ سال طے کر چکے تو آپ سے زمانہ طفولیت (بچپن) میں ایسی باتیں ظاہر ہونے لگیں۔ جیسے بزرگان وقت سے صادر ہوتی ہیں آپکو ابتدا سے سنتِ نبوی وشرع محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دلچسپی تھی۔کبھی آپ سے کوئی کام خلاف شرع واقع نہیں ہوتا تھا۔اعضاء ظاہری وقوائے جسمانی سے وہی کام لیتے تھے جو جس کام کے لئے موضوع ہوئے ہیں اوراس شرط سے کام میں لاتے کہ وہ کام خلاف شرع نہ ہو آپ کبھی لہو ولعب وعیش وطرب کی محفلوں میں شریک نہیں ہوتے تھے۔خوراک و پوشاک میں بھی شرع کا لحاظ ہوتا تھا۔چنانچہ ایک وقت آپ کے والد ماجد نے آپکے لئے رنگین وریشمی کپڑے بنوائے۔آپ نے کپڑوں کو پارہ پارہ کردیا۔زیب تن نہیں فرمایا اسی طرح کبھی کسی کی دعوت میں نہیں جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے کھانا مشکوک معلوم ہوتا ہے فقراء کو

دوست رکھتے تھے علماء سے دینی مسائل استفسار فرماتے تھے۔اوران کے کہنے کے مطابق عمل کرتے تھے اور فقراء اہل اللہ سے دقایق تصوف وحقائق کو تلاش کرتے تھے۔ ہر ایک سے جو بھی علم پاتے تھے اسپر عمل فرماتے تھے۔حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیر وشمائل کو ہر ایک عالم فاضل سے دریافت کرتے۔ اور انہیں شمائل کو اختیار فرماتے۔تارک الصلوۃ اور فلسفی مزاج لوگوں سے ملنا پسند نہیں کرتے تھے۔آپکی عادت تھی کہ خوردسالی میں بھی آخر شب میں بیدار ہوتے تھے۔اور عبادت میں مشغول ہوتے تھے۔صبح کی نماز جماعت سے ادا کرتے تھے حاضرین و متعلقین خوابیدہ کو جگاتے اور نماز صبح کی تاکید فرماتے جو شخص خواب سے اٹھنے میں سستی کرتا تو اسکو ملامت کرتے۔مدت العمر پانچوں وقت کی نماز برابر ادا کرتے رہے۔آپکی نماز کبھی کسی وقت کی قضا نہیں ہوئی۔فرائض وسنن وواجبات ونوافل کے ادا کرنے میں سستی نہیں فرماتے تھے مسکرات (نشہ کی چیزیں) کے استعمال سے منزلوں دور رہتے تھے۔اور مکروہات ومحرمات سے اجتناب فرماتے تھے۔

ف: سبحان اللہ یہ احوال تھے بچپن کے جسکی وجہ سے جوانی کے حالات صاف ستھرے اور قابل رشک ہوئے۔اسلئے بچوں کو ایسے اخلاق واعمال بچپن سے ہی اختیار کرنا چاہئے۔اس کیلئے والدین اور اساتذہ کرام کو ایسی تربیت کرنی چاہئے کہ بچے باصلاحیت اور نیک کردار ہوں تاکہ جوانی پھر پیری میں بہتر ہوں اور آخرت میں بھی سرخرو ہوں۔اسی لئے ہر شخص کو بزرگوں کا یہ مقولہ پیش نظر رکھنا چاہیے **مَنْ شَبَّ علیه شَابَ عَلیه و مَنْ شَابَ عَلْیهِ مَاتَ عَلْیهِ وَمن ماتَ عَلیه حشر**

علیہ ۔یعنی جس حال پر آدمی جوان ہوگا اسی پر بوڑھا ہوگا اور جس حال پر بوڑھا ہوگا اسی پر مریگا اور جس حال پر مریگا اسی پر قیامت میں حشر ہوگا العیاذ باللہ (مرتب)

جب آپکی عمر پندرہ سالہ ہوئی اسوقت آپ کو اولیاء اللہ کی زیارت کا شوق پیدا ہوا۔اکثر اوقات بزرگان سلف کے مزار پر جاتے زیارت سے مشرف ہوتے۔آپ اویسیہ طریق سے عالمِ ارواح میں بزرگان سلف سے مستفید ہوتے کبھی کبھی آپ جوش وجد وجذب سے مست ہوجاتے تھے۔اسی حال میں صبح سے شام تک بیہوشی میں پڑے رہتے تھے۔اور فرماتے کہ جسکا اللہ تعالی مددگار نہیں وہ یقیناً دنیا میں ذلیل وخوار ہے۔آپ فرماتے تھے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہوتا ہے۔ اسکے حرکات وسکنات اہل دنیا سے جداگانہ ہوتے ہیں۔وہ الہام حق سے رہنمائی پاتا ہے۔اور فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جسکو محبت کی شراب پلائی وہی سچا صوفی ہے۔بغیر محبت کے صوفی کو عبادت سے مزہ ولطف حاصل نہیں ہوتا۔جیسا کہ کھانے میں نمک نہ ہوتو وہ بے مزہ ہوتا ہے۔اسی طرح کے آپ کے ملفوظات مفیدہ بے شمار ہیں۔مولانا سید شاہ محمد وحید الدین صاحب قادری غفوری نے آپ کی سوانح عمری میں شرح وبسط کے ساتھ انھیں جمع کردیا ہے۔

بیعت واجازت: آپ کی خواہش تھی کہ شیخ ایسا چاہیے کہ شرع شریف کا پابند ہو ایک روز سلسلۂ کلام میں حضرت خواجہ سلیمان کے خلیفہ حضرت ہارون صاحب نے ذکر کیا کہ میرے پیر ومرشد خواجہ صاحب موصوف اکثر مریدوں سے کہتے تھے کہ اگر آپ میں سے کسی کو غوث زمانہ دیکھنا مطلوب ہوتو حضرت اخوند شیخ عبدالغفور قدس سرہ کو دیکھے والد ماجد سے اجازت لیکر فوراً صوات نبیر کی طرف

روانہ ہوئے ۔ پیر روشن ضمیر کے شوق دیدار میں منزل طے کرتے ہوئے اور راستے کی مصیبتوں کو سہتے ہوئے منزل مقصود کو پہونچے ۔ اور حضرت اخوند شیخ عبدالغفورؒ صاحب کی زیارت اور مصاحبت سے مشرف ہوئے ۔ چند مدت پیر و مرشد کی ملازمت میں رہے اور وظائف وتوجہ حضرت پیر باکمال سے درجۂ کمال کو پہنچے پس اخوند صاحب نے آپ کو خلافت کی سند دیکے ہندوستان میں اشاعت دین کے لئے بھیجا اور ارشاد فرمایا کہ امراء اور رؤساء ہند کو راہ راست کی طرف ہدایت فرمائیں اور برے افعال سے باز رکھیں جو شخص آپ کے حکم کی تعمیل نہ کرے گا عذاب وعتاب میں ماخوذ ہوگا۔ انتہی کلامہ

آپ پیر و مرشد کی خدمت سے رخصت ہوئے ۔ ہندستان میں آئے ۔ بلاد وامصار وقصبات ودیہات میں ہدایت کا چراغ روشن کرنے لگے۔

بزرگان سلف کے حالات سے دلچسپی : آپ اگرچہ عالم وفاضل نہیں تھے۔ لیکن مضامین علم ظاہری وباطنی کو خوب سمجھتے تھے۔ نکات علوم ومعارف اور دقائق وحقائق عمدہ طرح سے سمجھاتے تھے۔ اکثر اوقات کتب تصوف وسلوک اور کتب تواریخ سے حالات بزرگان وملوک کو سنتے تھے۔ اور تصوف کے مسائل کو شرح کے ساتھ بیان فرماتے تھے۔ اور اہل اللہ وسلاطین ظل اللہ کے تذکروں سے استفادہ وعبرت اختیار کرتے تھے۔ آپ کے دل پر **الم نشرح لک صدرک** الخ کا مضمون منقش رہا۔ آپکی ذات علم لدنی سے موصوف تھی۔

آپ کے اخلاق وعادات : آپ کی ذات سراپا اخلاق تھی۔ غرباء وفقراء، امراء ورؤساء سے ایک ہی طرح ملتے تھے مراتب میں کمی وبیشی نہیں فرماتے تھے۔ غربا وفقرا

جو کچھ عرض کرتے آپ ہر ایک کو نہایت نرمی سے جواب دیتے تھے اور ہر ایک کی درخواست کو گوشِ دل سے سنتے تھے جس قدر ممکن ہوتا تھا مسائل کی حاجت روائی میں کوشش فرماتے تھے۔آپ کی دعاو توسل سے اکثر غرباء وفقراء فائز المرام ہوتے تھے آپ فرماتے تھے کہ میں ہندوستان میں امراء ورؤساء سے اسلئے ملتا ہوں کہ انکو عدالت وحفاظت رعیت واتباع شریعت کی ہدایت کروں اور غرباء وفقراء کو شعبۂ ملازمت میں شریک کراؤں، یا وظیفہ مدد معاش کے لئے یا صلہ وانعام مقرر کرانے کے لئے،آپکے مزاج میں کسر نفسی نہایت ہی تھی۔تواضع وانکساری وعاجزی وفروتنی میں شاخ پر مُیوہ کی طرح جھکے جاتے تھے۔قناعت پسند تھے۔آپ نے مال ودولت کی طرف کبھی رغبت نہیں کی۔

خانقاہ کی تعمیر سے انکار : اکثر امراء ہند نے آپ سے اس بات کی درخواست کی کہ آپ کے لئے خانقاہ بنائی جائے۔اور جاگیر ومعاش کافی مقرر کی جائے آپ نے قبول نہیں فرمایا۔اور کہتے تھے۔درویش ہر کجا کہ شب آمد سرائے اوست یعنی فقیر کے لیے جہاں رات ہو جائے وہی اس کی سرائے وخانقاہ ہے۔اور میرے رزق وروزی کا رازق تعالی مطلق کفیل ہے۔مدۃ العمر زندگی حضر وسفر میں آزادانہ بسر کرتے رہے مگر کہیں آرایش دنیوی سے آلودہ نہیں ہوئے۔آپ نے تازندگی عیال واطفال کے لئے کسی امیر ورئیس سے وظیفہ یا روزینہ مقرر نہیں کرایا۔ ہر چند کی معتقدین خدمت کرنا چاہتے مگر آپ منع فرماتے تھے حمیت وحرارت دین آپ کے خمیر میں داخل تھی امور دین میں کسی کی رعایت نہیں فرماتے تھے۔ اگر کوئی خلاف شرع کام کرتا تو اسکو نہایت ترش روئی وسختی سے زجر وتوبیخ کرتے،

اور اس سے ملنا پسند نہیں کرتے، اور اسکو اپنے مجلس کے دائرے سے خارج فرماتے تھے۔ تاوقتیکہ توبہ نہ کرے آپ کی مجلس سے محروم رہے۔ آپکی عادات سے تھا کہ بچوں سے بہت محبت رکھتے تھے۔

ف: اسی لئے ہمارے مشائخ کا بھی یہی طور تھا حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کا باب اصلاح میں یہی شعار تھا فللہ الحمد و المنہ (مرتب)

تربیت کا حال: اگر کوئی بچہ آپ کے فرش یا جسم پر پیشاب کرتا تو آپ کچھ نہیں فرماتے۔ پیشاب کرنے تک خاموش رہتے اور حاضرین مجلس بچے کو روکتے تو آپ انکو منع کرتے کہ بچے کو کچھ نہ کہیں اسکے بعد فرش و جسم کو دھوتے تھے۔ اگر آپ کسی معلم کو دیکھتے کہ لڑکوں کو مار رہا ہے تو آپ اسپر خفا ہوتے۔ اور فرماتے کہ کیا آپ قہر الٰہی سے نہیں ڈرتے ہیں۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ بچوں کو زدوکوب نہیں کرنی چاہئے۔ بچوں کی تعلیم ضرب وسزائے بید سے نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ ضرب وسزا کی مداومت سے لڑکے بے حیا ونڈر اور سزا کے عادی ہوجاتے ہیں۔ اگر اساتذہ لڑکوں کو نرمی وملائمیت سے مانوس بنائیں اور حسن اخلاق کے ساتھ تعلیم و تدریس کریں تو لڑکوں پر تعلیم سریع التاثیر ہوگی۔ پس نرمی سے تربیت وترغیب سے کام لیتے رہیں اس طرز کی تعلیم سے لڑکوں کے دلوں میں شوق وولولہ پیدا ہوگا۔

ف: سبحان اللہ! تعلیم وتربیت کا عمدہ نسخہ تجویز فرمایا ہے جس پر عمل یورپ کے ملکوں میں شددمد سے ہورہا ہے اب ہمارے ملکوں میں اسپر عمل شروع

ہورہا ہے اللہ تعالیٰ اس کے نفع سے ہمکنار فرمائے۔آمین (مرتب)

حضرت کی تشریف آوری حیدرآباد دکن میں : آپ بطریق سیر وسیاحت دورہ کرتے ہوئے اول مرتبہ مغفرت منزل حضرت نظام الملک پنجم افضل الدولہ بہادر کے عہد میں وطن مالوفہ سے حیدرآباد دکن میں رونق افروز ہوئے۔شہر میں آپ کی تشریف آوری کی شہرت ہوئی۔امراء ومشائخ آپ کی ملاقات سے مشرف ہونے لگے۔علماء وفضلاء بھی مستفید ہونے لگے۔

بادشاہ کو نصیحت : فرمایا کہ آپ امیرالمومنین بادشاہ وقت ہیں،تقریباً کروڑ سے زائد آپکی رعایا ہے۔آپ پر انکے جان ومال کی حفاظت واجب ولازم ہے۔ان کی آسایش وآرام میں مصروف رہنا چاہیئے،غرباء وفقراء کی ہمدردی کرنا چاہیے مظلوموں کی فریادرسی فرمانا چاہیے۔ظالموں اور مفسدوں کو سزاے واجب دینا چاہئے۔عدل وانصاف ہمیشہ قائم رکھنا چاہیے۔اس لئے کہ عدل وانصاف اللہ کی رضامندی کا سبب ہے۔ایک ساعت کا عدل ستر برس کی عبادت کے برابر ہے۔اور بھی اسی طرح چند نصیحتیں کر کے آخر میں یہ دعا دی کہ آپ کی ریاست بزرگانِ اہل اللہ کی برکت سے ہمیشہ ہمیش قائم رہیگی آپکا ملک مخالفین سے محفوظ رہیگا۔آمین الحمدللہ رب العالمین۔

ف : الحمدللہ آپ کے اقوال وارشادات سے خاصی بصیرت ومعرفت نصیب ہوئی اگرچہ آپ اصطلاحی عالم وفاضل نہیں تھے مگر حقیقت یہ ہیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص جانی ہوئی بات پر عمل کرتا ہے اسکو اللہ تعالی نہ جانی ہوئی چیزوں کا علم عطا فرماتے ہیں جس کو علم لدنی کہا جاتا ہے چنانچہ شیخ کا علم بھی

ایسے ہی ہے جیسا کہ شیخ العلماء حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ اسی دولت سے مالا مال تھے کہ باوجود اصطلاحی عالم نہ ہونے کے ان کے ایسے ایسے اقوال وارشادات منقول ہیں کہ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی اور قطب عالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحبؒ تھانوی اور عالم ربانی حضرت مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی ان ملفوظات کو سن کر عش عش فرماتے تھے ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء (مرتب)

وفات: آپ کی وفات ۲۳ رمضان ۱۳۱۴ھ میں مکان شاھی پرانی حویلی حیدرآباد میں ہوئی مکہ مسجد میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور مقبرہ باغ عبدالقادر خان میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (محبوب التواریخ تذکرہ اولیاء دکن)

حضرت سید جمال الدین[1] افغانیؒ المتوفی ۱۳۱۵ھ

نام ونسب : نام سید جمال الدین، والد کا نام سید مصطفیٰ ہے۔آپ کا تعلق سادات خاندان سے تھا جس کے مورث اعلی سید علی ترمذی ہیں جو اپنے زہد وتقویٰ اور علم وفضل میں مشہور تھے اور تیسویں پشت میں ان کا سلسلہ نسب حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے ۔ بابر بادشاہ کے ساتھ افغانستان سے ہندوستان آئے اور پھر علاقہ میں ترک دنیا کر کے گوشہ نشین ہو گئے زہد کی زندگی گزارتے ہوئے نوے برس سے زیادہ کی عمر میں ۹۹۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا اوراب پیر بابا کے نام سے مشہور مزار جو علاقہ بونیر میں ہے وہ آپ ہی کا ہے آپ کے ایک صاحبزادے سید مصطفیٰ نے علاقہ کنڑ میں سکونت اختیار کی سید جمال الدین افغانی انہی کی نسل سے ہیں۔

ولادت : ہیروں جیسی معدینات سے مزین وادی کنڑ میں دریائے کنڑ کے قریب اسعد آباد شہر میں ۱۲۵۴ھ کو آپ پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد نے وہیں سکونت اختیار کی جب آپ کی عمر آٹھ سال کے قریب تھی تو آپ کے والد کابل گئے اپنے متعلقین کے ساتھ دس سال کابل میں رہنے کے بعد پھر مستقلاً اسعد آباد واپس آکر بسے اور یہیں وفات پائی۔

---

[1] آپ کے حالات ’’ شخصیات افغانستان کی روح پرور یادیں‘‘ مؤلفہ حضرت مولانا عبدالمالکؒ پاکستانی سے ماخوذ ہیں۔(مرتب)

سید افغانی کا تعارف : مؤرخین کا اعتراف ہے کہ سید افغانی اسلامی دنیا میں دور جدید کے بانی تھے ملتِ اسلامیہ کی سیاسی بیداری، مغربی سامراج کے خلاف کامیاب جدو جہد میں ممتاز ترین حیثیت کے حامل تھے آپ کی ساری عمر سیاحت اور وطن سے دور مختلف ممالک میں مسلمانوں کی فلاح وترقی کی کوشش میں گزری اسلامی ممالک کی کئی یونیورسٹیوں میں آپ کی شخصیت پر تذکرہ چلتا رہتا ہے۔

جامعہ ازہر میں درس وتدریس : علامہ اکثر جامعہ ازہر جا کر علمی مباحت پر گفتگو فرماتے تھے کچھ لوگ آپ کے مکان پر بھی پڑھنے آیا کرتے تھے، کچھ ذہین طلباء جن میں شام کے طلباء کی بھی خاصی تعداد تھی آپ سے بہت متاثر تھے۔ آپ نے ان کی درخواست پر انہیں ''شرح اظہار'' کا درس دینا شروع کیا آپ درس میں علمی مباحث کے علاوہ جدید طرز کی سیاست کے بارے میں بھی کافی مسائل پر گفتگو فرماتے تھے۔ اور انگریزوں کے خطرات سے بھی کافی حد تک طلباء کو آگاہ فرماتے تھے اور انگریزی سیاست پر کھلی تنقید کرتے تھے ان خیالات نے طلباء کے ذہن میں اصل وجود پکڑا اور آگے چل کر یہی طلباء مصر کی سیاسی بیداری اور قومی آزادی کی تحریک کے سرگرم رہنما بنے۔ آپ کے شاگردوں میں مفتی محمد عبدہ بھی شامل تھے جو بعد میں آپ کے اہم رفیق ثابت ہوئے۔ اسکے بعد پھر آپ مصر سے استنبول چلے گئے پھر دوبارہ مصر آکر اصلاحی کام کیا۔

عوامی حلقوں میں اصلاحی کام : علامہ افغانی نے عوام کے حلقہ میں بھی اپنی خدمات کو وسیع رکھا چنانچہ کئی اصلاحی انجمنوں کا قیام عمل میں آیا ان میں ایک

انجمن جو ''حیات الوطنی'' کے نام سے بنائی گئی اس میں قانوناً انجمن کا ہر رکن سادہ زندگی کا پابند تھا اور رقم بچت کر کے غریبوں کی امداد وغیرہ کے لئے انجمن کے فنڈ میں جمع کراتا تھا ہر رکن پر لازم تھا کی اپنی زندگی کو قرآن مجید کے معیار پر اتارے اور چوبیس گھنٹوں میں کم از کم ایک مرتبہ قرآن مجید کے ربع پارہ کی تلاوت غور وفکر سے کرے۔

اس کے علاوہ ادائے فرائض ونوافل، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور اسلام کی تبلیغ پر بھرپور توجہ دے اور ہر شب کو اپنا محاسبہ کرے کہ اس نے دن بھر میں کتنے اچھے کام کئے اور کتنے برے۔

اتحاد واتفاق کیلئے مسلمانوں پر زور: آپ کی زندگی کا نصب العین ہی اتحاد بین المسلمین کی جدوجہد رہا ہے آپ کے خیال میں مسلمانوں میں اتحاد کا ذریعہ دینی رابطہ ہے اس پر زور دیتے تھے ایک جگہ مسلمانوں پر اس رابطہ کو قائم رکھنے کیلئے یوں زور دیا۔

> ''اے امت مرحومہ! یہ تمہاری زندگی ہے اس کو بچاؤ یہ تمہارا خون ہے اسے ہرگز نہ بہاؤ یہ تمہاری روح ہے اسے زبوں مت کرو یہ تمہاری سعادت ہے اسے کسی قیمت پر نہ بیچو وسوسوں سے فریب نہ کھاؤ، توہمات سے بہک نہ جاؤ، باطل کی سجاوٹوں سے مرعوب نہ ہو، عقل کی آنکھ پر سے وہم کی پٹی ہٹاؤ اور دینی رابطے کا دامن تھام لو یہ سب سے مضبوط رشتہ ہے جس میں تُرک عرب کے ساتھ، ایرانی، ہندوستانی کے ساتھ اور

مصری مغربی کے ساتھ اکٹھا ہوجاتا ہے یہ محکم ترین رشتہ ہے جو اللہ نے تم میں قائم کیا ہے اس میں عزت تمہارا دبدبہ، تمہارا اقتدار اور تمہاری سعادت ہے اس رشتہ کو کمزور نہ ہونے دو''۔

علامہ کا اہتمام اسلامی کانفرنس: آپ نے علماء وزعماء کو اپنے خیالات کے اظہار اور اپنی اس انقلابی تحریک کیلئے ابھارا، ترکی، ایران، عراق، افغانستان، ہندوستان، حجاز، یمن، مصر، الجزائر، مراکش اور دوسرے اسلامی ممالک کے پانچ سو ممتاز علماء و زعماء کی ایک فہرست بنا کر ان کو خطوط لکھے جسمیں آپ نے ملتِ اسلامیہ کو لاحق خطرات سے اور بھرپور مدلل انداز میں اس سے نجات کا طریقۂ کار بتایا۔

سرزمینِ استنبول میں آخری قیام: مرکز خلافت استنبول جانے کا سبب سلطان عبدالحمید کا اصرار اور ان کے پیر ابوالہدیٰ کے دو خط تھے آپ کی زندگی کے آخری پانچ سال استنبول میں گذرے آپ کا سلطان کے یہاں بڑا مرتبہ تھا دربار میں کافی اثر تھا ابوالہدیٰ اور دوسرے علماء سے بھی آپ کے نیک روابط تھے آپ کی صاف گوئی اور جرأت، سلطان پر بڑی اثر انداز تھی سلطان کے ہر قسم کے اعزاز سے آپ ہمیشہ انکار کرتے رہے۔

ف: اس کے بعد کچھ خاص حالات مذکور ہیں بغرض اختصار ان کو حذف کرتا ہوں مگر ان کا ایک خط جو ایرانی دوست کو قید و بند کا حال لکھا ہے اس کو نقل کرتا ہوں اس سے علامہ کے صبر وشکر، ایمانی واحسانی حال کا اندازہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے سبق لینے کی توفیق دے۔ آمین (مرتب)

درباری علماء کی ریشہ دوانیوں نے سلطان کو علامہ کے بارے میں بدگمان بنادیا، چنانچہ آپ کی نقل وحرکت پر پابندی لگادی گئی پولیس کی نگرانی قائم کردی گئی آپ نے لندن جانے کی اجازت مانگی لیکن سلطان نے اسے اپنے لئے خطرہ سمجھا کہ یہ میرے خلاف جاکر تحریک شروع کرے گا۔ اور اجازت نہ دی چنانچہ آپ یوں ہی نگرانیوں میں زندگی بسر کرتے رہے سختیوں اور شدائد میں اضافہ ہوتا رہا آپ کی نظر بندی کی سختیوں کا اندازہ اس خط سے لگایا جاسکتا ہے جو آپ کی زندگی کے آخری ایام کا خط ہے اس میں بھی آپ نے ایرانی قوم کیلئے آخری ہدایات دی تھیں اپنے بارے میں لکھا ہے کہ

''جس قید میں مقید ہوں دوستوں کی ملاقات سے محروم ہوں نہ مجھے نجات کا انتظار ہے نہ زندگی کی امید، نہ گرفتاری سے ملول ہوں اور نہ مرنے سے متوحش، خوش ہوں اپنی گرفتاری سے، اور خوش ہوں اپنے ہلاک کئے جانے سے، میرا جسم مقید ہے آزادی کے لئے اور میں ہلاک کیا جارہا ہوں ملت کی زندگی کیلئے لیکن افسوس ہے تو اس کا کہ اپنی بوئی ہوئی کھیتی کو سرسبز دیکھنے کی جو آرزو رکھتا تھا وہ پوری ہوتی دکھائی نہیں دیتی، فیاحسرتاہ۔

یہ دردانگیز خط آپ کا آخری خط ہے جو آپ نے ایک ایرانی دوست کو لکھا تھا۔

آفتابِ حریت کا غروب: علامہ کے خلاف شکی مزاج اور وہمی سلطان کو درباری علماء نے اتنا اکسایا کہ وہ خوف زدہ ہوا اس نے پابندیوں میں سختی کردی آپ نظر بندی کی حالت میں بہت علیل ہوگئے مرض سرطان (کینسر) لاحق ہوگیا

چھ دانت نکالے گئے لیکن مرض میں اضافہ ہوتا گیا آپ نے علاج کیلئے دیانا جانے کی اجازت چاہی لیکن سلطان نے انکار کردیا آخر کار مرض لاعلاج ہوگیا اور قید و بند کی صعوبتیں خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہوئے امتِ مسلمہ کی زندگی میں بیداری کی لہر پیدا کرتے ہوئے قائد و آفتاب حریت مارچ ۱۸۹۷ء مطابق ۱۳۱۵ھ کو اس دنیا سے غروب ہوگیا انا للہ و انا الیہ راجعون۔

آپ کو استنبول کے ایک قبرستان میں دفن کردیا گیا ایک عرصہ تک آپ کی قبر بے نشان رہی۔

انتقالِ جسدِ خاکی: نواب امان اللہ خان نے جو علامہ کی خدمات کے مداح تھے آپنے ترکی کے دورہ کے دوران آپ کے جسد خاکی کو افغانستان میں دفن کرنے کی خواہش ظاہر کی لیکن اس تجویز پر ۱۹۴۳ء میں عمل ہوا لاہور کے ریلوے اسٹیشن پر جب تابوت پہنچا تو لوگوں کا ہجوم تھا جلوس کی شکل میں بادشاہی مسجد لے جاکر مزارِ علامہ اقبال کے برابر تابوت رکھا گیا نماز جنازہ پڑھی گئی پھر عظیم الشان جلوس اسٹیشن واپس ہوا اور پھر تابوت جب کابل پہنچا تو ارباب حکومت اور عوام نے اپنے محبت بھرے جذبات و عقیدت کا مظاہرہ کیا اور پھر جسد خاکی اعزاز و اکرام سے ان کے وطن میں دفن کردیا گیا۔ نور اللہ مرقدہ۔

(شخصیات افغانستان کی روح پرور یادیں صفحہ ۵۱۹)

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب صدیقی کاندھلویؒ م:۱۳۱۵ھ

تعارف: آپ حضرت مولانا الیاس صاحب بانی تبلیغؒ کے والد ماجد ہیں۔آپ کا آبائی وطن جھنجھانہ ضلع مظفر نگر تھا، مگر پہلی اہلیہ کی وفات کے بعد کاندھلہ مفتی الٰہی بخشؒ کے خاندان میں عقد ثانی فرمایا تھا جس کی وجہ سے کاندھلہ برابر آمد و رفت رہا کرتی تھی اس لئے وہ بھی مثل وطن کے ہوگیا تھا۔

آپ دہلی کے باہر حضرت نظام الدین اولیاء کے مزار چونسٹھ کھمبے کے نام سے جو تاریخی عمارت ہے اس کے سرخ پھاٹک پر ایک عمارت میں رہا کرتے تھے اور مرزا الٰہی بخش کے (جو بہادر شاہ کے سمدھی تھے) بچوں کو پڑھاتے تھے، اس کے متصل ہی ایک چھوٹی سی مسجد تھی جس کے سامنے مرزا الٰہی بخش صاحب کی نشست گاہ تھی جس پر ٹین پڑا ہوا تھا، اسی بناء پر اس کو بنگلہ والی مسجد کہتے ہیں۔

عبادت و خدمت خلق: مولانا ہمہ وقت ذکر و شغل میں مشغول رہتے تھے اور خدمت خلق کا خاص جذبہ رکھتے تھے جو مزدور بوجھ لادے ہوئے پیاسے ادھر سے نکلتے تو ان کا بوجھ اتار کر رکھ دیتے اور اپنے ہاتھ سے ڈول کھینچ کر ان کو پانی پلاتے پھر دو رکعت نماز شکرانہ ادا کرتے کہ اے اللہ! تو نے مجھے اپنے

---

(۱) سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ مولفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو سامنے رکھ کر یہ چند سطور مولانا المذکور اور ان کے صاحبزادوں کے متعلق پیش خدمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ مفید و بصیرت افروز بنائے۔آمین۔(مرتب)

بندوں کی اس خدمت کی توفیق مرحمت فرمائی، میں تو اس قابل نہ تھا۔

ف: یہ غایت عبدیت وکمال معرفت کی بات تھی کہ خدمتِ خلق کو بھی عبادت سمجھتے تھے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے۔ (مرتب)

قرآن پاک سے تعلق: مولانا کو قرآن مجید کی تلاوت سے خاص شغف تھا، رات کو اس کا خاص اہتمام تھا کہ گھر والوں میں سے کوئی نہ کوئی جاگتا رہے اور تلاوت کرتا رہے۔

میوات سے تعلق: میوات سے تعلق بھی آپ ہی کی حیات میں شروع ہوا، جس کی تاریخ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ اس تلاش وفکر میں نکلے کہ کوئی مسلمان آتا جاتا نظر پڑے تو اس کو مسجد میں لے آئیں اور اس کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھیں، چند مسلمان نظر آئے، ان سے پوچھا کہ کہاں جارہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ مزدوری کے لئے، فرمایا: تمہیں کیا مزدوری ملے گی؟ انہوں نے مزدوری کی مقدار بتلائی، فرمایا کہ اگر اتنی مزدوری یہاں ہی مل جائے تو پھر جانے کی کیا ضرورت؟ انہوں نے منظور کرلیا، آپ انکو مسجد میں لے آئے اور نماز سکھانے اور قرآن پاک پڑھانے لگے، یومیہ مزدوری انکو دے دیتے، اور ان کو پڑھنے اور سیکھنے میں مشغول رکھتے، کچھ دنوں کے بعد نماز کی عادت پڑگئی اور مزدوری چھوٹ گئی، یہ بنگلہ والی مسجد کے مدرسہ کی بنیاد تھی، اور یہ لوگ اس کے پہلے طالب علم تھے، اس کے بعد ۱۰۔ ۱۲ میواتی طالب علم برابر مدرسہ میں رہتے اور ان کا کھانا مرزا الٰہی بخش صاحبؒ کے یہاں سے آتا تھا، اس طرح کام چلتا رہا۔

وفات: آخر ۴؍شوال ۱۳۱۵ھ کو مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے انتقال فرمایا

''غفرلہٗ'' تاریخ وفات ہے، دہلی ہی میں مدفون ہوئے، رحمہ اللہ تعالیٰ۔

مولانا کے صاحبزادگان: آپ کے تین صاحبزادے تھے، پہلی بیوی سے مولانا محمد صاحبؒ تھے اور دوسری اہلیہ سے مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ اور مولانا محمد الیاس صاحبؒ تھے، تینوں ہی صاحبزادے عالم دین اور ذاکر وشاغل اور خدمتِ دین کے شیدائی تھے، لہٰذا تینوں صاحبزادوں کا حال مختصراً لکھا جاتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

حضرت مولانا محمد صاحب صدیقی کاندھلویؒ م ۱۳۳۶ھ

مولانا محمد صاحبؒ ایک فرشتہ صفت آدمی تھے ،حلم وتواضع ،رحمت وشفقت،خشیت وانابت الی اللہ کی مجسم تصویر تھے،متوکلانہ وزاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے،نظام الدین کی بنگلہ والی مسجد میں اپنے والد ماجد مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کی جگہ پر قیام تھا اور والد ماجد کا قائم کردہ جو مدرسہ تھا اس میں تعلیم دیتے تھے،اس میں زیادہ تر میوات کے بچے پڑھتے تھے،دہلی اور میوات میں آپ سے بہت سے لوگ ارادت وعقیدت رکھتے تھے ،اکثر وعظ بھی فرماتے تھے مگر بیٹھ کر جیسے کوئی باتیں کرتا ہو،مسلسل تقریر کی صورت نہیں ہوتی تھی ،بلکہ اکثر اخلاق اور زہد کی احادیث سناتے اور انکا سادہ ترجمہ اور مطلب بیان فرمادیتے۔

ف: معلوم ہوا کہ وعظ کا یہ بھی ایک طریقہ ہے جو نہایت سہل مگر بیحد موثر ومفید ہے،طلبہ اس کو بھی یاد رکھیں اور زبانی وعظ نہ کہہ سکنے پر غمگین نہ ہوں اسلئے کہ مقصود تبلیغ دین ہے اور وہ اس طرح بھی بآسانی حاصل ہے۔(مرتب)

وفات: اخیر وقت تک نماز جماعت سے پڑھی۔ ۲۵/ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ عشاء کی نماز کے بعد وتر کے سجدے میں وفات ہوئی۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُون۔رحمہ اللہ تعالیٰ۔

ف: حقیقت ہے کہ آدمی جس حال میں زندگی گزارتا ہے اللہ تعالی اسی حال پر موت دیتے ہیں،اب دیکھئے چونکہ زندگی بھر ذکر وشغل ،تلاوت وعبادت کرتے رہے تو موت بھی عبادت ہی کی حالت میں آئی۔فَھَنِیْئًا لَّھُمْ

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب صدیقی کاندھلویؒ م: ۱۳۳۴ھ

نام ونسب: آپ مولانا محمد اسماعیل صاحبؒ کے لڑکے اور مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے بھائی تھے۔

ولادت: آپ محرم ۱۲۸۸ھ میں پیدا ہوئے اور سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کرلیا، والد صاحب کے ارشاد کے مطابق روزانہ ظہر تک پورا قرآن پاک ختم کرلیا کرتے تھے، شوال ۱۳۱۱ھ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی خدمت میں حدیث پڑھنے گئے اور بفضلہٖ تعالیٰ دورۂ حدیث کا مبارک شرف آپ کو نصیب ہوا۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے ارشاد کے مطابق مدرسہ مظاہر علوم میں ۱۳۲۸ھ میں تدریس حدیث کے لئے تشریف لائے اور ساڑھے پانچ سال مستقل حدیث کا درس دیتے رہے مگر کبھی کوئی معاوضہ نہ لیا، معاش کے لئے ایک کتب خانہ قائم کر رکھا تھا جس کا کام خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے۔

ارشادات: آپ کے صاحب زادے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں والد ماجدؒ کے یہاں سب سے زیادہ زور ترکِ تعلقات پر تھا، اوران کا مقولہ تھا کہ آدمی چاہے کتنا ہی غبی وکند ذہن ہو اگر اس میں تعلقات کا مرض نہیں ہے تو وہ کسی وقت ذی استعداد بن کر رہتا ہے، اس کے برخلاف وہ جتنا بھی ذی استعداد، ذہین اور علم کا شوقین ہو اگر اس کو تعلقات کا

چسکا ہے تو وہ اپنے جوہروں کو کھو کر رہے گا۔

ف: بڑے کام کی بات ہے طلبہ اس کو ذہن نشین کرلیں بلکہ سالکین راہ بھی اس کو مستحضر رکھیں، اس لئے کہ شیخ سعدی نے فرمایا ہے۔ ؎

تعلق حجابست وبے حاصلی چو پیوند ہا بگسلی واصلی

(مرتب)

نیز فرماتے تھے کہ صاحبزادگی کا زعم بہت دیر میں نکلتا ہے۔

ف: صحیح ہے اسی لئے عموماً یہ لوگ اپنے آباء کی باطنی دولت سے محروم ہی رہتے ہیں لیکن یہ اگر ذرا مجاہدہ وریاضت کرلیں تو درجات علیا تک پہونچ سکتے ہیں، جیسا کہ بہت سے شیخ زادوں کا حال رفیع اور مقام بلند عیاں ہے۔ (مرتب)

وفات: ۱۰/ذوقعدہ ۱۳۳۴ھ میں آپ کی وفات ہوئی اور سہارنپور ہی میں قبرستان حاجی شاہ میں مدفون ہوئے، نور اللہ مرقدہٗ۔

حضرت مولانا الیاس صاحب صدیقی[1] کاندھلویؒ م:۱۳۶۲ھ

نام ونسب وولادت: آپ کی ولادت ۱۳۰۳ھ میں ہوئی، آپ مولانا اسمٰعیل صاحب کے تیسرے صاحبزادے ہیں، نہایت کم سنی میں قرآن حفظ کرلیا، حضرت مولانا محمود صاحب دیوبندیؒ فرماتے ہیں کہ ''جب مولوی محمد الیاس کو دیکھتا ہوں تو مجھے صحابہ یاد آجاتے ہیں۔''

مولانا کی خصوصیت: حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ بالعموم بچوں اور طالب علموں کو بیعت نہیں فرماتے تھے مگر مولانا کو غیر معمولی صلاحیت کی بناء پر بیعت فرمالیا تھا، ساتھ ہی ظاہری تعلیم کا سلسلہ بھی جاری تھا، آخر ۱۳۲۶ھ میں دارالعلوم دیوبند جاکر تکمیل حدیث فرمائی۔

بیعت: حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی وفات کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے بیعت ہوئے اور ان کی تربیت میں مقامات سلوک طے فرمایا۔

بستی نظام الدین دہلی کا قیام: اپنے والد محترم اور برادر مکرم کی وفات کے بعد مخلصین کے اصرار پر نظام الدین دہلی تشریف لائے اور درس وتدریس کا کام شروع فرمایا اور ذکر، شغل اور مراقبہ میں خاص ریاضت ومجاہدہ فرمایا۔

میواتیوں کی آمدورفت: یوں تو میواتیوں کا تعلق آپ کے والد ماجد اور

---

(۱) حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے آپ کی مفصل سوانح لکھی ہے، اس کو سامنے رکھ کر آپ کے مختصر حالات اور ارشادات نقل کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔ واللہ ولی التوفیق۔ (مرتب)

آپ کے بھائی مولانا محمد صاحب سے تھا جو محض ایک غیبی انتظام تھا کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے آنے سے پہلے میوات کی سرزمین میں اس خاندان کی عقیدت ومحبت کا بیج بو دیا گیا تھا اس لئے جب آپ نے نظام الدین میں قیام فرمایا تو اہل میوات نے آمد ورفت شروع کر دی اور میوات چلنے کی باصرار درخواست کی۔ آخر مولانا میوات تشریف لے گئے اور دینی مکاتب اور مدارس کے قیام کو ضروری سمجھا تا کہ دین کا حلقہ وسیع ہو اور ملک میں بڑے پیمانے پر اصلاح اور نمایاں تبدیلی پیدا ہو۔

مگر مولانا نے محسوس فرمایا کہ مکاتب ومدارس کے ذریعہ بھی پوری قوم کو دین کی ضروری تعلیم اور اسلامی تربیت نہیں دی جاسکتی اس لئے کہ سب کے سب نہ ان مکاتب کے طالب علم بن سکتے ہیں اور نہ اپنے مشاغل زندگی اور وسائل معاش چھوڑ سکتے ہیں، لہذا عمومی اصلاح کے لئے کسی اور طریقہ کو اختیار کرنا چاہئے۔

چنانچہ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ میں جب حج سے واپس آئے تو اپنے خاص طریقہ کے مطابق تبلیغی کام شروع فرمایا اور دوسروں کو بھی دعوت دی کہ عوام میں نکل کر دین کے اولین اصول وارکان (کلمہ وتوحید ونماز) کی تبلیغ کریں۔

چنانچہ عرصہ تک میوات کے خطہ میں اس طرز پر کام ہوتا رہا اور دینی وعلمی مرکز کے لوگوں کو میوات کے جلسوں، اجتماع کے موقع پر دعوت دی جاتی رہی اور کئی سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

مرض وفات میں کام کی لگن: عجیب معاملہ تھا کہ مرض وفات میں حضرت کی صحت وقوت جس قدر گرتی جارہی تھی اسی قدر احیائے دین کی تڑپ اور اعلائے کلمۃ

اللہ کا جذبہ روز بروز بڑھتا جاتا تھا، چنانچہ کبھی فرماتے کہ کاش علماء اس کام کو سنبھال لیتے اور ہم چلے جاتے ،اور جب کوئی حکیم یا ڈاکٹر مزاج کا حال پوچھتا تو فرماتے : بھائی! تندرستی ،بیماری تو انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہے،اس میں کیا خیریت ،بے خیریت ،خیریت تو جب ہے کہ جس کام کے لئے پیدا کئے گئے ہیں وہ کام ہو،اور حضور ﷺ کی روح مبارک کو چین ہو،صحابہ کرام کو حضور ﷺ نے جس حال پر چھوڑا تھا اس میں ادنیٰ تغیّر آنے کو بھی وہ حضرات خیریت کے خلاف سمجھتے تھے۔

مولانا کے طریقہ کار کا حاصل: مولانا نے جو تبلیغ کا طریقہ بتلایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ چند آدمی مل کر چلیں ،جن میں کچھ سکھانے والے ہوں اور کچھ سیکھنے والے، اور سب کے سب ہر موقع پر دینی احکام پر عمل کرنے کی مشق کریں تا کہ گھر آ کر بھی دین کے احکام پر چل سکیں،اور ان کو دنیا کے کاروبار بد دینی میں نہ لگائیں۔

تجربہ اس کا گواہ ہے کہ ان اصولوں کے موافق تبلیغی کام میں جان کھپانے سے جن کو مولاناؒ نے طریق تبلیغ کی روح بتلایا ہے،آخرت کی فکر، خدا کا خوف،مرنے کے بعد کی زندگی کا دھیان جیسے انمول فائدے حاصل ہوتے ہیں، اللہ کو کثرت سے یاد کرنے ،عمدہ سے عمدہ نماز پڑھنے اور آپس میں اسلامی اخلاق استعمال کرنے کے مواقع ملتے ہیں اور دین سیکھنے اور سکھانے کا درد پیدا ہوتا ہے۔

تبلیغی اُصول: مولاناؒ نے اپنے تبلیغی کام کی بنیاد چھ اُصولوں پر رکھی ہے جن کو مولانا تبلیغی نمبر فرمایا کرتے تھے ،وہ یہ ہیں کلمہ ،نماز، علم و ذکر، اکرام مسلم،اخلاص نیت ،تفریغ وقت، یہ تبلیغی کام کی روح اور جان ہے ،اور ساتواں امر ترک لایعنی ہے جو بطور پرہیز اور شرط کے ہے۔

ان اُصولوں کی تشریح اصل کتاب نیز دوسری کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔(چھ باتیں: مؤلفہ مولانا عاشق الٰہی بلند شہری)

ارشادات

(۱) حقیقی ذکر اللہ یہ ہے کہ آدمی جس موقع پر ہو، جس حال میں ہو، اور جس کام میں ہو اس کے متعلق اللہ کے حکموں کا دھیان رکھے، میں اپنے دوستوں کو اسی ذکر کی زیادہ تاکید کرتا ہوں۔

ف: سبحان اللہ! ذکر اللہ کے مفہوم میں کس قدر تعمیم فرمادی جسے ہر ایک مسلمان کو پیش نظر رکھنا چاہئے تاکہ اللہ تعالیٰ کا کامل مطیع وفرمانبردار بندہ بن جائے، مگر اس سے تسبیحات وغیرہ کی نفی مقصود نہیں ہے اس لئے کہ اس کے ذکر ہونے میں کیونکر شبہ ہوسکتا ہے؟ (مرتب)

(۲) ہماری جماعت کا اصل مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لایا ہوا دین پورا پورا سکھادیں، یہ تو ہمارا اصل مقصد ہے، رہی قافلوں کی چلت پھرت تو اس مقصد کے لئے ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ نماز کی تلقین گویا ہمارے نصاب کی الف، ب، ت ہے۔

ف: الحمدللہ کہ حضرت مولاناؒ نے خود ہی اپنی تحریک کے اصل مقصد کی توضیح فرمادی تاکہ ہر شخص اس کو ملحوظ رکھے اور لائحہ عمل بنائے۔ وباللہ التوفیق۔

(۳) آپ لوگوں کی یہ ساری چلت پھرت بیکار ہوگی اگر آپ نے اس کے ساتھ علم دین اور ذکر اللہ کا اہتمام نہ کیا بلکہ سخت خطرہ اور قوی اندیشہ ہے کہ اگر ان دونوں سے تغافل کیا گیا تو یہ جدوجہد کہیں فتنہ

اور گمراہی کا ایک نیا دروازہ نہ بن جائے۔

دین کا اگر علم ہی نہ ہو تو اسلام و ایمان صرف رسمی اور نام کے ہوں گے بغیر علم کے نہ عمل ہو سکے اور نہ عمل کی معرفت، اور بغیر ذکر کے ظلمت ہی ظلمت ہے، اس میں نور نہیں ہو سکتا، اگر علم دین کے بغیر ذکر اللہ کی کثرت بھی ہو تو اس میں بڑا خطرہ ہے اور علم دین کے بغیر ذکر اللہ کے حقیقی برکات و ثمرات حاصل نہیں ہوتے۔

لہٰذا اس سلسلہ میں علم و ذکر کا خاص اہتمام کیا جائے ورنہ تبلیغی تحریک بھی بس ایک آوارہ گردی ہو کر رہ جائے گی اور آپ لوگ خسارہ میں رہیں گے۔

ف: مولاناؒ نے اپنی غایت معرفت اور کمال بصیرت کی بناء پر دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں جتنے چور دروازے تھے سب سے آگاہ فرما دیا ہے، پس اگر ہم اس کے بعد بھی ہلاکت اور ضلالت میں پڑیں گے تو اس کے ذمہ دار ہم خود ہوں گے نہ کہ یہ تحریک و تبلیغ یا بانیٔ تبلیغ، خوب سمجھ لیں۔ (مرتب)

(۴) فرمایا: ہماری اس تحریک میں تصحیح نیت کے اہتمام کی بڑی اہمیت ہے، ہمارے کام کرنے والوں کے پیش نظر بس اللہ کے حکم کی اطاعت اور اس کی رضا جوئی ہونی چاہئے، جس قدر یہ پہلو خاص اور قوی ہوگا اسی قدر اجر زیادہ ملے گا۔

ف: اس تحریک میں تصحیح نیت کے اہتمام کی اس لئے ضرورت ہے کہ اگر اس سے غفلت برتی گئی تو ریا و سمعہ میں مبتلا ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے بلکہ دوسروں کی

تصغیر وتحقیر تک کا خطرہ ہے، العیاذ باللہ تعالیٰ۔ (مرتب)

(۵) فرمایا: ہر عمل کا آخری جزء اپنی کوتاہی کا اقرار اور اس کے مقبول نہ ہونے کا ڈر ہونا چاہئے۔

ف: اخلاص کا یہی تقاضا ہے کہ آدمی خوف زدہ رہے کہ معلوم نہیں قبولیت کے لائق ہمارا عمل ہوا یا نہیں، اسی حال کے تحت حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کا یہ شعر ہے۔

قبول کرلیں تو سمجھیں کہ ہم بھی مخلص ہیں
کئے ہیں پیش دل وجاں کے ہم نے نذرانے

اسی لئے تو حضور ﷺ نماز جیسی افضل العبادات کے بعد استغفار فرماتے تھے، تو ہماری عبادت کی کیا حیثیت ہے کہ ہم عدم قبولیت سے نہ ڈریں۔ (مرتب)

(۶) دین کے کام کے لئے پھرنے والوں کو چاہئے کہ گشت اور چلت پھرت کے طبعی اثرات کو جو غافلوں سے ملنے اور غفلت کے مقاموں پر جانے سے دل کو گھیر لیتے ہیں، تنہائیوں کے ذکر وفکر کے ذریعہ دھویا کریں۔

ف: چنانچہ معلوم ہوا ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ خانقاہ تھانہ بھون اور خانقاہ رائے پور میں کئی کئی روز کیلئے تشریف لے جاتے تھے، اور ذکر وفکر میں مشغول ہوتے تھے تاکہ یہ مقصد حاصل ہو۔ (مرتب)

(۷) فرمایا: اللہ تعالیٰ کی خاص مدد حاصل کرنے کی یقینی اور شرطیہ تدبیر یہ ہے کہ اس کے دین کی مدد کی جائے، اگر تم اللہ کے دین

کی مدد کروتو ہلاک کرنے والی چیزیں تمہارے لئے زندگی اورراحت کا سامان بن جائے گی ،اورزمین وآسمان اورفضا کی ہوائیں تمہارے کام انجام دیں گی ،اللہ تعالی کی نصرت کرکے جواللہ تعالی کی مدد ونصرت کی امید نہ رکھے وہ فاسق وبے نصیب ہے۔

(چھ باتیں: جمع فرمودہ مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ)

ف: سبحان اللہ! حضرت مولاناؒ کی کس قدر یقین کی باتیں ہیں ،اسی یقین کے ساتھ دین متین کی خوب ہی خوب نصرت کرنی چاہئے ،تاکہ اللہ تعالی کے ارشاد وَاِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ کے مطابق اللہ تعالی کی نصرت ہم پر سایہ فگن ہوجائے ،ہاں اس نصرت دین کے مختلف شعبے ہیں ان میں سے جس سے مناسبت ہواورجیسی حالی ومقامی ضرورت ہواسے بصدق وخلوص انجام دینا چاہئے۔وباللہ التوفیق۔(مرتب)

(۸) ایک بارفرمایا: حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بہت بڑا کام کیاہے بس میرا دل چاہتاہے کہ تعلیم توان کی ہو،اورطریقۂ تبلیغ میرا ہو،کہ اس طرح ان کی تعلیم عام ہوجائے گی۔

(ملفوظات: ص/۵۸)

(۹) ایک بارفرمایا: حضرت مولانا تھانویؒ کے لوگوں کی مجھے بہت قدر ہے کیونکہ وہ قریب العہد ہیں ،اسی وجہ سے تم میری باتیں جلدی سمجھ جاتے ہوکہ مولانا کی باتیں سن چکے ہو،اورتازہ سنی ہوئی ہیں ، پھرفرمایا: تمہاری وجہ سے میرے کام میں بہت برکت ہوئی ،میرا بہت

جی خوش ہوا، پھر بہت دعائیں دیں، اور فرمایا: تم خود بھی رو رو کر اس نعمت کا شکر کرو۔ (ص/ ۵۸، ۵۹)

(۱۰) فرمایا: ذکر وعلم کا کام ابھی تک ہمارے مبلغین کے قبضہ میں نہیں آیا ہے اس کی مجھے بڑی فکر ہے، اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ ان لوگوں کو اہل علم اور اہل ذکر کے پاس بھیجا جائے کہ ان کی سرپرستی میں تبلیغ بھی کریں اور ان کے علم وصحبت سے بھی مستفید ہوں۔ (ملفوظات: ۵۷)

ف: یہ اخیر کے تین ملفوظ مولانا ظفر احمد تھانوی عثمانیؒ کے ضبط فرمودہ ہیں، اور مولانا منظور احمد صاحب نعمانی کے جمع کردہ ملفوظات کے ساتھ شائع ہوئے ہیں جو یقیناً قابل لحاظ ہیں۔ (مرتب)

ہدایت ونصیحت

از: حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ

میں بھی مبلغین کی خدمت میں ایک ضروری درخواست کرتا ہوں، وہ یہ کہ اپنی ہر تقریر وتحریر کو خلوص واخلاص کے ساتھ متصف فرمائیں، کیونکہ اخلاص کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی دینی اور دنیوی اعتبار سے بہت بڑھا ہوا ہے اور بغیر اخلاص کے نہ دنیا میں اس کا کوئی اثر، نہ آخرت میں کوئی اجر، نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَاَمْوَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ"۔

ترجمہ: حق تعالی شانہ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتے

بلکہ تمہارے دلوں کو اور اعمال کو دیکھتے ہیں، ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ نبی کریم ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: اخلاص۔ (فضائل تبلیغ: ص/ ۲۳)

ھدایات از مرتب عفی عنہ

حضور ﷺ کا ارشاد ہے: اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ (دین سراسر نصیحت ہے) حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمہ نے مبلغین کو جو اخلاص کی نصیحت فرمائی وہ حرز جان بنائے جانے کے لائق ہے، اس لئے کہ کسی عمل خیر کی قبولیت کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے، اولاً یہ کہ اس سے مقصود اللہ تعالی کی رضا وخوشنودی ہو ثانیاً یہ کہ وہ شریعت وسنت کے مطابق ہو۔ اللہ تعالی ہم سب کو ان دونوں پر عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (آمین)

اب ایک دوسرا عمل جو منجملہ اُصول تبلیغ کے ہے اس کی طرف بھی خاص توجہ کی ضرورت ہے ''اکرام مسلم'' خواہ کوئی مسلمان تبلیغ کے طریقۂ خاص سے منسلک ہو یا نہ ہو، اس لئے کہ ممکن ہے کہ اس کو کوئی طبعی یا شرعی عذر ہو جس کا علم سب کو نہ ہو، یا کسی اور شعبۂ دین کی خدمت کر رہا ہو جس سے اس کو خاص مناسبت یا اس کے انجام دینے کی زیادہ صلاحیت ہو، کہ اگر اسے دوسرے کام میں لگا دیا جائے تو اس کو بخوبی انجام ہی نہ دے سکے، اس لئے کہ ؏

ہر کسے را بہر کارے ساختہ اند

چنانچہ حضرت مرشدی مولانا وصی اللہ صاحب علیہ الرحمہ نے تبلیغی جماعت

ہی سے متعلق سوال کے جواب کے ضمن میں یہ ارقام فرمایا ہے:

بہت سے کام ہیں اور ضروری ہیں، سب کو کرنا ہے ایک جماعت اس کے لئے بھی ضروری ہے، وبس۔ اور حدود شرعی کا پاس ولحاظ ہر جماعت کو ضروری ہے۔ والسلام

مثلاً تعلیم کتاب وحکمت، دعوت وتبلیغ، تصنیف وتالیف وافتاء، جہاد وسیاست، وعظ ونصیحت، اوران تمام دینی شعبوں کی اصل تزکیۂ نفوس ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے مقاصد میں سے سب سے اعلیٰ واہم مقصد ہے۔ اس لئے جملہ شعبوں کے خدام کو اس کی طرف توجہ کی ضرورت ہے، اس لئے مسلمانوں کو ان دونوں ہی کا بہت اہتمام کرنا چاہئے، خوب سمجھ لیں۔ (مرتب)

نیز یہ بھی ممکن ہے کہ کسی عالم دین کو باوجود اخلاص وتقویٰ کے اب تک اس خاص طریقہ تبلیغ سے مناسبت نہ ہوئی ہو یا اس کو انشراح نہ ہوا ہو یا کسی کو اللہ تعالی نے اپنے ذکر وشغل ہی کے لئے مخصوص فرمالیا ہو جس کی وجہ سے دوسرے امور کی طرف توجہ کرنے کی اپنے اندر طاقت ہی نہ رکھتا ہو، پس ان تمام صورتوں میں ایسے اشخاص عنداللہ معذور قرار پائیں گے۔

لہذا کسی فرد یا جماعت کے متعلق سوءظن رکھنا یا اس کے مقابلہ میں تفوق وترفع کا کلمہ استعمال کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، خصوصاً علمائے شریعت اور عرفائے طریقت کے بارے میں انتہائی محتاط طریقہ اختیار کرنا چاہئے، بلکہ اگر اکابر جماعت میں سے کسی کے قول میں علمائے کرام کی تحقیر وتصغیر کا شائبہ بھی ہو تو اس کے نقل وذکر سے پرہیز کرنا چاہئے اور صاحب قول کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے

معذور قرار دینا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اولاً اپنے ہر عمل خیر میں تقویٰ اور خلوص اختیار کرنا چاہئے تاکہ اللہ تعالیٰ سے تعلق صحیح واستوار ہو جائے، اور ثانیاً یہ کہ ہر مسلمان کے ساتھ حسن خلق اور اکرام کا معاملہ کرنا چاہئے تاکہ عام مسلمانوں سے تعلق درست اور خوشگوار ہو جائے اور یہی دو چیزیں پورے دین متین کے نزول کا مقصد وغرض ہیں خوب سمجھ لیں۔

اخیر میں یہ حقیر عرض پرداز ہے کہ یہ باتیں نہایت نصح وخیر خواہی کی بناء پر لکھی گئی ہیں تاکہ جملہ خدام دین کی اس کی طرف توجہ ہو اور ایک دوسرے کی نصرت کا داعیہ پیدا ہو، اور ہر ایک جماعت دوسری جماعت کی تائید اور تحسین کرے تاکہ ایک دوسرے کے رفیق ثابت ہوں نہ کہ فریق جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى

دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان نصیحتوں وہدایتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں اور قبول فرمائیں۔ مَا اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

محمد قمر الزماں

محرم الحرام ۱۴۱۳ھ

آخری شب: عشا کی نماز جماعت سے حجرہ ہی میں ادا فرمائی اور یہ دعا ورد زبان رہی" اَللّٰهُمَّ مَغْفِرَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِيْ وَرَحْمَتُكَ اَرْجٰى عِنْدِيْ مِنْ عَمَلِيْ "یعنی اے اللہ! تیری مغفرت میرے گناہوں سے زیادہ وسیع ہے اور اپنے عمل سے زیادہ تیری رحمت کا آسرا ہے۔

فرمایا: آج دل یوں چاہتا ہے کہ مجھے غسل کرادو اور نیچے اتار دو، دو رکعت نماز پڑھ لوں دیکھوں نماز کیا رنگ لاتی ہے، رات کو بار بار اللہ اکبر، اللہ اکبر کی آواز آتی رہی، پچھلے پہر مولوی یوسف اور مولوی اکرام الحسن صاحب کو یاد فرمایا اور مولوی یوسف صاحب سے فرمایا: یوسف! آمل لے ہم تو چلے، اور بتاریخ ۱۱ رجب ۱۳۶۳ھ صبح کی اذان سے پہلے جان جان آفریں کے سپرد کی اور عمر بھر کا تھکا مسافر جو شاید ہی کبھی اطمینان کی نیند سویا ہو منزل پر پہونچ کر میٹھی نیند سویا۔ یَاۤ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۔

اور آپ دہلی میں مدفون ہیں۔ نوّر اللہ مرقدہ۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب صدیقی کاندھلویؒ م:۱۳۸۴ھ

ولادت: حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کاندھلہ میں سہ شنبہ ۲۵/جمادی الاولی ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۰/مارچ ۱۹۱۷ء کو پیدا ہوئے۔ والد ماجد حضرت مولانا الیاس صاحبؒ اس وقت مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں مدرس تھے۔

تعلیم: سات سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کرلیا اس وقت ''بستی نظام الدین اولیاءؒ'' میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی خدمت میں تھے، ابتدائی عربی کی کتابیں دیگر اساتذہ سے پڑھیں مگر اوپر کی کتابیں زیادہ تر حضرت مولانا الیاس صاحبؒ سے پڑھیں، ۱۳۵۱ھ میں سفر حج پر تشریف لے جانے لگے تو مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور میں داخل کردیا، مگر حضرت مولاناؒ کے حج سے واپسی کے کچھ مدت بعد پھر ''بستی نظام الدین'' میں آگئے، اور آگے کی کتابیں مشکوٰۃ، جلالین وغیرہ وہیں پڑھیں۔ ایک سال کے بعد ۱۳۵۴ھ میں دوبارہ مدرسہ مظاہر علوم میں آکر صحاح ستہ پڑھیں، لیکن تعلیمی سال ختم ہونے سے پہلے ہی مولانا مرحوم کی علالت کی وجہ سے مظاہر علوم سے ''نظام الدین'' آنا پڑا اور بقیہ کتابیں اپنے والد ماجد سے نظام الدین میں پڑھیں۔

نکاح: ماہ محرم ۱۳۵۴ھ کو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی بڑی صاحب زادی سے آپ کا نکاح ہوا۔ مگر ۲۹/شوال ۱۳۶۶ھ کو ان کی وفات

ہوگئی، ان سے ایک صاحبزادے مولانا محمد ہارون صاحب پیدا ہوئے جن کا ۱۹؍شعبان ۱۳۹۳ھ کو انتقال ہوگیا، ہاں ان کے صاحب زادے مولانا سعد صاحب باحیات ہیں سلمہ اللہ تعالیٰ۔ پھر تقریباً تین سال کے بعد حضرت شیخ الحدیثؒ کی دوسری صاحبزادی سے ۱۹؍ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ میں نکاح ہوا مگر ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی اور ابھی جلد ہی ان کی وفات ہوگئی۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

بیعت: آپ اپنے والد محترم ہی سے بیعت ہوئے اور انہیں سے خلافت ونیابت ملی، چنانچہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی وفات کے بعد دعوت وتبلیغ کا پورا بوجھ حضرت مولانا محمد یوسفؒ کے کاندھوں پر آگیا اور دعوت وتبلیغ کے قافلہ کے سالار بن کر دنیا کے سامنے آئے، اور والد ماجد کے دعوت وتبلیغ کے کام کو بہت فروغ دیا بلکہ چار چاند لگا دیئے۔

رائیونڈ ضلع لاہور مغربی پاکستان میں انتقال سے تین دن قبل جو ایمان افروز تقریر فرمائی تھی اس کے اکثر حصہ کو اب ہم نقل کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں، اُمید ہے کہ ناظرین کرام پسند فرمائیں گے بلکہ اس کے تقاضے پر عمل پیرا ہوں گے۔ واللہ ولی التوفیق۔ وھو ھذا۔

مسلمانوں کو امت بننے کی دعوت

بعد حمد وصلوٰۃ کے فرمایا:

دیکھو! میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، ساری رات مجھے نیند نہیں آئی، اس

کے باوجود ضروری سمجھ کر بول رہا ہوں، جو سمجھ کے عمل کرے گا اللہ تعالی اسے چمکائے گا، ورنہ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارے گا۔

یہ امت بڑی مشقّت سے بنی ہے، اس کو امت بنانے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ نے بڑی مشقتیں اٹھائی ہیں اور ان کے دشمنوں یعنی یہود ونصاریٰ نے ہمیشہ اس کی کوششیں کی ہیں کہ مسلمان ایک امت نہ رہیں بلکہ ٹکڑے ٹکڑے ہوں، اب مسلمان اپنا امت پنا (یعنی امت ہونے کی صفت) کھو چکے ہیں، جب تک یہ امت بنے ہوئے تھے چند لاکھ ساری دنیا پر بھاری تھے، ایک پکا مکان نہیں تھا، مسجد تک پکی نہیں تھی، مسجد میں چراغ تک نہیں جلتا تھا، مسجد میں ہجرت کے نویں سال چراغ جلا ہے، سب سے پہلا چراغ جلانے والے شخص تمیم داری رضی اللہ تعالی عنہ ہیں، وہ ۹ ھ میں اسلام لائے ہیں، اور ۹ ھ تک قریب قریب سارا عرب اسلام میں داخل ہو چکا تھا، مختلف قومیں، مختلف زبانیں، مختلف قبیلے ایک امت بن چکے تھے، تو جب یہ سب ہو چکا تو اس وقت مسجد نبوی میں چراغ جلا، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو نور ہدایت لے کر تشریف لائے تھے وہ پورے عرب میں بلکہ اس کے باہر بھی پھیل چکا تھا، اور امت بن چکی تھی، پھر امت دنیا میں اُٹھی، جدھر کو نکلی ملک کے ملک پیروں میں گرے، یہ امت اس طرح بنی تھی کہ ان کا کوئی آدمی اپنے خاندان، اپنی برادری، اپنی پارٹی، اپنی قوم، اپنے وطن، اپنی زبان کا حامی نہ تھا، مال وجائداد، بیوی بچوں کی طرف دیکھنے والا بھی نہ تھا بلکہ ہر آدمی صرف یہ دیکھتا تھا کہ اللہ ورسول کیا فرماتے ہیں، امت جب ہی بنتی ہے جب اللہ ورسول کے حکم کے مقابلے میں سارے

رشتے اور سارے تعلقات کٹ جائیں، جب مسلمان ایک امت تھے تو ایک مسلمان کے قتل ہوجانے سے ساری امت ہل جاتی تھی، اب ہزاروں لاکھوں کے گلے کٹتے ہیں اور کانوں پر جوں نہیں رینگتی۔

ف: مولانا نے بالکل صحیح فرمایا حالانکہ حدیث پاک ہے کہ مشرق کے مسلمان کو درد ہو تو مغرب کے مسلمان کو آزردہ و دردمند ہونا چاہئے۔ (مرتب)

امت کسی ایک قوم اور ایک علاقہ کے رہنے والوں کا نام نہیں ہے، بلکہ سیکڑوں ہزاروں قوموں اور علاقوں سے جُڑ کر امت بنتی ہے، جو کسی ایک قوم یا علاقہ کو اپنا سمجھتا ہے اور دوسروں کو غیر سمجھتا ہے وہ امت کو ذبح کرتا ہے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کی محنتوں پر پانی پھیرتا ہے۔

اگر مسلمان اب بھی ایک امت بن جائیں تو دنیا کی ساری طاقتیں مل کر بھی ان کا بال بیکا نہیں کرسکیں گی، ایٹم بم اور راکٹ ان کو ختم نہیں کرسکیں گے، لیکن اگر وہ قومی اور علاقائی عصبیتوں کی وجہ سے باہم امت کے ٹکڑے ٹکڑے کرتے رہے تو خدا کی قسم تمہارے ہتھیار اور تمہاری فوجیں تم کو نہیں بچاسکیں گی۔

مسلمان ساری دنیا میں اس لئے پٹ رہا ہے اور مر رہا ہے کہ اس نے ''امت پنے'' کو ختم کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربانی پر پانی پھیر دیا ہے، میں یہ دل کے غم کی باتیں کہہ رہا ہوں، ساری تباہی اس وجہ سے ہے کہ امت امت نہ رہی بلکہ یہ بھی بھول گئے کہ امت کیا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس طرح امت بنائی تھی۔

امت جب بنے گی جب امت کے سب طبقے بلاتفریق اس کام میں لگ جائیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دے گئے ہیں اور یاد رکھو! ''امت پنے'' کو توڑنے والی چیزیں معاملات اور معاشرت کی خرابیاں ہیں، ایک فرد یا طبقہ جب دوسرے کے ساتھ ناانصافی اور ظلم کرتا ہے اور اس کا پورا حق نہیں دیتا یا اس کو تکلیف پہونچاتا ہے، یا اس کی تحقیر اور بے عزتی کرتا ہے تو تفریق پیدا ہوتی ہے، اور ''امت پنا'' ٹوٹ جاتا ہے، اس لئے میں کہتا ہوں کہ صرف کلمہ اور تسبیح سے امت نہیں بنے گی۔ امت معاملات اور معاشرت کی اصلاح سے، سب کا حق ادا کرنے اور سب کا اکرام کرنے سے بنے گی۔

ف: اس مضمون کی طرف خاص طور سے توجہ کی ضرورت ہے۔ (مرتب)

امت بننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ سب کی یہی کوشش ہو کہ آپس میں جوڑ ہو، پھوٹ نہ پڑے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث کا یہ مضمون ہے کہ قیامت میں ایک آدمی لایا جائے گا جس نے دنیا میں نماز، روزہ، حج تبلیغ سب کچھ کیا ہوگا، مگر عذاب میں ڈالا جائے گا کیوں کہ اس کی کسی بات نے امت میں تفریق ڈالی ہوگی، اس سے کہا جائے گا کہ پہلے اپنے ایک لفظ کی سزا بھگت لے جس کی وجہ سے امت کو نقصان پہونچا۔ اور ایک دوسرا آدمی ہوگا جس کے پاس نماز، روزہ، حج وغیرہ کی کمی ہوگی اور خدا کے عذاب سے بہت ڈرتا ہوگا مگر اس کو بہت ثواب سے نوازا جائے گا، وہ پوچھے گا یہ کرم میرے کس عمل کی وجہ سے ہے، اس کو بتایا جائے گا کہ تو نے فلاں موقع پر ایک بات کہی تھی جس سے امت میں پیدا ہونے والا فساد رُک گیا تھا، یہ سب تیرے اسی لفظ کا صلہ اور ثواب ہے۔

آج ساری دنیا میں ''امت پنا'' توڑنے کی محنت چل رہی ہے، اس کا علاج اور توڑ یہی ہے کہ تم اپنے کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والی محنت میں لگاؤ، مسلمانوں کو مسجدوں میں لاؤ، وہاں ایمان کی باتیں ہوں، تعلیم اور ذکر کے حلقے ہوں، دین کی محنت کے مشورے ہوں، مختلف طبقوں کے اور مختلف برادریوں کے اور مختلف زبانوں والے لوگ مسجد نبوی کے طریقہ پر ان کاموں میں جُڑیں، جب ''امت پنا'' آئے گا، ان باتوں سے بچیں جن سے شیطان کو پھوٹ ڈالنے کا موقع ملے۔

اگر مسلمانوں میں امت پنا آجائے تو وہ دنیا میں ہرگز ذلیل نہ ہوں گے روس اور امریکہ کی طاقتیں بھی ان کے سامنے جھکیں گی، اور ''امت پنا'' جب آئے گا جب ''اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ'' پر مسلمانوں کا عمل ہو، ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے مقابلہ میں چھوٹا بننے اور ذلت وتواضع اختیار کرنے کو اپنائے، تبلیغ میں اسی کی مشق کرنی ہے، جب مسلمانوں میں ''اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ'' والی صفت آجائے گی تو وہ دنیا میں ''اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ'' یعنی کافروں کے مقابلہ میں زبردست اور غالب ضرور ہوں گے، چاہے وہ کافر یورپ کے ہوں یا ایشیا کے۔

میرے بھائیو! اور دوستو! اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان باتوں سے شدت وسختی سے منع فرمایا ہے جن سے دلوں میں فرق پڑے اور پھوٹ کا خطرہ بھی ہو۔ (مثلاً تحقیر وغیبت وغیرہ) اور ایک دوسرے کا اکرام واحترام جس سے امت جڑتی بنتی ہے اس کی تاکید فرمائی گئی اور دوسروں سے اپنا اکرام چاہنے سے منع کیا گیا، کیونکہ اس سے امت بنتی نہیں بگڑتی ہے۔

امت جب بنے گی جب ہر آدمی یہ طے کر لے کہ میں عزّت کے قابل نہیں ہوں اس لئے مجھے عزّت لینی نہیں بلکہ دوسروں کی عزت کرنی ہے اور دوسرے سب لوگ اس قابل ہیں کہ میں ان کی عزت کروں، ان کا اکرام کروں۔

اپنے نفسوں اور اپنی ذاتوں کو قربان کیا جائے گا تو امت بنے گی اور امت بنے گی تو عزت ملے گی، عزت اور ذلت روس اور امریکہ تک کے نقشوں میں نہیں ہے بلکہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔

دوستو! اپنے کو اس محنت پر جھونک دو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں امت پنا آجائے، اس میں ایمان ویقین آجائے، یہ ذکر وتسبیح اور تعلیم والی، خدا کے سامنے جھکنے والی، خدمت کرنے والی، برداشت کرنے والی، دوسروں کا اعزاز واکرام کرنے والی امت بن جائے، اپنے بھائیوں اور ساتھیوں کی تحقیر وتمسخر اور تجسّس وغیبت نہ کرنے والی امت بن جائے، اگر کسی ایک علاقہ میں بھی یہ محنت اس طرح ہونے لگے جس طرح ہونی چاہئے تو ساری دنیا میں چل پڑے۔

اب اس کا اہتمام کرو کہ مختلف قوموں، علاقوں اور طبقوں اور مختلف زبان والوں کو جوڑ جوڑ کر جماعتوں میں بھیجو اور اُصول کی پابندی کرواؤ، پھر انشاء اللہ امت بننے والا کام ہوگا، اور شیطان اور نفس، خدا نے چاہا تو کچھ بھی بگاڑ نہ سکیں گے۔

اس کے بعد حضرت مولانا نے دیہات میں محنت کرنے اور فضا بنانے پر

خصوصیت کے ساتھ زور دیا۔اور حسب معمول دعا پر تقریر ختم ہوئی۔

(الفرقان اشاعت خاص تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ ص/ ۱۵۰ تا ۱۵۹)

ف: سبحان اللہ! کتنی ایمان افروز تقریر فرمائی جو نقش قلب کئے جانے کے لائق ہے، ماشاء اللہ دعوت کے اس طریقہ کار سے امت کی ایک بڑی جماعت متاثر ہی نہیں بلکہ منسلک ہے، اس لئے کام کے ذمہ داروں کے لئے لازم ہے کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی اس آخری نصیحت یعنی اُصول کی پابندی کرواؤ پر خاص نظر رکھیں۔اس لئے کہ بزرگوں کا مقولہ ہے: ''اِنَّمَا حُرِمُوا الْوُصُوْلَ لِتَضْيِيْعِهِمُ الْاُصُوْلَ'' یعنی لوگ اصول کے چھوڑنے ہی کی وجہ سے وصولیابی سے محروم ہیں۔(مرتب)

وفات: آپ کی وفات مغربی پاکستان کے شہر لاہور میں ۲۹/ ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۲/اپریل ۱۹۶۵ء کو بروز جمعہ ہوئی۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ جنازہ لاہور سے دہلی لایا گیا اور اپنے والد ماجد کے پہلو میں دفن کردیئے گئے۔نور اللہ مرقدہٗ۔

صاحب الکرامات حضرت الحاج چاند شاہ صاحب[1] ٹانڈویؒ م: ۱۳۱۷ھ

سلسلۂ نسب: آپ کا اسم گرامی چاند خان ابن کرم خان ابن دلاور خان ہے، سلسلۂ نسب آپ کا افغانستان کے پٹھان خاندان یوسف زئی سے ملتا ہے، آپ کے دادا دلاور خان کے جد امجد افغانستان سے ہجرت کر کے سلطنت مغلیہ کے دور میں ہندوستان تشریف لائے، اور مختلف مقامات پر قیام کرتے ہوئے آپ کے والد کرم خان انگریزی دور میں ٹانڈہ تشریف لائے اور وہاں مستقل قیام فرمایا اور راجہ ٹانڈہ کے یہاں ملازم ہو گئے۔

ولادت: حضرت میاں چاند شاہ صاحبؒ کی ولادت ۱۲۲۷ھ میں ہوئی، کچھ دنوں آپ بھی راجہ صاحب کے ملازم رہے مگر ملازمت میں دل نہ لگا، شادی ہونے کے بعد آپ نے ملازمت ترک کر دی اور ۱۸ رسال کی عمر میں عزلت نشین ہو گئے اور یاد الٰہی میں مشغول ہو گئے۔

سلوک وطریقت: آپ مشہور نقشبندی بزرگ حضرت مولانا سید ابوالحسن نصیر آبادی[2]

---

(۱) حضرت چاند شاہ صاحبؒ کے متعلق مختصر مضمون حضرت مولانا افتخار الحق صاحب مئوی گورکھپوری نے لکھ کر ارسال فرمایا پھر رسالہ دار العلوم دیوبند بابت ماہ جون ۱۹۹۲ء میں ایک مضمون مولانا منیر احمد صاحب قاسمی کی طرف سے شائع ہوا، ان دونوں کو سامنے رکھ کر آپ کے متعلق کچھ باتیں لکھی جا رہی ہیں، اللہ تعالیٰ دونوں حضرات کو جزا دے اور قبول فرمائے۔ آمین !

(۲) حضرت مولانا سید ابوالحسن نصیر آبادی کو خلافت حاصل تھی مولانا تھانیریؒ سے اور ان کو حضرت مولانا نعیم الدین بہرائچیؒ سے اور ان کو حضرت مرزا مظہر جان جاناں نقشبندیؒ سے، اور ان کو شیخ نور محمد بدایونیؒ سے اور ان کو شیخ سیف الدینؒ سے اور ان کو اپنے والد خواجہ محمد معصومؒ سے اور ان کو اپنے والد مجدد الف ثانیؒ سے۔ (مرتب)

کی خدمت میں پہونچ کر بیعت ہوئے اور مقامات سلوک طے کیا اور خلافت سے سرفراز ہوئے ، وطن واپس کرتے وقت حضرت شیخؒ نے فرمایا: ''جاؤ کام کرو'' اور یہ بھی فرمایا ''تم جہاں بھی رہو گے چاند کی مانند روشن رہو گے''۔

آپ ٹانڈہ واپس تشریف لائے اور سبز درختوں سے گھرے ہوئے باغیچہ میں اقامت اختیار فرمائی ،اور مرشد کے حسب ارشاد کام میں لگ گئے ،اکثر فاقہ کشی کی نوبت آتی مگر آپ نہایت صبر واستقلال سے کام لیتے رہے ،مگر کچھ دنوں کے بعد تنگی دور ہوئی اور فتوحات کا دروازہ کھل گیا، پھر حج کے لئے تشریف لے گئے۔

آپ مرجع خلائق تھے ،عوام تو عوام علمائے اعلام بھی آپ کی طرف رجوع ہوئے ،بیعت ہوئے اور خلافت واجازت سے نوازے گئے ،مثلا حضرت مولانا عبدالغفار صاحب مئوی ،مولانا ابوالحسن صاحب مئوی ،مولانا قدرت اللہ صاحب موضع بڑی ٹانڈہ ،مولانا محمد اسمعیل صاحب موضع بڑی ٹانڈہ وغیرہم۔

فیوض و برکات: حضرت میاں چاند شاہ پڑھے لکھے نہیں تھے لیکن صحبت مرشد اور مجاہدہ سے مثل چاند کے صاف وشفاف قلب رکھتے تھے ،بظاہر عالم نہیں تھے مگر اللہ تعالی نے علم لدنی سے نوازا تھا۔

علماء کی جماعت اصلاح واستفادہ کے لئے آپ کی خدمت میں رہا کرتی تھی اور ذکر وشغل کے ساتھ ساتھ علمی حلقہ ہوتا ،حدیث کا درس ہوتا ،مثنوی مولانا روم پڑھی جاتی اور حضرت میاں چاند شاہؒ اس کی تفسیر ،تشریح فرماتے ،کوئی فقہی مسئلہ دریافت کرتا تو فتاویٰ کی کتاب شامی یا عالمگیری منگاتے اور اپنے دست مبارک سے ورق الٹ دیتے اور عموما اپنے خاص مسترشد مولانا قدرت اللہ صاحبؒ یا مولانا

عنایت صاحب سے فرماتے: مولانا پڑھئے یہاں سے، مولانا پڑھتے اور وہ مسئلہ اسی صفحہ پر موجود ہوتا، ایسے واقعات اکثر پیش آتے۔

کشف و کرامات: آپ کی کرامات حضرت مرشدی مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ اکثر سنایا کرتے تھے، اور بہت محظوظ ہوتے تھے۔

چنانچہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے آموں کا ہدیہ پیش کیا تو حضرت چاندشاہؒ نے آموں کے تھیلے کو پلٹ دیا اور بعض آم جو راستہ کے باغ سے اٹھا کر اس میں رکھ لیا تھا اس کو ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ یہ بھی ہمارے لئے لائے ہو، جاؤ اس کو ہم نہیں لیں گے۔ (اس کو اپنی دیہاتی زبان میں فرمایا)

اسی طرح دوسرا واقعہ یہ بیان فرماتے تھے کہ ایک آدمی مرید ہونے کے لئے حضرت چاندشاہؒ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا؛ تو فرمایا: بھائی! کیسے آئے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ مرید ہونے کے لئے، تو معاً فرمایا کہ ”تو پھر راستہ میں دوسرے کا گنا توڑ کر کیوں چوسا تھا، جاؤ ہم مرید نہ کریں گے“، یہ بھی اپنی دیہاتی زبان میں نہایت سادگی سے کہا۔

نیز حضرت مرشدیؒ آپ کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں بہت تاثر سے یہ بیان فرماتے تھے کہ حضرت مولانا عبدالغفار صاحب مئوی کا اصلاحی تعلق حضرت شاہ صاحبؒ ہی سے تھا جبکہ وہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے مگر بیعت حضرت چاندشاہ صاحبؒ سے ہوئے، یہ مناسبت کی بات ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ حضرت مولانا عبدالغفار صاحبؒ چاندشاہ صاحبؒ کی

خدمت میں چوڑی موہری کا پائجامہ پہن کر حاضر ہوئے تو معاً فرمایا کہ آپ کو یہی پائجامہ پہننے کو ملا تھا؟ یہ سن کر مولانا فوراً مجلس سے باہر آگئے اور درست فرمایا، شاہ صاحبؒ نے حاضرین مجلس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ لوگ ان کو کچھ نہ کہئے گا ورنہ اتنی موٹی کتاب اس کے جواز میں لکھ دیں گے۔ (یہ بھی دیہاتی زبان میں فرمایا)

ف: سبحان اللہ! یہ تھے شیخ کامل کہ معمولی سی بات پر بھی نکیر فرمادی اور یہ تھے مرید ومسترشد کہ باوجود کمال علم کے اس کو تسلیم کیا اور اس کے مطابق عمل پیرا ہوئے جس کی وجہ سے مقامات عالیہ پر پہونچے اور خلافت سے مشرف ہوئے۔ فہنیئاً لھم۔ (مرتب)

وفات: ۲۷/ ذی الحجہ ۱۳۱۷ھ میں اپنے مرکز پر تقریباً ۹۰ سال کی عمر میں انتقال فرمایا، باغیچہ میں مسجد وخانقاہ کے سامنے مدفون ہوئے، آپ کا مزار مبارک وصیت کے مطابق کچا اور لوح وتختی سے بے نیاز، بے نام وغیر ممتاز ہے، نور اللہ مرقدہٗ۔

حضرت شیخ عبدالرحمان[1] کواکبی شامی متوفی ۱۳۲۰ھ

(ملک شام کی عہد آفریں شخصیت)

نسب وولادت: شیخ عبدالرحمن کواکبی انیسویں صدی کے ایک ایسے ممتاز مفکر تھے جنہوں نے خاندانی وجاہت، مال ودولت جاہ ومنصب اورعلم وعرفان کے ماحول اورسایہ میں آنکھیں کھولی تھیں ان کا خاندانی سلسلہ اہل بیت سے جا ملتا ہے، ان کا گھرانہ ملک شام کے شمالی دارالحکومت حلب میں خانوادہ نبوت کے امین اور سربراہ کی حیثیت رکھتا تھا، حلب ہی میں ۱۲۶۵ھ مطابق ۱۸۲۸ء میں ان کی پیدائش ہوئی۔

تعلیم وتربیت: اپنے ہی خاندانی مدرسہ کوکبیہ میں تعلیم حاصل کی، ان کے والد اپنے مدرسہ کے علاوہ اس زمانہ کے دستور کے مطابق حلب کی مسجدوں میں درس ووعظ کا فریضہ انجام دیتے تھے، اور مقبول تھے، اپنے صاحبزادہ عبدالرحمن کو خود بھی الگ سے پڑھاتے تھے، انہوں نے عربی زبان وادب اور اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ ریاضی اور سائنس کا علم بھی حاصل کیا اور فارسی وترکی زبان بھی سیکھی اور مہارت حاصل کی، بچپن سے علم کا شوق اور مطالعہ سے شغف تھا، اسلئے معلومات کے اضافہ کے لئے مختلف ومتنوع کتابیں پڑھتے تھے تاریخ سے انہیں زیادہ دلچسپی تھی اس لیئے عرب واسلام کے علاوہ مختلف قوموں، امتوں ملکوں اور

---

[1] آپ کے حالات وکمالات حضرت مولانا محمد اجتباء ندویؒ نے اپنی تصنیف ''تاریخ فکر اسلامی'' میں نقل کیا ہے اسی سے ماخوذ ہے (مرتب)۔

براعظموں کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا۔

عملی زندگی: تعلیم مکمل کر لینے کے بعد عملی زندگی میں قدم رکھا اور مختلف ومتنوع کاموں میں حصہ لیا، خاندانی تجارت وکاروبار اور تعمیری منصوبوں سے دلچسپی لی اس سے لوگوں کے سمجھنے اور زندگی سے واقفیت میں سہولت ہوئی۔

مکارم اخلاق: حلب میں ان کی ممتاز حیثیت اور جود وسخا کی بنا پر ضرورت مند اور غریب ومسکین لوگ تعاون واعانت کے لئے حاضر ہوتے رہتے تھے اور آپ بڑی فراخدلی کے ساتھ سب کی حاجت پوری کرتے تھے۔

شیخ عبدالرحمن کواکبی نے مسلمانوں کے انحطاط، پسماندگی، اقتصادی بدحالی، اور سیاسی بدنظمی کو دیکھ کر اس کی اصلاح اور مسلمانوں کی بیداری اور معیار تعلیم کو بہتر اور عمدہ بنانے کی جانب توجہ مبذول کی اس کے لئے انہوں نے مشرقی افریقہ، مغربی ایشیا جزیرہ عرب اور وہاں کے قبائل کے سرداروں سے ملاقات کی، ہندوستان کا بھی سفر کیا، اس کے بعد مصر میں قیام کیا، مراکش کے سفر کا ارادہ کر رہے تھے کہ حکم الٰہی آپہنچا اور ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء میں اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

شیخ عبدالرحمن کواکبی وسیع علم وفضل کے ساتھ اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے ان کے سیرت نگار ڈاکٹر احمد امین رقم طراز ہیں:

”زبان پر پوری قدرت رکھتے تھے، ذرہ برابر بھی سقم نہیں پایا جاتا تھا، لفظ ادا کرنے سے پہلے اسے خوب اچھی طرح ناپ تول لیتے تھے، حتیٰ کہ سلام کا جواب بھی سوچ سمجھ کر دیتے تھے، گفتگو میں بڑا توازن تھا، کوئی اگر قطع کلامی کر دیتا تو

خاموش ہوجاتے اوراس کی پوری بات سن کر پھر اپنی گفتگو مکمل کرتے، بڑے بے نیاز اور بے لوث تھے، انہیں کسی عہدہ اور منصب کی لالچ نہ تھی، قول وعمل میں بڑی جرأت اور بہادری کا ثبوت دیتے تھے خواہ اس کی وجہ سے جیل جانے، جلا وطنی کی ابتلا اور مال و دولت کا کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو وہ خود دار وغیرت مند ہونے کے ساتھ ساتھ غریبوں اور بے کسوں سے انتہائی انکساری اور تواضع سے ملتے اوران کی ضرورتوں کو پوری کرتے، بہت متوازن، سنجیدہ، ہمدرد اور عقیدہ اصول کی خاطر ہر قربانی اور ایثار کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے''۔

تصانیف: آپ نے دو کتاب تصنیف کیں۔ پہلی کتاب کا نام ''طبائع الاستبداد'' اور دوسری کا نام ''ام القری'' رکھا، اپنی کتاب ''طبائع الاستبداد'' میں مطلق العنان حکومت اور جابرانہ نظام حکمرانی پر کڑی تنقید کی اور کہا کہ ایسا نظام، آزادی اور حق کا دشمن ہوتا ہے، علم کی شمع کو روشن نہیں ہونے دیتے، اور عوام کو دھوکے اور تاریکی میں رکھنا اس کے اہم مقاصد ہوتے ہیں لیکن ایسے نظام کا مقابلہ طاقت اور زور دستی سے کرنا بے سود ہے بلکہ نرمی اور بتدریج اس کے ازالہ کی کوشش کرنا مفید ہوگا، اوراس کا بہترین وسیلہ تعلیم وثقافت ہے، طاقت اور زور دستی سے کام لینے میں فوج اور برتر قوت، وجبر سے تمام صلاحیتیں تباہ و برباد کردئے جانے کا اندیشہ ہے لیکن اعتدال، میانہ روی، نرمی اور خوش گفتاری وحکمت عملی، راہ حق اور عدل و انصاف کی جانب آمادہ کرنے کا سبب بن سکتی ہے اسی کے ساتھ جابرانہ نظام کا متبادل تلاش کر لینے کے بعد ہی کوئی اقدام کارگر ثابت ہوسکتا ہے، لہذا عوام میں بیداری اور اسلامی شعور پیدا کرنا بے حد ضروری ہے اور وہی کامیابی وکامرانی کے لیے سب سے بڑا

ذریعہ بن سکتے ہیں۔

ف: سبحان اللہ بہت ہی زیرکی اور فہم وفراست کی باتیں ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کو اپنانے کی توفیق دے (مرتب)

شیخ کواکبی نے اپنی کتاب ام القری میں غیر معمولی ذہانت، گہری اور وسیع معلومات کا ثبوت دیا ہے انہوں نے مکہ مکرمہ میں ایک ایسی انجمن کے قیام کا نقشہ وخاکہ پیش کیا جس میں تمام مسلمانوں کے نمائندے شامل ہوں، اور متفقہ طور سے مسائل کا حل تلاش کریں، کیونکہ مسلمان عقیدہ وعمل دونوں میں رہنمائی وبیداری کے ضرورت مند ہیں، مولف نے وہ مجوزہ امور تحریر فرمائے ہیں ہم بغرض اختصار اس کو حذف کرتے ہیں جس کا جی چاہے اصل کتاب میں مطالعہ کرلے اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

وفات: آپکی وفات ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء میں مصر میں ہوئی۔اور وہیں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(تاریخ فکر اسلامی: ۲۴۰)

حضرت قاضی عبدالحق کابلیؒ متوفی ۱۳۲۱ھ

نام ونسب: شیخ عظیم، عالم کبیر، علامہ فہیم، مفتی، قاضی، علوم معقولی ومنقولی کے ماہر، فقہ، اصول، کلام، منطق، حکمت، ھندسہ، ھیئیت جیسے علوم میں استاذ المشائخ علامہ عبدالحیی لکھنوی جیسے محقق و مدقق کے استاذ و شیخ علامہ عبدالحق کابلی جو بعد میں نزیل بھوپال بنے۔

ولادت: قاضی عبدالحق بن محمد اعظم حنفی کابلی پورا نام ہے۔ جائے ولادت مشہور شہر کابل ہے۔ وہیں پرورش پائی۔ کافی زمانے تک کابل کے علماء سے علم حاصل کیا۔ قرآن کی تعلیم اور خط وتحریر بھی وہیں سیکھی اس کے بعد حصول علم کے لئے سفر کیے۔

بھوپال میں آمد اور مشاغل: حج اور شام وعراق کی سیاحت کے بعد ہندستان تشریف لائے اور بھوپال میں سکونت اختیار کی۔ یہاں کے نائب مفتی شیخ فتح اللہؒ سے فنون ریاضی سیکھے اور صحاح ستہ یہاں کے مفتی عبدالقیوم بن البکریؒ سے پڑھی ہیں، پھر نائب مفتی شیخ فتح اللہ کی بیٹی سے شادی ہوئی اور مدرسہ شاہجہانیہ میں تدریس شروع کی۔ کافی عرصہ تک آپ تدریسی خدمت انجام دیتے رہے جب آپ کے شیخ اور سسر شیخ فتح اللہ کا انتقال ہوا تو ان کی جگہ نائب مفتی بنائے گئے بعد میں صدر مفتی بنائے گئے اور پھر ۱۳۰۵ھ میں قاضی بنائے گئے۔ آپ نے آخری عمر تک اپنے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ علامہ عبدالحیٔ لکھنوی آپکے شاگرد ہیں اور بھوپال میں ہی درسی نصاب کی منطق، حکمت، ھندسہ اور ھیئۃ کی اکثر کتب آپ ہی سے پڑھیں ہیں۔ اُس وقت

آپ یہاں کے مفتی تھے۔

آپ کی شخصیت: علامہ عبدالحئی لکھنوی جو آپ کے شاگرد ہیں، آپ کی شخصیت کے بارے میں یوں لکھتے ہیں آپ فقہ اصول اور کلام میں ماہر امام تھے فن منطق، حکمت، ھیئۃ اور حساب کے دقائق سے واقف تھے۔ حدیث میں مشہور تھے حدیث کے تمام اقسام اور دیگر علوم میں برابر حیثیت والے تھے کثرت سے درس وافادہ دینے والے، صحیح عقیدہ والے، قوی فہم والے، سارے فنون کا کثرت سے مطالعہ کرنے والے، شیریں کلام، خوش خرم اور فرحاں وشاداں طبیعت والے اور کریم الاخلاق تھے۔

ف: سبحان اللہ کیسے کمالات علمیہ وعملیہ سے مشرف تھے۔ **ذالک فضل اللہ یو تیہ من یشاء۔** دل سے دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کمالات سے ہم سب کو نوازے آمین (مرتب)

تصانیف: میدانِ تصنیف میں بھی آپ کے کارنامے نمایاں ہیں جن سے آپ کی علمی حیثیت ظاہر ہوتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے کئی رسائل کے علاوہ آپ کی تصانیف یہ ہیں:

القول المسلم علی شرح المسلم، الحاشیہ علی التلویح، الحاشیہ علی خطبہ القاموس، الحاشیہ علی القاضی جو میر زاہد کے 'حاشیہ علی شرح المواقف' پر ہے۔

وفات: طاعون کی وجہ سے آپ کا انتقال ہوا۔ رمضان المبارک کا بائیسواں روزہ تھا اور ۱۳۲۱ھ میں آپ کی وفات بھوپال میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ علیہ و نور اللہ مرقدہ۔

(شخصیات افغانستانستان کی روح پرور یادیں صفحہ ۵۷۰)

حضرت علامہ شوق نیموی (بہار) [1] متوفی ۱۳۲۲ھ

نام ونسب وولادت: مولانا محمد بن سبحان علی النیمویؒ کی کنیت ابوالخیر، شہرت ظہیر احسن اور تخلص شوق نیموی تھا۔ عارف باللہ شیخ سبحان علی صدیقی کے فرزند تھے، نیموی نیمی (گاؤں) کی طرف منسوب ہے یہ ہندوستان کے مشہور شہر عظیم آباد (پٹنہ) سے چار فرسخ کے فاصلہ پر مشرق کی جانب واقع ہے امام نیمویؒ ۴ جمادی الاول ۱۲۷۸ھ بدھ کی صبح اپنے خالہ کے گھر جو صالح پور میں رہتی تھیں پیدا ہوئے صالح پور صوبہ بہار کا ایک دیہات ہے جہاں شیخ الاجل مخدوم الملک مولانا شرف الدین منیریؒ کا مزار شریف ہے جو بڑے اولیاء اور سلفِ صالحین سے تھے۔ امام نیمویؒ جید عالم، کثیر العلم، بڑے بردبار، ووسیع النظر، عالی مرتبت محقق محدث، عظیم الاطلاع، وسیع المطالعہ، صدیقی النسب، یکتائے روزگار اور امام العصر تھے، گندمی رنگ، نحیف بدن، درمیانی قد اور داڑھی گھنی تھی اللہ تعالیٰ نے انکو علمی مسائل میں مشکل گھتیاں سلجھانے کا قوی ملکہ عطا فرمایا تھا اور فن عروض میں کافی مہارت تھی امام ابوحنیفہؒ کے پیرو اور مقلد تھے۔

تصانیف: حضرت امام نیمویؒ کی مختلف علوم وفنون میں متعدد اور مفید تالیفات ہیں ان میں سب سے زیادہ عظیم شاہکار ''آثار السنن'' ہے آپ اس کی

---

[1] آپ کی معرکۃ الآراء کتاب ''آثار السنن'' کے شارح مولانا عبدالقیوم حقانی پاکستانی نے شرح ''توضیح السنن'' میں آپ کے حالات درج فرمائے ہیں اسی سے ماخوذ ہے (مرتب)

تسوید سے ۱۳۱۴ھ میں فارغ ہوئے جیسا کہ آپ نے خود اس کتاب کے پہلے صفحہ میں اس کی تصریح کی ہے کہ آپ اس طرز پر کتاب کو مکمل فرمانا چاہتے تھے۔ مگر تقدیر نے یاوری نہ کی تاہم انہوں نے اسے کتاب الصلوٰۃ تک مکمل فرمالیا تھا ان کی دیگر تالیفات میں " حبل المتین فی الاخفاء بآمین " جلاء العینین فی ترک رفع الیدین، وسیلہ العقبی فی احوال المرضی والموتی، لامع الانوار، وغیرہ ہیں۔

وفات: آپ کی وفات ۱۷ر رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ بروز جمعہ عظیم آباد موجودہ پٹنہ صوبہ بہار میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ

(پیش لفظ توضیح السنن از حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی)

حضرت مولانا محمد حسین[1] صاحب فاروقی الہ آبادیؒ م:۱۳۲۲ھ

ولادت باسعادت: غالباً ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۸۵۳ء میں ہوئی، والد محترم کا اسم گرامی تفضل حسین تھا۔

تعلیم: تیرہ سال کی عمر میں حافظ قرآن ہو گئے، اپنے چچا سے فارسی و عربی کی کتابیں پڑھیں، اس کے بعد حضرت مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی لکھنویؒ کی خدمت میں گئے، حضرت مولانا نے ان کے ساتھ نہایت شفقت وعنایت کا معاملہ فرمایا اور محنت وجانفشانی سے ان کو تعلیم دی، آپ کی ذہانت وفطانت کو ملاحظہ کر کے ''ابوالذکاء'' کے لقب سے مشرف فرمایا اور آپ کے علم ومعرفت اور دین و دیانت پر اتنا اعتماد تھا کہ اپنی نیابت میں وعظ کے لئے مسجدوں میں بھیجتے اور کبھی فرماتے کہ آج میں تمہارا وعظ سنوں گا۔ کتب درسیہ کے علاوہ طب اور ادب کی کتابیں بھی ماہرین فن اساتذہ سے پڑھیں، فن تجوید بھی مولانا عبدالرحمن صاحب پانی پتی سے حاصل کیا اور ان سے سند حدیث بھی لی، آپ کو بچپن ہی سے کھانے پینے اور عمدہ لباس پہننے اور عیش وعشرت میں رہنے سے دلچسپی نہ تھی، لہذا جو روپیہ بھی گھر سے اخراجات کے لئے ملتا اس کو کتابوں کی خریداری میں صرف فرماتے، اس طرح اچھی خاصی کتابیں جمع ہو گئیں اور بہترین کتب خانہ ہو گیا،

---

(۱) آپ کی سوانح آپ کے لائق پوتے حضرت مولانا محمد الفاروقیؒ نے مفصل لکھی ہے اسی سے یہ چند باتیں لکھی جارہی ہیں، وباللہ التوفیق (مرتب)

اب بھی الحمدللہ کچھ کتابیں آپ کے ''دائرہ شاہ حجۃ اللہ'' میں موجود ہیں۔ اللہ تعالی ان کی حفاظت فرمائیں۔ آمین۔

درسیات اور طب سے فراغت کے بعد حضرت مولانا عبدالحیٔ صاحبؒ نے دو سال کے لئے روک لیا اور آخری اعلی کتابوں کے علاوہ سب کتابیں پڑھانے کو آپ کے سپرد فرمائی۔

قیام الہ آباد: اس کے بعد آپ الہ آباد تشریف لائے اور اپنے آبائی مکان دائرہ شاہ حجۃ اللہ میں قیام پذیر ہوئے اور تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری فرمایا جس سے اہل شہر کو بہت فیض پہونچا۔

دائرہ شاہ حجۃ اللہ بہادر گنج: دائرہ شاہ حجۃ اللہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی کی اولاد مقیم ہوئی اور محلہ کیٹ گنج الہ آباد میں جہاں شیخ کبیرؒ نے صدر پور سے آ کر اقامت فرمائی اس کو دائرہ شاہ محب اللہ کہتے ہیں۔

حضرت مولانا الہ آبادیؒ ایک مکتوب میں جسے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو تحریر فرمایا ہے؛ اس دائرہ کے لوگوں کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں:-

اس ناچیز کی نمود و بود ابتداء سے ایسے خاندان میں ہوئی جو مدت دراز سے علوم حقیقت اور فنون تصوف میں مشہور تھا، پہلے پہل آنکھیں کھلیں تو جمال صوفیہ پر، باتیں سنیں تو وہی توحید و حقائق کی، خود میرے خاندان میں اتنے لوگ تھے کہ اگر کوئی ملنے آتا اور پندرہ پندرہ منٹ بھی ایک شخص کے پاس بیٹھتا تو قریب قریب پورا دن صرف ہو جاتا، وہ سب ایک خیال کے تھے، ان کی صحبت میں بجز اس کے کہ حقائق و معارف کی باتیں ہوں، ذوق و شوق کا ذکر ہو، اولیاء کرام کے

تذکرے ہوں اور کوئی چرچا ہی نہیں تھا۔ (ص ر ۱۵)

ف: غور کرنے کی بات ہے کہ ایک دائرہ میں کتنے اولیاء اللہ جمع تھے اور سب کے سب اصحاب حقائق ومعارف تھے اور باہم اتنی محبت اور ایک دوسرے کے لئے قلب میں اتنی وسعت تھی کہ کسی کے پاس کسی کے آنے جانے سے تکدر وانقباض نہیں ہوتا تھا ورنہ آنے والا سب سے کیسے مل پاتا، یقیناً اہل اللہ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شعار صوفیہ کو اختیار کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ یہ واقعہ ہم لوگوں کو برابر سناتے تھے۔ (مرتب)

الہ آباد کے مشہور دائرے

حضرت مولانا محمد میاں فاروقیؒ نے الہ آباد کے بارہ دائروں کا تذکرہ فرمایا ہے جن میں کے چند مشہور یہ ہیں:

(۱) **دائرہ شاہ محمدی:** ہم لوگ جب الہ آباد آئے تو اس دائرہ کے سجادہ نشین حضرت شاہ عبدالمعبود صاحبؒ تھے جو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے خاص تعلق رکھتے تھے، اس کے بعد حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی خدمت میں عقیدت مندانہ تشریف لاتے تھے، ایک مرتبہ تو اغیار کے مجمع میں جا کر اسٹیج پر پہونچ کر مائک اپنے ہاتھ میں لے لیا اور نہایت جرأت سے حقانیت کا ثبوت دیا اور مولانا وصی اللہؒ کی کھل کر موافقت اور تائید وتعریف فرمائی، اس بات کو سن کر حضرت مصلح الامتؒ بہت خوش ہوئے اور بڑی بشارتیں سنائیں۔ آخر ۲۹/اکتوبر ۱۹۶۱ء میں وفات ہوئی، یہ حقیر جنازہ ودفن میں شریک رہا، دائرہ

ہی میں مدفون ہوئے ۔رحمہ اللہ تعالیٰ ۔مرتب

(۲) **دائرہ شاہ منور علی صاحبؒ**: محلہ ہمّت گنج ،یہ سلسلہ قادریہ کے ایک بزرگ تھے،اس دائرے میں آپ کا مزار بھی ہے،حضرت صوفی جان صاحب کو سلسلہ قادریہ میں آپ ہی کے سلسلہ سے شرف بیعت تھا۔

(۳) **دائرہ حضرت شاہ محمد اجمل صاحب**: محلہ دائرہ شاہ اجمل ، یہ دائرہ ہمیشہ سے مرکز علم وفن رہا ہے،حضرت شاہ محمد اجمل صاحب سلسلہ قادریہ کے ایک بزرگ تھے جن کا خاندان اب تک موجود ہے اوراس دائرہ نے محلہ کی صورت اختیار کرلی ہے ، اس دائرہ میں حضرت سید احمد بریلویؒ تشریف لاچکے ہیں ۔اس دائرہ کے کچھ بزرگوں کے حالات اقوال سلف میں درج کئے گئے ہیں ۔)

(۴) **دائرہ حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ** محلہ کولہن ٹولہ ،یہ سلسلہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ تھے اوران کے بعد یہ دائرہ، دائرہ حضرت ملامحمدی شاہ صاحبؒ کے نام سے مشہور ہوا،آپ سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے ایک مقدس بزرگ تھے، جن کا مزاراس دائرہ میں ہے،اس دائرہ میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ تشریف لاچکے ہیں اورحضرت ملامحمدی شاہ سے ملاقات کی ہے۔

(۵) **دائرہ شاہ عبدالرحمن صاحبؒ** محلہ شاہ گنج ،یہ دائرہ بعد کو شاہ محمد احمدؒ کے نام سے مشہور ہوا ،اوراب مولانا غلام امام شہید کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

(۶) **دائرہ شاہ عبدالجلیل صاحبؒ**: محلہ چک ۔آپ کا مزار محلہ

چک پر ہے، اب تک آپ کی اولاد موجود ہے، آپ سلسلہ چشتیہ صابریہ کے بزرگ تھے۔ (آپ کے حالات اقوال سلف حصہ ششم میں درج کئے گئے ہیں)

(۷) **دائرہ شاہ محب اللہؒ محلہ کیٹ گنج**۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں مولانا محمد حسین صاحبؒ الہ آبادی کے جد امجد شیخ کبیر حضرت محب اللہ الہ آبادیؒ جب صدر پور سے تشریف لائے تو یہیں اقامت فرمائی اور علوم ظاہری و باطنی کی تعلیم دینے لگے، مگر آپ کی اولاد بعد کو وہاں سے منتقل ہو کر محلہ بہادر گنج میں مقیم ہوگئی، اور اب یہی جگہ دائرہ شاہ محب اللہ سے مشہور ہے اور یہیں ماشاء اللہ حضرت شاہ عبید اللہ صاحب کی اجازت سے اہل شہر کا مشہور جلسہ اصلاح المسلمین کے نام سے ہوتا ہے، شاہ محمد عبید اللہ صاحب کا انتقال بھی ۱۹/دسمبر ۱۹۹۲ء کو ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

قیام ندوۃ العلماء: آپ ندوۃ العلماء کے خاص بانیوں میں سے ہیں مگر اس کے بعض کارکنان بلکہ ارکان سے طبعاً وفکراً مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے ۱۳۱۳ھ میں اس کی رکنیت سے استعفاء دے دیا، مزید تفصیل اصل کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے۔

باطنی تربیت: آپ نے چار حج کئے، اور پہلے ہی حج میں حضرت شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہؒ سے بیعت ہوئے اور آپ نے اذکار واشغال کی تلقین فرمائی، اور خصوصی توجہ وعنایت فرمائی، دوسرے حج میں حضرت حاجی صاحبؒ نے تحریری خلافت نامہ عطا فرمایا، اس کے ساتھ ایک ٹوپی، ایک کنگھی اور ایک مسواک اور ایک جبّہ بھی عطا فرمایا۔

اس حج میں آپ کا ارادہ وطن آنے کا نہ تھا مگر حضرت حاجی صاحبؒ نے

فرمایا کہ ہندوستان جاؤ اس لئے کہ یہاں رہ کر صرف اپنے کو فائدہ پہونچاؤ گے اور ہندوستان جاؤ گے تو دوسروں کو بھی نفع پہونچاؤ گے۔

ف: سبحان اللہ! کس قدر معرفت کی بات ارشاد فرمائی اس لئے کہ نفع متعدی نفع لازم سے بہر حال اعلیٰ وارفع ہے۔ (مرتب)

معمولات: تفصیلی حالات ومعمولات سے آگاہی مقصد ہو تو اصل سوانح کا مطالعہ کریں اس لئے کہ مفید وبصیرت افروز ہے، یہاں ہم صرف رمضان شریف میں تلاوت قرآن کا معمول نقل کرتے ہیں جو ہمارے لئے موجب نصیحت وعبرت ہے۔

چنانچہ رمضان المبارک میں دن کی تلاوت میں ۳۱ ختم ہو جاتے تھے علاوہ ان پاروں کے جو تراویح میں پڑھتے تھے، اور تہجد میں ایک بجے کھڑے ہو جاتے تھے اور دس پارے پڑھتے تھے، اور ستائیس کی شب میں بارہ بجے ہی سے نماز پڑھنا شروع کر دیتے تھے اور تین بجے تک ۱۸/ پارے پڑھتے تھے۔

ف: حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ لوگوں کے قلوب زنگ آلود نہ ہوتے تو قرآن پاک کی تلاوت سے سیری نہ ہوتی، اسی سے معلوم ہوا کہ ماشاء اللہ حضرت مولانا کا قلب مبارک پاک صاف اور شفاف تھا اس لئے قرآن پاک کی تلاوت سے سیری نہ ہوتی تھی، اسی حال میں ان کے شیخ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ یوں فرمارہے ہیں ؎

نغمۂ سرمدی سنا کے ہمیں مست وبے خود بنادیا کس نے

ارشادات

(۱) فرمایا: سنت کے مطابق طہارت کرنے میں جو انوار پیدا ہوتے

ہیں وہ اذکار واشغال میں بھی بعض دفعہ نہیں پیدا ہوتے۔

ف:- آخر سنت کس کی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے نا، تو پھر اس پر عمل سے کیوں نہ نور پیدا ہوگا۔ (مرتب)

(۲) فرمایا: اگر کچھ دنوں کے لئے بھی میری سلطنت ہوجاتی تو تعزیہ داروں کے خلاف جہاد کرتا اور ان کو قتل کر ڈالتا۔

ف: غور فرمائیے کہ حضرت مولانا الہ آبادیؒ تعزیہ داری کی کیسی مذمت فرمارہے ہیں کہ تعزیہ داروں سے جہاد کو فرمارہے ہیں، بس اگر اب بھی لوگ تعزیہ داری سے باز نہ آئیں تو تعجب کی بات ہے، خصوصاً اہل الہ آباد، کہ ان کے نزدیک بھی مولانا الہ آبادیؒ مسلم بزرگ ہیں، اور حد تو یہ ہے کہ ایک ایسے عالم جن کو اہل بدعت اپنا مقتدا و پیشوا مانتے ہیں انہوں نے بھی تعزیہ داری کی زبردست مذمت کی ہے، مگر جس بات سے نفسانیت پر ضرب پڑتی ہے اس کو کون مانتا ہے؟ یہ حال عام مسلمانوں کا ہے کہ مشائخ کی وہ باتیں جو طبیعت کے موافق ہیں ان پر تو عمل ہوتا ہے لیکن اگر ذرا انہیں کی باتیں مزاج و نفس کے خلاف ہوئیں ان کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

ارشاد: آپ کی خدمت میں داڑھی منڈوانے والے بھی آتے تھے ان کے ساتھ بہت اخلاق سے پیش آتے تھے، کسی نے کہا: آپ ایسے لوگوں سے بہت خوش اخلاقی سے ملتے ہیں؟، فرمایا کہ آنے سے جو ان کو نفع ہوجاتا ہے اگر میں ان کے ساتھ کج خلقی کروں گا تو وہ نہ آئیں گے تو اس نفع سے بھی محروم ہوجائیں گے۔

ف: سبحان اللہ! کیسی حکمت کی بات ارشاد فرمائی مگر ہاں حکمت اور موعظت حسنہ

سے داڑھی کے محاسن اور فضائل بیان کرتے رہنا چاہئے تاکہ آج نہیں تو کل وہ اس سنت کی طرف راغب ہو جائیں، اور یہ بتلانا چاہئے کہ داڑھی کا ایک مشت رکھنا چاروں ائمہ کے نزدیک واجب ہے تاکہ اس کی اہمیت ان کے ذہن میں آجائے۔ (مرتب)

ارشاد فرمایا: حاجی بقصد بیت اللہ نکلا تھا اس لئے بیت اللہ پہونچ کر سکون ہو جانا چاہئے تھا مگر پھر بھی حرکت کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ گھر کا پہونچنا مقصود نہیں بلکہ مقصود مشاہدۂ حق ہے جو ابھی حاصل نہیں ہوا اور اگر حاصل بھی ہو تو حصول کے بعد بھی وہاں سکون نہیں۔ (اس لئے کہ عاشق تو عین وصال میں بھی بے قرار رہتا ہے۔)

ف: سبحان اللہ! کیسی حکمت و معرفت کی بات فرمائی جس کا بیان کرنا اہل اللہ ہی کا حق و حصہ ہے۔ (مرتب)

باہم اعتراف کمال: ایک مولوی صاحب مولانا الہ آبادیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسئلہ توحید کے متعلق گفتگو فرمائی، مولانا نے ان کو تسلی بخش جواب دیا تو وہ مولوی صاحب بہت مسرور ہوئے، اور انہوں نے کہا کہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے یہاں مجھے یہ باتیں نہیں ملیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ مولانا گنگوہیؒ بہت بڑے شخص ہیں، ان میں صحابہ کی شان پائی جاتی ہے۔ یہ صاحب جب حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو پورا واقعہ بیان کیا تو مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ مولانا الہ آبادیؒ نے انکساراً یہ فرمایا ہے، ان کو یہ کہنا چاہئے تھا کہ رشید احمد ابھی اس مرتبہ میں نہیں ہے۔

ف: غور فرمائیے کہ باہم پیر بھائیوں میں کس قدر میل ومحبت تھی کہ ایک دوسرے کے کمالات کو برملا اعتراف فرماتے تھے جبکہ بعض جزئیہ مثلاً مسئلہ سماع میں اختلاف بھی تھا۔ اے کاش! اب بھی یہ شعار اکابر ہم لوگ اختیار کرتے تو کیا خوب ہوتا۔

ہمارے حضرت مولانا شاہ وصی اللہؒ اکثر بیان فرماتے تھے کہ ایک شخص حضرت الہ آبادیؒ کے مرید حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خدمت میں گئے، وہ جب واپس آئے تو حضرت مولانا الہ آبادیؒ سے مولانا گنگوہیؒ کی ان الفاظ میں (اپنی مادری زبان میں) تعریف کی: ہم گنگوہ گئی لیں، تہرے پیر بھائی کے دیکھ لیں، کل نُورے نور ہوئیں، یعنی ہم گنگوہ گئے، آپ کے پیر بھائی کو دیکھا، وہ کل نور ہی نور ہیں۔

سبحان اللہ! کیسی جامع تعریف کی، معلوم ہوتا ہے کہ وہ مرید بھی صاحب نسبت آدمی تھے ورنہ کیسے یہ بات کہتے۔ (مرتب)

آپ کی نظر میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کی عظمت

(از مکرم بھائی انیس احمد پُرخاصوی)

مولانا احمد میاں فاروقی نبیرۂ حضرت مولانا محمد حسین الہ آبادیؒ سے میں نے خود سنا کہ ایک مرتبہ خانقاہ میں محفل سماع منعقد ہوئی، حضرت دادا میاں محفل سماع میں تشریف لائے اور مسند پر رونق افروز ہوئے، عنقریب قوال کچھ شروع ہی کرنے والا تھا کہ اسی اثناء میں ایک شخص تشریف لائے اور دادا میاں کو سلام کیا اور عرض کیا کہ میں تھانہ بھون سے حاضر ہوا ہوں، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی خدمت میں ایک خط اور ایک رومال بھیجا ہے،

دادا میاں نے ان صاحب کو نہایت محبت سے گلے لگا کر پاس بٹھالیا، فوراً خط لیا اس کو پڑھ کر آنکھوں سے لگایا، اس کے بعد رومال لیا، اسے چوما اور آنکھوں سے لگا کر سر پر رکھ لیا، دادا میاں کے چہرے پر خوشی وانبساط کی لہر دوڑ گئی تھوڑی دیر خاموش بیٹھے رہے؛ پھر قوالوں کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا: سنو جی! تم لوگوں کو معلوم ہے کہ جب کبھی حضرت تھانویؒ یہاں تشریف لاتے ہیں تو میں ان کے اکرام میں سماع نہیں سنتا، آج وہ تو نہیں تشریف لائے لیکن ان کا قاصد ان کا خط لے کر آیا ہے، اس وقت مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے حضرت مولانا میرے سامنے موجود ہوں، لہذا ایک متبع شریعت اور جید عالم دین کے اکرام میں آج کی محفل سماع ملتوی کرتا ہوں۔ انتہیٰ

ف: سبحان اللہ! ہمارے اکابر میں کس قدر باہم ربط وتعلق تھا کہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے مولانا الہ آبادی کی خدمت میں ہدیۂ خلوص ومحبت ارسال فرمایا اور حضرت مولانا الہ آبادی نے غایت ادب وعقیدت سے اس کو قبول فرمایا۔ اور حد تو یہ ہے کہ حضرت حکیم الامتؒ کے قاصد کی موجودگی میں سماع سے احتراز فرمایا؛ جب کہ آپ کو بر بنائے غلبۂ حال اس سے خاص انس بلکہ شغف تھا، یقینا یہ آپ کی للّٰہیت وحقانیت پر بین ثبوت ہے۔

اور یہ تو ایسا ہی ہوا کہ ایک مرتبہ حضرت امام شافعیؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مزار پر حاضر ہوئے تو وہاں اپنے مسلک کے خلاف نماز فجر میں قنوت نہیں پڑھا کیونکہ امام ابوحنیفہؒ اس کے قائل نہ تھے۔

اس موقعہ پر حضرت سیدنا عبدالقدوس گنگوہیؒ قدس سرہٗ کا واقعہ یاد آیا جسے

موقع کے مناسب ہونے کی وجہ سے ''السنۃ الجلیہ فی الچشتیۃ العلیہ'' (مؤلفہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ) سے نقل کرتا ہوں۔ حضرت مصلح الامت مولانا وصی اللہ صاحبؒ بھی اس واقعہ کو اپنی مجلس میں برابر سنایا کرتے تھے، وہ یہ ہے:

حضرت قطب العالم شیخ عبدالقدوسؒ کی خدمت میں ملا حسام الدین محتسب نے سماع اور وجد چھوڑنے کی بابت ایک فرمان شرعی بھیجا، حضرت قطب العالم نے قبول فرمالیا، جب دو تین روز اسی طرح گزر گئے کہ حضرت قطب العالم نے اس زمانہ میں نہ گانا سنا اور نہ آپ کو وجد ہوا، تو اہل قصبہ نے طعنہ زنی شروع کی اور کہا کہ حضرت شیخ نے اوجہر کی سزا کے خوف سے گانا بجانا اور وجد چھوڑ دیا اور توبہ کرلی، بعض لوگوں نے حضرت کی خدمت میں یہ ماجرا عرض کیا کہ لوگ ایسا ایسا کہتے ہیں، حضرت نے فرمایا کہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمان کی اولاد ہیں، شریعت کے حکم کو ہم نے مان لیا اور قبول کرلیا۔

اکابر کے ان واقعات سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات شریعت مقدسہ کے حد درجہ پابند تھے اور شریعت کو اپنی طبیعت پر مقدم رکھتے تھے، اللہ ہم کو بھی اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! (مرتب)

تصنیفات: رحلۃ المساکین الی البلد الامین، سبیل السلام فی فضائل الصیام والقیام، نیز آپ کے بہت سے مضامین بھی طبع ہوئے ہیں جن میں ایک نامکمل مضمون فلسفہ گناہ کے عنوان سے سوانح میں طبع ہوا ہے، اس کا میں نے مطالعہ کیا ہے بہت ہی مفید وموثر ہے، کاش کہ علیحدہ رسالہ کی شکل میں طبع ہوجاتا تو ہم گنہ گاروں کے لئے ان شاء اللہ مفید ثابت ہوتا۔ (مرتب)

تلامذہ : مولانا شاہ عین القضاۃ صاحب لکھنویؒ بانی مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ، مولانا حکیم عبدالحیٔ صاحب لکھنویؒ والد حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا حکیم احمد حسین صاحب عثمانی الہ آبادی (اہل حدیث) وغیرہم۔

وفات : بکسی باطنی حال کے غلبہ کی بناء پر سماع سے آپ کو ذوق ہوگیا تھا اور اس پر کاربند تھے حتیٰ کہ آپ کی وفات اجمیر شریف میں حالت سماع ہی میں ہوئی، واقعہ یہ ہوا کہ اجمیر شریف میں قوال نے حضرت سیدنا عبدالقدوس گنگوہیؒ کی ایک مشہور غزل کا یہ مقطع پڑھا۔ ؎

گفت قدوس فقیرے درفنا و در بقا　　خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی

اس شعر کے سنتے ہی آپ پر ایسا کیف وحال طاری ہوا کہ سر بسجود ہو گئے اور جان جاں آفریں کے سپرد فرمادیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ یہ حادثہ ۸ رجب ۱۳۲۲ھ کو پیش آیا اور وہیں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ۔

حضرت مولانا شاہ محمد کامل ولید پوریؒ المتوفی ۱۳۲۳ھ

نام ونسب وولادت: مولانا شاہ محمد کامل بن امام علی حنفی ۱۲۳۵ھ میں ولید پور ضلع اعظم گڈھ میں پیدا ہوئے۔

ظاہری و باطنی تعلیم: ابتدائی کتابیں اپنے وطن کے مشہور عالم وصوفی شیخ علی احمد بھیروی سے پڑھیں اور بقیہ تعلیم مدرسہ حنفیہ جونپور میں مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی متوفی ۱۲۸۵ھ اور دوسرے اساتذہ سے پڑھی ،تعلیم وتحصیل کے بعد شیخ عبدالعلیم حسینی قادریؒ سے بیعت کی اور سلوک وطریقت کی منزلیں طے کر کے خلافت حاصل کی ۔شاہ محمد کامل صاحب کو شیخ عبدالعلیم کے علاوہ شیخ گلزار شاہ کشنوی سے بھی خلافت واجازت حاصل تھی۔

ملازمت: آپ نے انگریزی حکومت کی ملازمت کر لی تھی اور مختلف جگہوں میں منصف کے عہدے پر رہے یکم جنوری ۱۸۵۸ء مطابق ۱۲۷۵ھ میں شہر جون پور کے منصف مقرر ہوئے تھے ، جونپور کے زمانۂ قیام میں آپ نے مسجد اٹالہ کی مرمت کرائی ،تقریباً تین سال میں مرمت کا کام ختم ہوا، آخر عمر میں پنشن کے ساتھ اپنے عہدے سے ریٹائر ہو گئے تھے اور گھر ہی پر رہنے لگے تھے اس دیار میں آپ کے مریدین ومعتقدین بہت زیادہ تھے، اپنے وقت میں سلسلۂ نقشبندیہ کے مشہور مشائخ میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔

تصانیف: سلوک ومعرفت میں انھوں نے متعدد رسائل اردو اور عربی میں

تصنیف کئے ، جن میں بعض کا نام یہ ہے : صراط التکمیل (عربی زبان میں) ، جنت الفرائض ،، سرّ الغیب وغیرہ

وفات : چھیاسی برس کی عمر پا کر ۶ / جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ بروز پنجشنبہ بوقت دس بجے شب آپ کا وصال ہوا اور اپنے حجرہ میں دفن ہوئے ۔ نور اللہ ومرقدہ

(تذکرہ علماء اعظم گڈھ صفحہ:۳۸۱)

حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ م: ۱۳۲۳ھ

ولادت : امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ ۶/ذی القعدہ ۱۲۴۴ھ مطابق ۱۸۲۹ء بروز سوموار چاشت کے وقت اس دنیا میں تشریف لائے، آپ کی پیدائش مشہور تاریخی مقام گنگوہ میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے مزار مبارک سے مشرقی جانب تقریباً تیس قدم دور اپنے آبائی مکان میں ہوئی۔

سلسلۂ نسب: آپ والد ماجد اور والدہ ماجدہ دونوں جانب سے شریف النسب شیخ زادہ انصاری اور ایوب النسل تھے، آپ کا نسبی سلسلہ جدہ (دادی) کی جانب سے گیارہویں پشت پر قطب عالم حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے جا ملتا ہے، اور روحانی سلسلہ بھی حضرت شیخ سے ملتا ہے، گویا دونوں اعتبار سے آپ حضرت الشیخ کے جانشین ثابت ہوئے۔ حضرت مولاناؒ کی دادھیال دراصل قصبہ رام پور ضلع سہارنپور تھی مگر حضرت مولانا کے دادا قاضی پیر بخش نے گنگوہ کو اپنا وطن بنالیا تھا، اس لئے آئندہ نسل کا انتساب گنگوہ کی طرف ہوا۔

والدین: حضرت مولانا کے والد ماجد مولانا ہدایت احمد صاحب گنگوہ میں ہی پیدا ہوئے اور یہیں تربیت پائی، وہ اپنے زمانہ میں مقدس عالم اور دینی مقتدا مانے جاتے تھے، آپ نے تعلیم حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے خاندان کے علماء سے حاصل کی اور روحانی تربیت حضرت مولانا شاہ غلام علی صاحب مجددی دہلوی سے لی اور بروایت مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانی اپنے مرشد سے مجاز بھی تھے، حضرت کی والدہ ماجدہ بھی نہایت پارسا اور عابدہ زاہدہ تھیں۔

حضرت مولانا کی عمر ابھی صرف سات سال کی تھی کہ والد ماجد کو ۱۲۵۲ھ میں اللہ تعالی نے اس جہان سے اٹھالیا، اس لئے حضرت مولانا صرف والدہ ماجدہ کی تربیت میں رہ گئے اور سرپرستی جد امجد قاضی پیر بخش صاحب نے کی۔

حضرت مولانا کا بچپن: جن لوگوں سے اللہ تعالی کو تعلیم وتربیت کا بڑا کام لینا ہوتا ہے ان کو عموما شروع ہی سے بیکار باتوں اور لایعنی حرکتوں سے متنفر رکھتا ہے اور ان کو سلیم الفطرت بناتا ہے اور اوصاف حمیدہ سے متصف فرماتا ہے۔

چنانچہ جس عظیم ہستی کو قناعت واستقلال اور صبر وشکر کی تلقین کرنا تھی اور لوگوں کے دلوں سے حرص وطمع اور غرض وجاہ اور دنیا کی محبت نکال کر اس میں خدا ورسول کی محبت پیدا کرنی تھی اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ خود بھی بچپن ہی سے ان صفاتِ حسنہ سے متصف ہو، اسی لئے آپ کے اندر صبر وشکر، زہد وتقویٰ وطہارت اور استقامت وانابت کا جوہر بچپن ہی سے ودیعت فرمایا گیا تھا تاکہ اللہ کے بندوں کو ان اخلاق کی تعلیم دے سکیں اور نفوس کا تزکیہ کرسکیں۔

تعلیم: آپ کے قرآن پاک، ناظرہ پڑھنے کے متعلق معلوم نہ ہوسکا کہ کہاں پڑھا غالباً گھر ہی میں والدہ ماجدہ سے یا والد ماجد سے پڑھ لیا ہوگا، ہاں تذکرۃ الرشید میں آپ کے پہلے استاذ کا اسم گرامی میاں جی قطب بخش مرحوم لکھا ہے، پھر فارسی اور ابتدائی عربی دوسرے اساتذہ سے پڑھی، آخر ۱۲۶۱ھ میں جبکہ آپ ہدایۃ النحو پڑھتے تھے استاذ نے مشورہ دیا کہ آپ تعلیم کی تکمیل کے لئے دلّی چلے جائیں اس لئے کہ وہاں بڑے بڑے کامل الفن اساتذہ موجود ہیں۔

ورود دہلی: ان دنوں دہلی میں حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحبؒ، مولانا شاہ

احمد سعید صاحبؒ اور حضرت مولانا مملوک علی صاحبؒ کی بہت شہرت تھی، مولانا مملوک علی صاحبؒ نانوتہ کے رہنے والے تھے اور عربی اسکول کے صدر مدرس تھے، ۱۲۶۰ھ کو ایام تعطیل گذارنے گھر گئے تو واپسی پر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کو تعلیم کے لئے اپنے ساتھ لے آئے، اور حضرت مولانا گنگوہیؒ ۱۲۶۱ھ کو دہلی پہنچے، ادھر اُدھر پھر پھرا کر درسگاہوں کو جانچتے رہے لیکن کہیں تسلی نہ ہوئی، ایک دن مولانا مملوک علی صاحبؒ کے درس میں پہنچے تو دل لگ گیا اور فیصلہ کرلیا کہ یہیں پڑھوں گا، اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ اپنے زمانہ کے شمس وقمر ایک جگہ تعلیم حاصل کرکے برصغیر میں اشاعت کتاب وسنت کی ایسی تحریک چلائیں کہ تاقیامت اس کا سلسلہ چلتا رہے، چنانچہ نادرۂ روزگار استاذ مولانا مملوک علی صاحبؒ نے ان کو ایسی تعلیم دی کہ ان کی وجہ سے پورا ہندوستان علم دین اور نورِ سنت سے جگمگا اٹھا۔

اساتذۂ کرام: مولانا مملوک علی صاحبؒ کے علاوہ آپ نے بعض علوم عقلیہ مولانا مفتی صدرالدینؒ سے بھی پڑھی اور حدیث قدوۃ العلماء حضرت مولانا شاہ عبدالغنی مہاجر مدنیؒ سے پڑھی، نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور گنگوہیؒ دونوں شاگرد یہاں بھی اپنی ذہانت وذکاوت کی وجہ سے استاذ کی خصوصی عنایت کے مستحق ٹھہرے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے معقولات کی اکثر کتب اور تفسیر، اصول فقہ ومعانی وغیرہ کی اکثر کتابیں مولانا مملوک علی صاحبؒ سے اور صحاح ستہ کی کل کتابیں حرفاً حرفاً حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددیؒ سے پڑھیں، تھوڑا بہت تلمذ جو دوسرے اساتذہ سے بھی رہا ان میں مفتی صدرالدین صاحب، مولانا شاہ احمد سعید صاحبؒ اور قاضی احمد دین صاحبؒ پنجابی ہیں۔ (بیس بڑے مسلمان: ص/ ۱۵۲)

نکاح: آپ کا نکاح آپ کے ماموں مولانا محمد تقی صاحب کی صاحبزادی مسماۃ خدیجہ خاتون سے ہوا، حکیم مولانا مسعود احمد صاحب اور مولانا محمود صاحب اسی عفت مآب خاتون سے پیدا ہوئے۔

حفظ قرآن: حضرتؒ نے عین شادی کے دنوں میں قرآن پاک حفظ کرنا شروع کیا اور بہت محنت کی، آخر اس لازوال دولت سے مالامال ہوئے اور رمضان المبارک میں قرآن سنایا۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ

سلوک وتزکیہ: خدا طلبی اور معرفت الٰہیہ کا شوق ازل سے ہی آپ کے قلب میں ودیعت تھا، چنانچہ تحصیل علم کے بعد مرشد کامل کی تلاش ہوئی جو آپ کو قصبہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی خدمت اقدس میں لے گئی اور اس نعمت عظمیٰ سے سرفراز ہوئے جس کی طلب میں سلاطین دنیا کو تخت وتاج چھوڑنا آسان معلوم ہوتا ہے۔

تھانہ بھون حاضری اور بیعت: آپ ظہر کی نماز کے بعد تھانہ بھون پہنچے، حضرت حاجی صاحبؒ سہ دری میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے، حضرت مولانا خدمت اقدس میں پہنچے اور سلام کر کے بیٹھ گئے، حضرت حاجی صاحبؒ نے تلاوت قرآن پاک کے بعد پوچھا کہ کیسے آئے؟ آپ نے فرمایا: مولانا شیخ محمد صاحبؒ سے مناظرہ کے لئے آیا ہوں۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا: ہاہا! ایسا ارادہ نہ کرنا، میاں ہمارے بزرگ ہیں[1] بس مباحثہ کا تو یہیں فیصلہ ہوگیا، مولانا

---

(۱) بتلایئے حضرت حاجی صاحبؒ کی کیسی عالی ظرفی تھی کہ اپنے پیر بھائی کو اپنا بزرگ فرمایا اور ان سے مناظرہ کو رد کر دیا۔ (مرتب)

نے عرض کیا کہ حضرت اگر آپ کے بڑے ہیں تو میرے بھی بڑے ہیں، اس کے بعد گفتگو ہوتی رہی اور مناسب الفاظ میں بیعت ہونے کی درخواست کی، مگر حضرت حاجی صاحبؒ نے انکار فرمادیا، حضرت مولانا نے بہت اصرار کیا مگر حضرت حاجی صاحب انکار ہی فرماتے رہے، مگر حضرت مولانا احتیاج وافتقار ظاہر فرماتے رہے آخر آپ کی طلب بلکہ تڑپ کا اثر ہوا اور آپ کو سلاسل اربعہ میں بیعت فرمالیا۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ علماء میں سے پہلے عالم ہیں، جنہوں نے حضرت حاجی صاحبؒ سے بیعت کی تھی، اس کے بعد تو اس کثرت سے علماء بیعت ہوئے کہ اس کی مثال شاید دنیا میں ایک آدھ مل سکے، چنانچہ سات آٹھ سو علماء حاجی صاحب سے مرید تھے، عوام کا تو پوچھنا ہی کیا۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ ابھی بیعت نہیں ہوئے تھے جبکہ حضرت نانوتوی کے تعریف کرنے سے ہی حضرت گنگوہیؒ کا میلان حضرت حاجی صاحب کی طرف ہوا تھا لیکن حضرت نانوتوی کو حضرت گنگوہیؒ نے سفارش کر کے بیعت کرایا۔

چالیس دن میں خلافت: حضرت گنگوہیؒ ایک دن کے ارادہ سے تھانہ بھون گئے تھے لیکن حضرت حاجی صاحبؒ کے دربار میں پہنچ کر شیخ کی محبت میں ایسے گرفتار ہوئے کہ خود ہی ایک دن فرمایا کہ ''پھر تو مر مٹا''۔

ظاہر ہے کہ جو محبوب حقیقی سے ملادے اس سے زیادہ محبوب اور کون ہوگا؟ چنانچہ حاضری کے وقت مختصر قیام کا خیال تھا مگر یہ خیال کرتے کرتے کہ آج نہیں کل چلا جاؤں گا، پورا ایک چلہ یعنی چالیس دن وہیں گذر گئے، اور چالیس دن کے

عدد کو تزکیہ قلب کے باب میں خاص دخل ہے، پس جب آپ کو یہ دولت حاصل ہوگئی تو حضرت حاجی صاحبؒ نے آپ کو بوقت رخصتی بایں کلمات طیبات خلعت خلافت سے نوازا،''اگر تم سے کوئی بیعت کی درخواست کرے تو اس کو بیعت کرلینا''۔

حضرت امام ربانی نے عرض کیا: حضرت! مجھ سے کون درخواست کرے گا؟ تو حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا: تمہیں کیا، جو کہتا ہوں کرنا۔''

اس طرح حضرت گنگوہیؒ کو اجازت وخلافت چالیس دن میں مل گئی اس لئے کہ حضرت گنگوہیؒ ایک صاف وشفاف آئینہ تھے جو آفتاب کے مقابل رکھ دیا گیا تھا جس کی شعاعوں سے آپ منور ہوگئے اور دنیا کو اپنے علم وحکمت کے نور سے روشن فرمادیا۔

گنگوہ واپسی: حضرت مولانا جب گنگوہ واپس تشریف لائے تو حالت بدل چکی تھی، نہ کھانے پینے کا ہوش تھا اور نہ پہننے کا، ہر وقت استغراق، محویت اور تفکر کے عالم میں رہتے، اکثر پوری رات روتے گزر جاتی اور جب اللہ کا ذکر فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ ساری مسجد کانپ رہی ہے۔

تحریک آزادی: حضرت مولانا گنگوہیؒ نے تحریک آزادی میں بھی حصہ لیا، جہاد شاملی میں شریک ہوئے اور آپ پر وارنٹ گرفتاری نکلا، چنانچہ آپ کو رام پور حکیم ضیاء الدین صاحب کے مکان سے گرفتار کرلیا گیا اور سہارنپور لائے گئے اور جیل خانہ میں بھیج دئے گئے۔

حضرت مولانا تین چار یوم کال کوٹھری میں بند رہے اور پندرہ روز جیل

خانہ میں رہے، تحقیقات اور پیشی پر پیشی ہوتی رہی، آخر عدالت سے حکم ہوا کہ واقعہ تھانہ بھون کا ہے اس لئے مقدمہ مظفر نگر منتقل کیا جائے، چنانچہ حضرت مولانا گنگوہیؒ ننگی تلواروں کے پہرہ میں دیوبند کے راستہ سے پیادہ مظفر نگر لائے گئے، اور مظفر نگر کے حوالات میں بند کر دیئے گئے، وہاں تقریباً چھ ماہ رہنے کا اتفاق ہوا، مگر آپ کے ذکر و شغل اور معمول میں کوئی فرق نہ آیا، جب عدالت میں جاتے جو دریافت کیا جاتا بلا تکلف اس کا جواب دیتے، بالآخر چھ مہینے جیل میں رہنے کے بعد آپ کی رہائی ہوئی۔

درس و تدریس: گرفتاری سے رہائی کے بعد علوم باطنی کے ساتھ ظاہری علوم شرعیہ کی تعلیم میں مشغول ہو گئے، اسی دوران آپ نے تیسرا حج کیا اور اس کے بعد ایک سال میں صحاح ستہ کے دورہ کو ختم کرانے کا آپ نے التزام کیا اور اپنے آپ کو اس کے لئے وقف کر دیا، چنانچہ درسِ حدیث کا یہ سلسلہ ۱۲۶۵ھ سے لے کر ۱۳۱۴ھ تک چلتا رہا، اور اس دوران تین سو سے زائد حضرات نے آپ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ (بیس بڑے مسلمان: ص/ ۱۶۹)

طریقۂ تدریس: حضرت مولانا گنگوہیؒ ایک ایسے محدث تھے کہ ان میں اجتہاد و استنباط کی تمام صلاحیتیں بدرجۂ اتم موجود تھیں اور وہ تمام صفات و خوبیاں جو ایک محدث استاذ میں پائی جانی ضروری ہیں وہ سب آپ میں پائی جاتی تھیں۔

صحاح میں سب سے پہلے عموماً جامع ترمذی شروع کراتے، ہر حدیث کا ترجمہ اور معنی سلیس اور عام فہم الفاظ میں بیان فرماتے اور مطلب کو اس طرح کھول کر بیان کرتے کہ کوئی الجھن باقی نہ رہتی، کسی حدیث کا بظاہر کسی دوسری حدیث سے

یا کسی آیت سے تعارض نظر آتا تو اس کو دفع فرماتے ،بقدر ضرورت اسماء الرجال پر کلام فرماتے ،اگر سیاق وسباق میں کوئی مخفی ارتباط ہوتا تو اسکو کھولتے ،ترمذی شریف کے ختم ہونے پر صحاح کی دوسری کتابیں ہوتیں ،ان میں ترجمہ نہ ہوتا البتہ کوئی نئی حدیث آتی یا مؤلف کی کوئی عبارت ہوتی تو اس کا معنی ومطلب مثل سابق بیان فرماتے۔

حدیث شریف کے درس میں تمام طلبہ کو باوضو رہنے کی ہدایت فرماتے ، پڑھاتے وقت خوش رو رہتے تاکہ سائل کو سوال کرنے میں جھجھک نہ ہو، اگر کبھی طلبہ پڑھتے پڑھتے تھک جاتے تو کوئی ایسی لطیف حکایت یا واقعہ بیان فرماتے کہ طلبہ کی تکان دور ہو جاتی۔

حضرت مولانا مذہب حنفیہ کی اگرچہ مدلل مکمل ترجیح کرتے جاتے مگر کیا مجال کہ کسی جگہ دوسرے فقیہ یا امام کی ذراسی تنقیص ہو جائے،فرمایا کرتے کہ مجھے حنفی مسلک سے خاص محبت ہے اور اس کی حقانیت پر کلی اطمینان ہے۔

تواضع وفروتنی: باوجود اس فضل وکمال کے آپ نہایت متواضع اور منکسر المزاج تھے،چنانچہ ایک واقعہ ہے کہ ایک دفعہ درسِ حدیث میں بارش شروع ہوگئی،طلبہ نے جلدی جلدی کتابیں تپائیاں اٹھائیں اور چلدیئے،اس کے بعد طلبہ نے دیکھا کہ حضرت مولاناؒ اپنے کندھے کی چادر میں طلبہ کی جوتیاں اٹھائے چلے آرہے ہیں،طلبہ بہت نادم وشرمندہ ہوئے۔فرمایا:

''اس میں کون سی بری بات ہے،تمہاری خدمت کرنا تو میری نجات کا باعث ہے۔طلبائے دین کے لئے تو حدیث شریف کے الفاظ میں مچھلیاں سمندر میں ،

چیونٹیاں بلوں میں دعا کرتی ہیں ،اور فرشتے تمہارے قدموں کے نیچے اپنے پر بچھاتے ہیں اور تم تو مہمانانِ رسول ﷺ ہو کہ حدیث شریف پڑھنے آئے ہو‘‘۔طلبہ دین کی آپ کے دل میں بڑی عزت تھی اس لئے چاہتے تھے کہ دوسرے بھی ان کی اسی طرح عزت کریں،آپ کو ہرگز گوارا نہ تھا کہ کوئی ان کو بنظر حقارت دیکھے۔

ہاں! مگر اصلاح کے معاملہ میں طلبہ پر کڑی نگاہ رکھتے ،اگر کوئی طالب علم ایسا نظر آتا کہ اس کے متعلق محسوس کرتے کہ اس میں کچھ کجی ہے جو درست نہیں ہوسکتی تو اس کو سبق شروع نہ کراتے یا اچھے حیلے سے اس کو رخصت فرما دیتے ،اور جب طالب علم کو سعید پاتے تو اس کی دلداری فرماتے ،بیٹوں کی طرح عزیز رکھتے۔

ف: آج بھی یہ تمیز ہونی چاہئے ،ورنہ نااہل ہی طلبہ مدارس میں بھر جائیں گے اور کام خراب کردیں گے،جیسا کہ عموماً ہو رہا ہے۔(مرتب)

دارالعلوم دیوبند کا جلسۂ دستار بندی: ۱۳۰۱ھ میں دارالعلوم دیوبند میں چوتھا جلسۂ دستار بندی ہوا جو اس کی تاریخ میں نمایاں حیثیت کا حامل ہے،حضرت مولانا گنگوہیؒ اس میں تشریف لائے اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ،حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ سمیت گیارہ حضرات کی دستار بندی ہوئی۔

جلسہ کے اگلے دن جمعہ تھا،مولانا رفیع الدین صاحبؒ ومولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ نے عرض کیا: حضرت ! آپ کا وعظ سننے کو بہت دل چاہتا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ آپ کا جی چاہتا ہے تو جو کچھ مجھے آتا ہے کہہ دوں گا،اگلے دن جامع مسجد میں وعظ فرمایا،اس وعظ کی کیفیت مہتمم دارالعلوم دیوبند کے الفاظ میں پڑھئے کہ جو روایتی قسم کے مہتمم نہ تھے،تکلف وتصنع سے بے نیاز ،سادگی وخلوص کے

پیکر اور حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددی کے جانشین، یقین نہیں آتا کہ انہوں نے روداد تقریر میں ذرا بھی مبالغہ کیا ہوگا، سالانہ روئیداد مدرسہ میں تحریر فرماتے ہیں:

وعظ کیا، گویا سامعین کو مئے محبت الٰہی کے خم کے خم پلا دیئے، در و دیوار تک مست تھی، اور عجیب کیفیت ظاہر تھی کہ کہیں دیکھی نہ سنی، اللہ اللہ اس کے خاص بندوں کے سیدھے سادھے الفاظ اور سادہ بیان اور ڈھیلی ڈھیلی زبان میں کیا کیا تاثیرات ہیں کہ بشر کیا حجر بھی مان جاتے ہیں۔

مولانا نے کوئی دقیق مضامین علمیہ بیان نہیں فرمائے، یہی وضو اور نماز کے مسائل بیان کئے، اور اخلاص کے بیان میں کسی تقریب سے ایک دفعہ بآواز بلند ''اللہ'' کہا، معلوم نہیں کس دل اور کس سوز وگداز سے اللہ کا نام لیا کہ تمام مجلسِ وعظ لوٹ گئی اور آہ وزاری کی آواز سے مسجد گونج اٹھی، ہر شخص اپنے حال میں مبتلا تھا، اس وقت بعض اشخاص نے مولوی صاحب کو دیکھا کہ کمال وقار سے منبر پر خاموش بیٹھے ہیں اور اہل مجلس کی طرف متوجہ ہیں، یقین ہوتا ہے کہ اگر مولوی صاحب ایسے متوجہ نہ ہوتے تو اہل جلسہ کو دیر تک افاقہ نہ ہوتا، مگر اللہ رے حوصلہ کہ خود ویسے ہی مشغول رہے۔ ؏ سینہ میں قلزم کو لے قطرہ کا قطرہ ہی رہا

(بیس بڑے مسلمان: ص/۱۷۵)

تعلیمات وارشادات

آپ عموماً متوسلین کو فجر اور مغرب کی نماز کے بعد، سبحان اللہ والحمدللہ ولاالٰہ الااللہ واللہ اکبر سو بار اور ایک تسبیح استغفار کی جس وقت فرصت ہو، اور اگر سونے کے وقت ہو تو بہتر ہے، کی تعلیم فرماتے تھے، استغفار کوئی

مخصوص نہ تھا تاہم سید الاستغفار کے ساتھ آپ کو زیادہ انس تھا اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

ف: بعض روایت میں مزید کلمات ہیں۔(مرتب)

نیز متوسلین کو درود شریف پڑھنے کی تلقین فرماتے کہ کم از کم تین سو مرتبہ روزانہ پڑھا جائے اور اتنا نہ ہو سکے تو ایک تسبیح میں تو کمی نہ ہونا چاہئے۔

آپ فرماتے تھے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا ہم پر بڑا احسان ہے، پھر بھی ہمارا آپ پر درود شریف بھیجنے میں بخل کرنا بڑی بے مروتی وخسران کی بات ہے، درود شریف آپ کو ابراہیمی زیادہ پسند تھا جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔

ادعیۂ مسنونہ کے آپ بیحد پابند تھے یعنی پیغمبر ﷺ سے جو دعائیں اور اذکار مختلف اوقات میں وارد ہیں ان کو پابندی سے ادا فرماتے اور اپنے متوسلین سے بھی اس کو پسند فرماتے تھے، اور اعمال میں سنت کی متابعت فرماتے۔

ف: سبحان اللہ! یہ تھا آپ کے اتباعِ سنت کا حال، اب اگر کوئی آپ کی شان میں اس کے خلاف کوئی بات کہے تو سوائے حسد وعناد کے اور کیا کہا جائے!؟ اہل اللہ کے ساتھ بدگمانی بلکہ بدزبانی از روئے حدیث کس قدر مہلک اور موجب خسران ہے اس کی کچھ انتہا نہیں تاہم کوئی باز نہ آئے تو وہ جانے۔ اَعَاذَ نَا اللّٰہُ تَعَالٰی مِنْ سَخَطِہٖ وَ سَخَطِ اَوْلِیَآئِہٖ۔ (مرتب)

اذکار واشغال میں آپ کسی خاص طریقے کے پابند نہ تھے، طالب کی طبیعت کا رنگ دیکھ کر اس کی تربیت فرماتے اور جو صورت اس کے لئے انفع وانسب ہوتی وہ عمل میں لایا کرتے، کسی کو چشتیہ خاندان کی اور کسی کو نقشبندیہ کی، اور کسی کو

دونوں خاندانوں کی مجموعی تعلیم فرماتے۔

ف: چونکہ آپ اس فن میں مجتہدانہ اوراس راہ میں مبصرانہ شان رکھتے تھے اس لئے آپ کو اس کا اختیار تھا، اوراس میں کچھ مضائقہ بھی نہیں، مقصود نسبت احسان کی تحصیل ہے وہ کسی طرح ہو، اور چونکہ اس نسبت کے کمال ورسوخ کے لئے کثرتِ ذکر وفکر کی ضرورت ہے اس لئے سالکین کو اس کی تاکید کے ساتھ تعلیم فرماتے تھے۔

چنانچہ آپ سالکین کو دوازدہ تسبیح کی تعلیم فرماتے، اوراس پر ہر حال میں مداومت کی تاکید فرماتے، جب ذکر اللہ سے مناسبت اوراس کی طرف رغبت ہوجاتی تو اسم ذات اللہ اللہ یا نفی اثبات لا الٰہ الا اللہ کی تعداد بڑھاتے اور ایک ہزار سے بارہ ہزار تک بلکہ چوبیس ہزار تک ذکر بالجہر کی تعلیم فرمایا کرتے تھے، اس کے ساتھ ہی پاسِ انفاس کی تعلیم فرماتے اور کسی کو پاس انفاس کی جگہ ذکر قلبی کی تلقین فرماتے، اور جب اس کا اثر سالک پر محسوس فرماتے تو مراقبۂ حضوری یا جو اس کے لئے نافع خیال فرماتے اس کی ہدایت فرماتے۔

ف: غور فرمایئے کہ ہمارے اکابر نے اللہ تک پہنچنے کے لئے کتنا مرتب نظام قائم فرمایا تھا جس کی پابندی سے سالکین راہ منزل مقصود تک پہنچے ہیں اور تاقیامت پہنچتے رہیں گے، لہٰذا یہ طریقہ، دین کے منافی نہیں بلکہ تحصیل دین کے لئے معین ہے، پس یہ ہرگز مذموم نہیں بلکہ محمود ہے، اسی لئے کسی بزرگ نے فرمایا ہے: یہ احداث للدین ہے نہ کہ احداث فی الدین یعنی تحصیل دین اور تکمیل ایمان کے لئے ایک مفید طریقہ ہے نہ کہ دین میں بیجا اضافہ۔ خوب سمجھ لیں۔ (مرتب)

اقتباس از مکتوبات رشیدیہ: اب آپ کے مجموعۂ مکتوبات مسمیٰ بہ مکاتیب

رشیدیہ سے اصلاح وتربیت کی کچھ باتیں ملاحظہ فرمائیے جس کو آپ بالیقین مفید وموثر پائیں گے اور عجب نہیں کہ ان کو پڑھ کر ہم جیسے کم ہمت بھی اس طریق حق پر چلنے کے لئے مستعد وکمر بستہ ہو جائیں۔ وباللہ التوفیق

چنانچہ حضرت مصلح الامت مرشدی مولانا وصی اللہ الہ آبادیؒ اکثر اس کے مضامین مجلس عام وخاص میں سناتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے ''مکتوبات معصومیہ'' اور ''مکاتیب رشیدیہ'' کے مطالعہ سے باطنی طور پر بہت نفع ہوا، لہذا اس کو استفاضہ کی نیت سے پڑھئے تو دیکھئے نفع ہوتا ہے یا نہیں۔

مکتوب: چنانچہ امام ربانیؒ ایک طالب کو یوں تحریر فرمارہے ہیں:

ذکر میں کچھ خصوصیت رات کی ہی نہیں، دن کو بھی کرو، باقی یہ جو اول کیفیت تھی پھر وہ نہ ہوئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اولا جو حال وارد ہوتا ہے وہ بہت زور سے آتا ہے، قلب نا آشنا ہوتا ہے اس لئے کیفیت زیادہ ہوتی ہے، پھر اس حال سے یک گونہ مناسبت ہو جاتی ہے تو وہ زور وشور نہیں معلوم ہوتا کہ اول کورے ظروف گلی (مٹی کے برتن) میں پانی ڈالیں تو کیسا شور ہوتا ہے، حالانکہ دوبارہ میں پانی کا اثر زیادہ ہوتا ہے مگر وہ جوش نہیں ہوتا، ایسا ہی حال قلب وجسد انسانی کا ہے، اور غرض کیفیت سے نہیں، مقصد سکون وربطِ قلب باللہ ہے۔

حالات جو اولیاء پر ہوئے وجد وحال کے، اس کا بیسواں حصہ بھی صحابہؓ سے منقول نہیں، غرض نسبت وسکون وطمانینت باللہ تعالی اصل ہے اور کیفیت لازم وداعی ہے، یہ حال ہے مقام نہیں، سو اسکا افسوس مت کرو، اب اس حالت سے تم میں زیادہ نسبت ہے۔

اور ذکر میں رعایت دماغ وقوت کی ضرور رکھنا، لذت میں آ کر ایسا نہ کرنا کہ اصل کام سے رہ جاؤ تھوڑا تھوڑا بڑھتا ہے، جلدی کا کام نہیں، ایک دو روز کی بات نہیں، ساری عمر کا کام ہے، ساعۃً فساعۃً قول رسول اللہ ﷺ ہے، رات دن یکساں حال نہیں ہوتا، اس امر کو بہت یاد رکھنا، فقط والسلام۔

(مکاتیب رشیدیہ: ص/ ۲۵)

ف: سبحان اللہ! اس مکتوب سے طریق میں امام ربانی کی کمال بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے اس لئے کہ بغیر اس کے ایسی بصیرت افروز، نصیحت آموز تسلی بخش باتیں کوئی لکھ ہی نہیں سکتا۔ (مرتب)

مکتوب: اب آپ امام ربانی کا ایک اہم مکتوب بغور ملاحظہ فرمائیں جس میں شریعت وطریقت کے اصل مقصود کی بخوبی وضاحت فرمائی ہے، جو قابل دید ہے، وہ یہ ہے: برادرم حاجی احمد صاحب سلّمہٗ السلام علیکم، آپ کا خط آیا جس سے بوئے دین ودیانت آتی ہے، الحمدللہ افسوس دین کا اس صاحب نصیب کو نصیب ہوتا ہے کہ نصیب رحمتِ کاملہ کا، کامل رکھتا ہے۔

برادرا! یہ تمام شریعت کا علم اور طریقت کا طریقہ نورِ یقین کی تحصیل کے واسطے ہے، اور انجام ومنتہیٰ سب کا یہ ہی تو ہے کہ ”جس کو مسلمان سرسری طور سے علم رکھتے ہیں وہ یقین حق یقین مثل مشاہدہ کے ہو جائے“ یہ انتہا سب طُرُق کی ہے، سو تم نے اس کو پکڑا کہ اس سے ورے ہرگز نہایت نہیں۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے تمام اپنا خان ومان اور آبرو وجان کیوں دی تھی؟ کیا دیکھا تھا؟ یہ ہی فیض صحبتِ فخر عالم علیہ السلام سے یقین حاصل ہو گیا تھا کہ دنیا کا فانی ہونا، اور آخرت کا باقی ہونا، اپنا لاشئ ہونا

(کچھ نہ ہونا) اور حق کا کارساز ہونا یقین ہوگیا تھا بس اس پر مدار سب کام کا تھا۔

آگے تحریر فرماتے ہیں: حضرت سیدی عبدالقادر جیلانیؒ اور خواجۂ خواجگان معین الدین چشتیؒ اور سید الطائفہ بہاء الدین بخاری کیوں بڑے ہو گئے؟ اسی یقین ہی کے سبب سے بڑے ہوئے تھے۔

سو عزیز! یہ دولت اگرچہ ہرگز ہرگز سہل نہیں، تمام جان و مال دے کر اس سے ایک ذرہ ملے اور عمر نوح علیہ السلام خرچ کر کے اگر ایک ذرہ ملے تو مفت اور بہت سہل اور جلد ہے، مگر تاہم کچھ مشکل نہیں اگر مقدر ہے، ورنہ کچھ بھی نہیں۔

سید الطائفہ حضرت احمد مجددؒ "الف ثانی" فرماتے ہیں: کل سات قدم ہیں وبس، سو قدم تو سات ہی ہیں لیکن ایک قدم بھی اگر لاکھ سال میں طے ہو تو جلد ہے، مگر جو فضل اللہ تعالیٰ شانہ ہو تو ایک ساعت ہے۔

الحاصل اگر حاصل نہ ہو پائے، محصلین کی جماعت میں تو شمار ہو جاوے، الحق کہ کشف و کرامت ایک جو کے برابر بھی نہیں اس نور کے سامنے، حق تعالیٰ فرماتا ہے: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ یعنی اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیئے، یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔

جس قدر یقین ہے اسی قدر قوت ایمان و تقرب ہے، الحاصل اگرچہ یہ قوت تاثیر، وجد، کشف اور تصرف دنیا میں بہت ہے مگر یہ نورِ یقین مثل کیمیا کہ نادر الوجود ہے، اگرچہ عالم خالی نہیں۔

اشغال سب اس کے مقدمات تھے مگر اب خود مقصود ہو گئے، پس اپنے شرائط و ارکان کے ساتھ آدمی کام کرلے تو قدرِ مقدر پاتا ہے، نہ یہ نسبتِ حقہ معدوم

ومفقود ہے اور نہ تحصیل اس کی محال ہے ،اگر چہ اہل اس نسبت کے ہر روز کم ہو رہے ہیں،اور اب اقل قلیل[1] ہیں مگر عالم خالی بھی نہیں ہے، چنانچہ طُرق اربعہ کا اسی نسبت پر انتہا ہے اور اہل طریق اس کے ہی واسطے گھر بار ترک کر کے حیران و پریشان ہوتے ہیں۔

ہر چند آپ نے تھوڑا کلمہ کہا مگر الحق کو خوب فہم کی بات اور تمام مدعیٰ لکھا، مجھ کو تمہاری اس تحریر سے نہایت ذوق آیا، اے کاش کہ اس یقین کا شائبہ ہوا بھی اس محروم کو لگ جائے کہ سارا مدار اس پر ہی ہے اس نسبت کا نام ''نسبت احسان'' ہے کہ بعثت جناب فخر رسل ﷺ کی اسی کے واسطے تھی اور جملہ صحابہ کرام اس نسبت کے حامل تھے، علی حسب مراتبہم پھر اولیاء امت نے اس کو دوسرے طریقہ سے پیدا کیا کہ ہر ایک نے اشغال اپنے اپنے طریقہ کے وضع کئے سو یہ سب مقدمات اس کے ہیں اور بس، اس کا کوئی طریق معین نہیں، ہر شخص کا طرز جداگانہ ہے مگر اس زمانہ میں ترک تعلق کو شرط کامل ٹھہرایا ہے۔

---

(۱) اور اب تو اور بھی کم ہو گئے ہیں تاہم اس کی ضرورت باقی ہے بلکہ تاقیامت اس نسبت کی تحصیل واجب رہے گی اسی لئے حضرت حکیم الامت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب ''تفہیمات الٰہیہ'' میں ارقام فرماتے ہیں کہ صوفیا کرام کی نسبت غنیمت کبریٰ ہے لہٰذا اس کی تحصیل کے لئے سعی کرنا لازم ہے یعنی اس سے امت کو ہرگز ہرگز غافل نہ ہونا چاہئے ورنہ ہمارا دین خشک ہی خشک اور پوست ہی پوست رہ جائے گا، مغز اور اصل روح سے خالی ہو جائے گا، پھر ظاہر ہے کہ ایسے دین میں شرک وکفر سے مقابلہ کی بھلا کیا قوت وطاقت رہ جائیگی؟ چنانچہ آج مسلمان باوجود کثرت وقدرت کے اسی وجہ سے ہر جگہ ضعیف وناتواں ہیں اور ان کی کوئی حیثیت نہیں رہ گئی ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ (مرتب)

نخست موعظ پیر محصل ایں سخن ست　　کہ از مصاحب ناجنس احتراز کنید

ترجمہ:- درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے شیخ کی یہ پہلی نصیحت ہے کہ ناجنسوں کی مصاحبت سے پرہیز کرو۔(مرتب)

ف: مگر افسوس کہ اس سے عام مسلمین بلکہ سالکین بھی غافل ہیں۔ العیاذ باللہ(مرتب)

اور پھر کسی راہ کو بتانے والے کی ضرورت شدید ہے اس لیے کہ بدون ہادی کے کسی طرح اندھیری راہ کو طے کرے، بس زیادہ کیا لکھوں ہر چند حاصل کچھ نہیں مگر ؎

اُحِبُّ الصَّالِحِیْنَ وَلَسْتُ مِنْھُمْ　　لَعَلَّ اللّٰہَ یَرْزُقُنِیْ صَلَاحًا

(مکاتب رشیدیہ: ص/ ۱۱۵)

ترجمہ: میں نیک لوگوں سے محبت کرتا ہوں اگرچہ ان میں سے نہیں ہوں، شاید اللہ تعالیٰ (اسی کے برکت سے) صلاح و نیکی کا حصہ مجھے عنایت فرمائے۔(مرتب)

ایک اہم مکتوب، درد نایافت: ایک طالب کو درد نایافت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے یوں ارقام فرمارہے ہیں: آپ کا خط آیا، آپ کی حسرت عدم حصولِ مطلب اگرچہ عدم ہے مگر بندہ کے نزدیک عمدہ حالت ہے جیسا کہ حصول مطلوب کی فرحت وسرور حالت بسط کہلاتی ہے ایسا ہی عدم حصول مطلوب کی حسرت قبض کہلاتی ہے، قبض و بسط دونوں حالت نیک ہیں، اگر حسرت عدمِ حصول ہے تو الحمدللہ کہ طلب ہے اور درد نایافت (نہ پانے کا درد) ہے۔

ہمارے شیخ الشیوخ قطب عالم شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ ''اگر کسی کو بعد مجاہدہ ہزار سالہ حسرت درد نایافت حاصل ہوجائے تو سب کچھ اس کو

حاصل ہوگیا، ہائے افسوس کہ دردنایافت نہیں ملتا کہ کام تمام ہوجائے، پس اب لازم ہے کہ شغل باطن کو خوب التزام کے ساتھ بجالاؤ اور بحکم مَا لَا یُدْرَکُ کُلُّہٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ (اگر کل حاصل نہ ہوسکے تو کل کو ترک بھی نہ کرنا چاہئے، یعنی اگر کچھ ہی حاصل ہو تو لے لینا چاہئے۔ مرتب) جس قدر ہوسکے اس کے شغل میں رہو، اور پھر حسرت نایافت میں لطف دیکھو اور امید ہے کہ حق تعالیٰ آپ کو ضائع نہ فرمائے گا۔

(مکاتب رشیدیہ: ص/ ۱۰۸)

ف: سبحان اللہ! ہمارے دونوں ہی گنگوہیؒ اکابر نے دردنایافت کی کیسی اہمیت بیان فرمائی جو شکستہ دلوں کے لئے تسلی بخش ہی نہیں بلکہ حیات بخش ہے، اس لئے کہ اسی حالتِ قبض میں بعض دفعہ یاس وناامیدی کا ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ سالک جان سے دست برداری تک کو سوچنے لگتا ہے، اسی لئے اس عبارت کو حضرت مصلح الامت مرشدی مولانا شاہ وصی اللہؒ مجلسِ سالکین میں اکثر سنایا کرتے تھے جس سے لوگ سلوک میں بصیرت اور قلوب میں تقویت محسوس کرتے تھے۔ (مرتب)

اب ایک اور مکتوب مطالعہ کریں جو بہت سے اہم مضامین وفوائد پر مشتمل ہے اور اس کو حضرت مصلح الامت مولانا وصی اللہ صاحبؒ نہایت ذوق سے برابر سنایا کرتے تھے۔

مکتوب: از بندہ رشید احمد عفی عنہ، مکرمی مولوی ممتاز علی صاحب سلمہ بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند۔

بعض اہم مضامین کے نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

لہٰذا انسانِ عاقل کو واجب ہے کہ ذکر وفکر آخرت کو کسی حال تعویق

(ڈھیل، دیر، ٹال مٹول) میں نہ ڈالے البتہ اگر ممکن ہو تو امور دنیاوی کو تسویف (مؤخر) کر دیوے اور جس قدر ذکر ہو سکے اگرچہ قلیل ہو اس کو اس ہی تشاویش سے مخلوط کر کے کرتا رہے، اگر پریشانی خاطر ہے تو فقط لسانی ہی سہی کہ اگر لطیفۂ قلب معطل رہا وہ غافل ہوا تو زبان تو معطل و غافل نہیں رہی ما لا یدرك كله لا يترك كله ذکر ایسی شیٔ ہے کہ اگر اس کو کرتا رہے اگرچہ بے ہوشی خواطر و پریشانی تعلقات میں محض تحریک لسانی ہو نافع اور موجب نورانیتِ قلب کے ہوتا ہے ہر چند ذکر قلبی ہی ہے، اور ذکر کامل وہی ہے کہ تمام لطائف کو شاغل بنا دیوے اگر یہ نہ ہو تو فقط لسان کو بھی کیوں بیکار کر دیوے، یہ محض لسانی غفلت کا ذکر کشاں کشاں قلب تک پہنچا دیتا ہے، عضوِ لسان اگر جنت میں جائے گا تو کیا دیگر جملہ اعضاء محل نار ہو سکتے ہیں؟ ذکر وہ شیٔ ہے کہ اگر کسی جزوِ انسانی سے متصل ہووے گا تو تمام جسد کو اپنی طرف کھینچ لیوے گا، زنہار کہ آپ التزام شغل کے واسطے فرصت کا انتظار کریں اگرچہ چار پانچ منٹ ہی ہو مگر شغل کو شروع کرو اور خَيْرُ الْعَمَلِ مَا دِيْمَ عَلَيْهِ کو پیش نظر کر کے اس ہی پانچ منٹ پر التزام کریں اگرچہ محض لسانی بھاگتے دوڑتے ہو پس اس تحریر کو مبالغہ تصور نہ فرمائیں اور اپنا کام ان ہی کاموں میں بالالتزام شروع فرما دیں، جب پانچ منٹ کا التزام ہو گا وہ زائد ہو جاویگا۔ فقط والسلام۔

(مکاتیب رشیدیہ: ص/ ۱۱۱، ۱۱۲)

مکاتیب رشیدیہ میں اس قسم کے بہت سے خطوط درج ہیں جو سالکین راہ بلکہ جملہ مسلمین کے لئے نہایت مفید و موثر ہیں، اگر فرصت ملے اور کتاب دستیاب

ہوتو ضرور مطالعہ فرمائیں۔ وما التوفیق الا من عند اللہ۔ (مرتب)

وفات: ۲۷/جمادی الاولی ۱۳۲۳ھ کو آپ کو تپ ولرزہ ہوا اور دو ہفتہ پہلے تہجد کی نماز میں کسی موذی جانور نے کاٹ لیا تھا اس کا بھی اثر ہوا، اور بڑھتا چلا گیا۔

آخر باختلاف روایت ۸/یا ۹/جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۱/اگست ۱۹۰۵ء کو جمعہ کے دن بعد اذان جمعہ دنیا کو الوداع فرمایا۔ اور رفیق اعلیٰ کی طرف رحلت فرمائی۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور گنگوہ ہی میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہٗ۔

(مشائخ چشت مولفہ مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیثؒ)

حضرت شیخ محمد عبدہ مصریؒ متوفی ۱۳۲۳ھ

تعارف: مصر کی معاصر تاریخ میں جن شخصیتوں نے سب سے زیادہ ہمہ گیر، ہمہ جہت، موثر، دیرپا اور تاریخ ساز اثر چھوڑا ہے، ان میں سرفہرست شیخ محمد عبدہ کی شخصیت ہے، غیر معمولی ذہین، بیدار مغز، ہوشمند، دانشور، نکتہ رس، سحر انگیز، پرکشش، اور خداداد صلاحیتوں کے مالک تھے۔

ولادت و تعلیم: مصر کے ایک چھوٹے سے گاؤں کے ایک کسان گھرانہ میں ۱۲۶۶ھ مطابق ۱۸۲۹ء میں پیدا ہوئے، گاؤں کے بچوں کی طرح گارے مٹی، ہل بیل اور کھیت کھلیان کے درمیان پلے بڑھے، گھر اور گاؤں کے مکتب میں قرآن مجید حفظ کیا اور لکھنا پڑھنا سیکھا، اس کے بعد والد نے قریبی شہر طنطا کے دینی مدرسہ میں تعلیم کی تکمیل کے لئے بھیج دیا، مدرسہ میں دو برس گزارنا مشکل ہو گیا کیونکہ انہیں مدرسہ کا طریقہ تعلیم پسند نہیں آیا، اس لئے تعلیم چھوڑ کر کھیتی باڑی میں مشغول ہونے کا ارادہ کرلیا، گاؤں پہنچے تو والد نے تعلیم جاری رکھنے پر اصرار کیا، اور ان کے ایک قریبی عزیز شیخ درویش نے تعلیم کے فوائد و منافع سمجھائے اور انہیں طنطا کے مدرسہ واپس جا کر تعلیم مکمل کر لینے کے لئے راضی کر لیا، شیخ محمد عبدہ مدرسہ واپس گئے وہاں سے پھر جامع ازہر میں داخلہ لیا اور سند فراغت حاصل کی، لیکن وہ ازہر کی تعلیم اور وہاں کے اساتذہ کے جامد طریقہ تعلیم اور غیر مفید نصاب درس سے مطمئن نہیں رہے، مدرسین کتابوں کے الفاظ اور اس کے

پیچیدہ جملوں میں الجھے رہتے تھے اور اصل موضوع ، اس کے حقائق اور وسیع وگہرے مضامین کی جانب قطعی توجہ نہ کرتے تھے ، جامع ازہر کے ہونہار باصلاحیت ، ذہین اور علم شناس طالب علم محمد عبدہ اپنی تشنگی پر کف افسوس مل رہے تھے۔

سید جمال الدین افغانی سے ملاقات: قریب تھا کہ مایوسی اور نامرادی کے شکار ہو جائیں کہ مشرق سے ایک مرد مومن، حق شناس وحق آگاہ، معلم ومفکر، داعی ومصلح اور مربی ودانائے راز، مردم شناس اور وقت کا نبض شناس آپہنچا، جس کے حلقہ درس میں نہ صرف شیخ محمد عبدہ بلکہ ان جیسے دسیوں تشنگان علم نے اپنی پیاس بجھائی ، یہ مرد مومن سید جمال الدین افغانی تھے، شیخ محمد عبدہ کو اپنا مدعا و مقصد حاصل ہو گیا، اور سید صاحب کی مجلس وصحبت میں وہ سب کچھ مل گیا جس کی انہیں تلاش وجستجو تھی ، استاذ کے ساتھ مل کر وہ عظیم کارنامے اور گرانقدر خدمات انجام دی کہ آج کی اسلامی بیداری، فکر ونظر کی ہمہ گیری ، دینی اصلاح وتربیت، سیاسی بالغ نظری اور ہمہ جہت ترقی وتمدنی کامرانی انہیں کی رہین منت ہے۔

درس وتدریس: استاذ کو جب بین الاقوامی سازش کے نتیجہ میں مصر سے جلاوطن ہونا پڑا تو شیخ محمد عبدہ علم وتدریس کی جانب ہمہ تن متوجہ ہو گئے ۔ کچھ عرصہ کے بعد دارالعلوم قاہرہ میں تاریخ کے استاذ منتخب کئے گئے انہوں نے اپنے طالب علموں کو پڑھانے کیلئے مقدمہ ابن خلدون کا انتخاب کیا، ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں تمدن کے اصول ومبادی اور قوموں کے عروج وزوال کے اسباب پر بحث کی ہے، سماجی، تاریخی، معاشی اور عمرانی مباحث کو بہت ہی سادہ

اور موثر طریقہ سے شیخ محمد عبدہ نے پڑھانا شروع کیا، اور بہت جلد معاشرہ میں صلاح و بالغ نظری کی لہر دوڑ گئی، مصر کا سرکاری گزٹ ''وقائع مصریہ'' کے نام سے شائع ہوتا تھا، مگر اس کا معیار پست اور غیر موثر تھا حکومت مصر نے اس کی جانب توجہ کی اور اس کی نظر انتخاب شیخ محمد عبدہ پر پڑی اور انہیں اس کا ایڈیٹر اور طبع کی جانے والی کتابوں کا نگران اعلی مقرر کیا، شیخ محمد عبدہ نے اس صحیفہ کے ادارتی کمیٹی اور مضامین نگار میں سید جمال الدین کے قابل اعتماد، لائق اور باکمال شاگردوں کو منتخب کیا، اب صحیفہ صرف سرکاری قوانین اور فرمانوں کا مجموعہ نہ تھا بلکہ ایک علمی، گرانقدر اور قیمتی صحیفہ بن گیا جس میں ادب، اخلاق، تنقید اور فرزندان وطن کو ان کی عملی زندگی میں صحیح راہ کی رہنمائی کا فریضہ ادا کیا جانے لگا، اور انہوں نے صحیفہ کے ذریعہ حکومت اور ملازمین کی کارکردگی پر کڑی نگاہ رکھ کر تنقید اور رہنمائی کی۔

ف: ایسے رہنما کی اب بھی ضرورت ہے اللہ تعالی زیادہ سے زیادہ ایسے باصلاحیت علماء کو معرض حیات میں لائے جو امت کو صحیح راستے پر لائیں اس کے بعد شیخ کے ذریعے مختلف اداروں کی اصلاح و تربیت کے متعلق مضامین کو مولف نے درج فرمایا ہے جو بغرض اختصار حذف کرتا ہوں (مرتب)

وفات: مصر ہی میں ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء میں خالق حقیقی سے جا ملے، ان کا کام اور نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ رحمہ اللہ تعالی (تاریخ فکر اسلامی صفحہ ۱۹۵)

حضرت مولانا عبدالسبحان بنارسیؒ متوفی ۱۳۲۳ھ

نسب وولادت: آپ کی ولادت مچھلی شہر میں بتاریخ ۱۱/ذی الحجہ ۱۲۳۳ھ بروز جمعہ ہوئی۔نسباً عباسی وانصاری ہیں بچپن کے شب وروز مچھلی شہر میں بسر ہوئے۔

تعلیم وتربیت: وہیں اپنے والد محترم مولانا فضل امام مچھلی شہریؒ سے قرآن پاک پڑھا۔اور فارسی کی تکمیل شیخ برکت اللہ انصاریؒ سے کی۔مزید تحصل علم کیلئے جونپور کا رخت سفر باندھا،لیکن یہ وہ زمانہ تھا جب جونپور تشنگانِ علم کی سیرابی سے درماندہ ہو چکا تھا اس لئے بنارس کا قصد کیا اس وقت بنارس علم میں مرکزی حیثیت کا مالک تھا،اس کا گوشہ گوشہ آفتاب علم کی کرنوں سے درخشان وتاباں،اور مشاہیر علماء بنارس سے بنارس کی سرزمین شرف یاب تھی جن میں مولانا رحمت اللہ دہلویؒ تلمیذ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ ، مولانا غلام حسین جونپوریؒ ۱۲۷۹ھ مولانا قطب الدین فرنگی محلیؒ ،مولانا عبدالحق لکھنویؒ نحوی ،صرفی ،مولانا غلام یحییٰ فرنگی محلیؒ ،وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر تھے۔

مولانا عبدالسبحان صاحب بنارسؒ تشریف لائے تو یہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ملا محمد عمر سابقؒ بنارسیؒ کے علمی خانوادے کی عظیم شخصیت،جید عالم وفاضل مولانا خادم حسینؒ (م ۱۳۱۳ھ) کی خدمت میں حاضر ہوکر فارسی کے بعض دیوان اور انشاء کی کتابیں پڑھیں۔

علمی ذوق: مولانا مرحوم کو قلمی کتابوں کے جمع کرنے کا بڑا شوق تھا۔مسجد

چوک کے نیچے عبدالاحد نامی ایک ایرانی کتب فروش کی دکان تھی، جسمیں علمی کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا، مولانا اس کے یہاں سے اپنے ذوق اور اپنے پسند کی کتابیں خریدتے رہتے تھے۔ آپ کا مطالعہ وسیع تھا آپ نے کئی کتابیں بھی تصنیف فرمائی۔ جن میں ایک مطبوعہ رسالہ ''مقالاتِ سبحانیہ'' ہے۔ علاوہ ازیں ان کے ملفوظات کا مسودہ اور غیر مطبوعہ دیوان وغیرہ آپ کی علمی یادگار ہیں۔ جو آپ کے صاحبزادے مولانا شاہ نورالحق صاحب کے پاس موجود ہیں۔ مولانا موصوف کے ملفوظات درحقیقت آپ کی یادداشتیں ہیں جو بنارس کی تاریخ، آثار، علماے ومشائخ کے سلسلہ میں ایک مستند ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آثار و تاریخ بنارس کے نامور محقق نبیہ احمد تحریر فرماتے ہیں کہ:

آپ کے ملفوظات کا قلمی نسخہ میرے مخلص، محترم، مہربان مولوی نورالحق صاحب قادریؒ کے قبضہ میں ہے، مجھے بھی پڑھنے کی عزت ملی۔ بلاخوف وتردد کہہ سکتا ہوں کہ یہ ملفوظات بنارس اور اس کے مضافات کا ایک مرقع ہے''۔

باطنی سلسلہ: علمی خدمات کے ساتھ اصلاح قلوب وتزکیۂ نفوس کا سلسلہ بھی جاری تھا، چنانچہ تحصیل علوم کے بعد سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے، آپ کے مریدین کی بنارس اور اس کے اطراف میں بڑی تعداد تھی۔ اور اب بھی موجود ہے۔ آپ کے خلیفہ مولانا حافظ محمد صاحبؒ نے بڑی شہرت حاصل کی، آپ کے ایک مرید حاجی گھسیاون تھے جن کا مقبرہ آپ کی مزار کے متصل ہے۔

وفات: مولانا عبدالسبحانؒ نے تاحیات کندی گرٹولہ بنارس میں قیام کیا اور ۲۷/ربیع الثانی ۱۳۲۳ھ میں ۸۹ سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

آپ کا مزار شکر تالاب کے قریب محلہ ''مسجد اونچوا'' میں واقع ہے۔ مولانا نورالحق صاحب نے قبر پر ایک کتبہ نصب کرادیا ہے جسمیں فارسی کے سات شعر ہیں، آخری شعر یہ ہے ؎

رفت از دنیا بروضاتِ جنان　　اکمل الفضلاء وعالم باعمل

سنہ ۱۳۲۳ھ

(تذکرہ علماء بنارس صفحہ ۱۵۹)

حضرت آغا محمد داؤد ابوالعلائی دکنیؒ متوفی ۱۳۲۴ھ

نام ونسب: نام محمد داؤد، لقب آغا ہے۔ والد کا نام آغا محمد حیدر ابن آغا محمد قادر ہے آپ کے والد حضرت مولانا شاہ محمد حسنؒ کے مرید وخلیفہ تھے۔ آغا کے لقب سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے اسلاف ایرانی الاصل تھے۔ اور یہ لفظ تعظیمی آپ کے نام کا عنوان موروثی ہے فارس میں عرف عام ہے کہ شریف زادوں کو تعظیماً آقا کے لفظ سے یاد کرتے ہیں ہندوستان میں بجائے آقا کثرت استعمال سے آغا بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ صاحب محبوب التواریخ یعنی تذکرہ اولیاء دکن کے مولف نے تحریر کیا ہے۔

آپ بچپن ہی سے فقراء دوست وصوفی پرست تھے۔ والدین اگر آپ کو محبت سے کوئی مرغوب چیز ماکولات ومشروبات میں سے دیتے تھے تو آپ اس میں سے ایک نصف حصہ فقراء، اطفال، یتامی میں تقسیم کردیتے تھے۔ آپ ابتدائے شباب میں درویشی ومحبت الٰہی کی طرف مائل ہوئے۔ دنیوی تعلقات کو پسند نہیں فرماتے تھے۔

بیعت: والد بزرگوار آپکی یہ حالت دیکھکر مرشد کے پاس لے گئے۔ اور عرض کیا حضرت بندہ زادے کو بیعت سے مشرف فرمایئے۔ حضرت مرشد نے آپ کو بیعت کے سلسلہ میں داخل فرمایا۔ مرید ہونیکے بعد ذکر وشغل میں زیادہ مشغول ہوئے۔ روز بروز منازل طریقت کو طے کرنے لگے پس چند روز کے بعد آپ

کے والد ماجد اس دار فانی سے عالم بقا کی طرف رحلت فرما گئے۔ چونکہ آپ کے والد اہل مناصب کے زمرہ میں تھے۔ موروثی منصب پر باپ کے قائم مقام ہوئے۔ آپ باوجود منصب کے ریاضت ومجاہدہ کی طرف زیادہ راغب تھے۔ اکثر اوقات رسائل معرفت وحقیقت کے مطالعہ میں صرف فرماتے تھے۔ فن تصوف میں آپ ایسے ماہر وکامل ہو گئے تھے کہ مطالب فصوص الحکم وغیرہ کتب مشکل کو نہایت آسانی سے حل کر دیتے تھے۔

فضل وکمال: پھر آپ نے حسب ارشاد پیر ومرشد ملازمت ترک کر دی۔ اور قانع اور متوکل ہو گئے۔ آپ دنیا ومافیہا سے متنفر اور دنیا داروں کی صحبت سے دور ہونے لگے۔ آبادی سے زیادہ جنگل وویرانہ پسند فرمانے لگے۔ عالم وجد وحال میں صحرا نوردی فرماتے تھے۔ آپ کو ماکولات ومشروبات وملبوسات کی کچھ پروانہ تھی جو کچھ بقدر ضرورت ملجاتا تھا کھا لیتے تھے اور پہن لیتے تھے گزی وکھادی کا لباس زیبِ بدن فرماتے تھے۔ لذات اطعمہ سے تارک ہو گئے تھے مدت تک آپ نے روٹی ودال بے نمک پر بسر کیا۔ اور گوشت تو مطلقاً نہیں کھاتے تھے مدت مدیدہ کے بعد گوشت کا استعمال شروع فرمایا۔ آپ کو جوار کی روٹی نہایت ہی مرغوب تھی کبھی مریدوں کے اصرار سے بریانی وپلاؤ وغیرہ اطعمہ لذیذہ بھی کھا لیتے تھے۔ آپ مرشد پر فریفتہ تھے۔ انکی خدمت کو فرض سمجھتے تھے۔ ہمیشہ مرشد کے ادب وخدمت کا لحاظ رکھتے تھے۔ مساکین وغرباء ومریدین فقراء وامراء کو کھلاتے تھے شہر میں آپکے مریدین بیشمار تھے۔ آپ مسافر نواز وغربا پرور تھے۔ آپ کا لنگر فیض جاری تھا۔ اور آپ کا دستر خوان بھی

ایسا وسیع تھا کہ اسپر صبح وشام دس بیس مہمان غرباء وفقراء شریک ہوتے تھے۔

آپ کا مدرسہ: آپ نے ایک مدرسہ تیامی کے لئے قائم کیا تھا۔ چند یتیم بچے اسمیں رہتے تھے۔آپ انکی خوراک و پوشاک کا خوب اہتمام کرتے تھے،مریدین سے جو کچھ نذرانہ ہمدست ہوتا تھا وہ تمام تیامی ولنگر میں صرف فرماتے تھے۔مدرسہ میں اساتذہ عربی وفارسی کی تعلیم کے لئے مقرر کئے تھے۔مدرسہ میں دینیات کی تعلیم ہوتی تھی ،چنانچہ مدرسہ اب بھی بدستور جاری ہے۔آپکے صاحبزادے جامع الفضل والکمال جناب محمد حسن صاحب مسند نشیں خلافت ہوکر مدرسہ کا نظام چلاتے تھے ۔وہ بھی چند مدت کے بعد فوت ہوگئے آپکی وفات بتاریخ ماہ ۱۳۲۵ھ ہجری میں ہوئی ، اب انکے صاحبزادے جوان صالح صاحب فضل وکمال غریق وجد وحال جناب باپ دادا کے جانشیں ہیں اطال اللہ عمرھم۔

آپ کے اخلاق وکرامات: خوش اخلاق،خندہ جبیں تھے۔امیر وفقیر سب سے ایک ہی طرح ملتے تھے۔فقیر مولف ایک وقت ملا تھا حسن اخلاق سے ملتے تھے۔علماء وفضلاء کی بہت قدر کرتے تھے۔تکریماً وتعظیماً استادہ (کھڑے) ہوجاتے تھے۔مریدوں کو مثل اعزہ سمجھتے تھے۔آپکے اخلاق دیکھ کے بزرگان سلف کا عالم بعینہ مشاہدہ ہوتا تھا۔ آپکی شان وہی تھی جو بایزید وشبلی وجنید قدس سرہم کی تھی۔آپ صاحب خرق عادت وکرامت تھے۔پابند صوم وصلوۃ تھے شرع شریف کا زیادہ لحاظ رکھتے تھے۔

وفات: آپ کی وفات ۱۳۲۴ھ میں ہوئی۔نماز جنازہ مکہ مسجد حیدرآباد دکن میں ہوئی اور شاہ محمد حسن صاحبؒ کے بغل میں مدفون ہوئے۔رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(محبوب التواریخ یعنی تذکرہ اولیاء دکن ص ۱۳۹)

حضرت مولانا محمد حسین فقیر دہلویؒ[1] متوفی ۱۳۲۴ھ

نام ونسب: نام محمد حسین، تخلص فقیر، والد کا نام مولوی منشی محمد اسماعیل ذبیح نقشبندی ہے آپکے والد سلسلہ چشتیہ اور نقشبندیہ کے جلیل القدر بزرگ تھے۔

ولادت: آپ کی ولادت یوپی کے مردم خیز ضلع مظفر نگر کے ایک گاؤں میں ہوئی (نزہۃ الخواطر میں تاریخ ولادت ۱۲۴۳ھ مذکور ہے مرتب)

تعلیم وتکمیل: مولانا محمد حسین فقیر دہلویؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد منشی محمد اسماعیلؒ ذبیح دہلوی سے حاصل کی اور فقہ، تفسیر اور حدیث کی کتابیں مولانا مملوک علی نانوتویؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، محدث کبیر مولانا احمد علی سہارنپوریؒ محشی الصحیح البخاری جیسی عبقری شخصیتوں سے پڑھیں۔

موصوف نے اپنی غیر معمولی ذہانت و ذکاوت اور عبقریت کی بنا پر بہت ہی جلد ان تمام مروجہ علوم وفنون میں حیرت انگیز عبور وکمال پیدا فرمالی۔ اور آپ کا شمار دلی کے صف اول کے علماء وفضلاء میں ہونے لگا۔

---

[1] آپ کے حالات حضرت مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب قاسمی ناظم شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی نے اپنی تصنیف ''الواح الصنادید حصہ اول'' میں نقل کیا ہے اسی سے ماخوذ ہے۔ یہ وہی انسٹی ٹیوٹ ہے جس کے تمام اراکین نے متفقہ طور سے امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ایوارڈ ۲۰۱۴ء سے، مرتب اقوال سلف شیخ طریقت حضرت مولانا شاہ محمد قمر الزماں صاحب الہ آبادی کو ان کی دینی، علمی، قومی اور ملی خدمات کا اعتراف کر کے مشرف فرمایا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔۔۔ از مقصود احمد قاسمی

شعر وشاعری: مولانا فقیرؔ جس طرح نحو، صرف، منطق، فلسفہ، علمِ بلاغت، فقہ، تفسیر اور حدیث میں مہارت تامہ اور ملکۂ راسخہ رکھتے تھے۔ اسی طرح شعر وشاعری میں بھی اعلیٰ قابلیتوں اور صلاحیتوں کے حامل تھے آپ اردو، فارسی، عربی تینوں زبانوں کے قادرالکلام شاعر تھے۔

پروفیسر زبیر قریشی مرحوم لکھتے ہیں کہ:

''فارغ التحصیل ہونے کے بعد جبکہ جوانی کا زمانہ تھا اور شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ ؒ کا دور دورہ تھا۔ غالبؔ اور مومنؔ عروج پر تھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اعلیٰ حضرت سراج الدین ابوظفر بہادر شاہ ظفر آخری تاجدار دہلی قلعہ معلیٰ کے مشاعروں کی صدارت فرمایا کرتے تھے۔ اس وقت فتح الملک مرزا داغ دہلوی مرحوم اور مولانا محمد حسین فقیرؔ دہلوی مرحوم ذوقؔ کے ارشد تلامذہ میں شمار کئے جاتے تھے۔

نمونہ کلام: مولانا فقیرؔ مرحوم کا وہ کلام بطور نمونہ پیش ہے جو آپ نے اپنے رب کے حضور کعبہ مکرمہ سے لپٹ کر پیش کیا ہے اس میں جہاں غضب کا سوز وگداز ہے وہیں فن شاعری کا اعلیٰ نمونہ بھی ہے۔ ؎

شکر حق ہے کہ وہی دور سے لایا ہم کو
اور یہ اپنا حرمِ پاک دکھایا ہم کو
رات دن رہتی تھی جس نور کی آنکھوں کو تلاش
اب تو مولیٰ نے وہی نور دکھایا ہم کو
ہم گنہگار چلے آئے ہیں تیرے در پر

پاک کر اب تو گنا ہوں سے خدارا ہم کو
شکر کر شکر فقیرؔ اپنے نصیب اچھے تھے
ڈھونڈھتے تھے جسے مدت سے وہ پایا ہم کو

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کے سامنے کھڑے ہوکر بھی بڑے دردوسوز کے ساتھ کہتے ہیں۔ ؎

یہ کس کا درد ہے دل میں فقیرؔ خستہ دل کہدو
جو ہر دم ہاتھ رکھ کر آپ سینہ دیکھ لیتے ہیں
فقیرؔ اپنا نصیب اب تو سکندر سے بھی بہتر
رہا محروم وہ ہم کو ملا پانی مدینے کا
میں نے جب دور سے وہ گنبدِ خضراء دیکھا
چشمِ حیراں کو جو دیکھا تو بہت تر دیکھا
کیونکر دل سیر ہو حضرت کی زیارت سے فقیرؔ
عمر بھر دیکھا تو گویا انھیں دم بھر دیکھا

فارسی کا کلام ملاحظہ ہو۔

چنانم کن تو یا غفار مشتاقِ رسول اللہ
کہ باہم خفتہ وبیدار مشتاقِ رسول اللہ
بداشتم کہ ہستی اے فقیرؔ دلِ حزین عاشق
کہ می خواند چنیں اشعار مشتاقِ رسول اللہ

عربی زبان وادب: مولانا محمد حسین فقیرؔ دہلوی کو اردو وفارسی کی طرح

عربی زبان وادب پر بڑا عبور ودرک حاصل تھا۔آپ وقائع عرب اور قدماء کے اچھوتے اسالیب اور عمدہ تراکیب سے خوب واقف تھے۔موصوف نہایت ہی سادہ شگفتہ زبان لکھتے اور بولتے تھے۔

آپ کی عربی تحریر وتقریر میں ''عجمیت'' بالکل نظر نہیں آتی تھی۔آپ ۱۲۹۴ھ میں قسطنطنیہ بھی گئے تھے۔قسطنطنیہ ہی میں آپ کو شیخ محمد ظافر الشاذلیؒ سے شرف نیاز حاصل ہوا۔شیخ محمد ظافر الشاذلیؒ ایک صاحب دل بزرگ تھے۔آپ مسلسل دوسال تک ان کی خدمت میں رہے اور ان کے روحانی فیوض وبرکات سے مستفیض ہوتے رہے۔دوسال بعد قسطنطنیہ سے ہندوستان واپس آگئے ۔

آپ قسطنطنیہ کے علاوہ مصر،یمن اور ترکی بھی تشریف لے گئے تھے ان تمام کمالات سے بڑھ کر مولانا کے اندر استغناء اعلیٰ درجہ کا تھا جس نے مولانا فقیرؔ کو عزیز الخلائق اور محبوبِ خلائق بنا دیا تھا۔جیسا کہ پروفیسر زبیر قریشی تحریر فرماتے ہیں کہ:

آپ کی امانت داری: ''مولانا فقیرؔ دنیا اور دنیاداروں سے بہت دور تھے آپ کی امانتداری اور دیانتداری شہرۂ آفاق تھی۔ریاست بھوپال کی شاہجہانی بیگم ترکی اور روسی جنگ (جنگ کریمیا) کے وقت دو لاکھ روپے سلطان روم کو بھیجنا چاہتی تھیں تو انھوں نے اس ذمہ داری کے کام کے لئے مولانا فقیرؔ ہی کو منتخب کیا۔۔۔۔۔۔چنانچہ آپ نے استنبول پہنچ کر وہ امانت سلطان روم کے حوالہ کردی۔وہاں آپ سلطان کے پیرومرشد شیخ الاسلام حضرت سلیمان آفندیؒ

کے مہمان ہوئے، ایک روز شیخ الاسلام سلیمان آفندیؒ نے آپ کو بتایا کہ حضور سلطانی میں باریابی حاصل ہوگی؟۔تو آپ نے موصوف کو جواب دیا کہ اے شیخ! فقیرؔ اور بادشاہ کا کیا جوڑ؟ بادشاہ سے ملاقی ہوکر مجھے طمع دنیا ہوگی اور اس دنیا میں تیاری آخرت کے لئے ہی ہونی چاہیئے ۔ چنانچہ مولانا فقیرؔ مرحوم اسی رات استنبول سے مصر روانہ ہوگئے۔اور وہاں پہنچ کر شیخ سلیمان آفندی کو لکھ دیا کہ دو لاکھ کی رسید مجھے یہاں بھیجدیں، چنانچہ رسید مل گئی اور آپ واپس پہنچ کر وہ رسید بیگم بھوپال کے حوالہ کردی اور دہلی واپس آگئے (دلی کی میگزین کا خصوصی شمارہ دلی نمبر ص ۲۳۷)

بیعت وارشاد: مولانا محمد حسین فقیرؔ بڑے متقی، پرہیزگار اور درویش صفت انسان تھے۔آپ مولانا مفتی مظفر حسین کاندھلویؒ کے روحانی مجاز وخلیفہ تھے اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بھی آخر میں بیعت ہوگئے تھے۔مولانا فقیرؔ پر ان بزرگوں کا گہرا اثر تھا۔وہ زہد وورع میں اسلاف متقدمین کی یادگار تھے۔

ف: معلوم ہوا کہ مشائخ کی صحبت وبیعت کا اثر وثمرہ، زہد وورع جیسے اوصاف حسنہ سے اتصاف ہونا چاہیئے ۔ اور اسی نیت سے بزرگوں کی صحبت اختیار کرنا چاہیئے۔واللہ الموفق، (مرتب)

مجالس وعظ: مولانا محمد حسین فقیرؔ دہلوی اپنے عہد کے عظیم مصلح، ریفارمر اور ممتاز واعظ تھے۔آپ دلی کی ٹکسالی زبان میں بہت ہی موثر وعظ فرماتے تھے۔ آپ کی مجالس وعظ میں لوگوں کا بڑا مجمع اکٹھا ہوتا تھا ۔ آپ مختلف دینی موضوعات پر وعظ فرماتے تھے۔لیکن آپ کا اصل موضوع ''توحید'' تھا۔ اور

ان مواعظ کا مرکز مدرسہ حسین بخش تھا۔ مگر آپ طبعاً شر وفساد اور پارٹی بازی سے گریزاں رہتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حسب معمول مدرسہ حسین بخش میں وعظ فرمارہے تھے۔ بعض اہل ہویٰ نے شور وغل مچا کر زبردست ہنگامہ کھڑا کردیا ادھر آپ کے معتقدین اور منتسبین بھی مقابلہ آرائی کے لئے تیار ہوگئے لیکن آپ نے بڑی دانشمندی سے اس ہنگامہ کو فرو کیا اور خاموشی سے اس مرکز کو تبدیل فرما کر کٹرہ گوکل شاہ میں اپنے مواعظ کا مرکز بنالیا۔ اور وہیں آپ اور آپ کے عالی مقام صاحبزادوں نے مسجد اور مدرسہ بھی قائم کردیا۔ اور اس مدرسہ کا نام حسینیہ حنفیہ تجویز فرمایا جس کی تعمیر ۱۳۱۶ء میں شروع ہوکر ۱۳۲۳ھ میں تکمیل کو پہنچی اسی طرح مولانائے فقیرؒ مدرسہ حسین بخش کے بجائے مدرسہ حسینیہ حنفیہ کٹرہ گوکل شاہ میں وعظ فرمانے لگے۔ اور اسی مدرسہ میں تاحین حیات وعظ فرماتے رہے۔ آپ کے انتقال کے بعد آپ کے بلند اقبال صاحبزادوں نے اس مفید سلسلہ کو جاری رکھا۔ الحمد اللہ آج اسی تاریخی مدرسہ میں مولانا آزاد اکیڈمی قائم ہے۔ مولانا آزاد اکیڈمی میں کالج اور یونیورسٹی کے طالب علموں کے لئے شبینہ تعلیم کا نظم کیا گیا ہے۔

تحریک ولی اللہی: مولانا محمد حسین فقیرؒ دہلوی ولی اللہی تحریک ومشن کے سرگرم رکن تھے۔ آپ نے زندگی بھر حضرت امام شاہ ولی اللہ کے افکار ونظریات کو دلی کی ٹکسالی زبان میں دلی والوں کے سامنے بیان فرمایا۔ مولانا فقیرؒ اور ان کا خاندان ولی اللہی فکر کا علمبردار ہے۔

تصانیف: مولانا محمد حسین فقیرؒ دہلویؒ کو تصنیف وتالیف کا بڑا اصاف ستھرا

مذاق تھا۔ آپ نے اگر چہ بہت کم لکھا ہے لیکن جو کچھ لکھا ہے اس سے آپ کا عالمانہ وقار قائم ہوجاتا ہے۔ آپ کی زیادہ تر تصانیف عربی میں ہے۔ آپ کی چند تصنیفات یہ ہیں

الحیاء لجماعۃ النساء۔ راحۃ ارواح المومنین فی مآثر الخلفاء الراشدین۔ ناصر دین مصطفیٰ۔

موصوف نے اپنے کلام کو بھی مختلف عنوان سے معنون فرما کر ان کو اور زیادہ مفید بنادیا ہے۔ لہٰذا آپ کے کلام کے مجموعے ان ناموں سے شائع ہوئے ہیں،

تیغ فقیرؔ۔ کلیات فقیرؔ۔ دیوان فقیرؔ۔ مناجات فقیرؔ۔ مثنوی نالۂ فقیرؔ۔ دیوان نصیحت اور شاخ پر میوہ وغیرہ۔

وفات: مولانا محمد حسین فقیرؔ دہلوی نے ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۲۴ھ کو بعمر اکیاسی (۸۱) سال داعی اجل کو لبیک کہا اور قبرستان ولی اللہی مہدیان دہلی میں سپرد خاک کئے گئے۔ آپ کی قبر جامعہ رحیمیہ کی مسجد کے صحن سے تقریباً (۱۰) میٹر کے فاصلے پر بجانب پورب واقع ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(الواح الصنادید حصہ اول صفحہ ۲۱۸)

حضرت مولانا سلطان احمد مئویؒ متوفی ۱۳۲۵ھ

نام ونسب مع ولادت: مولانا سلطان احمد مئوی اعظمی زمرۂ علمائے اعظم گڈھ کے گل سرسبد تھے، سرزمین اعظم گڈھ اپنے اس سپوت پر جتنا بھی ناز کرے بجا ہے۔ آپ ماہ شعبان ۱۲۸۵ھ میں قصبہ مئو میں پیدا ہوئے۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم قصبہ کے اساتذہ سے حاصل کی جن میں استاذ الکل حضرت مولانا امام الدین پنجابیؒ خاص طور سے قابل ذکر ہیں اس دور میں مدرسہ ''چشمۂ رحمت'' کی شہرت کا آفتاب نصف النہار پر تھا، حضرت مولانا محمد فاروق چریاکوٹیؒ حضرت مولانا عبدالعلیم حسین آبادیؒ اور حضرت مولانا حافظ عبداللہ غازی پوریؒ جیسے باکمال اصحاب علم وفن کی تعلیم وتدریسی سرگرمیوں سے چشمۂ رحمت بحرالعلوم بنا ہوا تھا۔ مولانا سلطان احمد نے ابتدائی تعلیم مکمل کر لینے کے بعد مدرسہ ''چشمۂ رحمت'' ہی کو اپنی علمی تگ ودو کا مرکز بنایا اور مذکورہ بالا اساتذہ کی خدمت میں رہ کر علوم مروجہ کی تعلیم وتحصیل کی اور ۱۳۰۹ھ میں فراغت حاصل کی، فراغتِ تعلیم کے بعد علماء وفضلاء کے طرز پر وطن مالوف میں درس وتدریس کا مشغلہ شروع کر دیا، درس میں منطق، اصول اور ادب سبھی علوم کی کتابیں رہتی تھیں۔

دارالعلوم مئو: مولانا کی زندگی کا سب سے تابندہ اور روشن کارنامہ جس نے آپ کے نام کو حیاتِ جاوید بخشی مدرسہ دارالعلوم مئو کا قیام ہے، ضلع اعظم گڈھ کی

علمی تاریخ میں دارالعلوم مئو ایک مرکزی اور بنیادی حیثیت رکھتا ہے، اس کی آغوش تربیت میں ایسے ایسے نادرۂ روزگار اور شہرۂ آفاق علماء ومشائخ نے نشوونما پائی ہے جن کی علمی تحقیق کا غلغلہ صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ عالم اسلام میں بھی بلند ہے۔

اللہ تعالی نے مولانا سلطان احمد کو بے پناہ علمی صلاحیتوں سے نوازا تھا، مگر افسوس کہ آپ اوائل عمر ہی میں ایسے مہلک مرض کے شکار ہو گئے تھے کہ تعلیمی وتدریسی مشغلے کو یکسر بند کر دینا پڑا اور ان صلاحیتوں کو منظرِ عام پر آنے کا موقع نہ مل سکا، البتہ مولانا اس مرض کی حالت میں بھی اپنے قائم کردہ مدرسہ دارالعلوم کی تنظیم وترقی میں زندگی کی آخری سانس تک منہمک رہے اور بالآخر دارالعلوم ہی کی محبت کو سینے سے لگائے رہے۔

وفات: چالیس برس کی عمر میں ۱۳۲۵ھ میں دارِ فانی سے رحلت فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون پسماندگان میں ایک بیوہ، ایک کم سن لڑکا محمد مصطفیٰ کو چھوڑا جو بعد میں ایک ممتاز شاعر کی حیثیت سے ادبی دنیا میں مشہور ہوئے۔

(تذکرہ علماء اعظم گڈھ ص ۱۴۶)

حضرت مولانا محمد عبدالشکور الہ آبادیؒ[1] متوفی ۱۳۲۵ھ

نام ونسب: نام محمد عبدالشکور، آپ ''رحمان علی'' کے نام سے مشہور ومعروف ہیں۔ والد کا نام حکیم شیر علی ہے اور بڑے بھائی کا نام حکیم احسان علی ہے جو ''طب احسانی'' کے مؤلف ہیں۔

ولادت: آپ کی ولادت ۲/ذی الحجہ ۱۲۴۴ھ مطابق ۵/جون ۱۸۲۹ء کو احمد آباد، نارہ ضلع الہ آباد موجودہ ''کوشامبی'' میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت: رسم بسم اللہ ادا کرنے کے بعد گھر پر والد صاحب کی سرپرستی میں قرآن مجید ناظرہ اور فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، جب انکی عمر گیارہ بارہ برس کے درمیان تھی تو ان کے والد حکیم شیر علیؒ سات لڑکوں اور پانچ لڑکیوں اور انکی اولاد کو چھوڑ کر رمضان ۱۲۵۶ھ (نومبر ۱۸۴۱ء) میں انتقال کر گئے، اس وقت ان کے بڑے بھائی حکیم احسان علی فتحپور ہنسوہ میں مقیم تھے، والد کے انتقال کے بعد انھیں کی سرپرستی میں فتحپور جا کر بقیہ تعلیم مکمل کی۔

اساتذہ کرام: رحمان علی نے اس کتاب کے آخر میں جو اپنا مختصر تذکرہ لکھا ہے اس میں درج ذیل اساتذہ کا نام تحریر کیا ہے۔

---

[1] آپ کا تذکرہ حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی معروفیؒ نے آپ کی کتاب بزبان فارسی ''تذکرہ علماء ھند'' کے اردو ترجمہ کے شروع میں کیا ہے نیز خود صاحب کتاب نے بھی اپنی سوانح لکھا ہے انہیں دونوں سے مختصراً یہ مضمون پیش ہے۔ (مرتب)۔

(۱) مولانا محمد شکور مچھلی شہریؒ صدر الصدور ضلع فتحپور (۲) مولانا ثابت علی بھکویؒ (۳) مولوی سیّد حسین علی فتحپوریؒ (۴) مولانا شاہ محمد سلامت اللہ بدایونی کانپوریؒ (۵) مولانا عبداللہ زید پوریؒ (۶) مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتیؒ۔

ان میں سے مولانا شاہ محمد سلامت اللہؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور ان کے بھائی مولانا شاہ رفیع الدین دہلویؒ کے شاگرد تھے، مولانا محمد سلامت اللہ نے حدیث وتفسیر انھیں دونوں بزرگوں سے دہلی جاکر پڑھی تھی اور انھوں نے کانپور میں ایک مسجد بھی بنوائی تھی۔ ان اساتذہ کے علاوہ آپ نے مفتی محمد اسد اللہ الہ آبادیؒ سے، جو فتحپور کی عدالت کے مفتی تھے شرح عقائد نسفی اور مشکوٰۃ شریف سبقاً سبقاً پڑھی تھی۔

(تذکرہ علمائے ہند حالات مفتی محمد اسد اللہ الہ آبادی)۔

بیعت وسلوک: حضرت مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی خلیفہء ومجاز قطب عالم حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور خلافت سے سرفراز ہوکر حضرت مولانا محمد حسین صاحبؒ کے ساتھ حج کرنے گئے، اس وقت حاجی امداد اللہ صاحبؒ مکہ معظّمہ میں رہتے تھے۔ حضرت مولانا محمد حسینؒ نے اپنے مرید رحمان علی صاحبؒ کے اوصاف بیان کرنے کے ساتھ حاجی صاحبؒ سے ملایا تو حضرت حاجی صاحبؒ نے بہت شفقت فرمائی اور خلافت بیعت کی تائید فرمائی۔

فارغ البالی: یتیمی کی حالت میں جو نونہال گلشن تعلیم میں لگایا گیا تھا وہ علم وتحقیق کا تناور درخت ہوکر ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۸۵۱ء میں ریاست ریواں پہنچا اور اس ریاست میں جے پور کی سفارت سے ترقی کرتے ہوئے، ریاست کی

کچہری کا پیشکار پھر فوج کا نظم وانصرام، پرمٹ کی منتظمی، ڈپٹی مجسٹریٹی، سول ججی کے منازل طے کرتا ہوا ریاست کی کونسل کی ممبری تک پہونچ گیا اور ۱۸۸۴ء میں سکریٹری کے اختیارات تک حاصل کر لئے اور پھر ۱۸۸۷ء میں خان بہادر کے خطاب سے سرفراز ہوگیا۔ یہ ہے قادر مطلق کی قدرت کا کرشمہ۔

دینی خدمات: یہ خدمت نہ صرف کتابوں کی تصنیف وتالیف، سیرتِ نبوی کے مختصر رسالہ تحفہء مقبول، اور سننِ زوائد میں آداب احمدی، اور حدیث ''بنی الاسلام علیٰ خمسٍ'' کی شرح وغیرہ تیرہ چودہ کتابوں تک محدود ہیں بلکہ قصبہ ریواں (ایم پی) میں ایک عظیم الشان سنگی مسجد بھی آپ کی باقیات الصالحات میں سے ہے جسکو ۱۲۷۸ھ مطابق ۱۸۶۱ء میں اس لئے بنوالیا تھا کہ ''لوگ یکسو ہوکر صرف اللہ کی عبادت کریں جس کے لئے دین خالص ہے،، ذیل کی آیت کریمہ اس مسجد کے صدر دروازہ پر کندہ ہے جس سے تعمیر مسجد کی ہجری تاریخ بھی برآمد ہوتی ہے۔ **لیعبدو اللہ مخلصین لہ الدین حُنفآء** یعنی ۱۲۷۸ھ۔

پھر ریاست سے دوامی طور پر ملا ہوا گاؤں بھی اس مسجد پر وقف کر دیا تاکہ پیش امام ومؤذن کی تنخواہ، اور جانماز کی فراہمی اور مسجد کی مرمت میں کوئی دشواری نہ پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین۔

تذکرہ علمائے ہند: آپ نے ہندستان کے اہل علم، اہل قلم، اور اہل دل حضرات اکابر کی سوانح تحریر فرمائی ہے جس کا نام ''تذکرہ علمائے ہند'' اور اس کا لقب ''تحفۃ الفضلاء فی تراجم الکبیر'' رکھا ہے۔ یہ کتاب اختصار کے باوجود جامع اور سلیس وشگفتہ ہونے کے ساتھ ساتھ یہ کتاب فصاحت وبلاغت، اور بے تکلف

سجع وقافیہ کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔اب ہم مصنف کے قلم سے لکھے ہوئے مقدمہ کا اردو میں ترجمہ نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

بسمُ اللہ الرحمٰن الرَّحیمِ

خزانہ حکیم کے دروازہ کی کنجی ہے

اسی حکیم کے لئے بے انتہاء تعریف اور غیر محدود ثنا ہے جس نے قلم سے علم سکھایا، اسی دانا کے لئے بے انداز توصیف ہے جس نے نادان انسان کو دانائی بخشی، وہ ایسا حکیم ہے جس نے مقرب فرشتوں سے یہ کہلوایا ''سُبحَانَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا'' سبحان اللہ! ہم کو تو اتنی ہی معلومات ہے جتنی آپ نے سکھائی۔'' وہ ایسا علیم ہے جس نے انسانوں کو تسلی دیتے ہوئے یہ یاد دہانی کی ''کہ تمھیں تو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے'' پس دعا کرو کہ ''اے رب میرے علم کو بڑھادے''۔اس کی شان بہت بلند، اور اس کی حکومت دائمی ہے۔

درود وسلام کا عطر بیز گلدستہ اس بارگاہِ اقدس پر نچھاور ہو جن کی نبوت کے نقارہ نے آسمان کی بلندی تک یہ صدا پہونچادی کہ ''علماء انبیاء کے وارث ہیں'' اور فرشتوں کو اس حکم سے گوش آشنا کر دیا کہ ''میں علم کا شہر ہوں'' اللہ پاک کے طرف سے آپ کی ذاتِ عالی پر درود ہو اور آپ کے آل واصحاب پر درود جو پاک پاکیزہ ہیں اور ہدایت یافتہ، دوسروں کو ہدایت دینے والے ہیں۔

اس حمد ونعت کے بعد: یہ بات پوشیدہ نہ رہنی چاہئے کہ ''ہندوستان'' جیسے عظیم المرتبت ملک میں اسلام کی ابتدائی اشاعت سے لے کر آج تک بیشمار علماء عظام اور فضلاء کرام گذرے ہیں جن کا نام آج تک زندہ اور ان کے علوم وفنون

آج تک کتابوں میں موجود ہیں اگر چہ وہ قبر کے گوشۂ عافیت میں آرام فرما رہے ہیں بقول جامی علیہ الرحمہ ؎

زدانایاں بود ایں نکتہ مشہور　　کہ دانش در کتب دانا است در گور

ترجمہ: عقلمندوں سے یہ نکتہ مشہور ہے۔ کہ اہل علم قبروں میں ہیں اور انکی حکمت، کتابوں میں موجود ہے۔

وفات: ''تذکرہ قاریانِ ہند'' کے مصنف نے انکی وفات ۱۳۰۴ھ تقریباً تحریر کر دیا ہے (جلد: ۲ صفحہ: ۲۹۴) لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ مصنفؒ نے اس کتاب میں نواب صدیق حسن خانصاحب اور مولوی عبد القادر صاحب ساکن ہوگلی کے حالات میں لکھا ہے کہ ان دونوں کی وفات ۱۳۰۷ھ میں ہوئی ہے۔ پس مصنف بالیقین اس سنہ تک زندہ سلامت تھے۔

مولانا اسیرؔ ادروی ایڈیٹر'' ترجمان الاسلام بنارس'' نے انکی تاریخ وفات ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء بتائی ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(تذکرہ علماء ہند صفحہ: ۴)

حضرت سید شاہ ضیاء النبی صاحب رائے بریلویؒ م:۱۳۲۶ھ

نام ونسب وولادت: حضرت سید ضیاء النبی مولوی سعید الدین کے صاحبزادہ ہیں اور قطب الاقطاب شیخ الاجل حضرت سید شاہ علم اللہ نقشبندیؒ کی چھٹی پشت میں ہیں، دنیا کی برکت، خلقتِ انسانی کا مقصد کامل وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ کی عملی تفسیر اور معرفت کے لب لباب تھے، ان کا وجود اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، رائے بریلی میں اپنے جد امجد حضرت شاہ علم اللہ کے دائرے میں ۱۲۴۲ھ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم: احتیاط ونگہداشت، عفت وطہارت اور للّٰہیت میں نشو ونما ہوا، کچھ ابتدائی تعلیم رائے بریلی میں حاصل کی، پھر پیدل دہلی کا سفر کیا، بیس دن میں پہونچے، حضرت شاہ احمد شہیدؒ اور مولانا شاہ عبدالغنی صاحبؒ کا زمانہ تھا، انہیں کی خانقاہ (مجددیہ) میں قیام کیا، دو سال ٹھہر کر لکھنؤ گئے، دبیر الدولہ کی مسجد میں مفتی سعد اللہ صاحب مراد آبادیؒ کے پاس قیام کیا اور ان سے اور بعض دوسرے علماء سے کچھ درسی کتابیں پڑھیں، پھر وطن واپس تشریف لائے، اور مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادیؒ سے طریقت کی تعلیم حاصل کی اور ایک مدت تک ان کی خدمت میں رہے، پھر وطن واپس آئے، انکی وفات کے بعد ان کے خلیفہ فیض اللہ اورنگ آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے مزید تربیت حاصل کی اور ان کے مجاز طریقت ہوئے۔

۱۲۹۳ھ میں حج سے مشرف ہوئے، حج سے واپسی پر علماء ومشائخ کا

بکثرت رجوع ہوااورانہوں نے حاضر ہوکر طریقت کی تعلیم اور فیوض روحانی حاصل کیا،مریدین میں سے مولانا ابوالخیر مکی جونپوریؒ ابن مولانا سخاوت علیؒ ،مولانا محمد بردوانیؒ ،مولانا محمد ابراہیم آروی صاحبؒ مصنف طریق النجاۃ،مولانا عبدالقادر ابن عبداللہؒ ساکن مئو،مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ وغیرہ ہیں، راقم الحروف کو بھی صحبت کی سعادت حاصل ہوئی ہے ،میں نے آپ سے[1] طریقہ احسنیہ کی تعلیم حاصل کیاہے، آپ کو مجھ سے بڑی محبت تھی اور مجھ پر نہایت شفقت فرماتے تھے ،جب اللہ تعالی نے مجھے ہندوستان کے اساتذہ حدیث کی خدمت میں حاضر ہونے کی توفیق بخشی اور وطن واپس ہوا تو آپ نے مجھے ''حصن حصین'' سنائی اور اس کی اجازت لی،یہ میرے لئے اتنا بڑا فخر اور اتنی بڑی سعادت ہے کہ میں امید کرتا ہوں کہ شاید اللہ تعالی اس کی برکت سے میری مغفرت فرمادے۔

(نزہۃ الخواطر،کاروانِ ایمان وعزیمت ۱۶۲)

وفات : آپ کی وفات ۱۳۲۶ھ میں ہوئی،تکیہ رائے بریلی میں مدفون ہوئے۔نوراللہ مرقدہ۔

آپ کے ایک خلیفہ حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ سے جو نفع پہنچا اور عقائد واعمال کی جو اصلاح ہوئی اس کے اثرات رائے بریلی، پرتاب گڈھ، سلطانپور، جونپور، اعظم گڈھ کے قصبات و دیہاتوں میں دیکھے جاسکتے ہیں ان کے مریدین میں جو تشرع واستقامت فرائض کی پابندی اور دینی پختگی ہے اس کی

---

(۱) حضرت سید آدم بنوریؒ کے طریقہ خاص کو کہتے ہیں جو حضرت شاہ علم اللہ صاحبؒ اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے یہاں رائج تھا(مرتب)

مثال کم ملے گی ،گو جرقوم کی اصلاح وتربیت ان کی زندگی کا بڑا کارنامہ ہے، آپ اپنے زمانہ میں حضرت مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادیؒ کے (جن سے آپ حضرت سید ضیاء النبیؒ کے واسطہ سے بیعت ہیں) جانشین اوران کے نمونہ کامل تھے اور حقیقت یہ ہے کہ شریعت پر استقامت اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں آپ اپنے زمانہ کے امام تھے، تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو''یاد گار سلف'' مولفہ مولانا نجم الدین اصلاحی۔(کاروان ایمان وعزیمت صفحہ:۱۶۵)

حضرت مولانا محمد فاورق صاحب چریا کوٹیؒ متوفی ۱۳۲۷ھ

نام ونسب وتعلیم : مولانا محمد فاروق بن قاضی علی اکبر بن قاضی عطا رسول عباسی ضلع اعظم گڈھ کے مردم خیز قصبہ چریا کوٹ کے رہنے والے تھے، فارسی اورنحو وصرف، منطق، فلسفہ اپنے بڑے بھائی مولانا عنایت رسول صاحب سے پڑھا، ہدایہ اور اصول فقہ مفتی محمد یوسف فرنگی محلیؒ متوفی ۱۲۵۵ھ (استاذ مدرسہ حنفیہ جونپور) سے اور ہیئت کافن مولانا رحمت اللہ فرنگی محلیؒ متوفی ۱۳۰۵ھ (بانی مدرسہ چشمہء رحمت غازی پور) سے اور حاشیہ زاہدیہ برشرح ملا جلال مولوی ابو الحسن منطقیؒ متوفی ۱۲۹۲ھ سے اور بعض علوم مفتی نعمت اللہ فرنگی محلیؒ متوفی ۱۲۹۹ھ سے پڑھا، علم ادب بطور خود حاصل کیا تھا، علوم معقول، منقول، ریاضی، ادبیات وغیرہ جملہ علوم وفنون پر ان کو کامل عبور تھا، یہاں تک کہ موسیقی کے فن میں بھی دسترس حاصل تھی، ان کے طرز تعلیم کی خاص خصوصیت یہ تھی کہ وہ کتاب سے علیحدہ ہوکر نفس مسئلہ کی ایسی تعلیم دیتے تھے کہ اس کا ہر گوشہ طالب علم کے سامنے روشن ہوجاتا تھا، مختلف مدرسوں میں وہ مدرس رہے سب سے پہلے مدرسۂ چشمہء رحمت غازی پور میں مدرس ہوئے، پھر اعظم گڈھ کے مدرسہ میں آئے، کان پور کے کسی مدرسہ میں بھی مدرسی کی، سہسرام کے مدرسہ خانقاہ میں بھی کچھ دنوں رہے، الہ آباد کے مدرسہ احیاء العلوم میں بھی قیام رہا، ۱۳۱۷ھ میں جب ندوۃ العلماء نے لکھنؤ میں اپنا دارالعلوم قائم کیا تو موصوف اس میں مدرس اعلیٰ مقرر ہوئے،

۱۹۰۴ء میں جب علامہ شبلی دارالعلوم کے معتمد مقرر ہوئے تو مولانا نے ترکِ ملازمت کر کے بلیا میں وکالت شروع کی، اسی زمانہ میں بعض شائقین انگریز کو عربی پڑھائی، آخر میں ۱۹۰۹ء مطابق ۱۳۲۷ھ میں مولانا شبلی نعمانی نے پھر ان کو دارالعلوم میں ادیب اول کے عہدہ پر بلایا، چندروز رہ کر غازی پور گئے تھے کہ اسباب وسامان یہاں یعنی دارالعلوم ندوۃ لے آئیں، لیکن عمر نے ساتھ نہ دیا انتقال ہوگیا۔

فضل وکمال: مولانا محمد فاروق صاحبؒ کو علوم عربیہ کے علاوہ فارسی نظم ونثر میں ید طولیٰ حاصل تھا اور اس زمانہ کے کمالات کے مطابق صنائع وبدائع کا خاص شوق رکھتے تھے، مثلاً غیر منقوط قصائد اور خطبے، مولانا کی تصنیفات میں عربی وفارسی نظم ونثر کے بعض رسائل یادگار ہیں علمی ذوق اس قدر غالب تھا کہ سخت سے سخت دنیاوی کشمکشوں میں بھی تعلیم وتعلّم کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا ، تمام مسائلِ علمیہ میں مجتہدانہ شان رکھتے تھے اور جب کوئی کتاب پڑھاتے تھے تو عموماً مصنف کی فروگذاشتوں سے تعرض ضرور کرتے تھے۔

مولانا کے فارسی کلام کا نمونہ یہ ہے:

رسید ور بودی دین ودل در جنبش چشمے بہ یک گردش چوجام بادہ کارم ساختی رفتی
بہ گلشن آمدی وغنچہ رادر خوں جگر کردی نسیم آسا سمندر ناز برگل تاختی رفتی

نہ دارد چشم من تاب جمالت بیاچوں مسرد مک دردیدہ جاکن!
نہ دارد دل دگر تاب طپید نگاہِ خویش رارحم آشنا کن!

نہ آں پیالہ نہ آں مے نہ آں چمن باقیست مگر زبیخود یم قصّہ کہن باقیست
چناں گداختہ ام من کہ غیر یادتو نیست زمن ہر آنچہ در آغوش پیرہن باقیست
بہر چہ داد خداوند شادم ولیکن درونِ دل ہوس طائف ویمن باقیست
خجل زمنت دشنامِ تو شد اے جاں کہ برزباں تو زیں حیلہ یادمن باقیست

حج وزیارت: ماشاءاللہ آپ حج وزیارت سے مشرف ہوئے اور وہاں کے علماء ومشائخ کی مجلسوں سے استفادہ کیا۔

مولانا کے شاگردوں کی فہرست طویل ہے، جن میں علامہ شبلی نعمانی خاص طور سے قابل ذکر ہیں، مولانا شبلی مرحوم نے لکھا ہے کہ میری تمام تر کائنات انھیں کے افادات ہیں۔ (تذکرہ علمائے ہند صفحہ:۲۰۷ وتذکرہ علمائے حال صفحہ:۸۴ ونزہہ صفحہ:۴۵۱ جلد:۸ وحیات شبلی صفحہ:۷۲و۷۳)

وفات: رمضان ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۹ء میں غازی پور یوپی میں وفات ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (تذکرہ علماء اعظم گڈھ صفحہ:۳۷۸)

حضرت مولانا صوفی احمد میاں صاحب لاجپوری متوفی ۱۳۲۷ھ

نام ونسب مع ولادت: نام مولانا احمد میاں والد کا نام حضرت شاہ صوفی سلیمان صاحب ہے، آپکی ولادت ۹/ذی قعدہ ۱۲۹۴ھ بروز چہارشنبہ ہوئی۔

تعلیم: قرآن مجید حافظ احمد اوٹے والے اور حافظ احمد مالویہ صاحب سے پڑھا، گجراتی اور اردو کی تعلیم اردو اسکول لاجپور میں حاصل کی اور ابتدائی فارسی کی کتابیں اپنے والد بزرگوار حضرت صوفی صاحبؒ سے پڑھیں، ابتدائی عربی کے اساتذہ کا حال معلوم نہ ہوسکا۔

اساتذہ: حضرت صوفی صاحبؒ ۱۸۹۰ء میں رنگون تشریف لے گئے اور کچھ عرصہ بعد مولوی صاحب کو بھی وہیں بلوالیا، رنگون میں آپ نے مولانا سلطان احمد پنجابیؒ سے عربی کی تعلیم کے سلسلہ میں سبعہ معلقہ وغیرہ ادب کی کتابیں پڑھیں، بعد ازاں حضرت صوفی صاحب نے مولانا کو بغرض تکمیل دہلی بھیج دیا، مولانا نے تین چار سال دہلی میں رہ کر مختلف علوم وفنون کی کتابیں متعدد اساتذہ سے پڑھیں، مدرسہ فتحپوری کے اساتذہ سے بھی تحصیل علم کا موقع ملا۔

حدیث وتفسیر مولانا رحیم بخش صاحب دہلویؒ سے پڑھیں اور معقولات میں منطق، فلسفہ، ریاضی، اقلیدس، ہیئت وعلم کلام وغیرہ کی درسی کتابیں مولانا محمد اسحاق صاحبؒ تلمیذ مولانا عبدالحق صاحب خیرآبادیؒ سے پڑھیں، مولانا احمد میاں صاحبؒ بیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوکر دہلی سے ۱۳۱۳ھ میں

لاج پور آئے اس وقت لاج پور اور اس کے اطراف میں تعلیم عربی کا کوئی سلسلہ نہیں تھا صرف راندیر میں مدرسہ اشرفیہ اور کٹھور میں مدرسہ اسلامیہ میں علوم عربیہ کی تعلیم ہوتی تھی۔

تدریس: ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں مولانا احمد میاں صاحب نے للہ فی اللہ مدرسہ اسلامیہ لاجپور کو از سر نو جاری کیا اور نہایت تن دہی وشوق سے درس نظامی کے موافق بالترتیب باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ شروع کیا جس سے اطراف واکناف بلکہ دور دراز کے تشنۂ علوم طلباء نے آپ سے ایک معتد بہ حد تک علوم عربیہ کی تحصیل کی۔

مدارس اسلامیہ ہند کے طرز پر باقاعدہ ترتیب وار علوم عربیہ کی تعلیم وتدریس میں آپ کا درس ۱۳۲۰ھ کے قبل گجرات میں ممتاز تھا۔

تلامذہ: ضلع سورت کے اکثر علماء آپ سے مستفید اور آپ کے دامن سے وابستہ ہیں، مولانا احمد حسنؒ بانی جامعہ ڈابھیل، مولانا احمد بزرگؒ سابق مہتمم جامعہ ڈابھیل، مولانا احمد درویشؒ ڈابھیل، حاجی ابراہیم میاں صاحب سملکیؒ اور ننگ تلامذہ راقم الحروف مرغوب احمد لاجپوری آپ ہی کے دامن فیض سے وابستہ ہیں۔

تصانیف: مولانا مرحوم کو تصنیف وتالیف کا شوق دہلی کی طالبعلمی کے زمانہ سے ہی پیدا ہو گیا تھا جبکہ حضرت صوفی صاحبؒ نے اپنے شاذلی سلسلہ کے ایک بزرگ قطب زماں حضرت سید احمد ادریسؒ کا قلمی رسالہ بنام ''عقد النفیس'' ترجمہ کے لئے استاذ مرحوم کو دیا یہ رسالہ تصوف کے چار قاعدوں پر مشتمل

تھا، مولانا نے دو قاعدوں کا اضافہ کر کے نہایت بسط کے ساتھ آیات، احادیث، اخبار، حکایات، وتمثیلات وچیدہ چیدہ مفید عربی فارسی اشعار سے مزین فرما کر ایک مستقل کتاب بنام ''ہدیۃ الجلیس شرح عقد النفیس'' تصنیف فرمائی۔ درس وتدریس کے ساتھ تراجم کتب کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

وفات: افسوس کہ مولانا مرحوم کی یہ آرزو بھی پوری نہ ہونے پائی تھی کہ حیات مستعار کا مختصر پیمانہ لبریز ہو گیا اور دو ماہ کی علالت کے بعد مؤرخہ ۷ رشعبان ۱۳۲۷ھ بروز سہ شنبہ ۲۴ راگست ۱۹۰۹ء کو عین عالم شباب میں بعمر ۳۳ سال وفات پائی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(ذکر صالحین ج ۲ ص ۳۴۸)

حضرت مولوی حافظ ناظر علی کاکوریؒ متوفی ۱۳۲۹ھ

نام ونسب: نام ناظر علی والد کا نام حکیم شیخ فضل علی ہے۔آپ حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کے والد ہیں۔

ولادت وتعلیم: مولوی ناظر علی صاحبؒ اپنے آبائی وطن کاکوری ضلع لکھنؤ میں ۱۸۴۴ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کاکوری میں ہوئی اور بچپن کا زمانہ بھی وہیں گذرا، جب سن شعور کو پہنچے تو آپ کے والد ماجد حکیم شیخ فضل علیؒ (م ۱۹۰۱ء) آپ کو لے کر لکھنؤ آئے آج کل کی طرح مدارس نہیں تھے، بلکہ ہر علم وفن کے اساتذہ کے اپنے مخصوص نجی حلقے ہوا کرتے تھے جن میں وہ اپنے شاگردوں کو تعلیم دیتے تھے چنانچہ انہی حلقوں میں سے بعض میں مولوی صاحبؒ کو بھی داخل کر دیا گیا۔فارسی کا مروجہ نصاب اور عربی کی ضروری درسیات کی تکمیل کے بعد آپ نے اپنے والد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے طب کی تعلیم بھی حاصل کی۔ باوجود تلاش و تحقیق کے یہ پتہ نہ چل سکا کہ مولوی صاحبؒ نے اس زمانے کے کن اساتذہ سے استفادہ کیا تھا۔آپ کے بعض مکاتیب سے بس اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے فقہ اور تصوف کے دقیق مسائل پر بہت کچھ لکھا ہے۔غالباً اسی علمی ذوق کی بناء پر مسند وقت، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلیؒ (م ۱۳۰۴) سے بھی آپ کو بڑی عقیدت تھی اور ان سے خاص روابط تھے، اسی لئے ان دونوں بزرگوں کے درمیان علمی معاملات میں مراسلت بھی ہوا کرتی تھی۔

ملازمت: آپ کے والد حکیم فضل علی ضلع فتح پور یوپی کی کلکٹری میں محرر نیلامی کی حیثیت سے ملازم تھے۔ اس کے بعد کے حالات بغرض اختصار حذف کئے جاتے ہیں۔

وضع قطع اور رہن سہنؒ: وضع قطع کے لحاظ سے آپ نہایت سادگی پسند تھے، ہمیشہ فقیرانہ زندگی بسر کی، امارت کی بو کبھی پاس نہ پھٹکی، وہی پرانی وضع کا کرتہ اور چوڑے پائچے کا اونچا پائجامہ آپ کا لباس تھا البتہ جب عدالت میں بیٹھتے تو بہت صاف ستھرا انگرکھا زیبِ تن کرتے اور نہایت پر وقار انداز میں عمدہ فیصلہ کرتے تھے، عمدہ کھانے کا بھی شوق نہ تھا، اکثر مٹی کے برتن میں کھانا کھاتے اور اسی کو پسند کرتے تھے، گورنمنٹ برطانیہ کے درباروں میں ہمیشہ مدعو کئے جاتے مگر ایک بار کے علاوہ کبھی شریک نہیں ہوئے۔

انصاف ورحم دلی: باوجودیکہ دین میں پختگی بہت غالب تھی مگر رعایا اور ماتحت عملہ کو جن میں ہندو اور شیعہ دونوں ہوتے تھے کبھی ان پر تعصب کا گمان کرنے کا موقع نہیں ملا، رحیم و کریم اس قدر تھے کہ کسی کو سزا دیتے بھی تو فیصلہ لکھتے وقت خود بھی رونے لگتے تھے، یوروپین حکام سے بہت کم ملتے تھے، مسٹر رستم جی کلکٹر فتح پور نے ایک مرتبہ اپنے ضلع کے تمام تحصیلداروں کے نام یہ حکم جاری کیا تھا کہ سب لوگ اسی طرح فیصلہ لکھا کریں جس طرح مولوی ناظر علی فیصلہ لکھتے ہیں۔

علم دین اور توکل علی اللہ: لوگ عموماً اپنے بچوں کو تعلیم و تربیت ایسی دینا چاہتے ہیں جو زمانے اور حالات کے مطابق ہو، سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد

ہندوستان میں ایسے حالات پیدا ہوئے کہ عربی اور فارسی کے بجائے انگریزی زبان سیکھنا زیادہ فائدہ مند سمجھا جانے لگا تھا چنانچہ عربی و فارسی کی تعلیم کی اہمیت گھٹنے لگی خاص طور سے علوم دینیہ کی طرف سے تو لوگوں کی رغبت کم سے کم تر ہونے لگی تھی۔ اسی قسم کے ماحول سے مولوی صاحبؒ کو بھی سابقہ پڑا چنانچہ آپ کے ہونہار بیٹے حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ (م ۱۹۶۲ء) کی دینی تعلیم حاصل کرنے کے زمانے میں مولوی صاحبؒ کے بہت سے احباب یہ کہتے تھے کہ آپ اپنے لڑکے کی عمر کیوں ضائع کر رہے ہیں، کچھ تھوڑی سی فارسی پڑھا کر انگریزی پڑھائیے، اب زمانہ انگریزی کا ہے، خدا نے آپ کو ایسے گرانقدر عہدہ پر فائز کیا ہے اور یوروپین حکام بھی آپ کی بڑی قدر و منزلت کرتے ہیں لہذا آپ کی سفارش رائیگاں نہیں جائے گی وغیرہ وغیرہ۔ اولاً احباب کے اصرار کو خاموشی سے ٹال دیتے مگر جب ایک دن بہت مجبور کیا گیا تو فرمایا ''بھائی دنیا تو کسی نہ کسی طرح گذر ہی جائے گی، رزق کا ذمہ دار حق تعالیٰ شانہ ہو ہی چکا ہے اس کے لئے اس قدر پریشانی اور بلیغ کوشش کی کیا ضرورت ہے ہاں جو کچھ کوشش ہو سکے دین کے لئے ہونی چاہئے''۔

غم دیں خور کہ غم غمِ دین است　　ہمہ غم ہا فرو تر ازاین است

یہ تو ان کے احباب کی کیفیت تھی، کئی مرتبہ ان سے ان کے یوروپین حکام اعلیٰ نے بھی باصرار کہا کہ آپ اپنے لڑکے کو انگریزی پڑھوائیے، ہم ابتداء ہی سے اس کو کوئی بڑا عہدہ دے دیں گے مگر آپ کے ارادے میں ذرا بھی فرق نہ آیا اور اس سلسلہ میں وہ حضرت رب العزت سے جو عہد کر چکے تھے اس پر خوب

مضبوطی سے قائم رہے۔ یہ تھا علم دین سے لگاؤ، شغف اور توکل علی اللہ، دنیاوی ترقی اور فلاح و بہبودی کے تمام وسائل موجود تھے بلکہ قدموں میں تھے لیکن ان کے عزم وثبات میں ذرا بھی تزلزل نہ آیا، چاہتے تو صاحبزادے کو انگریزی پڑھا کر اونچے عہدے دلوا سکتے تھے مگر اللہ رے ثابت قدمی، تقویٰ اور قناعت پسندی لیکن ہاں ہونا بھی یہی چاہئے تھا جو مولوی صاحبؒ چاہتے تھے کیونکہ مشیت مولیٰ بھی یہی تھی، اگر حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ انگریزی تعلیم حاصل کر کے دنیاوی مفادات کے حصول میں لگ جاتے تو آگے چل کر دین کی وہ خدمت اور اعدائے دین سے وہ دفاع کون کرتا جو قدرت کو ان کے ہاتھوں کرانا منظور تھا، اللہ رب العزت کو تو دنیا میں ان کے ذریعہ کفر اور شرک و بدعت اور شیعیت کی بیخ کنی کے لئے ایک منظم تحریک چلانا مقصود تھی پھر یہ کون چلاتا؟

بیعت و اجازت: فتحپور کے زمانۂ قیام میں مولوی ناظر علیؒ کو جہاں دنیاوی عزت اور مرتبہ حاصل ہوا وہیں روحانی ترقی اور سلوک کی اعلیٰ منزل پر پہنچنے کا ذریعہ بھی ہاتھ آ گیا یعنی آپ اپنی قدیم خاندانی روایات سے ہٹ کر سلسلہ چشتیہ کے بجائے نقشبندیہ سلسلہ کے ایک گوہر نایاب یعنی حضرت مولانا شاہ عبدالسلام صاحب ہنسویؒ (م ۱۲۹۹ھ) سے بیعت ہوئے اور پھر انہیں سے آپ کو خلافت بھی حاصل ہوئی۔ مولوی صاحبؒ کی پوری زندگی بڑی پاک وصاف اور روحانی اعتبار سے بڑی ارفع واولیٰ تھی کیونکہ کچھ تو ان کی فطرت ہی سعید تھی اور کچھ ان کے شیخ کاملؒ نے ان کو اور بھی باکمال بنا دیا تھا۔

معرفت حق اور سلوک میں ان کا مقام: مولوی صاحبؒ اپنے وقت کے اعلی حکام میں سے تھے، ان کی عظمت اور سلوک کے اعلی مقام پر فائز ہونے کا ثبوت خود ان کے شیخ ومرشد حضرت مولانا شاہ عبدالسلام صاحب ہنسویؒ کی تحریرات شریفہ سے دیا جاسکتا ہے، پیرومرشد جب بھی مخلص مرید کو کوئی مکتوب تحریر فرماتے تو انہیں ''عزیز دلی، سعید ازلی، عزیز قلبی، قرۃ عینی، محب الفقراء، صلاحیت نشان اور سعادت نشان'' جیسے محبت آمیز الفاظ سے مخاطب فرماتے تھے، چنانچہ مولوی صاحبؒ کے نام اپنے ایک خط میں حضرت شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

خدا کا شکر ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی مرضی ومنشاء کی تعمیل میں ہمہ تن مصروف ہیں (انشاء اللہ) اس کے ثمرات ظاہر ہوں گے، اللہ تعالی آپ کو دین ودنیا دونوں جگہ بہتر جزاء عطا فرمائے اور فقیر سے جو کچھ آپ نے سیکھا ہے اس کی تکرار میں مشغول رہیں، غفلت اختیار نہ کریں۔

دوسرے مکتوب میں، کچھ بڑی قیمتی نصیحتیں تحریر فرماتے ہیں: عبدالغفور کی زبانی آپ کی خیرت معلوم ہوئی جس سے اطمینان ہوا کسی وقت وکسی لمحہ یاد الہی سے غافل نہ رہیں اور ہر وقت موت کو یاد رکھیں ورنہ حسرت وندامت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ مولوی صاحب کو اپنے شیخ سے بے حد محبت تھی، جس کا اندازہ ان کے مکاتیب سے ہوتا ہے۔

ذوق وشعر وسخن: عمر کے ابتدائی حصہ میں لکھنؤ کے ماحول کے مطابق آپ کو شعر وادب سے بھی خاصی دلچسپی تھی، شعری ادب کی مختلف اصناف میں آپ نے طبع آزمائی فرمائی تھی جن میں غزل، مثنوی، نعت اور منقبت خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

وفات: آپ بروز چہار شنبہ ۲۹ ؍ذی قعدہ ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۱۱ء کو بوقت ۹ ؍بجے دن بمقام کاکوری اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اور تین بجے دن کو آبائی قبرستان سے ہٹ کر حضرت شیخ سعدی کاکوریؒ (م ۱۵۹۳ء) کے مقبرہ کے مغرب کی جانب واقع اپنے خرید کردہ آم کے باغ میں سپرد رحمت کئے گئے۔ نوراللہ ومرقدہ آپ کے بھتیجے اور داماد مولوی حافظ محمد ظہور صاحبؒ نے مادۂ تاریخ وفات انہ لمن المصطفین الاخیار (۱۳۲۹ھ) سے نکالا تھا۔ نوراللہ مرقدہ

(عہد رفتہ کے چند علماء ومشائخ ص ۱۱۱)

حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب امروہویؒ متوفی ۱۳۳۰ھ

نام ونسب: احمد حسن محدث، والد کا نام سید اکبر ہے آپکا تعلق سادات حسینی سے ہے۔

ولادت: آپکی ولادت ۱۲۶۷ھ میں ہوئی۔

وطن میں کس کس سے تعلیم پائی: آپ نے ابتدائی ومتوسط عربی اور فارسی کی تعلیم امروہہ کے بلند پایہ علماء مولانا سید رافت علی صاحبؒ، مولانا کریم بخش صاحب بخشیؒ اور مولانا محمد حسین صاحب جعفریؒ سے حاصل کی، طب کی تعلیم امروہہ کے مشہور طبیب حکیم امجد علی خاں اثناعشری سے پائی۔

حضرت قاسم العلومؒ سے اخذ فیض: نانوتہ، میرٹھ اور دیوبند میں رہ کر حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ سے تمام علوم وفنون کی تکمیل کر کے فارغ التحصیل ہوئے اور اپنے استاذ کے کمالات علمیہ کا مکمل آئینہ بنکر مسند درس پر جلوہ آرائی فرمائی۔

مولانا نانتویؒ کے علاوہ دیگر اساتذہ: حضرت نانوتویؒ کے علاوہ آپ کے اساتذہ میں (جن سے صرف اجازت حدیث ہے) مولانا احمد علی سہارنپوریؒ قاری عبدالرحمن پانی پتیؒ اور مولانا عبدالقیوم نزیل بھوپالؒ بھی شامل ہیں۔

حج بیت اللہ کے لئے حجاز تشریف لے گئے تو وہاں استاذ الاساتذہ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب مجددی مہاجر مدنیؒ سے حدیث کی سند حاصل کی۔

بیعت: شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت کی اور ان کے خلیفہ تھے۔

مدرسہ شاہی مرادآباد سے تعلق: مدرسۃ الغرباء مرادآباد جس کو مدرسہ شاہی کے نام سے شہرت حاصل ہے حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی وفات سے ایک سال پیشتر ماہ صفر ۱۲۹۶ھ میں حضرت نانوتویؒ کے مشورے سے قائم ہوا، اس کے پہلے صدر مدرس حضرت محدث سید احمد حسن امروہویؒ مقرر کئے گئے، رمضان المبارک ۱۳۰۳ھ تک حضرت امروہویؒ کا اس مدرسہ سے تعلق رہا، اس سات سال کے عرصے میں بہت سے طلباء علوم نبویہ میں کامیاب اور فارغ التحصیل ہوئے۔ (سوانح علماء دیوبند ص ۳۷۳)

مدرسہ جامع مسجد امروہہ کا قیام اور تشکیل: ماہ رمضان ۱۳۰۳ھ میں حضرت محدث امروہوی مدرسہ شاہی مرادآباد سے مستعفی ہو چکے تھے اب وہ اپنے وطن عزیز میں تشریف لے آئے اور یہاں پر مدرسہ اسلامیہ عربیہ کی تشکیل جدید کی، آپ کی علمی وجاہت، روحانی تاثیر اور اخلاص وللّٰہیت کی برکت تھی کہ مختلف طبقات کے ذی اثر اشخاص آپ کی اس علمی وتبلیغی تحریک میں دل وجان سے شامل ہو گئے تھے۔

قاری ضیاء الدین صاحب الہ آبادی کی آمد: مدرسہ کے قیام کے کچھ سال کے بعد ملک کے مشہور قاری ومجود مولانا قاری ضیاء الدین صاحب الہ آبادیؒ علم تجوید کی تکمیل کے بعد امروہہ تشریف لے آئے یہاں وہ حضرت محدث امروہیؒ کے حلقۂ درس میں شامل ہو گئے۔ اور علم حدیث وتفسیر حاصل کیا۔

طب: حضرت مولانا امروہویؒ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ علم الادیان کے ساتھ ساتھ علم الابدان کے اسباق بھی پڑھاتے تھے، بہت لوگوں نے آپ سے طب کی تعلیم حاصل کی، حضرت مولاناؒ کی حکمت مآب طبیعت نے ایسے موقع پر مناسب جانا کہ ذہین طلبہ کوفن طب سے لیکران کو حدیث وتفسیر وفقہ سے بھی آشنا کر دیا جائے چنانچہ شہر کے ذہین وذی استعداد طلباء کی بڑی تعداد ایسی پیدا ہوئی جنہوں نے تمام درسیات ختم کرنے کے ساتھ ساتھ طب میں بھی کمال حاصل کیا۔

مولانا کی جامعیت: مولانا کی، تقریر، تحریر، ذہانت، تبحر، اخلاق، اور علوم عقلیہ ونقلیہ میں کامل دستگاہ ضرب المثل تھی اور سب سے زیادہ قابل قدر اور ممتاز کمال مولانا کا یہ تھا کہ حضرت قاسم العلوم والخیراتؒ کے دقیق اور غامض علوم کو ان ہی کے لب ولہجہ اور طرز میں صفائی اور سلاست کے ساتھ بیان فرماتے تھے۔

(القاسم ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ)

عادات واخلاق: اتباع سنت کا خاص اہتمام تھا اخلاق حسنہ کے مجموعہ تھے، ہاں دین کی حمایت میں غصہ وجلال نمودار ہوجاتا تھا، تواضع، مہمان نوازی، شفقت علی الخلق اور صلہ رحمی میں فرد تھے۔ علم کا وقار اور دین کی عظمت قائم رکھنے کے لئے خود داری کے ساتھ رہتے تھے۔ پوری عمر درس وتدریس، وعظ وپند امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں گذاردی۔ اپنے شاگردوں سے انتہائی شفقت سے پیش آتے تھے۔ ان پر دوران تعلیم میں سختی بر بنائے شفقت تھی۔ اہلسنت والجماعت کے فروعی اختلافی مسائل کو حکمت عملی کے ساتھ سلجھاتے تھے۔ جھگڑے یا مناظرے کی نوبت نہیں آنے دیتے تھے۔ ملت بیضاء کی ترقی کا ہر لہجہ خیال رہتا تھا، دین میں

خلل ڈالنے والا کوئی فتنہ ہوتا تو اس کی فوراً خبر لیتے تھے۔اور جلد ختم کر دینے کی کوشش فرماتے تھے عوام الناس سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے، مریضوں کی عیادت کیلئے جاتے تھے شہر میں وعظ کیلئے کوئی بلاتا تھا تو بلا تکلف اس کے گھر پر پہونچ کر وعظ فرماتے تھے شادی وغمی کے رسم ورواج اور بدعات کی روک تھام کرتے تھے ۔شاگردوں اور مریدوں اور خادموں کے حالات کی خبر گیری رکھتے تھے۔شہری طلباء کے ورثاء سے ملتے رہتے تھے۔علم دین کی ضرورت اور اسکی فضیلت بیان کر کے علوم عربیہ کی عظمت عام ذہنوں اور دماغوں میں پیدا کرتے تھے، اپنی جدوجہد سے انہوں نے کافی تعداد شہری طلباء کی جمع کر لی تھی۔ باہر کے طلباء کو مہمان رسول ﷺ تصور کرتے ہوئے انکی ہر طرح کی نگہداشت ونگرانی فرماتے تھے۔اولیاء اللہ سے خاص عقیدت اور والہانہ محبت تھی اپنے وطن کے بزرگان دین کے مزارات پر کبھی کبھی برائے فاتحہ حاضر ہوتے تھے زندہ اہل ذکر اور صاحب حال بزرگوں سے اچھے روابط تھے۔اپنے عزیزوں کے مکانوں پر ان کی خیریت معلوم کرنے کیلئے پابندی کے ساتھ تشریف لے جاتے تھے چھوٹے چھوٹے بچوں سے جب ملتے تو ان سے خوش طبعی کی باتیں کرتے، حکام وقت سے برابری اور خودداری کے ساتھ ملتے اور شہر کی کوئی ضروری بات ہوتی تو اس کو پہونچاتے، انگریز اور اس کی تہذیب کے سخت مخالف تھے، درس میں بعض اوقات فرماتے کہ کونسا وقت آئیگا کہ میرے ہاتھ میں تلوار ہوگی اور ان سے جہاد کرونگا۔

حضرت مولانا تھانویؒ اور حضرت مولانا امروہیؒ : حضرت مولانا

تھانویؒ حضرت محدث امروہیؒ کا بڑا ادب واحترام کرتے تھے اور حضرتؒ کو بھی ان سے تعلق خاطر تھا، مرادآباد میں موتمر الانصار کے جلسہ میں تمام اکابر ملت جمع تھے مختلف مکانوں میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک دن حضرت محدث امروہیؒ ایک خاص مشورے کیلئے سب علماء کو ایک جگہ کرنا چاہتے تھے اس لیے اپنے شاگرد مولانا انوار الحق صاحب عباسی مرحوم کو بھیجا کہ مولانا تھانوی وغیرہ سے کہو کہ مجھے ایک مشورہ کرنا ہے میں خود ان کے پاس آوں یا وہ میری قیام گاہ پر آجائیں گے جب یہ پیغام مولانا تھانویؒ نے سنا تو گھبرا کر فرمایا، تکلیف نہ فرمائیں ہم سب آپکے قیام گاہ پر آرہے ہیں۔

وفات: ربیع الاول ۱۳۳۰ھ کے آخری ہفتہ میں چندروز شدید بخار آیا اس سال طاعون کی وباء شہر میں پھیلی ہوئی تھی، بالآخر اسی میں مبتلا ہوکر "**المطعون شهيد**" کا مصداق بن گئے۔ ۲۸/۲۹/ربیع الاول ۱۳۳۰ھ کی درمیانی شب میں بعد نماز عشاء ۱۱/بجے شب آپکا وصال ہوا ۲۹/ربیع الاول مطابق ۱۹/مارچ ۱۹۱۲ء بروز شنبہ صحن جامع مسجد امروہہ کے جنوبی گوشے میں دفن ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ

(سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی کی سوانح حیات)

حضرت مولانا قاری محمد اسماعیل صاحب راندیریؒ متوفی ۱۳۳۰ھ

نام ونسب: آپ کا نام محمد اسماعیل والد کا نام حافظ محمد بن حافظ صالح صاحب ہے، آپ کی ولادت راندیر سورت میں ہوئی۔

تعلیم: حافظ محمد اسماعیل صاحب نے علوم عربیہ دینیہ کی کتابیں اپنے وطن میں پڑھیں، پھر ریاست بھوپال میں تشریف لے گئے، اور وہان کے مشہور علامہ محدث شیخ حسین یمنیؒ کی خدمت میں حدیث شریف اور دیگر علوم وفنون کی کتابیں دوسرے علماء بھوپال سے پڑھیں۔

تدریس: تحصیل علوم سے فارغ ہونے کے بعد وطن تشریف لائے اور حاجی اسماعیل پیپڑی مرحوم کے مدرسہ محمدیہ اور حاجی اسماعیل اشرف مرحوم کے مدرسہ اشرفیہ میں ایک عرصہ تک درس وتدریس میں مشغول رہے۔

راندیر کی مسجد چناڑ واڑ کی تولیت وخطابت آپ کے سپرد کی گئی جس کو نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے انجام دیتے تھے، قدرت نے آپ کی طبیعت میں خشیت اور تقوی کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، آپ کی تقوی شعار طبیعت نے مدرسہ کے تعلق اور خطابت کی تنخواہ کو گوارا نہ کیا مدرسہ سے علیحدہ ہوکر اپنے مکان پر طلباء کو محض لوجہ اللہ درس دینا شروع کر دیا مگر حسبۃ للہ نہایت مستعدی اور پابندی کے ساتھ امامت وخطابت کی خدمت انجام دیتے رہے۔

حق تعالی نے جس طرح آپ کو جمال ظاہری عطا فرمایا تھا اس طرح وقار

ہیبت جلال اور باطنی حسن و جمال سے بھی بہرۂ کامل عطا ہوا تھا۔

حق گوئی: آپ کی حق پسندی اور حق گوئی کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے دولت مندوں اور لکھ پتیوں کے جلسوں اور دعوتوں میں آپ ان کی ناشائستہ حرکات کے روکنے اور منع کرنے سے نہ چوکتے تھے اور بے خوف و ہراس کلمۂ حق ظاہر فرما دیتے تھے۔

آپ کا وعظ صاف گوئی موقع شناسی اور معاملہ فہمی کے لحاظ سے بے نظیر وعظ ہوتا تھا، وہی باتیں بیان فرماتے جن سے حاضرین کی اصلاح ہو ان کے عیوب دور ہوں اور کوتاہیوں کا جبر و تدارک ہو جائے۔

ف: سبحان اللہ کیا خوب وعظ ہوتا تھا اور ایسا ہی وعظ ہونا چاہیے (مرتب)

لحن داؤدی: فن قراءت و تجوید میں آپ جناب قاری عبد المعطی صاحب خطیب مکہ معظّمہ کے شاگرد تھے، مبدأ فیاض نے آپ کو خوش آوازی بدرجۂ کمال عطا فرمائی تھی جس وقت آپ خطبہ پڑھتے یا قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو تمام سامعین ہمہ تن گوش بن جاتے، قرآن مجید کے ساتھ آپ کو ایک خاص رغبت بلکہ عشق تھا، بکثرت تلاوت فرماتے رہتے تھے اور قرآن کی تعلیم نہایت شوق اور محنت سے محض لوجہ اللہ دیا کرتے تھے۔

مساکین سے محبت: فقراء و مساکین سے آپ کو بہت انس تھا، امراء کی صحبت پسند نہیں کرتے تھے اپنے طالب علمی کے زمانے کے رفیقوں اور طالب علموں اور مسکینوں سے محبت اور ربط و ضبط رکھتے تھے باوجود اس کے کہ کسی قسم کی حاجت دوسروں کے سامنے پیش کرنا ان کے نزدیک سخت معیوب تھا، فقراء

ومساکین کی حاجت روائی کے لئے سعی فرمانے میں دریغ نہیں فرماتے تھے۔

مذہبی امور میں سعی: اگر چہ حافظ صاحب ایک خلوت پسند بزرگ تھے لیکن باوجود اس خلوت پسندی کے آپ کے قومی اور مذہبی رفاہ عام کے کارنامے بھی تمام ہندوستان میں آفتاب کی طرح روشن ہیں، ہندوستان کے اکثر مدارس اسلامیہ اور مساجد میں جناب حافظ صاحب مرحوم کی کوشش اور للّٰہیت کے آثار نمایاں طور پر نظر آتے ہیں، اوران کے لئے باقیات الصالحات کا کام دے رہے ہیں۔

وفات: الغرض علاقۂ گجرات کا یہ خیر مجسم، تقوی ودیانت کی تصویر، فقراء ومساکین کی محبت کا پتلہ اوراس قسم کی صفات حسنہ میں اپنے زمانہ کا یکتا شخص پچپن سال کی عمر میں بتاریخ ۲۴/ربیع الاول ۱۳۳۰ھ روز پنجشنبہ دنیائے فانی سے رحلت فرما کر رہ گزیں عالم جاودانی ہوا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(ذکر صالحین جلد ۲ ص ۳۶۴)

حضرت مولانا الحاج محمد عبدالحی صاحب کفلیتوی سورتیؒ م:۱۳۳۱ھ

نام ونسب وولادت: آپ کا نام عبدالحی ہے اور والد محترم کا نام حافظ احمد بن سلیمان ابن یوسف ہے، آپ کا وطن قصبہ کفلیتہ ہے جو گجرات کے مشہور شہر سورت سے دس میل کے فاصلے پر واقع ہے، آپ کی ولادت ۱۲۸۳ھ ہجری میں ہوئی، آپ کے والد ماجد کو علماء سے بے حد محبت تھی اور بزرگوں کی صحبت کو پسند کرتے تھے، اللہ تعالی کا خوف ان کے دل میں جاگزیں تھا اور زبان ہر وقت ذکر اللہ میں مشغول رہتی تھی۔

مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کی جب ولادت ہوئی تو ان کے والد ماجد ان کو اپنے شیخ ومرشد مولانا مولوی لیاقت علیؒ الہ آبادی کی خدمت میں لے گئے، حضرت شیخ نے ان کے لئے طول عمر اور حصول علم کی دعاء فرمائی اور ان کا نام عبدالحی رکھا، حضرت شیخ مولانا الہ آبادیؒ ایک متقی، پرہیز گار، زاہد وعابد بزرگ تھے، خوف الٰہی کی وجہ سے اکثر اوقات گریہ وبکا میں مشغول رہتے تھے، اللہ تعالی کے احکام پہنچانے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروانہ کرتے تھے۔

تعلیم وتربیت: مولانا عبدالحیؒ جب سن تمیز کو پہنچے تو مکتب آنا جانا شروع کیا اور تین سال کے عرصہ میں قرآن مجید حفظ کرلیا، اس کے ساتھ ساتھ اردو اور گجراتی زبان کے رسالے بھی پڑھ لئے، اس کے بعد آپ اپنے ماموں زاد بھائی مولانا ہاشم ابن موسی کفلیتوی کی خدمت میں حاضر ہوئے، فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں ان سے پڑھیں۔

اس کے بعد کی درسی کتابیں مختلف مدارس میں جا کر پڑھیں، ۱۳۰۲ھ میں بھوپال تشریف لے گئے اور فاضل محدث حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ سے حدیث شریف کی صحاح ستہ پڑھی، اور محدث مشہور مولانا شیخ حسین یمنی سے صحاح ستہ کے اوائل پڑھے، جب مولانا عبدالحیی صاحبؒ نے بھوپال سے واپسی کا ارادہ ظاہر فرمایا تو آپ کو علامہ مولانا حافظ احمد محدثؒ اور مولانا شیخ حسین یمنیؒ محدث نے علم حدیث کی اجازت وسندیں لکھ کر عطا فرمائیں، جیسا کہ حضرات محدثین کا طریقہ ہے، یہ سندیں مولانا عبدالحی صاحبؒ نے اپنے رسالہ میں نقل فرمائی ہے۔

نیز حافظ مولانا محمد احمد صاحبؒ نے مولانا عبدالحیؒ کے پاس اپنا مُد[1] جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مد کے برابر تھا مع سند کے بھیجا، یہ سند بھی مولانا عبدالحی صاحب نے اپنے رسالہ میں نقل فرمائی ہیں۔

تدریس: اس کے علاوہ مختلف مقامات پر جا کر وہاں کے علمائے کرام سے تفسیر، حدیث، منطق، فلسفہ اور طب کی کتابیں پڑھیں، اس کے بعد تدریس کا سلسلہ جاری فرمایا، اولا قصبہ راندیر کے مدرسہ اسلامیہ محمدیہ میں منصب تدریس پر فائز ہوئے اور طلباء کو فیض پہونچانے میں مشغول ہوئے اس کے بعد برما کے مولمین شہر کے لوگوں نے جامع مسجد کی امامت وخطابت کے لئے دعوت دی جس کو مولاناؒ نے قبول فرمالیا اور وہاں تشریف لے گئے، دس سال تک وہاں آپ نے امامت وخطابت کی خدمت انجام دی۔

---

(۱) یہ عرب کا ایک پیمانہ ہے جو صاع کا چوتھائی ہوتا ہے، ہماری خوش نصیبی ہے کہ اس ناچیز نے کفلیتہ جا کر اس ''مُد'' کی زیارت کی ہے۔ (مرتب)

حج بیت اللہ: اس کے بعد حج بیت اللہ کا شوق دامن گیر ہوا چنانچہ آپ ۱۳۲۱ھ میں مکہ معظمہ پہونچے اور رمضان المبارک کا مہینہ مسجد حرام میں گذارا اور ارکان حج ادا کئے، اس کے بعد سید الاولین والآخرین کے شہر مدینہ منورہ تشریف لے گئے، اور سات ماہ تک وہاں قیام فرمایا اور مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں خالص اللہ کے لئے طلبہ کو علوم دینیہ کی تعلیم دیتے رہے، اس اثناء میں مدینہ منورہ کے فضلاء سے حدیث کی اجازت وسندیں حاصل کیں، اس کے بعد موسم حج کے قریب مکہ معظمہ تشریف لے گئے، اور حج سے فارغ ہونے کے بعد وہاں کے علماء سے بھی حدیث کی اجازت وسندیں حاصل کیں۔

سفر رنگون: اس کے بعد بادل نخواستہ گریہ وزاری کرتے ہوئے مکہ معظمہ سے وطن واپس آئے اور ابھی چند ہی مہینہ وطن میں قیام فرمایا تھا کہ شہر رنگون کی مشہور ومعروف موتی مسجد کے ٹرسٹیوں نے آپ کو موتی مسجد میں خطابت کے لئے مدعو کیا، آپ نے بعد استخارہ ان حضرات کی دعوت کو منظور فرمالیا اور تشریف لے گئے، وہاں تقریباً ۹ سال منصب خطابت پر فائز رہے، اس اثناء میں بہت سی کتابیں تالیف فرمائیں، جن کی فہرست اصل کتاب میں مذکور ہے، ان میں سے اہم کتاب ''البصائر فی تذکیر العشائر'' ہے جس کا ترجمہ سلیس اردو زبان میں ''الجواہر الزواہر'' کے نام سے مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب میرٹھی نے فرمایا ہے، فزاہم اللہ احسن الجزاء۔

حضرت مولانا عبدالحی صاحب کفلیتویؒ کا ایک نعتیہ قصیدہ

بَدَتْ مِلَّةٌ حَلَّتْ جَمِيعَ الْجَوَانِبِ وَقَدْ اَشْرَقَتْ مِنْهَا لَيَالِي الْغَيَاهِبِ

آپ کی بعثت سے ایک ایسی ملت ظاہر ہوئی جو تمام اطراف عالم میں

پھیل گئی اور اس کے نور سے اندھیری راتیں منور ہوگئیں۔

وَزَالَتْ ظَلَامٌ فِي قُلُوبٍ تَرَاكَمَتْ فَأَضْحَتْ شُرُوقًا كَالنُّجُومِ الثَّوَاقِبِ

اور دلوں کے اندر تہ بتہ چھپی ہوئی ظلمتیں زائل ہوگئیں، پس قلوب چمکدار ستاروں کی مانند روشن ہوگئے۔

قَدِ ابْتَدَأَتْ مِنْ مَكَّةَ دَامَ فَضْلُهَا وَمِنْ طَيْبَةَ ضَاءَتْ ضِيَاءَ الْكَوَاكِبِ

مکہ دام فضلہا سے اس ملت کی ابتدا ہوئی اور طیبہ یعنی مدینہ سے وہ ستاروں کی مانند چمکی۔

وَقَدْ كَانَ فِيهَا رَوْضَةٌ ذَاتُ بَهْجَةٍ وَفِيهَا نَبِيٌّ ذُو صِفَاتٍ عَجَائِبِ

مدینہ میں خوبصورت روضۂ اقدس ہے جس میں عجیب و اعلیٰ صفات کے حامل نبی تشریف فرما ہیں۔

نَبِيٌّ رَحِيمٌ ذُو عُلُوٍّ وَسُؤْدَدٍ إِلَيْهِ انْتَهَى لَوْعُدَّ كُلُّ الْمَنَاقِبِ

جو تمام اوصاف حمیدہ کے منتہیٰ، سیادت اور بلند مقام والے مشفق نبی ہیں۔

بِدَايَةُ خَلْقِ اللهِ خَاتِمُ رُسْلِهِ لِذَا كَانَ مَوْسُومًا لِيَقِينًا بِعَاقِبِ

آپ خداوند قدوس کی سب سے پہلی مخلوق ہیں اور خاتم الرسل ہیں اسی لئے بالتحقیق آپ عاقب کے نام سے موسوم کئے گئے ہیں۔

وَأَكْرَمُ حَيٍّ فِي أُنَاسٍ بِأَسْرِهِمْ وَأَفْضَلُ بَيْتٍ مِنْ لُوَيِّ بْنِ غَالِبِ

کونسا خاندان زیادہ مکرم ہے اور کونسا گھر زیادہ فضیلت رکھتا ہے، لوی بن غالب کے مقابلہ میں۔

فَأَشْرَفُهُمْ نَفْسًا وَبَيْتًا وَشِيمَةً لِذَا اجْتَمَعَتْ فِيهِ صِفَاتُ النَّجَائِبِ

شرافت نفس، پاکیزگیٔ بیت، عمدہ خصلت، غرض تمام اعلیٰ صفات آپ میں جمع ہیں۔

وَبَيَّنَ دِيْنًا مُسْتَقِيْمًا مُهَذَّبًا وَاَقْلَعَ عِرْقَ الشِّرْكِ عَنْ كُلِّ جَانِبٍ

آلودگیوں سے پاک دین مستقیم کو ظاہر فرمایا اور شرک کا ہر جانب سے قلع قمع فرمادیا۔

فَمَا مِلَّةٌ إِلَّا مَحَاهَا بِدِيْنِهٖ لِمَا حُرِّفَتْ فِيْهَا كَثِيْرُ الْمَطَالِبِ

تمام ملتوں کو آپنے اپنے دین سے محو کردیا اس لئے کہ ان ملتوں میں بکثرت مراد خداوندی کو بدل دیا گیا تھا۔

وَاَعْطَاهُ قُرْاٰنًا بَلِيْغًا اِلٰهُهٗ يَجُرُّ اِلٰى دِيْنِ الْهُدٰى كُلَّ طَالِبٍ

آپ کے رب نے آپ کو ایسا فصیح وبلیغ قرآن عطا فرمایا ہے جو طالبین ہدایت کے دلوں کو دین ہُدیٰ کی طرف کھینچ رہا ہے۔

وَيَدْعُوْ اِلٰى جَنَّاتِ عَدْنٍ مُعَدَّةٍ وَيَنْهٰى عَنِ النِّيْرَانِ ذَاتِ الْمَعَاطِبِ

نیز ہمیشگی کے باغات کی طرف دعوت دے رہا ہے جو منجانب اللہ تیار کئے گئے ہیں اور ایسی آگوں سے روک رہا ہے جو ہلاکتوں والی ہیں۔

وَكَمْ فِيْهِ تَوْحِيْدٍ وَوَعْظٍ وَعِبْرَةٍ وَتَنْظِيْمِ اَحْكَامٍ خَلَتْ عَنْ مَتَاعِبٍ

اس قرآن میں بہت سے عبرت وموعظت، توحید اور آسان ترین احکامات موجود ہیں۔

وَمَا اَحْسَنَ الْقُرْاٰنَ نَظْمًا مُعَاجِزًا كَعَقْدٍ بَهِيٍّ مِنْ لَاٰلٍ غَرَائِبٍ

قرآن کی حسین ترتیب اور اعجاز نادر موتیوں سے جڑے ہوئے چمکیلے

ہار کی مانند خوشنما ہے۔

إِذَا مَا تَلَا تَالٍ يَسُرُّ بِنَظْمِهِ وَمَعْنَاهُ كَالصَّادِي بِأَصْفَى الْمَشَارِبِ

جب قاری اس کی تلاوت کرتا ہے تو اس کے نظم و معنی کی پاکیزگی سے ایسا خوش ہوتا ہے جیسے پیاسا پانی پینے کی نہایت صاف ستھری جگہ سے۔

وَرُبَّ جُلُودٍ تَقْشَعِرُّ إِذَا تُلِيَ وَتَجْرِي عُيُونٌ بِالدُّمُوعِ السَّوَاكِبِ

اور بسا اوقات تلاوت کے وقت رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور آنکھوں سے آنسوں کے سیلاب بہنے لگتے ہیں۔

وَلَا زَالَ مَنْ يَتْلُوهُ خَوْضًا وَفِكْرَةً يَحُوزُ نَعِيمًا فَائِتًا عَنْ مُحَاسِبِ

غور و فکر کے ساتھ اس کی تلاوت کرنے والے نعمت بے حساب جمع کرتے رہتے ہیں۔

أَلَا إِنَّ مَنْ أَعْدَاهُ جِدًّا إِذَا تَلَا قَدِ اخْتَارَ دِينًا سَالِمًا مِنْ مَثَالِبِ

بلاشبہ جس شخص نے کلام پاک کی تلاوت اپنی عادت بنالی اس نے پاکیزہ دین کو اختیار کرلیا۔

فَيَا وَيْحَ قَوْمٍ أَعْرَضُوا عَنْ نَبِيِّهِمْ إِذَا مَا أُخِيفُوا مِنْ بَئِيسِ الْمَوَاجِبِ

افسوس ہے اس بد بخت قوم کے حال پر جس نے اپنے نبی سے اس لئے اعراض کیا کہ اس نے قوم کو برے کام کے انجام سے ڈرایا تھا۔

وَنُودُوا إِلَى عَيْشٍ رَغِيدٍ مُؤَبَّدٍ جِنَانٍ وَغِلْمَانٍ وَحُورٍ كَوَاعِبِ

ان کو بلایا گیا راحت والی زندگی کی طرف، جنان، غلمان اور نوجوان حوروں کی طرف۔

وَاٰذَوْہُ اِیْذَاءً بِسَبٍّ وَضَرْبَۃٍ　　وَاَخْرَاجِہٖ مِنْ دَارِہٖ وَالْاَقَارِبِ

انہوں نے نبی کو گالیاں سنا کر اور مار پیٹ کر ایذا پہنچائی اور اسے گھر سے نکالا اور رشتہ داروں سے جدا کر دیا۔

فَاٰوَاہُ اَنْصَارٌ کِرَامٌ بِطَیْبَۃٍ　　وَفَازُوْا بِنَصْرٍ فِیْ جَمِیْعِ النَّوَائِبِ

انصار کرام نے مدینہ میں آپ کو پناہ دی اور اپنے تمام مصائب دور کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

اَلَا اِنَّہٗ قَدْ مَلَّ عَنْ دَارِ فِتْنَۃٍ　　وَقَدْ حَلَّ فِیْ رَوْضٍ بِخَیْرِ الرَّغَائِبِ

آپ دار الابتلاء سے زچ ہو کر ایسے روضہ (باغ) میں فروکش ہوئے ہیں جس میں ہر طرح کی مرغوب و پسندیدہ چیزیں ہیں۔

یُقِیْمُ بِہَا حَتّٰی تَقُوْمُ قِیَامَۃٌ　　فَیَاخُذُ اِذْ لَا لِوَاءُ الْمَنَاقِبِ

آپ قیامت تک اس میں قیام فرما رہیں گے اور جب قیامت آجائے گی تو آپ حمد و مناقب کا جھنڈا اٹھائیں گے۔

فَیَشْفَعُ تَکْرِیْمًا بِجَدِّ مُحَمَّدٍ　　لَدَی اللّٰہِ لِلْعَاصِیْنَ اَھْلِ الْمَشَاغِبِ

پھر اللہ کے حضور اپنے نصیبہ اور بزرگی کے سبب مکرم ہونے کی وجہ سے شور و غوغا کرنے والے گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے۔

فَطُوْبٰی لِقَوْمٍ ھَاجَرُوْا مَعَ نَبِیِّھِمْ　　وَمَنْ عَزَرُوْہُ فِیْ جَمِیْعِ الصَّعَائِبِ

خوش نصیب ہے نبی کے ساتھ ہجرت کرنے والی قوم اور جنہوں نے تمام مصائب میں ان کی امداد کی۔

عَلَیْھِمْ سَلَامٌ مِنْ رَحِیْمٍ مُھَیْمِنٍ　　اِلٰی یَوْمِ فَصْلٍ فِیْہِ شَیْبُ الذَّوَائِبِ

اللہ تعالی کی طرف سے ان سب پر سلامتی نازل ہوتی ہے قیامت تک۔

وَصَلِّ صَلٰوۃً اَیُّھَا الطِّیْبُ دَائِمًا عَلٰی خَیْرِ مَخْلُوْقٍ تَفُزْ بِالْمَرَاتِبِ

اے نسیم مشکبار! ذات اشرف المخلوقات پر ہمیشہ درود بھیجتی رہنا تو تو مراتب سنیہ سے فائز ہو جائیگی۔

وَلُذْ بِشَفِیْعِ ذِیْ مَقَامٍ مُشَفَّعٍ عَسٰی اَنَّہٗ یُنْجِیْکَ یَوْمَ الْمَصَائِبِ

مقام محمود والے شفیع المذنبین کی پناہ میں آجاؤ، انکی شفاعت قبول کی جائے گی امید ہے کہ وہ قیامت کے دن تمہیں نجات دلائیں گے۔

وفات: ۱۰/رجب المرجب ۱۳۳۱ھ دوشنبہ کے دن عصر بعد وفات ہوئی اور رنگون کے عام قبرستان میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہٗ

حضرت علامۃ الشام جمال الدین قاسمی شامیؒ [1] م: ۱۳۳۳ھ

تمہید: تاریخ نے ہزاروں علماء اور عبقری شخصیتوں کے تذکرے محفوظ کئے ہیں، ان تذکروں کے مطالعہ سے ہمیں بہت روشنی مل سکتی ہے، خصوصاً آج کے دور میں جبکہ طلبہ کی ہمتیں پست ہوگئی ہیں اور حصول علم کیلئے مجاہدہ کم سے کم درجہ پر آگیا ہے، ان بزرگان سلف اور صاحب عزیمت علماء کے تذکرے بار بار پڑھنے اور سنانے کی ضرورت ہے، ان بزرگوں نے دنیا کی لذتوں، راحتوں کو قریب بھی نہیں آنے دیا اور علم اور کتابوں سے ایسا عشق ومحبت کا برتاؤ کیا جیسے دنیا کے غافل لوگ مال و دولت اور چمکدار چیزوں کے ساتھ کرتے ہیں۔

انہی صاحب عزیمت علماء میں علامۃ الشام شیخ جمال الدین القاسمی کی ذات گرامی بھی ہے، جنہوں نے اگرچہ پچاس سال ہی کی عمر پائی، مگر اس مختصر سی زندگی میں امت کے لئے بہت بڑا علمی ذخیرہ چھوڑ گئے، جن کا کچھ تذکرہ ان سطروں میں پیش کیا جاتا ہے۔

اسم گرامی: شیخ جمال الدین بن محمد بن سعید بن قاسم بن صالح بن اسمٰعیل بن ابی بکر القاسمی، ان کے دادا کا اسم گرامی قاسم تھا جو قاسم حلاق کے نام سے مشہور

---

(۱) مکرم مولانا عبداللہ کاپودروی (م: ۱۴۳۹ھ) مہتمم دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر، گجرات نے علامہ الشام الشیخ جمال الدین قاسمیؒ کی مختصر سوانح لکھی جسے اس حقیر کو ارسال فرمایا، اس کو پڑھا تو مفید پایا اس لئے اس کو ''اقوال سلف حصہ ہشتم'' کا جزء بنانے کو اپنی سعادت سمجھا۔ (مرتب)

تھے، بڑے صالح اور فقیہ تھے، زندگی بھر علمی مشغلہ جاری رہا۔

ولادت: علامہ جمال الدین القاسمی کی ولادت ۸ رجمادی الاولی ۱۲۸۳ھ بروز پیر بوقت چاشت ہوئی، ان کے والد فقیہ بھی تھے اور ادیب بھی، شعر وشاعری اور موسیقی کا بہت شوق تھا، موسیقی کے نغموں سے خوب واقف تھے، انہوں نے ایک دلچسپ کتاب بھی لکھی جس کا نام ''قاموس الصناعات الشامیۃ'' ہے اس میں حرف سین تک پہنچے تھے کہ ان کی وفات ہوگئی، پھر اس کی تکمیل ان کے فرزند اور خلیل المعظم نے کی، ان کے دادا کے بارے میں تذکرہ نگاروں نے فقیہ الشام وصالحھا فی عصرہ کے الفاظ لکھے ہیں۔

پرورش: شیخ جمال الدین القاسمی کی پرورش دینی اور علمی ماحول میں ہوئی، گھر میں علوم دین کے ساتھ علم وادب کا بھی چرچا رہتا تھا، ان کے والد کی نگرانی اور تربیت نے بھی بڑا کام کیا۔

استاذ ظافر القاسمی آپ کے کمالات یوں نقل کرتے ہیں:

دین کی سربلندی، اس کی حرمت، علم وفن اور تہذیب وادب کے ماحول میں وہ پروان چڑھے اسی ماحول میں آنکھیں کھولیں، اس لئے ان کی مزاج سازی میں اس ماحول نے اثر کیا۔

تعلیم: علامہ قاسمی نے قدیم علماء کے طرز پر تعلیم حاصل کی، چنانچہ انہوں نے ہر فن کو اس کے ماہر اساتذہ سے پڑھا، قرآن مجید شیخ عبدالرحمن مصریؒ سے جو دمشق میں مقیم تھے سیکھا اور تجوید شام کے شیخ القراء شیخ احمد الحلوانیؒ سے حاصل کی، شیخ احمد شام کے مشہور قراء میں شمار کئے جاتے تھے، اور اسی طرح دیگر علوم تفسیر، حدیث، فقہ

،اصول نحو،صرف،بلاغت وغیرہ ماہر اساتذہ سے پڑھتے رہے، اورآخر میں شیخ محمود حمزاویؒ سے سند حاصل کی ،شیخ طاہر الآمدیؒ اور شیخ محمد الطنطاوی ازہریؒ ثم دمشقی وغیرہ علماء نے بھی خصوصی سندیں عنایت فرمائیں۔

بیعت: علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ مشائخ وقت کی صحبت میں رہ کر تزکیہ نفس بھی فرماتے رہے،ان کے مشائخ میں شیخ احمد الغسانی النقشبندیؒ کا ذکر ملتا ہے،خود علامہ نے لکھا ہے "وکان رحمہ اللہ لقننی ذکر الطریقۃ النقشبندیۃ ولازمت حلقتہ مدۃ" (یعنی مرحوم ہی نے مجھے سلسلۂ نقشبندیہ کے طریق پر اذکار کی تعلیم فرمائی تھی، اور میں نے ان کے حلقہ کی ایک عرصہ تک پابندی کی۔) اسی طرح ان کے والد کے ماموں شیخ حسن جنید کی صحبت سے مستفید ہوئے جو دسوقی سے معروف تھے ،فرماتے ہیں : "وقد انتفعت بصحبۃ ھذا الاستاذ وتھذبت بآدابہ وارشاداتہ ونوادرہ من الاقدمین" (یعنی میں نے شیخ موصوف کی صحبت سے بہت فائدہ اٹھایا،اورانکی تربیت، ہدایت وارشاد اور خصوصیات سے سلیقہ سیکھا۔)

تعلیمی انہماک: ان مشائخ اوراساتذہ کے حلقۂ درس میں بہت سے طلبہ آتے تھے ،اوراپنے اپنے ظرف اوراپنی اپنی ہمت کے مطابق حاصل کرتے تھے ،مگر شیخ جمال الدین اپنی جدوجہداورعلم کے لئے فنائیت کے سبب ایسے چمکے کہ ان کا کوئی ساتھی ان کے مقام کو نہ پہنچ سکا،وقت کی پابندی،محنت اورکام کی لگن میں سب رفقاء درس میں ممتاز تھے۔خود تحریر فرماتے ہیں:-

"وقد حبب المولی الی من حداثتی القراءۃ والمطالعۃ ونسخ

الکتب وتالیف الرسائل۔" (یعنی اللہ نے بچپن ہی سے میرے دل میں پڑھنے لکھنے کے کاموں کی محبت ڈال دی تھی۔) آگے فرماتے ہیں: واذھب المولی بفضلہ عن عبیدہ الابطالۃ وصرف الاوقات سدی فطالعت من کتب الادب والتاریخ مالا احصیٰ۔" (یعنی اللہ پاک نے اپنے اس بندے کو لغو لایعنی کاموں میں وقت ضائع کرنے سے محفوظ رکھا تھا، جس کی برکت سے میں نے تاریخ وادب کی بے شمار کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔

سرعت مطالعہ کی نادر مثال: شیخ جمال الدین کے علمی شغف اور بڑی بڑی کتابوں کو چند دنوں میں پڑھ لینے کا حال پڑھ کر تو ہم جیسوں کو واقعی حیرت وتعجب ہو جاتا ہے، تحریر فرماتے ہیں:

"وقد اتفق لی بحمدہ تعالی قراءۃ صحیح مسلم وتمامہ روایۃ ودرایۃ فی اربعین یوما، وقراءۃ سنن ابن ماجۃ کذلک فی واحد و عشرین یوما، وقراءۃ الموطا کذلک فی تسعۃ عشر یوما، وقراءۃ تقریب التھذیب مع تصحیح سھوا لقلم فیہ وتحشیتہ فی نحو

(یعنی) اللہ کے فضل سے مجھے یہ توفیق ملی کہ میں نے پوری صحیح مسلم روایت ودرایت دونوں کا لحاظ کرتے ہوئے صرف چالیس دن میں پڑھ لی، اسی طرح سنن ابن ماجہ اکیس دن میں، امام مالک کی مؤطا اُنیس دن میں پڑھ لی ہے، اسی طرح تقریب التہذیب دس روز میں پڑھ ڈالی ہے، جبکہ دوران مطالعہ اس کی قلمی غلطیوں کو درست بھی کیا اور حاشیہ بھی ساتھ ساتھ

عشرة ایام فدع عنک الکسل واحرص علی عزیز وقتک بدرس العلم واحسان العمل۔"

لکھتا گیا، پس اے طالب علمو! میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ سستی وکاہلی ترک کرو اور اپنے اوقات عزیز کو حصول علم اور حسن عمل کی محنتوں میں کھپاؤ۔

ف: سبحان اللہ! کیسی محنت رہی ہوگی کہ ایسی بڑی بڑی کتابیں چند دنوں میں تحقیق کے ساتھ مطالعہ کر لیتے تھے۔(مرتب)

آثار علمیہ: شیخ جمال الدین کی تصنیفات پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی ایک فن میں نہیں بلکہ کئی کئی فنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے، ان کا علم علوم شرعیہ تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ علم اجتماع، علم لغت اور علوم جدیدہ اور اکتشافات حدیثہ (نئی تحقیقات) میں بھی گہری نظر رکھتے تھے، ان تمام علوم کے ذریعہ انہوں نے دین کی زبردست خدمت انجام دی۔

اخلاق: علم کی اس بلندی کے ساتھ شیخ جمال الدین اعلیٰ اخلاق سے بھی متصف تھے، مخالف سے مخالف شخص کے بارے میں کبھی ان کی زبان وقلم سے ثقاہت سے گرے ہوئے الفاظ نہیں نکلتے تھے، شام کے مشہور عالم شیخ محمد بہجۃ البیطارؒ کے سامنے جب بھی ان کا ذکر آتا تو آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے، شیخ کے حسن اخلاق اور طلبہ سے ان کی محبت وشفقت کا حال سماعت فرمائیں:-

یعنی علامہ قاسمی نے اپنے طلبہ کے بلکہ ان کے ہاں آنے والے ہر وارد کے دل پر گہرا اثر چھوڑا ہے، وہ پاکیزہ مزاج، خوش اخلاق، وسیع القلب اور دلوں کو موہ لینے والے تھے، جب بھی ان سے کوئی ملتا انہیں مسکراتا اور جھکا ہوا پاتا، اور ان کے

علم وادب سے کچھ نہ کچھ حصہ ضرور پاتا۔

وقت کی قدر: شیخ اپنی زندگی کے ایک ایک لمحہ کی قدر فرماتے تھے سفر میں ہوں یا حضر میں ،گھر میں ہوں یا مسجد میں، مسلسل مطالعہ اور تالیف کا کام جاری رکھتے تھے،سوانح نگاروں نے لکھا ہے:-

اللہ ان پر رحم فرمائے، وہ ہر وقت لکھتے رہتے تھے،کیا دن کیا رات ،کیا سفر کیا حضر،کیا مسجد کیا گھر،میرا خیال تو یہ ہے کہ سوائے دوران رفتار کے کسی اور وقت ان کے قلم کو قرار نہیں تھا،نیز ان کے جیب میں ایک نوٹ بک اور قلم پڑا رہتا جس کے ذریعہ وہ اپنے منتشر افکار کو محفوظ کر لیتے تھے۔

جو لوگ بازاروں میں ،چائے خانوں میں بیٹھ کر گپ شپ کرتے رہتے تھے ان کو دیکھ کر حسرت فرماتے اور عجیب بات فرماتے تھے۔تذکرہ نگار لکھتے ہیں:

ایک دفعہ وہ ایک قہوہ خانہ کے سامنے کھڑے ہوئے تھے جو لوگوں سے بھرا ہوا تھا اور وہ لوگ لایعنی اور ٹھٹھے میں مشغول تھے،نہایت حسرت کے ساتھ اپنے ایک ساتھی سے فرمایا: آہ !جی یوں چاہتا ہے کہ وقت کوئی ایسی شے ہوتی جو بیچی خریدی جا سکتی،تو میں ان سب لوگوں کے اوقات خرید لیتا۔

ف: کاش کہ ہم ان واقعات سے سبق حاصل کریں اور اپنے قیمتی اوقات کو علم وعمل میں صرف کریں اور ضائع نہ کریں۔مرتب

تصنیفات: شیخ جمال الدین نے اپنی مختصر زندگی میں بہت قیمتی کتابیں تصنیف فرمائیں ۔انکی مشہور کتابیں یہ ہے :(۱) تفسیر محاسن التاویل جو سترہ جلدوں میں طبع ہو چکی ہے ۔(۲) دوسری بہت مفید کتاب قواعد الحدیث ہے،علم

حدیث کے طلبہ کیلئے اہم مرجع ہے ۔(۳)موعظۃ المومنین جوامام غزالیؒ کی احیاء العلوم کی بہترین تلخیص اوراسکا لب لباب ہے،دارالنفائس بیروت سے طبع ہو چکی ہے ۔(۴) تعطیر المشام فی مآثر دمشق و الشام ،ضخیم چارجلدوں میں ہے ۔(۵)شمس الجمال علی منتخب کنز العمال ،ایک جلد ہے ۔ (۶)الفضل المبین علی عقدالجید الثمین ،اربعین عجلونیہ کی بہترین شرح سمجھی جاتی ہے،اسکےعلاوہ بہت سی تالیفات چھوڑی ہیں ۔

وفات: شیخ نےمختصرحیات پائی ۲۳ رجمادی الاولی ۱۳۳۳ھ بروز ہفتہ علم وفضل کا آفتاب غروب ہوگیا ،اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّااِلَیْہِ رَاجِعُون۔ دمشق کے باب صغیر کے قبرستان میں مدفون ہیں ۔

رحمہ اللہ تعالی رحمۃ واسعۃ واجزل ثوابہ فی الجنۃ۔ اٰمین!

حضرت ''شیخ الدلائل'' شیخ عبدالحق آلہ آبادی مہاجر مکیؒ متوفی ۱۳۳۳ھ

نام ونسب اور ولادت : محمد عبدالحق بن شاہ محمد بن یار بکری الہ آباد کے ایک گاؤں ''نیواں'' میں ۱۲۵۲ھ م ۱۸۳۶ء میں پیدا ہوئے ۔ یہ گاؤں الہ آباد شہر سے شمال مغرب میں تقریباً سات آٹھ کلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے۔

تعلیم وتربیت : شیخ عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکیؒ نے ابتدائی تعلیم الہ آباد میں حاصل کی ،مولانا تراب علی لکھنویؒ متوفی ۱۲۸۱ھ کے شاگرد تھے بچپن سے ہی علم سے شغف تھا چنانچہ مزید حصول علم کے لئے دہلی کا سفر کیا۔دہلی میں شیخ قطب الدین محدث دہلویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انکے کیسۂ علم سے مستفید ہوئے ،شیخ دہلوی کے علاوہ دیگر علماء واکابر سے بھی علوم وفنون حاصل کئے ۔ بعد ازاں ۱۲۸۳ھ میں خاک پاک کو ہجرت کر گئے اور حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہوئے ۔اور یہیں کے ہو کر رہ گئے ۔ چار برس مدینہ میں قیام رہا اجازت حدیث وطریق بھی دی ۔علامہ شیخ قطب الدین دہلوی مکی سے بھی آپ کو

''شیخ الدلائل'' کے حالات زندگی تلاش بسیار کے بعد بھی اپنی کوتاہ علمی کی بناء پر بہت کم ملے جو کسی شخصیت کے تعارف کے لئے ناکافی ہیں بہر حال نزہۃ الخواطر مولفہ مولانا سید عبدالحی لکھنویؒ اور الاعلام مولفہ علامہ زرکلیؒ اور معجم المولفین مولفہ علامہ کحالہؒ وغیرہ میں آپ کے مختصر حالات ملتے ہیں ۔ یہ حقیر انکے آبائی مکان نیواں میں حاضر ہوا ان کے خاندان کے بعض لوگوں سے ملاقات بھی ہوئی تھی مگر ان کے کمالات وفضائل سے ہم اہل الہ آباد کم ہی واقف ہیں (مرتب)

''رسالۃ الاوائل'' کی اجازت حاصل تھی۔ اور پھر اسکے بعد مکہ میں سکونت اختیار کر لی۔ یہاں شیخ الہ آبادی نے شیخ عبدالغنی بن ابی سعید عمری دہلوی سے اکتساب فیض کیا۔

درس و افادہ: تکمیل علوم کے بعد درس وتدریس کی ذمہ داری سنبھالی، مکہ میں پچاس برس مختلف علوم وفنون تفسیر، حدیث، فقہ اور منطق وفلسفہ کی خدمات انجام دیں۔ علمی کمالات کے سبب شیخ عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکیؒ کی حیثیت مرجع خلائق کی تھی۔ اطراف عالم سے تشنگان علم اس چشمۂ علم کے پاس آتے اور اپنی پیاس بجھا جاتے۔ آپ کے خاص شاگردوں میں مولانا ابوالخیر عبداللہ بن عمر دہلویؒ اور مولانا عبدالاول جونپوریؒ متوفی ۱۳۳۹ھ کے نام قابل ذکر ہیں۔ انکے علاوہ بہت سے ارباب نظر اور اساطین علم نے کسب فیض کیا۔ شیخ عبداللہ بن محمد غازیؒ صاحب ''الفتح القوی'' کو بھی آپ سے اجازت حدیث حاصل تھی۔ جسکا تذکرہ شیخ عبداللہ غازیؒ نے خود شیخ زکریا بیلاؒ کو اجازت حدیث دیتے وقت کیا ہے۔ شیخ ابوبکر حبشیؒ نے بھی ''الدلیل المشیر'' میں شیخ عبداللہ بن محمد غازی ہندی مکیؒ حنفی کے شیوخ واساتذہ کے ضمن میں شیخ عبدالحق مہاجر مکی کا تذکرہ کیا ہے، لکھتے ہیں کہ:

''الشیخ عبد الحق بن شاہ محمد الالہ آبادی (الھندی) ثم المکی (الحنفی) سمع منہ الحدیث المسلسل بالاولیۃ، سورۃ الفاتحۃ، و سورۃ الصف و صافحہ، و شابکہ، و اضافہ علی الاسودین، ویروی عنہ المسلسل باجابۃ الدعاء فی الملتزم بسندہ، و حضر فی

بعض دروسه من"تفسير الجلالين " و تفسير الاحمدى " و"مختصر الوقايه " و قراعليه "حصن الحصين" و رسالة الشيخ سعيد سنبل فى اوائل الحديث و اجازه بما اشتملت عليه"الرسالة"۔

(انہوں نے (شیخ عبداللہ غازی نے) شیخ عبدالحق بن شاہ محمد الہ آبادی (ہندی) ثم مکی (حنفی) سے حدیث مسلسل بالاولیۃ، سورۂ فاتحہ، اور سورہ صف کی سماعت کی مصافحہ و مشابکہ (انگلی میں انگلی ڈالنا) کیا اور کھجور اور پانی سے ضیافت کی۔ اور دعا کی قبولیت کے مقام ملتزم میں ان کی سند سے حدیث مسلسل کی روایت کرتے ہیں۔ تفسیر جلالین، تفسیر احمدی اور مختصر الوقایہ کے بعض اسباق میں بھی شریک ہوئے۔ اور آپکے سامنے "حصن الحصین" اور شیخ سعید سنبل کے رسالۃ اوائل الحدیث کی قرأت کی۔ شیخ عبدالحق نے انکو رسالۃ الاوائل کی اجازت بھی دی۔

شیخ سید محمد عبدالحی کتانی صاحب "فہرس الفہارس والاثبات" بھی شیخ عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکیؒ کے شاگردوں میں ہیں۔ ابوبکر حبشی نے کتانی کے شیوخ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا کہ۔

"ومنهم المحدث ، المفسر، الناسک محمد عبد الحق الهندى بن الشيخ شاه محمد بن الشيخ يار محمد الاله آبادى ، المكى، المعصر، صاحب الحاشية على تفسير النسفى"

(اوران میں محدث، مفسر، عابد وزاہد اور تفسیر نسفی کے محشی محمد عبدالحق ہندیؒ بن شیخ شاہ محمد بن شیخ یار محمد الہ آبادی مکی ہیں۔ آپ عمر رسیدہ (بزرگ) ہیں۔

مسلک: ارباب سیر نے فقہ میں شیخ عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکیؒ کے باکمال ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ شیخ حنفی فقیہ تھے، فقہ حنفی کے اصول وکلیات اور اسرار ورموز سے پوری طرح باخبر تھے، یہی وجہ ہے کہ حنفیت انکے نام کا جزو بن گئی۔ اکثر تذکرہ نگاروں کو ہم دیکھتے ہیں کہ شیخ کے نام کے ساتھ ''**الحنفی**'' ضرور لکھتے ہیں۔ علامہ زرکلی نے انہیں ''**عالم بفقه الحنفية و اصوله**'' لکھا ہے۔

بیعت وارشاد: شیخ عبدالحق پر فقہ اور منطق وفلسفہ کا رنگ غالب تھا، لیکن اسی کے ساتھ آپ راہ سلوک کے سالک بھی تھے، طہارت قلب اور تزکیۂ نفس کی فکر دامنگیر رہتی۔ ابن عربی کے طرز پر تصوف اور فلسفہ دونوں سے اشتغال تھا۔ آپ شیخ عبداللہ گورکھپوریؒ سے بیعت تھے۔ اور آپ کو مختلف بزرگوں سے اجازت وخلافت بھی حاصل تھی اور صاحبِ کشف وکرامات تھے، مکہ کے لوگوں کو آپ سے بہت اعتقاد تھا، آپ کی خدمت میں لوگ حاضر ہوتے اور دست مبارک پر اتباع شریعت وطریقت کا عہد وپیمان کرتے۔

علم وفضل: شیخ عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکیؒ کو اپنے زمانہ کے مروجہ علوم تفسیر، حدیث، فقہ، منطق وفلسہ اور علم کلام وغیرہ پر دسترس حاصل تھی۔ البتہ تفسیر وفقہ میں آپ کو اختصاص حاصل تھا اور معقولات کا رنگ غالب تھا۔ شیخ عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکیؒ کی جلالت شان کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہندوستان سے جانے والے حجاج اور اکابر علماء آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ''دلائل الخیرات'' کی اجازت حاصل کرتے۔ چنانچہ آپ کی شہرت ''شیخ الدلائل'' کے نام سے ہوئی۔ زرکلی فرماتے ہیں کہ،

”سکن مکة و عرف فیها بشیخ الدلائل ، لان الحجاج الهنود کانوا یاخذون منه اجازة ”دلائل الخیرات“ ویبایعونه“

(اور آپ (شیخ عبدالحق الہ آبادی) نے مکہ میں سکونت اختیار کی اور ”شیخ الدلائل“ کے نام سے مشہور ہوئے، کیونکہ ہندوستانی حجاج آپ سے ”دلائل الخیرات“ کی اجازت حاصل کرتے اور بیعت ہوتے تھے۔)

وانم باڑی کے خطیب قادر بادشاہ نے ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۷ء میں حج کیا، انہوں نے سفر حج کی روداد ”سفر نامہ حجاز“ کے نام سے لکھی ہے۔ اپنے اس سفر نامہ میں خطیب بادشاہ نے مکہ کے مشہور اساتذہ وشیوخ میں شیخ عبدالحق الہ آبادی کا تذکرہ کیا ہے، لکھتے ہیں کہ:

”تنعیم مکہ سے تین میل پر ہے۔۔۔ مولانا عبدالحق الہ آبادی چالیس برس سے یہاں ہیں۔ صاحب کمال اور مقبول ومحبوب ہیں، ان سے دلائل الخیرات وغیرہ کی سند لی۔“

مولانا محی الدین مدراسیؒ نے بھی ۱۳۲۲ھ میں حج کیا اور ایک سفر نامہ ”سفر نامہ حرمین شریفین“ کے نام سے لکھا۔ اس سفر نامہ میں مکہ معظّمہ و مدینہ منورہ کے معروف اساتذہ اور اساطین علم کے اسماء گرامی شمار کئے ہیں۔ مکہ کے علماء کی فہرست میں مولانا عبدالحق الہ آبادیؒ کا بھی نام شامل ہے۔ اسی طرح ۱۳۲۱ھ میں حج کے موقع پر مولانا عبدالغفار عراقی مئویؒ نے بھی شیخ عبدالحق الہ آبادیؒ کی

خدمت میں حاضر ہوکر ''رسالۃ الاوائل'' کی اجازت حاصل کی۔مولانا محمد لطیف مچھلی شہریؒ اور مولانا محمد اسلم فرنگی محلیؒ نے بھی بالترتیب ۱۳۰۸ھ اور ۱۳۲۲ھ میں شیخ سے ''دلائل الخیرات'' وغیرہ کی اجازت حاصل کی۔

شیخ عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکی متبحر عالم اور دقیق النظر محقق تھے۔شیخ سید محمد مرزوقیؒ نے آپ ہی کی خدمت میں رہ کر ملا علی قاریؒ کی ''الحزب الاعظم'' علامہ جزریؒ کی ''الحصن الحصین'' کی تصحیح کی۔جیسا کہ ''الدلیل المشیر'' میں اس کی تصریح ہے:

''ومنهم الشيخ محمد عبد الحق اله آبادی منشاً، المكی مجاورةً، صاحب ''حاشية مدارک النسفی'' فی التفسير ، حضر عليه كثيراً من دروس الفقه ، والتفسير، وصحح عليه ''الحزب الاعظم'' لملا علی قاری ،و'' الحصن الحصين '' للجزری ،وأجازه بكل علی حدة۔''

(ان میں شیخ محمد عبدالحق ہیں، جنکی جائے پیدائش الہ آباد اور جائے سکونت مکہ ہے تفسیر مدارک النسفی کے محشی ہیں، شیخ کے فقہ وتفسیر کے درس میں زیادہ تر وہ (مرزوقی) شریک ہوتے ہیں، انہیں کے پاس ملا علی قاری کی ''الحزب الاعظم'' جزری کی ''الحصن الحصین'' کی تصحیح کی۔شیخ نے ان کو (مرزوقی) ہر کتاب کی علیحدہ علیحدہ اجازت دی۔)

تصنیفات: شیخ عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکیؒ صاحب التصانیف بزرگ ہیں۔تذکرہ

نگاروں نے شیخ کی مختلف کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔ متعدد اہم کتابوں پر آپ کی تعلیقات وحواشی بھی ہیں۔ یوسف الیان سرکیسؒ نے شیخ کی کتابوں کا تذکرہ دو علیحدہ ناموں۔۔۔۔۔۔۔۔''**محمد عبد الحق الهندی**''اور''**محمد عبد الحق بن شاہ محمد بن یار علماء الجاوہ**'' کے ذیل میں کیا ہے۔

آپ کی کتابوں میں'' الاکلیل ا علی مدارک التنزیل وحقائق التاویل'' کو آفاقی شہرت حاصل ہے۔ دراصل یہ کتاب عبداللہ نسفی کی تفسیر مدارک التنزیل پر حاشیہ اور اسکی شرح ہے۔ شیخ نے اپنی شرح میں مدارک التنزیل کے معانی ومفاہیم کے اسرار ورموز سے بحث کی ہے۔ اوراس تفسیر میں جو جواہر پارے قاری کے نگاہ سے اوجھل تھے ان کو اجاگر کیا۔ یہ شرح تفسیر میں شیخ کی دقت نظر، وسعت مطالعہ اور انکے تبحر علمی کا آئینہ دار ہے۔ مسلسل تین برس اس پر صرف کئے تب کہیں جا کر'' الاکلیل علی مدارک التنزیل'' جیسی اہم ترین تفسیر معرض وجود میں آئی۔ ہے، ۱۳۳۶ھ میں شائع ہوئی۔'' الاکلیل'' ہندوستان میں مطبع اکلیل المطابع رسڑا سے چھپ کر شائع ہوئی۔ دوسری کتاب سراج السالکین ہے، یہ ابو حامد غزالی کی کتاب'' منہاج العابدین'' کی شرح ہے۔ ۱۲۹۷ھ میں اس کی تالیف کی۔ یہ کتاب ۱۳۳۱ھ میں طبع ہوئی۔ انکے علاوہ ایک کتاب'' نہایۃ الامل فی مسائل الحج'' بھی ہے۔

شیخ نے حمد اللہ سندیلی کی کتاب شرح السلم پر حواشی لکھے۔ درمختار پر بھی آپ کی تعلیقات ہیں۔ سعید بن سنبل کی'' رسالۃ الأوائل'' پہلی مرتبہ ہندوستان میں

ا الحمد للہ ہمارے کتب خانہ دار المعارف الاسلامیہ الہ آباد میں یہ متبرک کتاب موجود ہے فللہ الحمد والمنۃ (مرتب)

اکلیل المطالع رسٹراثم بہرائچ سے طبع ہوکر شائع ہوئی۔اور دوسری بار مصر سے سات جلدوں میں شائع ہوئی ۔ رسالۃ الا وائل کے ہندوستان ایڈیشن پر شیخ عبد الحق الہ آبادی مہاجر مکی کی تعلیقات ہیں ۔ اس نسخہ کو مکتبہ الاعظمی مئو نے ۱۳۸۲ھ میں محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمی کی تصحیح و تنقیح کے ساتھ شائع کیا ہے۔

وفات: ۱۹؍شوال ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۵ء میں آپ کا انتقال ہوا۔نظم الدرر میں بھی ۱۳۳۳ھ ہی سن وفات درج ہے۔لیکن شیخ اسماعیل الرمیح کے مطابق شیخ عبد الحق کا سن وفات ۱۳۳۶ھ یا ۱۳۳۵ھ ہے۔زرکلی نے شیخ اسماعیل الرمیح کے درج کردہ سن وفات پر عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے۔انکے مطابق شیخ اسماعیل نے سن وفات کی تحقیق میں بہت زیادہ اہتمام نہیں برتا ہے۔چنانچہ زرکلی نے ۱۳۳۳ھ سن وفات کو ہی صحیح قرار دیا ہے۔شیخ عبد الحق مہاجر مکی مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے قریب ''معلاۃ'' مکہ مکرمہ میں دفن ہیں نور اللہ ومرقدہ۔

حضرت مولانا الطاف حسین حالیؒ پانی پتی المتوفی ۱۳۳۳ھ

نام ونسب: نام الطاف حسین، تخلص حالی اور والد کا نام ایزد بخش انصاری ہے۔

ولادت: مولانا حالیؒ ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۳۷ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے،

تعلیم: سب سے پہلے آپ نے قرآن پاک حفظ کیا، مولوی ابراہیم پانی پتیؒ سے نحو وصرف اور منطق وغیرہ کی کتابیں، پھر دہلی چلے گئے، وہاں حضرت مولانا نوازش علیؒ دہلی سے تعلیم حاصل کیا، اور ۱۲۷۲ھ میں پانی پت واپس لوٹ آئے۔

آپ کی کتابیں: ان کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں (۱) دیوان حالی۔ (۲) مجموعہ نظم حالی (۳) مسدس مدوجزر اسلام (۴) جواہرات حالی۔ مناجات بیوہ اور چپ کی داد علیحدہ چھپی ہیں۔

(جدید شاعری، مؤلفہ ڈاکٹر عبادت علی بریلوی، شعبۂ اردو پنجاب یونیورسٹی لاہور: ص/ ۵۷۹)

مسدس حالی کا تعارف: اب ہم ''مسدس حالی'' سے چند اشعار درج کر رہے ہیں اس سے قبل ہم ''مسدس حالی'' کے متعلق ''جدید شاعری'' میں جو مذکور ہے اس کا کچھ حصہ نقل کر رہے ہیں تا کہ اس کی افادیت واہمیت کا اندازہ ہو۔

مسدس میں حالی کا قومی شعور اپنے شباب پر نظر آتا ہے، اس نظم میں وہ خود بھی روتے ہیں اور دوسروں کو رولاتے بھی ہیں، اسلام کی بلندی و برتری کو وہ خود بھی محسوس کرتے ہیں اور دوسروں کو محسوس کراتے بھی ہیں، یہ نظم دُکھے ہوئے دل کی پکار ہے، ایک سچے مسلمان کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی آواز

ہے،ایک مخلص انسان کی آنکھوں سے ٹپکا ہوا آنسو ہے،ایک مصلح کا پیام ہے ،ایک رہنما کا نعرہ ہے،اس نظم میں حالی کی آواز درد میں ڈوبی ہوئی نظر آتی ہے اوران کا شعور اپنی انتہائی بلندیوں پر نظر آتا ہے،یہ نظم حالی کی بہترین نظم ہے،بلکہ یہ کہنا بیجا نہیں کہ یہ اردو کی بہترین نظموں میں سے ایک ہے۔

حالی نے مسدس کو بقراط کے اس قول سے شروع کیا ہے کہ اس زندگی میں مرض کو مرض اور بیماری کو بیماری ہی سمجھنا سب سے مہلک مرض اور سب سے بڑی بیماری ہے۔

اس خیال کا اطلاق اس قوم کی زندگی پر کیا ہے جو اپنے حالات کا صحیح شعور نہیں رکھتی ،یہ قوم حالی کے خیال میں مسلمان قوم ہے،جس کی حالت اس وقت دگرگوں تھی اس کو اپنی ذلّت کا احساس باقی نہیں رہا تھا،غفلت عام تھی،غرض یہ کہ وہ تمام باتیں اس قوم میں موجود تھیں جو ایک زوال آمادہ قوم میں ہوتی ہے،اس قوم نے عقل اور مذہب سے مطلق کام نہ لیا بلکہ اپنے اعمال سے دین برحق تک کو بدنام کیا ۔چونکہ حضرت حالی کے زمانہ سے بھی بدتر حالات اب ہو چکے ہیں اس لئے مسدس حالی کے اشعار پڑھنے پڑھانے اور سننے سنانے کی مزید ضرورت ہے۔

(جدید شاعری:ص/۱۳۶)

اشعار: لہذا مسدس حالی کے کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیے اس سے ان شاء اللہ تعالی جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے اس کی توثیق وتصدیق ہوگی ،نیز ہم لوگوں کو عبرت ونصیحت بھی نصیب ہوگی۔وباللہ التوفیق۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

كَلِمَتَانِ غَرِيْبَتَانِ فَاحْتَمِلُوْهُمَا

دو باتیں نادر ہیں انہیں گوارا کرو

كَلِمَةُ حِكْمَةٍ مِنْ سَفِيْهٍ فَاقْبِلُوْهَا

دانائی کی بات جو نادان کہے اسے قبول کرو

وَكَلِمَةُ سَفَهٍ مِنْ حَكِيْمٍ فَاغْفِرُوْهَا

اور نادانی کی بات جو دانا کہے تو اسے بخش دو

رباعی

پستی کا کوئی حد سے گذرنا دیکھے　　اسلام کا گر کر نہ اُبھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد　　دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

مدوجزرِ اسلام

کسی نے یہ بقراط سے جا کے پوچھا　　مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا
کہا دکھ جہاں میں نہیں کوئی ایسا　　کہ جس کی دوا حق نے کی ہو نہ پیدا
مگر وہ مرض جس کو آسان سمجھیں
کہے جو طبیب اس کو ھذیان سمجھیں
سبب یا علامت گران کو سجھائیں　　تو تشخیص میں سو (۱۰۰) نکالیں خطائیں
دوا اور پرہیز سے جی چرائیں　　یوہی رفتہ رفتہ مرض کو بڑھائیں
طبیبوں سے ہرگز نہ مانوس ہوں وہ
یہاں تک کہ جینے سے مایوس ہوں وہ

یہی حال دنیا میں اس قوم کا ہے　　بھنور میں جہاز آکے جس کا گھِرا ہے
کنارہ ہے دور اور طوفان بپا ہے　　گماں ہے یہ ہر دم کہ اب ڈوبتا ہے
نہیں لیتے کروٹ مگر اہل کشتی
پڑے سوتے ہیں بے خبر اہل کشتی

بعثت رسول اللہؐ: اس کے چند اشعار کے بعد زمانۂ جاہلیت کا حال بیان کیا ہے ، پھر رسول اللہ ﷺ کی ولادت و بعثت کا ذکر فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

خطا کار سے درگذر کرنے والا　　بداندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا　　قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
سبق پھر شریعت کا ان کو پڑھایا　　حقیقت کا گُر ان کو اک اک بتایا
زمانہ کے بگڑے ہوؤں کو بنایا　　بہت دن کے سوتے ہوؤں کو جگایا
کھلے تھے نہ جو راز اب تک جہاں پر
وہ دکھلا دیئے ایک پردہ اٹھا کر

جتائی انہیں وقت کی قدر و قیمت　　دلائی انہیں کام کی حرص و رغبت
کہا چھوڑ دیں گے سب آخر رفاقت　　ہوں فرزند و زن اس میں یا مال و دولت
نہ چھوڑے گا پر ساتھ ہرگز تمہارا
بھلائی میں جو وقت تم نے گذارا

غنیمت ہے صحت علالت سے پہلے　　فراغت مشاغل کی کثرت سے پہلے
جوانی بڑھاپے کی زحمت سے پہلے　　اقامت مسافر کی رحلت سے پہلے
فقیری سے پہلے غنیمت ہے دولت
جو کرنا ہے کرلو کہ تھوڑی ہے مہلت

(ص/۲۳)

ڈرایا تعصب سے ان کو یہ کہہ کر　　کہ زندہ رہا اور مرا جو اسی پر
ہوا وہ ہماری جماعت سے باہر　　وہ ساتھی ہمارا نہ ہم اس کے یاور
نہیں حق سے کچھ اس محبت کو بہرا
کہ جو تم کو اندھا کرے اور بہرا
کہیں حفظ صحت کے آئین سکھائے　　سفر کے کہیں شوق ان کو دلائے
مفاد ان کو سوداگری کے سجھائے　　اصول ان کو فرماندہی کے بتائے
نشان راہ و منزل کا اک اک دکھایا
بنی نوع کا ان کو رہبر بنایا
جب امت کو سب مل چکی حق کی نعمت　　ادا کر چکی فرض اپنا رسالت
رہی حق پہ باقی نہ بندوں کی حجت　　نبی نے کیا خلق سے قصد رحلت
تو اسلام کی وارث اک قوم چھوڑی
کہ دنیا میں جس کی مثالیں ہیں تھوڑی

(مسدس: ص/۲۶)

مسلمانوں کا حال: اس کے بعد مسلمانوں کی ترقیات علمی و عملی کو دکھلایا ہے،

پھر ہر میدان میں ان کی تنزلی کو بھی واشگاف فرمایا ہے، اور مسلمانان ہند کے بدحالی کی بھی بڑے درد سے عکاسی فرمائی ہے جس کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

ہماری ہر ایک بات میں سفلہ پن ہے　　کمینوں سے بدتر ہمارا چلن ہے
لگا نامِ آباء کو ہم سے گہن ہے　　ہمارا قدم ننگ اہل وطن ہے
بزرگوں کی توقیر کھوئی ہے ہم نے
عرب کی شرافت ڈبوئی ہے ہم نے

نہ قوموں میں عزت نہ جلسوں میں وقعت　　نہ اپنوں سے الفت نہ غیروں سے ملت
مزاجوں میں سستی دماغوں میں نخوت　　خیالوں میں پستی، کمالوں سے نفرت
عداوت نہاں، دوستی آشکارا
غرض کی تواضع، غرض کی مدارا

نہ اہل حکومت کے ہمراز ہیں ہم　　نہ درباریوں میں سر افراز ہیں ہم
نہ علموں میں شایان اعزاز ہیں ہم　　نہ صنعت میں حرفت میں ممتاز ہیں ہم
نہ رکھتے ہیں کچھ منزلت نوکری میں
نہ حصہ ہمارا ہے سوداگری میں

تنزل نے کی ہے بری گت ہماری　　بہت دور پہنچی ہے نکبت ہماری
گئی گذری دنیا سے عزت ہماری　　نہیں کچھ ابھرنے کی صورت ہماری
پڑے ہیں اک امید کے ہم سہارے
توقع پہ جنت کی جیتے ہیں سارے

کسی قوم کا جب الٹتا ہے دفتر تو ہوتے ہیں مسخ ان میں پہلے تونگر
کمال ان میں رہتے ہیں باقی نہ جوہر نہ عقل ان کی ہادی نہ دیں ان کا رہبر
نہ دنیا میں ذلت ،نہ عزت کی پروا
نہ عقبیٰ میں دوزخ نہ جنت کی پروا
نہ مظلوم کی آہ وزاری سے ڈرنا نہ مفلوک کے حال پر رحم کرنا
ہواؤ ہوس میں خودی سے گذرنا تعیش میں جینا نمائش پر مرنا
سدا خواب غفلت میں بیہوش رہنا
دم نزع تک خودفراموش رہنا

یہ ہوسکتے ہیں ان کے ہم جنس کیونکر نہیں چین جن کو زمانے سے دم بھر
سواری کو گھوڑا نہ خدمت کو نوکر نہ رہنے کو گھر اور نہ سونے کو بستر
پہننے کو کپڑا نہ کھانے کو روٹی
جو تدبیر الٹی تو تقدیر کھوٹی
یہ پہلا سبق تھا کتاب ھُدیٰ کا کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا
وہی دوست ہے خالق دوسرا کا خلائق سے ہے جس کو رشتہ ولا کا
یہی ہے عبادت ،یہی دین و ایمان
کہ کام آئے دنیا میں انسان کے انسان
پڑی ہیں سب اجڑی ہوئی خانقاہیں وہ درویش و سلطاں کی امید گاہیں
کھلی تھیں جہاں علم باطن کی راہیں فرشتوں کی پڑتی تھیں جن پر نگاہیں

کہاں ہیں وہ جذب الٰہی کے پھندے
کہاں ہیں وہ اللہ کے پاک بندے

وہ علم شریعت کے ماہر کدھر ہیں وہ اخبار دیں کے مبصر کدھر ہیں
اصولی کدھر ہیں ، مناظر کدھر ہیں محدث کہاں ہیں، مفسر کدھر ہیں

وہ مجلس جو کل سر بسر تھی چراغاں
چراغ اب کہیں ٹمٹماتا نہیں واں

(ص/۵۶)

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں

نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

(ص/۶۰)

حضور اقدس ﷺ کی جناب میں آپ کا عرض حال ؎

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقت دعا ہے امت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے

(ص/۱۱۷)

وفات: آپ کا انتقال ۱۳۳۳ھ مطابق دسمبر ۱۹۱۴ء بمقام پانی پت ہوا، اور بوعلی شاہ قلندرؒ کی درگاہ میں سپرد خاک کئے گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

حضرت مفتی لطف اللہ علی گڈھی المتوفی ۱۳۳۴ھ

نسب وولادت: مفتی لطف اللہ بن اسد اللہ بن فیض اللہ بن لعل محمد، حنفی، کوئلی، ہندوستان کے مشہور اساتذہ میں سے ہیں، ۱۲۴۴ھ، میں علی گڈھ کے دیہات میں پیدا ہوئے، اپنے علاقہ کے اساتذہ سے مختصر کتابیں پڑھیں، اس کے بعد سفر کر کے مفتی عنایت احمد حنفی کاکورویؒ کی خدمت کو خود پر لازم کر لی۔ ان سے درسی کتابیں پڑھیں۔ اور بہت سے علوم وفنون میں ماہر ہو گئے۔ میں نے ایک قابل اعتماد شخص (مولانا عبدالحئی) سے سنا ہے (شاید وہ مولوی حبیب الرحمن ہیں) کہ انہوں نے حدیث کی سند قاری عبدالرحمن پانی پتی سے حاصل کی۔ پھر کانپور شہر کے فیض عام مدرسہ میں طویل مدت تک کتابیں پڑھائیں اور فائدے پہونچائے۔ پھر اپنے علاقہ کوئل (علیگڈھ) میں واپس آ کر پڑھانے کا ہی مشغلہ اختیار کیا۔

علمی سرداری: ہندوستان اور خراسان کے ہزاروں علماء نے آپ سے پڑھا۔ اور دنیا کے مختلف علاقوں میں پھیل گئے۔ بہت سے مدارس کی انھوں نے بنیادیں رکھیں۔ اس لئے آپ پر بہت بڑی علمی سرداری منتہی ہوئی اور ان لوگوں کے لئے مستقل لوٹنے کی جگہ اور مقصد بن گئے۔ دور دراز اور سخت علاقوں سے آپ کے پاس لوگ آنے لگے۔

۱۳۱۲ھ میں حکومت آصفیہ، حیدرآباد کے وزیر نواب وقار الامراء نے آپ کا اپنے بڑھاپے میں استقبال کیا۔ اور دارالعلوم میں صدارت آپ کے حوالہ کی۔ پھر افتاء کا شعبہ بھی آپ کے ذمہ کر دیا۔ اسی پر مدت زمانہ تک مستقل رہے اور

جب آپ کی بینائی ختم ہوگئی تو اپنے شہر لوٹ آئے۔اور پنشن پانے لگے۔

عمدہ اخلاق واوصاف: اپنے مزاج کے لحاظ سے علوم میں بڑی صلاحیت رکھنے کے باوجود خاموش رہنے والے، اچھے اخلاق کے مالک، کریم النفس، کینہ اور غیظ وغضب سے آپ کا باطن بالکل سالم تھا۔

کسی کو بھی برائی کے ساتھ یاد نہیں کرتے۔اور جو کوئی آپ کے ساتھ برائی سے پیش آتا اس کے ساتھ بھی اچھائی سے پیش آتے۔کسی کے سامنے بھی منہ چڑھانے اور منہ بنانے کو ظاہر نہیں کرتے۔آپ لوگوں کے ساتھ بہت زیادہ تواضع اور نرمی سے پیش آتے۔فقراء کی مجلسوں میں بیٹھتے اور ان سے باتیں کرتے اور ان کو بڑے بڑے عطایا مرحمت فرماتے۔علماء اور فضلاء کو محبوب رکھتے۔اولیاء اور مشائخ پر اعتقاد رکھتے۔فرائض اور سنن کی بڑی پابندی کرتے۔

ہمیشہ خوش رہنے والے، باوقار اور باادب، نظریں نیچی رکھنے والے، تکلیف سے بہت دور، عمدہ اشعار کی بہت پہچان، ذوق بہت ہی بلند، زبان کے پاک، اچھے کلام والے تھے۔

ایسے شاگرد آپ کو ملے جو بڑے شریف اور کچھ دنوں بعد بڑے علماء میں شمار ہوئے اور بہت ہی کم عوض میں دنیا میں علوم کی اشاعت کی اور وہ اپنے زمانہ کے اساتذہ اور مدرسین بنے۔

وفات: آپ نے ۱۰/ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ علی گڑھ شہر میں نوے سال کی عمر میں وفات پائی۔نور اللہ مرقدہ۔(چودہویں صدی کے علماء برصغیر جلد:۸ صفحہ:۴۷۹)

(ترجمہ نزھۃ الخواطر)

حضرت مولانا حافظ غلام محمد راندیریؒ متوفی ۱۳۳۴ھ

نام ونسب: نام غلام محمد، والد کا نام حافظ صادق ہے، وطن راندیر ضلع سورت ہے۔

تعلیم: آپ نے علوم دینیہ کی تحصیل ہندوستان کے متعدد شہروں مثلاً میرٹھ، دہلی، دیوبند، کانپور وغیرہ میں کی تھی، ہمیشہ ماہرین وکاملین فن کی تلاش میں رہتے اور جہاں کسی اہل کمال کا سراغ ملتا اس کی خدمت میں حاضر ہوکر استفادہ کرتے۔

حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، ذکاوت وذہانت میں یکانۂ روزگار تھے، علوم دینیہ میں آپ کو کامل دستگاہ حاصل تھی، مسائل فقہیہ میں نہایت وسیع نظر رکھتے تھے۔

اوصاف وکمالات: باوجود ان کمالات کے طبیعت میں نہایت سادگی تھی، زہد وتقوی آپکا خواص وعوام میں آفتاب کی طرح روشن تھا، حق گوئی آپ کا ممتاز وصف تھا، نہایت بلند ہمت، دینی خدمات میں چست اور کریم النفس بزرگ تھے، لباس سادہ پہنتے اور بسا اوقات موٹا کپڑا استعمال فرماتے تھے۔

بیعت: شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ سے شرف بیعت حاصل تھا، اس تعلق کی بنا پر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہ سے آپ کو بے حد محبت تھی، اکثر خدمت مبارک میں حاضر ہوتے اور مولانا بھی آپ کی

طرف خاص التفات سے نظر فرماتے تھے، مولانا کو آپ کے ساتھ دلی تعلق تھا۔

کمالات: دن کو دینی خدمات میں مشغول رہتے اور رات ریاضت ومجاہدہ اور عبادت میں گذرتی، محنت وجفاکشی اور مشقت کا دلی جوش سے خیر مقدم کرتے تھے، اور ہر نیک کام میں دوسرے ہمراہیوں سے آگے آگے رہتے۔

لوگوں کے عقائد واعمال درست کرنے کی دھن میں ہمیشہ سرگرم رہتے، اور دن رات اسکی تدبیریں سوچتے رہتے تھے اور ان تدبیروں کو منصۂ وجود پر لاتے رہتے تھے۔

مخالفین اسلام سے مناظرہ ومقابلہ کرنے کا ان کو خاص شوق تھا اور اس میں آپ کو ایک خاص مہارت ہوگئی تھی، بڑے بڑے پادری اور پنڈت وغیرہ آپ کے سامنے آتے ہوئے گھبراتے، اور اکثر اوقات آپکا نام سن کر دم چرا جاتے تھے۔

تصانیف: گجرات کے مسلمانوں پر آپ نے جو دینی احسانات کئے ہیں، وہ نہایت عظیم الشان ہیں، آپ سے پہلے کسی نے یہ کام نہیں کیا، جو آپ نے اپنے برادران وطن کی خیر خواہی کی بناء پر انجام دیا۔

عقائد وفقہ کی بہت سی کتابوں کا گجراتی میں ترجمہ کیا، اور چھپوا کر شائع کیا، اگر یہ کہا جائے کہ گجرات کے لوگوں کے عقائد اور اعمال کی اصلاح اور درستی مولانا کے گجراتی تراجم ہی کی بدولت ہوئی ہے تو بے جا نہ ہوگا یہ تمام دینی خدمات حسبۃ للہ انجام دیتے تھے، اور نہایت شوق واخلاص سے رات دن اس میں مشغول رہتے۔

سچ تو یہ ہے کہ ضلع سورت اور اس کے اطراف اور کاٹھیاوار میں جس قدر دینی روشنی نظر آ رہی ہے، وہ حضرت مولانا حافظ محمد اسماعیل صاحب مرحوم وحضرت مولانا حافظ غلام محمد صاحب مرحوم کے انفاس طیبہ کے طفیل سے پھیلی ہے۔ اللہ تعالی ان حضرات کے قبروں کو نور سے بھرے، اور ان پر رحمتوں کی بارشیں برسائے۔

فرق صرف یہ ہے کہ حضرت مولانا حافظ محمد اسماعیل صاحب مرحوم کا فیض ان کے وعظ ونصیحت کے ذریعہ پھیلا، انھوں نے تالیف وتصنیف کی جانب توجہ نہ فرمائی، ان کی زیادہ تر توجہ وعظ ونصیحت کی جانب مبذول رہی اور حضرت مولانا مولوی غلام محمد صاحبؒ نے تصنیف وترجمہ کے ذریعہ سے اصلاح فرمائی دونوں کا فیض عام اور اشاعت پذیر ہوا، **جزاھم اللہ عنا وعن سائر المؤمنین۔**

وفات: ۱۷/مارچ ۱۹۱۶ء مطابق ۱۲/جمادی الاولی ۱۳۳۴ھ کو جمعہ کا دن تھا آپ جمعہ کی نماز کو تشریف لے گئے، نماز پڑھی اور واپس آئے، تقریباً ترپین سال کی عمر میں علم وتقوی ہدایت وارشاد کا آفتاب وقت عصر سے پہلے غروب ہوگیا۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون**

حضرت مولانا کی وفات قابل غبطہ ہے، نہ ایک وقت کی نماز قضاء ہوئی نہ مرض کی وجہ سے صاحب فراش رہے، بلکہ چلتے پھرتے آناً فاناً ہوش وحواس کی حالت میں کلمہ پڑھتے پڑھتے نہایت اطمینان وسکون کے ساتھ جوار رب العزت میں چلے گئے، **رحمہ اللہ تعالی رحمۃ واسعۃ**

(ذکر صالحین ص ۲)

حضرت مولانا امام الدین خاں پنجابیؒ[1] م: ۱۳۳۵ھ

نام ونسب اور وطن: مولانا پنجابیؒ کا نام امام الدین خاں اور آپ کے والد کا اسم گرامی نورالدین خاں عرف نور خاں تھا۔

آپ کا آبائی وطن پنجاب کا شہر کالانور بٹالا تھا، اصلی قدیم آبائی وطن پنجاب کا مغربی خطہ باجوڑ کا وہ علاقہ ہے جس کو براول کہا جاتا ہے، آپ کے اجداد میں کسی نے براول سے ترکِ سکونت کر کے اس علاقہ میں سکونت اختیار کی جو پنجاب کا آخری کنارہ افغانستان سے قریب تر علاقہ ہے، جس کو سب سے پہلے ۹۶ھ میں حضرت محمد ابن قاسمؒ نے فتح کر کے وہاں ایک اسلامی حکومت قائم کی، اور اسلام کی اشاعت وہاں بڑے پیمانے پر ہوئی، اب یہ کہ مولانا پنجابیؒ کے اجداد وہاں کتنے برسوں تک رہے اس کا علم نہیں لیکن نامعلوم اسباب کی بنا پر مولانا پنجابی کا خاندان وہاں سے ترک سکونت کر کے کالانور بٹالا میں جا کر آباد ہوا۔ مولانا پنجابیؒ کی پیدائش اسی علاقہ کالانور بٹالا میں ہوئی۔

تحصیل علم: مولانا پنجابیؒ نے اپنی یادداشت کی تحریر میں قصبہ مئوناتھ بھنجن

---

(۱) بہت دنوں سے خواہش تھی کہ حضرت مولانا امام الدین خاں صاحب پنجابیؒ کے متعلق کچھ معلومات حاصل ہوں، اللہ کا شکر ہے کہ مولانا اسیر ادروی مدیر رسالہ ''ترجمان الاسلام'' بنارس نے ادھر توجہ فرمائی اور محنتِ شاقہ کے بعد مختلف مقامات کے درہائے نادرہ کو چن کر یکجا فرمادیا اور صاحب سوانح کے پر پوتے برادر مکرم قمر الباری ابن مولانا برکات احمد صاحب قاسمی نے نشر وطباعت کی خدمت انجام دی، فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔ (مرتب)

آنے کا سال ۱۲۹۸ھ بتایا ہے، اس سے پہلے کی تعلیم وتعلم کی تفصیل معلوم نہیں ہوسکی، ہاں خاندانی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا پنجابیؒ مدرسہ دارالعلوم دیوبند بغرض تعلیم آئے اور داخلہ بھی ہوگیا، لیکن قیام وطعام کا مدرسہ کی جانب سے کوئی انتظام نہ ہوسکا اس لئے آپ قصبہ کی ایک مسجد میں مقیم ہوگئے، بھوکے پیاسے مدرسہ آتے جاتے رہے اور پڑھتے رہے، کئی دنوں کے فاقہ کے بعد آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے، رات کا وقت تھا، ایک نووارد شخص نے مسجد میں ان کا حال پوچھا، آپ نے صورت حال بتلائی تو اس شخص نے کہا کہ مسجد کے فلاں طاق پر روزانہ تمہارا کھانا رکھا رہے گا، تم وہاں سے لیکر کھالیا کرنا، چنانچہ جب مدرسہ سے پڑھ کر مسجد آتے تھے تو کھانا موجود رہتا تھا، اس طرح آپ نے تعلیم جاری رکھی مگر جب مدرسہ کی طرف سے آپ کا کھانے کا انتظام ہوگیا تو وہ سلسلہ بند ہوگیا۔

بیعت: مدرسہ دارالعلوم دیوبند سے سند فضیلت لیکر مولانا پنجابی اویس زمانہ مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ سے بیعت ہوئے اور کچھ دنوں آپ کی خدمت میں رہے، اسکے بعد مئوناتھ بھنجن ۱۲۹۸ھ میں آئے، ممکن ہے حضرت مولانا فضل رحمن گنج مرادآبادیؒ ہی کے حکم سے آپ قصبہ مئوناتھ بھنجن تشریف لائے ہوں، تاکہ اشاعت دین، دعوت الی اللہ اور اصلاح معاشرہ کے فرائض انجام دیں، چنانچہ آپ نے اپنی پوری زندگی یہاں خدمات دینیہ میں صرف کردی، فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

تلقین کلمہ کی اجازت: حضرت شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ کی خانقاہ بغداد کے سجادہ نشین اور پوتے جناب مصطفیٰ القادریؒ نے آپ کو کلمۂ توحید کی تلقین فرما کر اپنا شجرہ عطا کیا تھا۔

جس میں اولاً ایک طویل خطبہ ہے اس کے بعد جو عبارت اجازت سے متعلق ہے اس کا متن یہ ہے:

اما بعد ! فان الرجل الصالح المقبل علیٰ مولاہ، المعرض عمن سواہ، الراغب فی الدارالآخرہ الدرویش امام الدین ابن نورمحمد هندی قدم بغداد فزار حضرة جدی قطب الدوائر ودرة الزخائر ملحق الاصاغر بالاکابر الغوث الصمدانی والقندیل النورانی صاحب الاشارات والمعانی السید الشیخ عبدالقادر الجیلانی قدس سرہٗ ثم بعد الزیارة جآئ الینا والتمس منا بتلقین کلمة التوحید فَلَقَّنْتُه کما تلقّنها بالسند عن جدی وشیخی

ترجمہ:- بیشک یہ نیک مرد جو اپنے مولا سے لو لگانے والے اور غیر اللہ سے اعراض کرنے والے اور دارِ آخرت کی طرف پوری طرح رغبت کرنے والے درویش جن کا نام امام الدین ابن نور محمد ہندی ہے۔ بغداد آئے اور میرے دادا بزرگوار کے قبر کی زیارت کی جو تمام دائروں کے قطب اور خزانوں کے موتی ہیں، چھوٹوں کو بڑوں سے ملانے والے ہیں یعنی غوث صمدانی قندیل نورانی صاحب اشارات ومعانی سید شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ۔ پھر زیارت کے بعد ہمارے پاس آئے اور ہم سے کلمۂ توحید کی تلقین کے خواہش مند ہوئے تو ہم نے ان کو کلمۂ توحید تلقین کر دیا جیسا کہ ہم نے اس کی تلقین حاصل کیا تھا اپنے دادا اور شیخ سید شیخ علی قادری سے۔ الخ

السید الشیخ علی القادری (اس کے بعد تلقین کلمہ کا پورا سلسلہ رسول الخ۔۔۔ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک مذکور ہے)

درس وتدریس وتلامذہ: قصبہ مئو کے محلہ یوسف پورہ کی ایک چھوٹی سی مسجد میں آپ نے مستقل سکونت اختیار کرلی، بعض معزز علمی گھرانوں نے مولانا پنجابیؒ کے علمی مقام ومرتبہ کو پہچانا اوران سے رابطہ بڑھایا، اورجب وعظ وتقریر وگفتگو سے مولانا پنجابی کے علم وفضل کا ظہور ہوا تو ان گھرانوں نے مولانا سے درخواست کی کہ ان کی اولاد کو علوم اسلامیہ کی تعلیم دے دیں اوران گھرانوں نے اپنے شوقین اور ذہین لڑکوں کو مولانا کے سپرد کردیا اوراسی مسجد میں محفل درس قائم ہوگئی، اور برسوں یہ محفل قائم رہی، افادہ اور استفادہ کا سلسلہ مسلسل جاری رہا، مولانا پنجابیؒ کے ایک سعادت مند شاگرد حضرت مولانا عبدالغفار صاحب عراقی (جنہوں نے حدیث شریف حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سے پڑھی تھی اور محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمی کے استاد ہیں) وہ بیان کرتے ہیں کہ:

”میں نے مولانا پنجابی سے شرح جامی، شرح تہذیب، قطبی تصورات مع حاشیہ پڑھی، ان کے علاوہ میں نے آپ سے شافیہ، کنزالدقائق، تلخیص المفتاح، مختصر المعانی اور علم الفرائض پڑھیں“۔

ظاہر ہے کہ حضرت مولانا عبدالغفار صاحبؒ عراقی تنہا نہیں رہے ہوں گے ان کے ساتھ پوری جماعت شریک درس رہی ہوگی، اور درس وتدریس کا ۲۵، ۳۰ سال تک سلسلہ جاری رہا، بہت سے طلبہ نے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا ہوگا، باعظمت تلامذہ میں حضرت مولانا عبدالغفار صاحبؒ کے بھائی حضرت

مولانا ابوالحسنؒ اور حضرت مولانا ضمیر احمد قدسی (جنہوں نے حدیث شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ سے پڑھی تھی) اور حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب وہ بھی مولانا پنجابی کے عزیز ترین شاگردوں میں سے تھے۔

مولانا پنجابی نے اپنی مسجد میں جو سلسلۂ درس قائم کر رکھا تھا اس کا فیض تو بہت دنوں تک جاری رہا لیکن بعض روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت مولانا پنجابیؒ نے قصبہ بہادر گنج ضلع غازی پور جو قصبہ مئو سے جانب مشرق ۸ میل (۱۴،۱۵ کلومیٹر) کے فاصلہ پر ہے وہاں بھی کچھ دنوں تدریسی فرائض انجام دئے ہیں جیسا کہ مولانا عبدالغفار صاحب شاگرد مولانا پنجابی کے بیان سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ

''میں نے توضیح تلویح اور حمد اللہ مولانا پنجابیؒ سے ان دنوں پڑھیں جب مولانا موصوف قصبہ بہادر گنج میں فرائض تدریس انجام دے رہے تھے''

قصبہ ادری میں دینی مدرسہ کا قیام: مولانا پنجابیؒ وعظ و نصیحت کے لئے قصبہ ادری بھی آیا کرتے تھے، یہاں دینی تعلیم کا کوئی نظم نہیں تھا، نہ کوئی عالم تھا نہ نئی نسل تعلیم حاصل کر رہی تھی، کیونکہ یہاں کسی مکتب کا بھی وجود نہیں تھا، اس لئے آپ نے لوگوں کو توجہ دلائی اور قصبہ کی جامع مسجد میں ایک مدرسہ ''فیض الغرباء'' کے نام سے قائم کر دیا، عوام میں کچھ بیداری آئی تو چند سر برآوردہ افراد نے جامع مسجد کے فرش سے متصل جانب مشرق میں ایک طویل سائبان تعمیر کر دیا اور اس کے شمالی حصہ میں ایک کمرہ استاذ کے لئے بنا دیا اور اطراف و جوانب کے ممتاز افراد کو مدرسہ کی انتظامیہ کا رکن بنایا، یہ ایک عرصہ تک جاری رہا اور سیکڑوں طلبہ اسی

مدرسہ کے ذریعہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے راہ پر لگے، آخری دور میں مولانا پنجابیؒ کے صاحبزادے مولانا محمد زماں خاں صاحب اس کے مدرس رہے، یہ مدرسہ تقریباً پچاس پچپن برس تک قائم رہا، اور اسی مدرسہ کے صدقہ میں قصبہ ادری میں تعلیمی بیداری پیدا ہوئی تھی، علماء وحفاظ کی وہ کثرت ہوئی کہ اطراف وجوانب میں ان کی کم مثالیں تھیں، اسی مدرسہ میں ۱۹۳۰ء یا ۱۹۳۱ء میں حضرت مولانا عبدالجبار صاحب معروفیؒ کئی برس مدرس رہے۔

تاریخ ساز مناظرہ: ۱۹۳۳ء میں قصبہ ادری کے اندر بریلوی علماء سے ایک تاریخ ساز مناظرہ ہوگیا، جس کی وجہ سے قصبہ کے مسلمانوں میں دو گروہ ہوگئے، اس اختلاف کی سب سے پہلی زد جامع مسجد اور مدرسہ پر پڑی اور پھر مدرسہ ٹوٹ گیا اور اس کے بعد اہل حق نے دوسرے مدارس قائم کئے، جو ماشاء اللہ چل رہے ہیں۔

مدرسہ مفتاح العلوم مئو: حضرت مولانا پنجابیؒ نے مئو ناتھ بھنجن کے محلّہ الہ داد پورہ میں ایک مدرسہ قائم فرمادیا تھا، جس کو حضرت مولانا ابوالحسن عراقی مئویؒ نے شاہی مسجد کٹرہ میں منتقل فرمایا، جو اب مدرسہ مفتاح العلوم مئو کے نام سے معروف ومشہور ہے جو ماشاء اللہ بخیر وخوبی جاری وساری ہے۔

شاہی مسجد کٹرہ: کٹرہ کی شاہی مسجد تین دروں والی چھوٹی سی مسجد تھی جس میں تھوڑے سے مصلیوں کی گنجائش تھی، بیسویں صدی کے بالکل آغاز میں مولانا پنجابیؒ کی تحریک اور توجہ دہانی پر مسلمانان قصبہ نے اس کی توسیع واضافہ کا ارادہ کیا اور شاہی مسجد کے شمال وجنوب میں چوگنا اضافہ کرکے چارگنا مصلیوں کے لئے

گنجائش پیدا کردی، مزید مولاناؒ کی خصوصی دعاوتوجہ سے اس کے سامنے سائبان کی بھی تعمیر ہوگئی۔فللّٰہ الحمد والمنۃ۔

تصنیفات: مولانا امام الدین پنجابیؒ علماء دیوبند کی طرح اپنی زندگی کے ہرشعبہ میں فعال اورمتحرک تھے،ایک طرف وہ بدعات وخرافات اورمشرکانہ رسم ورواج کے خلاف علم جہاد بلند کئے ہوئے تھے تو دوسری طرف مسندِ درس پر بیٹھ کرعلوم اسلامی کی اہم ترین کتابوں کا درس دے رہے تھے اوردینی تعلیم کو عام کرنے کی مہم میں لگے ہوئے تھے،تیسری طرف ملکی سطح پر جو باطل نظریات پھیلائے جارہے تھے ان سے بھی واقف تھے،اوران کی تردید میں رسالے اورکتابیں بھی تصنیف کرتے رہے، غرض مولانا پنجابیؒ کی پوری زندگی اسی نہج پر گزری کہ وہ تقریر میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ پوری قوت ایمانی سے ادا کرتے تھے تو دوسری طرف ذہین وفطین اور باصلاحیت تلامذہ کو ہر علم وفن کی کتابیں بھی پڑھاتے تھے،اورمفید کتابیں بھی تصنیف فرماتے تھے۔

مولانا پنجابی کے کاغذات اورمخطوطات کا ایک بڑا انباران کے ورثاء کے پاس موجود ہے،لیکن ان میں کوئی بھی تحریر خود مولانا پنجابی کے قلم سے نہیں ہے سب ان کے تلامذہ کے قلم سے ہے،چنانچہ مختلف مسائل پر آپ کے آدھے درجن سے زائد رسالے اورتصنیفات موجود ہیں۔

ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں: البلاغ المبین،تبیین الکلام فی دفع الخصام، مصابیح الاطلاع علی تحریم التواجد والسماع ، ربیع الانوار، اس رسالہ میں ہندوستان میں مروج محفل میلاد پر اظہار خیال کیا گیا ہے،آپ نے ابن خلقان

کے حوالے سے محفل میلاد کے موجد کی نشاندہی کی ہے کہ مظفر الدین شاہ اربل نے چھٹی صدی ہجری میں موجود طرز کی محفل میلاد کی ایجاد کی ہے اس سے پہلے کہیں بھی اس طرح کی محفلوں کا ذکر نہیں ملتا۔

رسالہ چرم قربانی: ان رسائل میں ایک مختصر رسالہ چرم قربانی کے سلسلہ میں ہے، اس رسالہ کی تحریر کا باعث یہ ہوا کہ آپ نے جامع مسجد شاہی کٹرہ مئو کی تعمیر ومرمت کے سلسلہ میں ایک وعظ فرمایا اس میں آپ نے یہ تجویز رکھی کہ امسال چرم قربانی ایک شخص خاص کو دیدی جائے اور اس کو مالک بنادیا جائے اور وہ چرم قربانی فروخت کرکے اس رقم سے مسجد کی تعمیر ومرمت کرادے، بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا کہ یہ شرعاً درست نہیں ہے۔

تو آپ نے اس کے جواب میں یہ رسالہ تحریر فرمایا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جوش جہاد کا فطری جذبہ: ۱۸۸۲ء میں انسداد گاؤکشی کی ایک تحریک پورے ہندوستان میں اٹھی اس کی لہر ۱۸۹۳ء میں مشرقی اتر پردیش ضلع بلیا کی طرف آئی اور ضلع اعظم گڈھ مشرقی حصہ جواب مئو ضلع میں ہے اس سے زیادہ متاثر ہوا، یہ ایک جارحانہ تحریک تھی جس کے زیر اثر مقامی وبیرونی ہندو ایک منظم سازش کے تحت قربانی کی ادائیگی سے روکنے کے لئے مسلمانوں پر چڑھ آئے تھے، اس درندہ صفت لشکر کا ایک حصہ قصبہ کوپاگنج پر حملہ آور ہوا اور بڑی تباہی مچائی، اور ایک بڑی بھیڑ قصبہ مئو کی طرف بڑھی، مسلمانوں نے اس آفت ناگہانی کا مقابلہ اپنی بے سروسامانی کے باوجود بڑی پامردی اور جواں مردی کے ساتھ کیا جس کی قیادت مولانا امام الدین پنجابیؒ نے فرمائی جنہوں نے مئو کو اپنی تبلیغی اور تعلیمی تحریک کے مرکز کے

طور پر منتخب کیا تھا، مولانا کی تقریروں نے جذبۂ جہاد اور شوق شہادت کی چنگاری مسلمانوں کے دلوں میں روشن کردی اور ایک ایمان افروز ماحول بنادیا اور آپ نے مسلمانوں کو تقریروں سے جوش دلایا اور ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی ہمت دلائی ،جس کی وجہ سے انہوں نے ہندوؤں کا منھ توڑ جواب دیا۔

اس داستان کی ترجمانی مولوی نور محمد کوٹھا مرحوم نے اپنی مثنوی ''داستان مظلوم'' میں تفصیل سے کی ہے جو قلمی نسخہ ہے اس کا تعارف مبشر اعجاز صاحب نے ''معرکۂ گورچھنی'' کے عنوان سے ماہنامہ ترجمان الاسلام بابت اپریل مئی جون ۲۰۰۱ء میں بنارس میں کرایا ہے۔

اس مثنوی میں مولانا امام الدین پنجابیؒ کے بارے میں جو اشعار ہیں ان میں سے چند یہ ہیں ؎

دین داروں کے کمال افسر بھی تھے　　مولوی ایک صوبۂ پنجاب کے
نام امام الدین ،پنجابی لقب　　ہمت وجرأت میں یکتا،منتخب
دیتے تھے ترغیب وتحریض جنگ　　تابڑھیں دل اور پیدا ہوا منگ
شیر مردو! جیت لو میدان کو　　یا فدا کردو تم اپنی جان کو

اولاد: مولانا پنجابی جب ۱۲۹۸ھ میں قصبہ مئوناتھ بھنجن آئے اس وقت ان کی عمر ۳۸ سال کی ہو چکی تھی، نکاح بیوگان کی تحریک کے سلسلہ میں جب آپ موضع شاہ پور تشریف لے گئے جو پنٹی افغان کی ایک چھوٹی آبادی تھی وہیں افغان برادری کی ایک بیوہ سے خود نکاح کرکے عملی طور پر اپنا نمونہ پیش کیا تھا، چنانچہ یہ نکاح بڑا بابرکت ثابت ہوا، آپ کی نسل اسی شریف خاتون سے چلی ،مولانا پنجابی

نے اپنی خود نوشت میں ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ:

''اللہ سبحانہ وتعالی نے اپنے فضل وکرم سے تین فرزند بھی عطا فرمائے، حبیب الرحمن خاں، فضل الرحمن خاں، محمد زماں خاں، اللہ ان کو علم وعمل کی توفیق بخشے اور آفات وبلیات سے پناہ دے اور ان میں برکت کرے اللہ بس، باقی ہوس، والسلام کتبہ ابوالفضل امام الدین خاں محلہ یوسف پورہ ۵ رشوال المعظم ۱۳۲۴ھ

مولانا فضل الرحمن خاں صاحب کا نکاح منشی رضا خاں صاحب ادروی کی ہمشیرہ سے ہوا جن سے صاحب زادے مولانا برکات احمد قاسمی اور مولانا بختیار حسن صاحب پیدا ہوئے، مولانا برکات احمد قاسمیؒ کے ماشاءاللہ صاحبزادگان مولانا ظہور الباری ظفر الباری، قمر الباری، ظہیر الباری، عبدالباری، فیض الباری صاحبان ہیں۔

منشی محمد رضا خاں صاحب نہایت صالح پابند صوم وصلوٰۃ اور اوراد ووظائف تھے، حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری الہ آبادیؒ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے، اور انہیں کے صاحبزادے مکرم مولانا محمد طیب صاحبؒ زید مجدہ کی صاحب زادی سے اس حقیر کے لڑکے مولوی مقبول احمد قاسمی کا نکاح ہوا ہے وللہ الحمد والمنۃ۔

وفات: مولانا پنجابیؒ کا انتقال ۱۳۳۵ھ میں ضلع مئو میں ہوا، اور محلہ اورنگ آباد میں مدفون ہوئے، نوّر اللہ مرقدہ۔

حضرت شیخ محمد عبدالعلیم آسیؒ غازی پوری المتوفی ۱۳۳۵ھ

نام ونسب: نام عبدالعلیم، تاریخی نام خلیل اشرف ہے، اور لقب بحرالاسرار ہے، والد کا نام شیخ قنبر حسین ہے۔ نسباً آپ انصاری تھے۔ آپ کا تخلص آسی ہے۔ آپ کے اجداد کے جد مادری بندگی شیخ مبارکؒ تھے جو عدن سے سکندر پور تشریف لائے جن کی مزار سکندر پور بلیا میں ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت ۱۹ رشعبان ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۸۳۴ء میں سکندر پور ضلع بلیا یوپی میں ہوئی۔

تعلیم: ابتدائی کتابیں سیوان میں اپنے حقیقی نانا مفتی احسان علیؒ سے پڑھیں۔ اس کے بعد عربی کی اعلیٰ استعداد کے لئے جون پور تشریف لائے اور آستانہ رشیدیہ میں حاضر ہوکر شاہ غلام معین الدینؒ سے پڑھنے لگے۔ آپ بہت ہی ذہین وفہیم تھے۔ اس لئے استاد کی عنایتِ خاص تھی۔ میر قطبی تک پہنچے تھے کہ حاجی منشی امام بخش نے اپنی جائداد سے چار آنہ وقف کر کے مدرسہ حنفیہ کی بنیاد ڈالی اور حضرت مولانا حافظ شاہ کرامت علی صاحبؒ کی تحریک سے حضرت مولانا عبدالحلیم فرنگی محلیؒ سو روپیہ ماہوار پر درس دینے کے لئے مقرر کئے گئے مدرسہ کا شہرہ دور دور تک پہنچا اور طلباء اطراف سے آکر جمع ہونے لگے۔

آپ نے بقیہ کتابیں وہیں پڑھیں۔ آپ کے طالب علمی کے زمانے کے بہت سے واقعات ہیں۔ اس درجہ محنت کرتے تھے کہ مطالعہ میں رات کی

رات گذر جاتی تھی۔ آپ حضرت قطب الہندؒ شاہ غلام معین الدینؒ سے سلسلہ قادریہ احمدیہ میں مرید ہوئے اور ایک عرصہ دراز تک سفر وحضر میں ساتھ رہے۔ بے حد ریاضت ومجاہدہ کیا حتیٰ کہ جمیع سلاسل کی خلافت واجازت سے شرفیاب ہوئے۔

حضرت آسی بحیثیت طبیب حاذِق: حضرت آسی ایک حاذق طبیب بھی تھے۔ اور کسی کے شاگرد نہ تھے۔ حکیم محمد اسحاق کے بارے میں فرماتے تھے کہ ہندوستان میں اول نسخہ آپ کا ہوتا ہے اور اس کے بعد میرا۔ آپ کی طبابت کا یہ عالم تھا کہ ۱۲/سو ۱۵/سو مریضوں کا مجمع مطب میں ہوتا تھا۔ آپ اشراق کی نماز کے بعد بیٹھتے اور ظہر کے وقت فرصت پاتے تھے۔ دونوں ہاتھوں سے نبض دیکھتے تھے اور چار چار کاتب نسخہ لکھتے تھے۔ ہندوستان بھر سے جو مریض مایوس ہوکر بھی آپ کے پاس آتے تھے۔ چندروز میں شفایاب ہوکر خوشی خوشی اپنے گھر واپس جاتے تھے اور فیس معاف رہتی تھی۔ ایک مریض آیا جس کے بائیں شانہ اور بازو میں درد رہا کرتا تھا۔ دہلی کے حکیم عبدالمجید خان اور حکیم محمود خاں اور لکھنؤ کے تمام مشاہیر اطباء کا علاج کر چکا تھا۔ کوئی افاقہ کی صورت ظاہر نہیں ہوئی، حضرت نے فرمایا کہ میں نے سب کے نسخے دیکھے تو درد کے جتنے اسباب تھے سب پر نسخہ موجود تھے۔ میں بہت غور وفکر میں ہوا تو میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ مثانہ میں ریگ ہے جس کے آبخارات درد پیدا کر رہے ہیں۔ میں نے اخراج رمل (بالو) کا چار پانچ پیسوں کا نسخہ لکھا اور مریض سے کہا کہ دوا پی کر چینی کے پیالے میں پیشاب لانا۔ صبح کو وہ پیشاب لایا تو ریگ کافی

مقدار میں تھی ۔ ایک ہی خوراک میں درد جاتا رہا۔ اخراج رمل کے بعد تقویت گردہ کی دوائیں دیں اور وہ بالکل اچھا ہوگیا۔ اسی طرح ایک اور مریض جو بہت ہی مایوس آیا جس کے دست کسی طرح بند نہیں ہوتے تھے۔ انسابِ نزلہ معدہ پر تشخیص کیا۔ اور پشت گردن پر ضماد کا نسخہ لکھ دیا ضماد لگانے کے بعد دست بند ہوگئے۔ پھر اس نے دماغ کا علاج کیا اور وہ اچھا ہوگیا۔

کشف وکرامت کا اخفا: آپ سے بے انتہا کرامتوں کا ظہور ہوا مگر اخفاء کا یہ عالم تھا کہ جو واقعہ جس کے ساتھ پیش آتا تھا دوسرے کو اس کی خبر نہ ہوتی تھی۔ اگر آپ کے طبابت اور کرامت وخرق عادات کے واقعات قلمبند کئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب ہوجائے۔

آپ کا جود وسخا: آپ کی خدمت سے کوئی حاجت مند محروم اور نامراد واپس نہیں جاتا تھا۔ آپ ہر ایک کو خفیہ طور سے کچھ نہ کچھ عنایت فرماتے تھے کسی کو کان وکان خبر نہ ہوتی تھی ۔ آپ کی ذات کیا تھی معلوم ہوتا تھا فیض کا ایک دریا رواں ہے جس سے عوام وخواص فیض یاب ہورہے ہیں۔

فضل وکمال : حضرت مولانا عبد العلیم آسی کا حلیہ مبارک یہ تھا۔ کشیدہ قامت، گداز بدن ، گول چہرہ ، آنکھیں سیاہ ، داڑھی گول اور گنجان ، خندہ رو ، سراپا جمال جسم نہایت سڈول ، آپ نے طبابت کو ذریعہ معاش بنایا اور اعلیٰ درجہ کے حکیم ہوئے ۔ غرباء، مساکین کی خبر گیری سب پر مقدم سمجھتے تھے۔ عجز وانکسار طبیعت میں بہت زیادہ تھا۔ غیبت اور شکایت سے نفرت تھی۔ غصہ نام کو نہ تھا۔ بذلہ سنجی میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ اخلاق محمدیؐ کی مجسم تصویر تھے۔ آپ سے کرامتیں بہت صادر

ہوئیں، مگر آپ نے انکو چھپانے کی کوشش کی۔

آخر میں آپ کی تندرستی بہت زیادہ خراب ہوگئی تھی۔ بلحاظ عمر کے صورت سے پیری زیادہ نمایاں تھی۔ جس کی اصل وجہ نوعمری میں کثرت مجاہدہ وریاضت تھی۔ ہر روز نقاہت ومرض میں اضافہ ہوتا گیا اور دردِ زانو کی وجہ سے نقل و حرکت کرنے سے مجبور ہوگئے تھے، آنکھ کی بصارت بھی زائل ہوگئی تھی۔ وصال کے پانچ سال قبل متلی کا مرض لاحق ہوا۔ سب علاج کرڈالا مگر کچھ بھی افاقہ نہ ہوا۔ غذا بالکل نہ کھاتے تھے محض چائے پر زندگی کا دارومدار تھا۔ آپ تا زندگی خانقاہ رشیدیہ جونپور کے سجادہ نشین رہے اور ایک عالم کو اپنی روحانیت اور فیض باطنی سے مالا مال کیا ہے۔ آخر میں آپ نے سید قیام الدینؒ کی نسل سے سید شاہد علی صاحب کا ایک مخفی انتخاب کیا اور کمالات باطنی ومدارجاتِ روحانی سے مالا مال کر کے تمام سلاسل کی اجازت وخلافت عطا فرمائی آپ کا وطن سکندر پور تھا۔ جس کے تعلق فرماتے ہیں:

پَرتو ِ عارض ہے دریا نور کا زلف صحرا ہے سکندر پور کا

علامہ آسیؒ اپنے اشعار کے آئینہ میں

تنبیہ: عزیزم مولانا مقصود احمد سلمہ نے حضرت آسی کے متعلق جو مضمون دیا اس کو میں نے پڑھا اچھے حالات ہی کا نہیں بلکہ ان کی کرامات کا علم ہوا پڑھ کر خوشی ہوئی مگر فکر ہوئی کہ ان کے مسلک کا علم ہوجاتا اور اپنے مشائخ سے باہم ربط کی آگاہی ہوجاتی تو مزید موجب اطمینان ہوجاتا اس کے لئے محب مکرم جناب شمس الرحمن صاحب فاروقی کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے حضرت آسی کے متعلق اپنا لکھا ہوا مضمون بھیجا جو پاکستان کراچی سے شائع ہونے والا رسالہ

''آداب عالیہ'' شمارہ نمبر دس مئی ۲۰۱۶ء میں شائع ہوا ہے پڑھکر خوشی ہوئی اور اطمینان ہو گیا فللہ الحمد و المنۃ ۔لیکن بغرض اختصار نقل کرنے سے عاجز ہوں اس کے لئے اصل کا مطالعہ کیا جائے ۔(مرتب)

وفات: وصال کے ۵/سال قبل ہی سے اپنی سسرال نورالدین پور ضلع غازی پور میں رہنے لگے تھے۔اور وہیں آپ کا ۲/جمادی الاول ۱۳۳۵ھ مطابق ۲/فروری ۱۹۱۷ء کو ظہر کے وقت انتقال ہوا۔اور وہیں اپنے مکان مسکونہ کے سامنے افتادہ زمین ضلع غازی پور میں دفن کئے گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔

(تاریخ شیراز ہند جون پور جلد:۲ صفحہ:۱۷۶۸)

حضرت مولانا الحاج شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ م: ۱۳۳۷ھ

نام و وطن: اصلی وطن آپ کا تگری ضلع انبالہ ہے، مگر بعد میں موضع رائپور ضلع سہارنپور سکونت اختیار کرلی تھی، آپ کی ذات جامع جمیع کمالات ہے اور اولیائے کبار سے تھے، دارالعلوم دیوبند کے شوریٰ کے ممبر اور حضرت شیخ الہندؒ کے معتمد خاص تھے، شیخ الہندؒ کے حج پر جانے اور اسارتِ مالٹا کے زمانے میں ان کی چلائی ہوئی تحریک کی سرپرستی اور قیادت ان ہی کے ذمہ تھی۔

جہاد ۵۷ء کے موقعہ پر حضرت شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی روپوشی کے زمانہ میں جبکہ امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ پنجلا سہ جاتے ہوئے تگری ٹھہرے تو آپ ہی کے والد ماجد راؤ اشرف علی خاں صاحب کے مہمان بنے تھے۔

اصلاح وتربیت: مولانا ممدوح اس وقت تین سال کے بچے تھے، حضرتؒ نے پیار کیا اور سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی تھی، اسی وقت سے آپ کو امام ربانیؒ کے ساتھ تعلق تھا، جوں جوں ہوش سنبھالا، باپ کی زبان سے امام ربانی کے مناقب سن سن کر گویا حضرت ہی کی محبت میں نشو ونما پایا۔ اور آپ نے بچپن ہی میں گنگوہ آمد ورفت شروع کردی اور حضرت کے مربیانہ فیضان سے مستفید ہونے لگے تھے، سہارنپور میں بزمانہ طالب علمی حضرت شاہ عبدالرحیم سہارنپوریؒ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور سلسلہ قادریہ میں ان سے اجازت وخلافت ملی اور ساری عمر یہی نسبت غالب رہی۔

تذکرۃ الرشید اور بیس بڑے مسلمان کو سامنے رکھکر یہ حالات لکھے ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں (مرتب)

ف: الحمدللہ آپ کی مزار پر حاضری کی نصیب رجب ۱۴۱۴ھ میں ہوئی۔ (مرتب)

اس زمانہ میں بھی حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضری اسی محبت وشوق کے ساتھ رہی جو پہلے زمانہ میں تھی، اور باوجود مولانا کے دوسری جگہ مرید ہوجانے کے حضرت کا تعلق بھی آپ سے وہی مربیانہ رہا، جو اس سے قبل تھا۔

ف: سبحان اللہ! یہ شیخ کامل حضرت امام ربانیؒ کے وسعت ظرف اور حقانیت اور للہیت کی بات تھی کہ باوجود دوسرے شیخ سے بیعت ہوجانے کے شاہ عبدالرحیمؒ کے ساتھ بدستور شفقت وتربیت کا برتاو برقرار رکھا اور طالب صادق حضرت حاجی صاحب کی غایت ارادت وادب کی بات تھی کہ حضرت مولانا گنگوہی سے تعلق کو خوشگوار رکھا، جس کی وجہ سے کمالات عالیہ حاصل ہوئے، مثل مشہور ہے، باادب بانصیب۔ (مرتب)

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب سہارنپوریؒ کے وصال کے چار سال بعد آپ کو حضرت امام ربانیؒ نے بیعت کیا اور بیعت کے ساتھ ہی ساتھ مجاز طریقت بنایا۔ (تذکرۃ الرشید: ج ۲)

اخلاق فاضلہ: آپ کے اندر توکل واستغناء کی شان بکمال درجہ تھی، تواضع تذلل میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے، مہمان نوازی کی حد نہیں تھی، موت کا بہت شوق تھا، بڑے ذوق سے فرمایا کرتے کہ اگر اللہ تعالی وہ وقت نصیب فرمائے تو سنت کے مطابق تجہیز وتکفین کرنا، نکاح بیوگان کے سلسلہ میں بہت کوشش کرتے تھے، خود اپنا نکاح بیوہ سے کیا، صاحبزادہ عبدالرشید کا انتقال ہوگیا تو بہو کو سمجھایا کہ دوسرا نکاح ضرور کرنا چاہئے۔

ف: یہ تھا ہمارے اکابر کا عمل احکام شرع پر کہ جو کہتے تھے اس کو عملی جامہ بھی

پہناتے تھے، کاش! ہم متکبرین کو بھی اس کی فکر و توفیق ہو جاتی تو پھر آج عالم میں نور پھیل جاتا۔ و باللہ التوفیق۔ (مرتب)

حضرت مولانا عبداللہ دھرم کوٹیؒ کی روایت ہے کہ اپنے جسم پر جو کپڑے پہنتے تھے وہ بھی وفات سے قبل حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ ہی کی ملک میں فرمادیا اور فرمایا کہ اب میں تم سے مستعار لیتا ہوں، اس لئے کہ مجھے شرم آتی ہے کہ اپنے اللہ تعالی سے اس حال میں ملوں کہ کسی چیز کی ملکیت کی نسبت میری طرف ہو۔

ف: سبحان اللہ! کیسی عبدیت وفنائیت تھی جو ہم سب کے لئے قابل عبرت ونصیحت ہے، و باللہ التوفیق۔ (مرتب)

ارشادات: آپ کے ارشادات سے تو مجھے آگاہی حاصل نہ ہوسکی مگر آپ کا ایک وعظ نظر سے گذرا جسے آپ نے بمقام رائپور ۱۰ رمحرم الحرام ۱۳۳۴ھ بروز جمعہ مدرسین مدارس قرآنیہ متعلقہ مدرسہ رائپور و دیگر حضرات کے مجمع میں فرمایا تھا۔ اس کا خلاصہ پیش کر رہا ہوں، امید ہے کہ اس کو ناظرین کرام مفید پائیں گے، اور اس سے متاثر ہو کر اس کے مطابق اپنا دل و دماغ بنائیں گے اور عملی جامہ پہنائیں گے، و باللہ التوفیق۔

وعظ: فرمایا: حدیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ حافظ کے والدین کو قیامت کے دن موتیوں کا تاج پہنایا جائے گا کہ جس کی روشنی سورج کی روشنی سے بڑھ کر ہوگی، تو جب والدین کو جو وسیلہ بنے ہیں تعلیم قرآن کے، یہ انعام ملے گا تو حافظ کو کیا خوب اجر ملے گا اسی پر قیاس کرلیا جائے۔

فکر کرنے سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ دنیا کے اندر بلکہ آخرت کے اندر بھی قرآن سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ بصیرت دیں وہ خوب سمجھ سکتا ہے ،پس حق تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت کی قدر نہ کرنا بڑا کفران نعمت ہے،اسی واسطے ناقدر شخص کی نسبت حدیث شریف میں یہ مضمون آیا ہے کہ نااہل کو علم سکھلانا ایسا ہے جیسے کہ خنزیر کو موتیوں کا ہار پہنانا، بھلا خنزیر کی صورت پر موتیوں کا ہار کیا جچے گا؟

حقیقت میں سوچ کر دیکھ لیجئے کہ یہ قرآن پاک کیا شئی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اس کے لانے والے ہیں اور حق تعالیٰ کا کلام ہے،لہذا اس نعمت کا کوئی مول نہیں،اتنی بڑی نعمت کی قدر دانی نہ کرنا بڑا کفرانِ نعمت ہے۔

سمجھتے بھی ہو؟ جس سینہ میں قرآن شریف بھرا ہو،وہ کس سینہ کے مشابہ ہے؟ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ کے مشابہ ہے۔

ف: سبحان اللہ! کتنی عمدہ مثال بیان فرمائی جو حقیقت شناس ہی بیان کرسکتا ہے۔(مرتب)

پس جس کو حق تعالیٰ نے یہ نعمت عطا فرمائی ہو اسے چاہئے کہ تمام دنیا سے مستغنی ہو جائے ،پس اگر وہ پانچ دس روپیہ کی آمدنی والوں کا محتاج بنا رہے تو یہ قرآن کی ناقدر دانی ہے، پس جو کوئی اس نعمت کو حاصل کرے اس کو فقر و فاقہ پر قناعت کرنا چاہئے،اس کو طالب دنیا نہ بننا چاہئے، بلکہ اس کی یہ شان ہو کہ اس نعمت کو لے کر دنیا و مافیہا سے مستغنی ہو جائے۔

ف: سبحان اللہ کیسی قیمتی نصیحت ہے جو صفحہ قلب پر لکھے جانے کے لائق ہے (مرتب)

جتنی بڑی نعمت کسی کو دی جاتی ہے اتنا ہی بوجھ اٹھانا ہوتا ہے، سپاہی پر بار ہوگا سپاہی کا، وزیر پر بار ہوگا وزیر کا، تو جب (حافظ کو) سینہ رسول اکرم ﷺ کے سینہ کے مشابہ ملا ہے تو خدمت بھی اتنی ہی کرنی پڑے گی اور خدمت یہ ہے کہ جو نعمت (یعنی قرآن) تم کو ملی ہے وہ دوسروں تک پہونچاؤ، اور اس کی اشاعت کرو۔

ف: سبحان اللہ! کیا خوب نصیحت ہے جو نقش قلوب کئے جانے کے لائق ہے۔ (مرتب)

دنیا کی عزت اور آخرت کی عزت اس میں ہے کہ فقر و فاقہ پر قناعت کرو، اور اللہ کے واسطے اس کی اشاعت کرو کہ کسی طرح لوگوں کو یہ پہونچ جائے۔

دنیا اور اہل دنیا اس کے مخالف ہیں، یہاں تک اثر ہے کہ دنیا کے امیروں کا یہ خیال ہے کہ کیا قرآن پڑھا کر مسجد کا ملّا بنانا ہے؟ چنانچہ اس زمانہ میں کوئی شخص بڑے لوگوں میں سے اس کا مددگار نہیں، غیر مذہب کے لوگ بھی اور اہل مذہب بھی سب مخالف نظر آتے ہیں۔ فیا حسرتاہ و یا اسفاہ۔

سنو: یہ الفاظ قرآن بنیاد ہیں سب علوم کے، اس لئے شکر اس نعمت کا یہ ہے کہ تم فاقہ سے مرو، لیکن اس کو پھیلاؤ، اپنی نیت کو درست کرلو، محض اللہ کی رضا اس کی قیمت ہے، سو اس نعمتِ قرآن کا بدلہ سو دو سو روپیہ نہیں ہے، اس کا بدلہ اگر ہے تو رضائے حق تعالی ہے، قرآن کا پھیلانا، تعلیم کا پھیلانا اسی امید پر ہو کہ اللہ تعالی راضی ہو جائے۔

پس کام تو اللہ کے واسطے کریں اور اس کی رضامندی کے واسطے کریں،

اب اگر اللہ تعالی بندوں کے ذریعہ روزی پہونچائیں تو یہ اس کا انعام ہے، جیسے مجاہد اللہ تعالی کے واسطے جان دیتا ہے اور شہید ہوتا ہے، اگر شہادت نہ بھی ہو بلکہ غنیمت مل جائے تو بھی غازی ہوتا ہے، لیکن اگر غنیمت کی ہوس میں جہاد کرتا ہے تو شہادت نہیں ہوتی۔

اس لئے اخلاص کو قلوب میں جمالیں اور جو بندہ اللہ تعالی کی طرف رجوع کرتا ہے اور قلب کو اس کی طرف لگا لیتا ہے پھر وہ کیوں کر ناامید ہوسکتا ہے، غرض اخلاص ہونا ضروری ہے، بلا اخلاص کے وہی مثال ہے جیسا کہ خنزیر اور موتیوں کے ہار کی، جو قرآن مجید کا قدرداں نہیں ہوتا وہ ذلیل ہوتا ہے خَسِرَ الدنیا والآخرۃ، اور جن کو دنیا طلبی مقصود نہیں ہوتی وہ خداوند کریم کے نزدیک دنیا میں بھی ممتاز ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی، اور خدا چاہے تو اس کو فقر و فاقہ آتا ہی نہیں، جنہیں تم محتاج دیکھتے ہو دراصل ان کو قرآن کی قدر ہی نہیں۔

اب اللہ تعالی سے دعا کرو کہ اللہ تعالی ہماری نیتوں میں اخلاص عطا فرما دیں اور اپنے قرآن کی حفاظت کا بہترین طریقہ ہمیں تلقین فرمائیں۔ فقط

ف: سبحان اللہ! قرآن پاک کی عظمت اور اس کے تعلیم کی ضرورت و فضیلت اور اہمیت پر کتنا جامع کلام فرمایا ہے جو اہل اللہ ہی کی شان ہوتی ہے، نیز حسن نیت اور اخلاص کی تحصیل کی طرف ترغیب و تحضیض میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اور ظاہر ہے کہ دین وطریق کی یہی اصل ہے بلکہ اصل الاصول ہے چنانچہ تعلیم قرآن اور اخلاص للہ کی فضیلت کو بزرگان دین بیان کرتے رہتے ہیں تاکہ اس کے تحصیل کی طلب ہو اور فائز المرام ہوں۔ اللہ تعالی ہم سب کو اس کی توفیق مرحمت

فرمائے۔آمین (مرتب)

وفات: آپ کی وفات ۲۶؍ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۹؍جنوری ۱۹۱۹ء میں ہوئی اور رائے پور ہی میں مدفون ہوئے۔نور اللہ مرقدہٗ۔

خلفاء: آپ نے تین خلیفہ چھوڑے جو رشد و ہدایت کے آفتاب ثابت ہوئے۔

(۱) حضرت مولانا اللہ بخش بہاول نگریؒ۔(۲) حضرت منشی رحمت علی جالندھریؒ۔

(۳) حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ۔کثر اللہ امثالہم۔

حضرت مولانا احمد حسن بھام سملکی متوفی ۱۳۳۷ھ

نام ونسب مع ولادت: نام مولانا احمد حسن بھام ہے والد کا نام حسن پٹیل ہے، مولانا کی سن ولادت تخمیناً ۱۲۹۶ھ ہے۔ مولانا کے والد سملک کے باشندے زراعت پیشہ اور بستی کے پٹیل اپنے اثر وجاہت کی وجہ سے معزز ومعروف تھے۔ ذی حوصلہ وباہمت شخص تھے، نیکی خیال اور بلندی کردار کی وجہ سے اپنے خاندان اور احباب واقران میں ممتاز تھے۔ مہمان نواز تھے، اکثر علماء ومشائخ ودرویشوں کا قیام آپ کے ہاں رہتا تھا، اس وجہ سے لوگوں میں ہر دل عزیز تھے۔

تعلیم: مولانا کی ابتدائی تعلیم مکتب سے شروع ہوئی۔ قرآن مجید ناظرہ اور ابتدائی اردو کتابیں مکتب میں پڑھیں۔ اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ کٹھور ضلع سورت میں مولانا عبدالحق صاحب ہزارویؒ سے فارسی اور ابتدائی عربی درجہ پڑھ رہے تھے کہ لاجپور میں حضرت مولانا احمد میاں صاحبؒ نے قدیم مدرسہ اسلامیہ کی تجدید کی اور باقاعدہ درس نظامیہ کے طرز پر تعلم کا سلسلہ شروع فرمایا، جس سے اطراف وجوانب کے طلبہ جمع ہونے شروع ہوئے۔ مولانا احمد حسن بھی کٹھور سے لاجپور چلے آئے، اور عربی کی ایک ابتدائی بڑی جماعت کے ساتھ تعلیمی سلسلہ شروع ہوا، اور مسلسل چار سال تک لاجپور میں رہ کر صرف ونحو وفقہ واصول فقہ ومشکوٰۃ شریف اور ابتدائی منطق کی کتابیں پڑھتے رہے۔ اس کے بعد ۱۳۱۸ھ میں مولانا دہلی چلے گئے اور مدرسہ حسین بخش میں داخل ہوئے، سال بھر دہلی میں قیام کے بعد مدرسہ جامع العلوم کانپور میں دو سال

گزار کر پھر دہلی آئے اور مدرسہ مولوی عبدالرب صاحب مرحوم میں داخل ہوئے، اور اخیر میں دورۂ حدیث مدرسہ امینیہ میں پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔

تدریس: دہلی سے فارغ ہو کر وطن تشریف لائے اور کچھ عرصہ تک شہر سورت کے مدرسہ میں مدرس اول رہ کر درس دیتے رہے، اس کے بعد مدرسہ کی ملازمت چھوڑ کر سملک چلے آئے۔

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی بنیاد: ۱۳۲۶ھ میں مدرسہ تعلیم الدین کے نام سے ایک عربی مدرسہ سملک کی مسجد میں قائم کیا، اور جس کا افتتاح بہت بڑے مجمع میں اپنے محترم استاذ مولانا احمد میاں صاحبؒ کے دست مبارک سے کرایا، یہی مدرسہ آج جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی زمانہ میں یہ خطۂ گجرات علوم وفنون کا سرچشمہ ومخزن اور علماء وفضلاء کا ماویٰ ومسکن رہا ہے، جن کے فیوض علمیہ سے ہزاروں تشنگان علوم سیراب ہوا کرتے تھے اور جن کی مفید تصنیفات آج بھی طالبان ہدایت کے لئے مشعل راہ ہیں۔ ازمنہ ماضی میں چونکہ شہر سورت کو باب المکہ ہونے کا شرف حاصل تھا، اس لئے ہندوستان کے ہر گوشہ سے ارباب فضل وکمال اولیاء وصلحاء کے قدوم میمنت لزوم سے اس سرزمین کو شرف حاصل ہوتا رہتا تھا اس طرح یہاں کے لوگوں کو ان برگزیدہ حضرات کے فیوض حاصل کرنے کے بہترین مواقع نصیب ہوتے رہتے تھے، مگر انقلاب زمانہ جہاں دوسری جگہ مسلمانوں کی سلطنت، مال ودولت، صنعت وحرفت کو تباہی کے سیلاب میں بہالے گیا، وہاں اس نے اس سرزمین گجرات کی خصوصیات کو بھی خاک میں ملا دیا۔

شاہانِ گجرات کی سلطنت کے ساتھ ساتھ علماء ربانی اور اولیاء وصلحاء حقانی

جن کا وجود سلطنت سے بھی زیادہ باعث خیر وبرکت اور ضروری تھا' رخصت ہو گئے۔ ان نفوس قدسیہ کا مبارک وبا فیض دور ختم ہوا کہ ہر طرف جہالت کی بھیانک وخوفناک تاریکی چھا گئی، احمد آباد جو اسلامی تہذیب وتمدن کا سرچشمہ تھا' ایسا تباہ ہوا کہ پھر اسے پنپنا نصیب ہی نہ ہوا۔ اس کا وہ جاہ وجلال اور شان وشوکت جو یادگار زمانہ تھی تاریخ کے صفحات پر افسانہ بن کر رہ گئی۔ یہی شہر جو کبھی دار العلوم تھا دار الجہل بن گیا۔ لوگوں کے عقائد ایسے بگڑے کی خدا کی پناہ۔ امور شرکیہ وبدعیہ نے دین کے ہر شعبے میں گھر کر لیا۔ بہت سی باتیں جن کو دین سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا، دین میں داخل سمجھیں جانے لگیں۔ غرض جہالت کیا تھی، ایک وباء تھی، جو ہر طرف اپنے زہریلے جراثیم کے ساتھ پھیلی ہوئی تھی۔

اس مہلک مرض کے اثرات سے یہاں کے مسلمانوں کو بچانے کے لئے حکیم مطلق نے چند ایسے حاذق اطباء خود اس سرزمین میں پیدا فرمائے، جن کا مبارک وجود جہالت کے زہریلے جراثیم کے انسداد کے لئے تریاق سے بھی زیادہ نفع بخش ثابت ہوا۔

وفات: بالآخر آپ پر مرض کا زبردست حملہ ہوا، اور چند روز کی علالت کے بعد آپ ۱۰/محرم الحرام ۱۳۳۷ھ پنج شنبہ کے دن راہئ ملک عدم ہوئے اور جوہانسبرگ کے گورستان افریقہ میں مدفون ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون

وہ آفتاب علم جو سملک سے طلوع ہوا تھا، افسوس صد افسوس کہ جنوبی افریقہ میں ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ نور اللہ مرقدہ مولانا احمد حسن بھام مرحوم نے مذہب وملت اور علوم دینیہ کی خدمت کر کے جو علمی نمونہ عالم اسلام کے لئے پیش کیا ہے وہ نہایت اہم اور سبق آموز ہے۔ (ذکر صالحین)

حضرت مولانا امین الدینؒ دہلوی المتوفی ۱۳۳۸ھ

نام ونسب : مولانا امین الدین اورنگ آبادی بانی وموسس مدرسہ امینیہ اسلامیہ کشمیری دروازہ دہلی، دارالعلوم دیوبند کے مشاہیر علماء وفضلاء میں منفرد حیثیت کے مالک تھے۔

ولادت : آپ ۱۲۸۷ھ میں اورنگ آباد دکن میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم گھر پر رہ کر اپنے ماں باپ کے زیر سایہ حاصل کی۔ اور (۱۷) سال کی عمر میں درس نظامیہ کی تعلیم کے لئے شمالی ہند کا رخ کیا اور ایشیا کی عظیم اسلامی درسگاہ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوکر اکتساب فیض شروع کیا مگر نہ معلوم وجوہ کی بناء پر یہاں تین سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۳۰۷ھ میں ضلع شاہجہانپور چلے گئے اور مدرسہ اعزازیہ میں داخل ہوگئے۔ حسن اتفاق سے وہاں مولانا نادرالدین جیسا نادرۂ روزگار منطقی وفلسفی استاد ملا۔ ہوسکتا ہے کہ شوق فلسفہ ہی یہاں آمد کا باعث بنا ہو۔

مولانا نادرالدین مشہور خاندانی منطقی وفلسفی شمس العلماء مولانا عبدالحق خیرآبادیؒ کے خصوصی شاگرد تھے۔ اور منطق وفلسفہ کے امام تسلیم کئے جاتے تھے۔ لہٰذا مولانا امین الدین نے مولانا نادرالدین صاحب مرحوم سے بھرپور استفادہ کیا۔ اور اس بحر ذخار سے سیراب ہونے کے بعد علوم تفسیر وحدیث وفقہ کی تکمیل کے لئے پھر دیوبند کا رخ کیا اور شاہجہانپور سے دارالعلوم دیوبند آگئے اور اساتذہ دارالعلوم دیوبند جو اس زمانہ کے

علماء میں قرآن وحدیث کی مہارت میں امتیازی شان کے مالک تھے۔ان یگانہ روزگار ہستیوں سے خوب خوب سیراب ہوئے اور ۱۳۱۴ھ میں دیوبند سے فراغت حاصل کی۔اس آٹھ سالہ دور قیام میں شمالی ہند اور خصوصاً دوآبہ کی علمی اور دینی فضا نے آپ کو بے حد متاثر کیا۔اور آپنے قرآن وحدیث کی خدمت کے لئے اسی علاقہ کو اپنا میدان کار تجویز فرمایا۔اور دہلی قیام کا ارادہ فرمالیا۔اور چونکہ ۱۸۵۷ء کے بعد دہلی کے ساتھ اس کے دینی مراکز و مدارس بھی اجڑ گئے تھے۔اس لئے آپ نے ایک مدرسہ کی داغ بیل ڈالنے کا ارادہ فرمالیا اور اپنے قدیم رفقاء کے صلاح ومشورہ سے شروع کیا،جس میں سب نے آپ کے جذبہ کو بہت سراہا اور ہر طرح کے تعاون کے لئے آمادگی ظاہر فرمائی۔ لہٰذا بالآخر ۱۳۱۵ھ ۱۸۹۷ء میں مدرسہ امینیہ اسلامیہ کا قیام عمل میں آیا جس کے اہتمام کی ذمہ داری تو حضرت مولانا نے خود سنبھالی۔اور صدارت تدریس کے لئے یکتائے زمانہ،فخر روزگار شیخ الاسلام مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا ضیاء الحق دیوبندی کو منتخب فرمایا اور اسی طرح یہ تاریخی مدرسہ ان دو عبقری شخصیتوں کے زیر سایہ جاری ہوگیا اور طالبان علم نبوت اطراف وجوانب سے جوق در جوق آنے لگے۔مگر کچھ عرصہ کے بعد حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے اپنے وطن کشمیر جانے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو انہی کے ہم درس عالم دین ومحدث کبیر مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحبؒ کو ۱۳۲۷ھ میں شاہجہانپور سے بلایا اور حضرت کشمیریؒ کے کشمیر تشریف لے جانے پر ۱۳۳۰ھ میں مسند صدارت حضرت مفتیؒ صاحب کے سپرد فرمادی جس پر حضرت مفتیؒ آخر عمر تک فائز رہے۔ (الواح الصنادید(۲۴۹)

تبحر علمی: مولانا امین الدین موسس مدرسہ امینیہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کے اجل تلامذہ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا انور شاہ کشمیری ومفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ دہلوی کے رفیق درس تھے۔

مولانا امین الدینؒ صاحب اپنی فطری ذہانت وذکاوت کی بناء پر تمام علوم و فنون میں تویدطولیٰ رکھتے ہی تھے مگر خاص طور پر حدیث ،تفسیر اور فقہ میں مہارت تامہ کے حامل تھے۔یہی وجہ ہے کہ معاصرت کے باوجود مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ ،مولانا ضیاء الحق دیوبندی اور مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ جیسے صاحبِ فضل وکمال علماء نے ہمیشہ آپ کی علمی صلاحیت حدیث،تفسیر میں مہارت کا برملا اعتراف کیا ہے۔

زہدوتقویٰ: مولانا امین الدین متبحر عالم دین ہونے کے ساتھ زہدوتقویٰ، عبادت وریاضت اور اخلاص وللّٰہیت میں یگانہ روزگار تھے۔آپ پر شیخ الہند کا روحانی رنگ غالب تھا۔اوراسی بناء پر دہلی جیسے شہر میں آپ کے ارادتمندوں کا حلقہ بہت وسیع تھا اور دہلی کے بڑے بڑے رؤساء آپ کے سامنے زانوئے ادب طے کرتے تھے۔

عادات واخلاق: مولانا امین الدین صاحبؒ مرحوم بڑے خلیق وملنسار،متواضع، منکسر المزاج اور شیریں گفتار تھے۔آپ سے جو کوئی بھی ایک مرتبہ ملتا وہ آپ کا گرویدہ ہوجاتا۔اسی وجہ سے پورے ملک میں خصوصاً دہلی میں آپ کا حلقۂ احباب بھی بہت وسیع تھا۔جو ہر وقت آپ کے لئے جان تک دینے کے لئے تیار رہتے تھے۔

مولانا امین صاحب اپنے شاگردوں پر بڑے شفیق ومہربان تھے۔ان کے ساتھ بڑی شفقت ومحبت سے پیش آتے تھے۔ان کا خیال تھا کہ یہ طلبہ عزیز ہی مستقبل کے معمار انِ قوم اور مصلحینِ ملت ہونگے۔ان کی حوصلہ افزائی ہونی چاہئے۔

نکاح: مولانا امین الدین کی شادی ۱۳۱۸ھ میں سید عابد علی دہلویؒ کی صاحبزادی محمودی بیگم سے ہوئی۔آپ کی اہلیہ محترمہ بڑی عابدہ، زاہدہ اور شب گزار خاتون تھیں۔

وفات: مولانا امین مرحوم ۱۹/رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ میں ۶/جون ۱۹۲۰ء میں بعمر اکیاون سال وفات پائی۔رحمہ اللہ تعالی۔

(الواح الصنادید حصہ اول صفحہ ۲۴۹)

حضرت مولانا عبدالاوّل صاحب[1] صدیقی جونپوریؒ م:۱۳۳۹ھ

نام ونسب وولادت: آپ کی ولادت ۱۲۸۳ھ میں مقام سندیب ضلع نواکھالی بنگلادیش میں ہوئی، آپ کے والد محترم حضرت مولانا کرامت علی صاحبؒ خلیفہ حضرت سید احمد شہید رائے بریلیؒ نے بنگال میں اصلاح وتبلیغ کا بہت کام کیا جس کی وجہ سے آپ مصلح بنگال کہلاتے ہیں، آپ کے مختصر حالات اقوالِ سلف حصہ ہفتم میں اس حقیر نے لکھا ہے جس کا مطالعہ ان شاء اللہ مفید وبصیرت افروز ثابت ہوگا۔

تعلیم: سات سال کی عمر تک آپ نے والد ماجد کے زیر سایہ رہ کر سورہ الم ترکیف تک سبقاً سبقاً والد محترم ہی سے تعلیم پائی، مگر جب آپ کے والد ماجد کی ۱۲۹۰ھ میں وفات ہوگئی تو مولانا مصلح الدین جونپوریؒ (یہ مولانا کرامت علی صاحبؒ کے حقیقی بھتیجے اور داماد تھے) آپ کو اور سب بھائی بہنوں کو رنگپور بنگلادیش سے جونپور، یو۔پی۔ لائے اور حفظ قرآن پاک کے لئے ایک جید حافظ کے سپرد کردیا، چنانچہ آپ نے حفظ قرآن مکمل کرنے کے بعد فارسی، عربی کی تعلیم سے فراغت بلکہ اس میں کمال ومہارت حاصل کی جس کی تفصیل اصل کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے۔

---

(۱) آپ کی سوانح مولانا ابوالبشر جو مولانا المذکور کے بھانجے تھے اور مولانا عبدالباطن صاحب جو مولاناؒ کے صاحبزادے تھے انہوں نے لکھا ہے، اس کو سامنے رکھ کر کسی قدر حالات وارشادات پیش خدمت ہیں، حضرت مصلح الامتؒ کی خدمت میں آپ سے کئی بار ملاقات ہوئی۔ (مرتب)

قرآن پاک سے تعلق: آپ کو قرآن پاک سے ایسی دلچسپی اور لگاؤ تھا کہ اگر کوئی عمدہ پڑھنے والا قاری مل جاتا تو اس سے ضرور قرآن سنتے اور اس کی عزت افزائی فرماتے، رمضان شریف میں اکثر راتوں میں مساجد کی سیر کرتے اور حفاظ کا قرآن سنتے۔ (ص/ ۸۱)

تصنیف وتالیف سے تعلق: حضرت مولانا کی زندگی کا زیادہ وقت تالیف وتصنیف، کتب بینی اور تلاوت قرآن میں گذرا، خود میں نے دیکھا کتب بینی میں اور کتابوں کے لکھنے میں عشاء سے فجر کر دی، اسی طرح تلاوت قرآن کرنے میں صبح سے شام کر دیا۔

ف: سبحان اللہ! کیا ہی ذوق تھا علم وعمل کا کہ یہ عنقاء ہوتا جارہا ہے، اسی وجہ سے قوت علمیہ وعملیہ دونوں ہی میں نقصان آتا جارہا ہے۔ (مرتب)

وقت میں برکت: مولانا نے اپنے پچپن (۵۵) سالہ دورِ حیات میں جس قدر دینی وعلمی خدمات انجام دیں وہ آپ کی کرامت میں شمار کی جاسکتی ہے، چنانچہ اس قلیل مدت میں تحصیل علم سے فارغ ہو کر ۳۳ سال بنگال وآسام میں اسلام کی تبلیغ کرنا اور فرق باطلہ سے مباحثے کر کے ان کو راہ راست پر لانا، عربی مدارس اور حفظ وتجوید قرآن کے مدرسوں کو جاری کرنا اسی کے ساتھ ایک سو اکیس کتابوں کی تصنیف کرنا سوائے کرامت کے اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ (ص/ ۱۴۵)

علماء کا احترام: مولانا اپنے زمانہ کے علماء کا احترام اور ان کی بہت قدر وعزت فرماتے تھے کسی کو بھی حقیر اور کمتر نہ سمجھتے تھے اور یہ خیال رہتا کہ میرے ذریعہ سے جہاں تک ہو سکے ان حضرات کو فائدہ پہونچے۔ (ص/ ۱۰۹)

آپ کے وعظ کی نوعیت: حضرت مولانا وعظ میں ادائے فرائض وواجبات کے ساتھ ہمیشہ اتباع سنت کی تاکید فرماتے ،استنجا میں کلوخ کے استعمال ،وضو میں مسواک کی ترغیب دیتے تھے ،سود خوروں سے سخت نفرت تھی اور سود کے بارے میں ایسا مبسوط اور سبق آموز وعظ فرماتے کہ سننے والوں کو عبرت ہوتی اور سود خور عموما جلسہ میں سود لینے سے تائب ہو کر واپس جاتے ،سود خوروں کی دعوت قبول نہ فرماتے اور نہ ان کا ہدیہ قبول کرتے ۔(ص:۱۴۷)

وفات: شب شنبہ ۱۲ شوال ۱۳۳۹ھ کو مولاناؒ نے کلکتہ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ اور وہیں مدفون ہوئے ،نور اللہ مرقدہٗ۔

(تذکرہ مولانا عبدالاولؒ)

شیخ عبدالحمید بن بادیس قسطنطنیہؒ متوفی ۱۳۳۹ھ

تمہید: شمالی افریقہ کے ملک الجزائر نے اسلامی تاریخ کے اس دور جدید میں ایک یورپی طاقت فرانس سے جنگ آزادی کے سلسلہ میں ایثار وقربانی، بہادری وجاں بازی، اخلاص ووفاداری، حب الوطنی اور اتحاد وہم آہنگی کی اتنی زبردست مثال پیش کی ہے کہ جس نے گذشتہ اسلامی عہد کی یاد تازہ کردی اور تاریخ جہاد میں ایک روشن باب کا اضافہ کیا ہے اس نے اس جنگ آزادی میں اپنے مخلص ووفا شعار دس لاکھ جگر پاروں کی شہادت کا نذرانہ پیش کر کے وطن عزیز کو بدیسی خونخوار قوم کے چنگل سے چھڑایا، اس جنگ کو فتح سے ہم کنار کرنے اور جان کی بازی لگانے میں دیندار طبقہ، مسلم نوجوان اور علماء دین سرفہرست رہے ہیں، جنہوں نے نہ صرف ملک کو آزاد کرانے کے لئے جدوجہد کی بلکہ سرزمین الجزائر میں دین وعلم اور عربی زبان کے تحفظ وبقا اور احیاء کے لئے عظیم کارنامے انجام دئے، انہیں علماء میں ایک تاریخ ساز شخصیت شیخ عبدالحمید بن بادیس کی تھی جنہوں نے غیر معمولی اور انتھک محنت وکوشش کر کے الجزائر میں دینی تشخص اور مطالبہ آزادی کی لہر دوڑادی، پوری قوم، فرانسیسی سامراج کو ملک بدر کرنے کے لئے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑی ہوگئی اور اس وقت تک چین نہ لیا جب تک کہ فرانس نے الجزائر کو باشندگان الجزائر کے سپرد نہ کردیا۔

نام ونسب وولادت: شیخ ابن بادیس قسطنطنیہ میں ۵ر دسمبر ۱۸۸۹ء میں پیدا

ہوئے ان کا خاندان تاریخ جزائر میں بڑی اہمیت کا مالک رہا ہے ان کے بزرگ خاندان شیخ معز بن بادیس صنہاجی کی خدمات وکارنامے ملک کے چپہ چپہ پر ثبت ہیں، عثمانی خلافت کے دور میں ان کے جدا علی ابو العباس احمیدہ بن بادیس قسطنطنیہ کے مشہور قاضی اور ممتاز عالم تھے۔ (تاریخ فکر اسلامی)

لیکن زوال وانحطاط اور مغربی سامراج کے تاریکیوں نے اس خاندان کو گوشہ گمنامی میں پہنچادیا، مگر شیخ عبدالحمید نے اپنے علم فضل، خدمت وکارناموں اور ملک کی آزادی کے لئے جہاد وقربانی کی بناء پر عظمت رفتہ کو از سر نو زندہ کردیا، ملک کی آزادی وسالمیت، دین کی بقاء وبیداری، عربی زبان کی ترویج واشاعت ان کی اور ان کے وفادار شاگردوں ورفقاء کی رہین منت ہے۔

تعلیم وتربیت : بچپن میں ہی محمد بن ماراسی کی نگرانی میں قرآن پاک حفظ کرلیا، ابتدائی تعلیم اپنے شہر کی مسجد سیدی محمد ابن نجار شیخ احمد حمدان وینسی سے حاصل کی ان کی تعلیم وتربیت نے شیخ عبدالحمید میں علم کے ساتھ ہمت وحوصلہ پیدا کردیا شیخ حمدان نے ان سے عہد لیا کہ وہ سامراجی حکومت کا تعاون نہ کریں گے اور سرکاری ملازمت قبول نہ کریں گے، شیخ عبدالحمید نے اپنے شاگردوں سے جن میں صلاحیت واخلاص ووفاداری محسوس کیا ان سے اپنے استاذ کا یہی عہد لیا، اس کے بعد ان کے استاذ حمدان وینسی نے ہجرت کی اور حجاز میں قیام پذیر ہوگئے۔

شیخ عبدالحمید کو شوق علم ۱۹۰۸ء میں جامع زیتونہ تونس کھینچ لے گیا وہاں سے انہوں نے اس دور کی سب سے اعلی سند حاصل کی، جامع زیتونہ کے اساتذہ میں جن شخصیتوں نے انہیں سب سے زیادہ متاثر کیا اور فائدہ پہنچایا وہ شیخ محمد نخلی اور شیخ

محمد طاہر بن عاشور تھے، وہ ۱۹۱۲ء میں قسطنطنیہ واپس آ گئے، اور جلد ہی حج وعمرہ کے لئے حجاز کا سفر کیا اور وہاں اپنے محبوب استاذ شیخ حمدان سے ملاقات کی، اور آئندہ کے پروگرام ومنصوبہ کے بارے میں ان سے مشورہ طلب کیا، استاذ نے مشورہ دیا کہ مصر ہوتے ہوئے وطن واپس ہوکر دعوت دین اور آزادی ملک کی تحریک تیز کریں، اور مصر کے جلیل القدر عالم شیخ محمد بخیت کے نام ایک خط بھی دیا شیخ عبدالحمید نے مصر میں کچھ عرصہ قیام کر کے وہاں کے علماء سے سند واجازت حاصل کی اور قسطنطنیہ واپس آ کر اپنی تحریک ودعوت کے لئے ایک جامع پروگرام بنایا، دن میں ''سیدی قموش'' کی مسجد میں طلباء ونوجوان کو دینی تعلیم وتربیت دینی شروع کی اور رات میں ''مسجد اخضر'' میں عمر رسیدہ اور بڑے بوڑھوں کو وعظ ونصیحت اور اسلام کی سچی وپختہ تعلیم اور صحیح عقیدہ کی تعلیم کے سلسلہ کا آغاز کیا ان کی ان شب وروز کی جدوجہد سے الجزائر میں علم وادب اور حب الوطنی کا چرچہ ہونے لگا۔

آپ کے کارنامے: ۱۹۲۷ء میں ایک انجمن ''ترقی'' کے نام سے قائم کی گئی، شیخ عبدالحمید اس کے روح رواں تھے اور یہی انجمن الجزائر کی تعمیر نو اور کامیابی کی خشت اول ثابت ہوئی، اسی انجمن نے ایک کمیٹی بنائی جس کے ارکان شیخ احمد توفیق مدنیؒ اور عمر اسماعیلؒ تھے انہوں نے اپنی ایک نشست میں ''جمعیۃ علماء مسلمی الجزائر'' قائم کرنے کا خاکہ تیار کیا اور شیخ عبدالحمید بن بادیس کو ان کی غیر حاضری میں اسکا صدر منتخب کیا، فرانسیسی سامراج کے پورے سو سال پر جمعیۃ علماء کا قیام عمل میں آیا اس کا شعار اور نعرہ تھا ''اسلام ہمارا دین ہے، عربی ہماری زبان ہے جزائر ہمارا وطن ہے'' شیخ عبدالحمید نے ہم راہی علماء کے ساتھ جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم سے پورے جوش،

ولولہ اور اولوالعزمی کے ساتھ تحریک آزادی میں تازہ روح پھونک دی، انھوں نے مطالبۂ آزادی کے بارے میں دو باتوں کو ملحوظ رکھا، جمعیۃ کے سلسلے میں یہ دو احتیاط برتی کہ اسے کوئی خطرہ لاحق نہ ہونے پائے، اور اپنے لئے ہر خطرہ کو دعوت دی، جرأت، بے باکی اور حق گوئی کا طرز عمل اپنایا، ۱۹۳۶ء میں ملک وقوم کے لئے مکمل آزادی کا مطالبہ کے لئے ایک اسلامی کانفرنس منعقد کی، حالانکہ اس کے انعقاد میں انہیں شدید ترین مخالفتوں اور رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا تاہم کانفرنس بہت کامیاب رہی، تحریک آزادی نے عوامی انقلاب کی شکل اختیار کرلی، شیخ ابن بادیس نے بڑی حکمت، دانائی اور ہوشمندی سے اس کی قیادت کی، دوسری جنگ عظیم کے موقع پر بعض قومی اداروں نے فرانس کی تائید میں تار و پیغامات بھیجے مگر شیخ عبدالحمید نے جمعیۃ العلماء کی جانب سے کسی بھی قسم کی تائید وحمایت سے اس وقت تک کے لئے انکار کردیا جب تک کہ فرانس الجزائر کی مکمل آزادی کی ضمانت نہ دے دے، جنگ کے دوران حکومت فرانس نے ان پر پابندی عائد کردی اور قسطنطنیہ سے باہر جانے کی اجازت نہیں دی، جنگ کے بعد انہیں محدود نقل وحرکت کا موقع دیا گیا، انہوں نے جمعیۃ العلماء کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ تعلیم وتربیت کا فریضہ جاری رکھا۔

وفات: ۱۶/اپریل ۱۹۲۰ء مطابق ۱۳۳۹ھ کو چند روز کی بیماری کے بعد جان عزیز جاں آفریں کے سپرد کردی انا للہ وانا الیہ راجعون، بعض واقف کاروں کا خیال ہے کہ فرانسیسی حکومت نے انہیں زہر دلوادیا، ان کے دوستوں ہم نواؤں اور شاگردوں نے انہیں کے رہنما اصولوں کی روشنی میں آزادی کی تحریک جاری رکھی۔ اور ایک عرصہ کے بعد وطن آزاد کرالی۔ (تاریخ فکر اسلامی صفحہ: ۲۵۵)

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ[1] دیوبندی م:۱۳۳۹ھ

وطن، خاندان، اور ابتدائی حالات: دیوبند کے چند مبارک اور ذی علم خاندانوں میں سے ایک خاندان حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ کا ہے، حضرت کے جدامجد شیخ فتح علی صاحبؒ تھے اور حضرت کے والد ذوالفقار علی صاحبؒ ایک نہایت ہی صاحب اقبال اور دینی و دنیوی حیثیتوں سے صاحب وجاہت عالم تھے، پچاسی سال کی عمر میں ۱۳۲۲ھ میں وفات پائی، اس وقت ساٹھ افراد اولادِ ذکور واناث چھوڑے، دہلی کے مشہور عربی کالج میں آپ نے استاذ العلماء مولانا محمد مملوک علی صاحبؒ سے تعلیم پائی تھی، آپ کی تمام عمر علمی خدمات میں بسر ہوئی علوم ادبیہ عربیہ سے خاص مناسبت تھی، دیوان حماسہ اور دیوان متنبی کی مفید شروح ''تسہیل الدراسۃ'' اور ''تسہیل البیان'' آپ کی بہترین علمی یادگار ہیں۔

ولادت: حضرت مولانا محمود حسن صاحب ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء میں بمقام بریلی (جبکہ آپ کے والد ماجد بوجہ ملازمت مع اہل وعیال وہاں مقیم تھے) عالم ظہور میں تشریف لائے، والد ماجد نے ''محمود حسن'' نام رکھا، چھ سال کی عمر میں پڑھنے بیٹھائے گئے، قرآن مجید کا اکثر حصہ میاں جی منگلوری سے پڑھا، بقیہ قرآن پاک اور فارسی کی ابتدائی کتابیں میاں جی مولوی عبداللطیف صاحبؒ سے پڑھیں اس

---

(۱) حضرت شیخ الہند کے حالات کتاب ''بیس بڑے مسلمان'' مولفہ مولانا عبدالرشید ارشد سے درج کر رہا ہوں۔ جزاہ اللہ تعالیٰ۔ (مرتب)

کے بعد فارسی کی سب کتابیں اور ابتدائی کتب عربی اپنے معزز چچا اور مشہور استاذ مولانا مہتاب علی صاحبؒ سے پڑھیں، مولانا بچپن میں کھیل کود سے مجتنب ومتنفر تھے، البتہ سیر وشکار سے ایک مناسبت اور دلی شوق تھا۔

حضرت شیخ الہند کی عمر پندرہ سال کی تھی اور آپ قدوری، تہذیب وغیرہ پڑھ رہے تھے کہ خدا تعالی کے مقبول اور سراپا اخلاص بندوں کی تجویز سے ۱۵/محرم ۱۲۸۳ھ کو دیوبند میں مدرسہ دارالعلوم کی بنیاد رکھی گئی، اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی تجویز سے پہلے مدرس مولانا ملا محمود صاحبؒ بمشاہرہ پندرہ روپیے ماہوار مقرر ہوئے اور دیوبند کی مشہور مسجد چھتہ میں تعلیم عربی شروع ہوئی۔

پہلا استاذ وشاگرد: مولانا شیخ الہند دارالعلوم کے سب سے پہلے طالب علم تھے، گویا پہلا استاذ بھی ''محمود'' اور پہلا شاگرد بھی ''محمود'' ۱۲۸۶ھ میں کتب صحاح ستہ اور بعض دیگر کتب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ سے پڑھیں۔

چونکہ مولانا نانوتویؒ اپنی بصیرت اور نور فراست سے سمجھ رہے تھے کہ یہ شخص اپنے زمانہ کا مجاہد اعظم اور ملتِ اسلامیہ کا مایۂ ناز فرزند ہوگا اس لئے اس کی بہتر سے بہتر تربیت فرمائی۔

مدرس دارالعلوم: حضرت مولانا شیخ الہندؒ ۱۲۸۹ھ میں صحاح ستہ اور دیگر علوم وفنون کی اعلی کتابیں مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ختم فرما کر بطور معین مدرس دارالعلوم میں پڑھانے لگے۔ ۱۹/ذی قعدہ ۱۲۹۰ھ میں مدرسہ کے جلسۂ دستار بندی اور اہل اسلام کے مجمع عام میں اس وقت کے اکابر شیوخ وعلماء کی موجودگی میں مولانا شیخ الہند کی دستار بندی ہوئی۔

۱۲۹۲ھ میں طلبہ کی کثرت کی وجہ سے ایک مدرس چہارم کی ضرورت محسوس ہوئی تو حضرت شیخ الہندؒ ۱۲۹۲ھ میں بمشاہرہ پندرہ روپیے ماہوار مدرس چہارم مقرر ہوئے، مگر رفتہ رفتہ آپ کی علمی استعداد اتنی بڑھی کہ ۱۲۹۵ھ میں صحاح ستہ کی دوسری کتب کے علاوہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ یعنی بخاری شریف بھی پڑھائی۔

حج بیت اللہ: ۱۲۹۴ھ میں بزرگان ہند نے بیت اللہ کا قصد کیا اس قافلہ میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا رفیع الدینؒ صاحب مہتمم دارالعلوم، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ صدر مدرس دارالعلوم اور دیگر بہت سے منتخب روزگار صلحاء وعلماء شامل تھے، حضرت شیخ الہندؒ بھی اپنی سعادت سمجھتے ہوئے ان اکابر کے ساتھ شریک ہو گئے، بمبئی میں بیس روز جہاز کا انتظار کرنا پڑا، پھر سب قافلہ جہاز میں سوار ہو کر تیرہ دن میں جدہ پہونچا اور وہاں سے اونٹوں پر مکہ معظمہ پہونچ گیا، مرشدوں کے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ ان دنوں مکہ معظمہ میں تھے، طواف وزیارت کے بعد سارا قافلہ ان کی زیارت کو حاضر ہوا اور بعد فراغت حج مدینہ منورہ روانہ ہوئے اور بیس دن وہاں قیام فرمایا۔

وہاں استاذ الاساتذہ شاہ عبدالغنی دہلوی مہاجر مدنیؒ کا قیام تھا اس لئے سب حضرات ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، جناب ممدوح بھی کمال شفقت اور گوناگوں عنایات سے پیش آئے، اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی تحریک پر حضرت شاہ صاحب نے بکمال بشاشت حضرت شیخ الہندؒ کو سندِ حدیث مرحمت فرمائی۔

مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ واپس آ کر ایک ماہ قیام ہوا تو حضرت مولانا نانوتویؒ ہی کی خفیہ استدعا پر حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے نہ صرف حضرت شیخ

الہندؒ کو شرف بیعت عطافرمایا بلکہ خلافت واجازت بیعت سے بھی ممتاز کیااور بعد میں تحریری اجازت نامہ دیکر ہندوستان روانہ فرمایا۔

واپسی پرآپ بدستور سابق درس وتدریس میں مصروف ہوگئے، کچھ عرصہ کے بعد حضرت نانوتویؒ نے بھی دیوبند میں قیام فرمالیااس لئے استفادۂ کمالات کا مزید موقع نصیب ہوگیا،نونودس دس اسباق روزانہ پڑھاتے،اپنی مشہور کتاب ''ایضاح الاَدِلَّۃ'' تحریرفرماتے اورحضرت الاستاذ کوسنا کرخوشنودی حاصل کرتے اورشب کا بہت ساحصہ علاوہ کتب بینی کے عبادت،درود ووظائف میں گذارتے، انہیں دنوں حکیم الامت مولانااشرف علی تھانویؒ تحصیل علم کے لئے دیوبند تشریف لائے اورمنجملہ اوراسباق کے ملاحسن اورمختصر المعانی حضرت شیخ سے پڑھیں۔

حضرت شیخ الہندؒ اپنے ان مشاغل حسنہ میں محویت کے ساتھ مشغول تھے کہ ناگاہ ۱۲۹۷ھ میں حضرت نانوتویؒ کی وفات کا واقعہ پیش آیا،اس کے تیسرے ہی دن سہارنپور میں حضرت مولانااحمدعلی صاحب محدث سہارنپوریؒ نے بھی وفات پائی اورایک دن کے فاصلہ سے دنیااپنے وقت کے دو بہترین محدثوں سے خالی ہوگئی اور طبقۂ صلحاءاوراہل علم پرغم پرغم اورصدمہ پرصدمہ پڑا۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

مخدوم استاذ حضرت مولانامحمدقاسم صاحبؒ کی وفات کے حادثہ نے حضرت شیخ الہندؒ کو بالکل پژمردہ کردیا،تعلیم وتعلم سے دل سرد ہوگیااورمدرسہ آنا بھی چھوڑ دیا اوراپنے مکان میں گوشہ نشینی اختیارکرلی،مگرحضرت مولانارفیع الدینؒ صاحب مہتمم مدرسہ نے ایک دومرتبہ سمجھایااورتیسری مرتبہ اپنے ساتھ مدرسہ لائے اوردرس جاری کرنے کوفرمایاچنانچہ آپ کے ارشادکی تعمیل کی اوربچشم گریاں درس کاسلسلہ جاری

فرمایا اور مدت دراز تک قرآن وحدیث کے علوم ومعارف کے بحر زخار سے تشنگانِ علوم کو سیراب کرتے رہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

دارالعلوم میں صدر مدرس: آپ ۱۳۰۸ھ میں دارالعلوم دیوبند کے تیسرے صدر مدرس مقرر ہوئے اور ۱۳۳۳ھ تک اس منصب پر فائز رہے، اس اثناء میں مسلسل حدیث اور تفسیر کے علوم ومعارف سے طلبہ کو مستفیض فرماتے رہے، اس کے بعد حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ کشمیریؒ قائم مقام صدر مدرس ہوئے، آخر ۱۳۳۸ھ میں موصوف صدر المدرسین کے منصب سے مشرف ہوئے۔ (بیس بڑے مسلمان: ص/ ۶۹)

تبحر علمی اور طریق درس: حضرت کا حلقہ درس نہایت مہذب اور شائستہ ہوتا تھا، حضرت کمال عظمت ووقار سے درس دیتے تھے، فضول باتوں کا ذکر تک نہ تھا، دوسروں کی تحقیر اور اپنی تعریف کا نام ونشان نہ تھا، خطاب بالکل عام ہوتا تھا جو کسی کی خصوصیت نہ تھی۔

بہت سے ذی استعداد ذہین وفطین طالب علم مختلف اساتذہ کی استعداد سے استفادہ کرنے کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اپنے شکوک وشبہات کے کافی شافی جواب پانے کے بعد اور حضرت مولانا کی زبان سے آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے معانی ومضامین عالیہ سن کر سر نیاز خم کر کے معترف ہوتے کہ یہ علم کسبی نہیں بلکہ وہبی ہے اور ایسا محقق عالم دنیا میں کوئی نہیں ہے۔

حلقۂ درس دیکھ کر سلف صالحین اور اکابر محدثین کے حلقہ حدیث کا نقشہ نظروں میں پھر جاتا تھا، قرآن وحدیث حضرت کو ازبر تھے اور ائمہ اربعہ کے مذاہب زبان پر، اور صحابہ وتابعین، فقہاء ومحدثین کے اقوال محفوظ، تقریر نہایت

سہل الفاظ میں بامحاورہ اردو میں، اس روانی وتسلسل سے فرماتے کہ معلوم ہوتا تھا کہ دریا امنڈ رہا ہے۔

حضرت الاستاذؒ کے حقائق و دقائق نقل فرماتے اور تحقیقات عجیبہ اور مضامین عالیہ سناتے مگر مفسرین ومحدثین اور شراح و مصنفین کا ادب اس درجہ ملحوظ رکھتے تھے کہ کہیں شائبہ تنقیص بھی نہ آنے پاتا۔

مسائل مختلف فیہا میں ائمہ ثلاثہؒ بلکہ دیگر مجتہدین کے مذاہب بھی بیان فرماتے اور مختصر طور سے دلائل بھی نقل کرتے لیکن جب حضرت امام ابوحنیفہؒ کا نمبر آتا تو مولانا کے قلب میں انشراح اور چہرے پر بشاشت، تقریر میں روانی اور لہجہ میں جوش پیدا ہوجاتا، دلیل پر دلیل، شاہد پر شاہد پیش کرتے چلے جاتے اور اس خوبی سے مذہب امام اعظمؒ کو ترجیح دیتے تھے کہ سلیم الطبع اور منصف مزاج سامعین کے دل میں یہ بات اتر جاتی کہ یہی حق ہے۔

بایں ہمہ ائمہ اسلام کا ادب واحترام اور ان کے کمالات کا اعتراف فرماتے اور طلبہ کو ذہن نشین کراتے کہ مذاہب مجتہدین حق ہیں اور سب مستدل بالکتاب والسنۃ، ان کی تنقیص موجب بدبختی ہے اور بے ادبی باعثِ خسران۔

محدثین میں امام بخاریؒ اور ائمہ مجتہدین میں سے حضرت امام اعظمؒ کے ساتھ خاص تعلق تھا، امام بخاریؒ کے علوم اللہ تعالی نے آپ پر کھول دیئے تھے یہاں تک کہ نظر بندی ''مالٹا'' کی یکسوئی میں آپ نے خود بخود اس داعیہ الٰہیہ سے مجبور ہو کر تراجم بخاری کے متعلق تحریرات لکھنی شروع فرمائی تھیں۔ بخاری کے متعلق کوئی شخص سوال کرتا تو خوش ہوجاتے اور بیان فرمانا شروع کردیتے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے لئے حق تعالی نے حضرت کو شرح صدر عطا کر دیا تھا ،اگر امام صاحب کے مناقب بیان فرمانے لگتے تو بیان فرماتے چلے جاتے تھے سلسلہ کلام ختم ہی نہ ہوتا تھا۔

حضرت شیخ الہندؒ کا طرز تحدیث اور جمع بین الاقوال والاحادیث وہی تھا جو ہندوستان کے نامی گرامی علمی خاندان حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ کا تھا ،حضرت شاہ صاحبؒ کے اقوال کو نہایت اعتماد واعتبار کے ساتھ نقل فرماتے اور نہایت ادب سے نام لیتے۔

غرض اس طرح آپ دارالعلوم دیوبند کی مسلسل پینتالیس سال تدریسی خدمت کرتے رہے ،یہاں تک کہ ملک وملت کی آزادی کی خاطر جب کمر ہمت باندھ کر میدان میں نکلے تو پھر دارالعلوم سے رخصت ہونے کا وقت آگیا،جس کی تفصیل فاضل مرتب مولانا عبدالرشید ارشد صاحب نے بہت ہی خوبی سے تحریر فرمائی ہے جو نہایت بصیرت افروز ہے جس کا مطالعہ کرنا خالی از نفع نہیں ہے،ہم نے بغرض اختصار اس کو نقل نہ کیا،نیز حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اس سلسلہ میں ''اسیر مالٹا'' کے نام سے مستقل تصنیف فرمائی ہے جو قابل دید ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ انگریزوں سے ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے حضرت شیخ الہندؒ پوری ہمت کے ساتھ آگے بڑھے اور اس کے لئے مراکز قائم کئے،ہندوؤں کو بھی شریک کیا،جس کی وجہ سے انگریز حضرت شیخ الہندؒ کے سخت دشمن ہو گئے اور شریف مکہ یعنی شریف حسین سے خفیہ سازش کر کے حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفقاء کو مکہ مکرمہ میں گرفتار کرایا اور ۲۴ رصفر ۱۳۳۵ھ کو وہاں سے جدہ بھیج دیئے گئے

اور تقریبا ایک ماہ زیر حراست وہاں رکھے گئے، پھر ۱۸/ربیع الاول ۱۳۳۵ھ کو خدیوی جہاز سے اسی طرح زیر حراست سویز بھیجے گئے، ۲۲/ربیع الاول کو سویز پہونچے وہاں سے گوروں کی حراست میں قاہرہ ریل سے بھیجے گئے اور اسی دن عصر کے بعد جیزہ کی سیاسی جیل (معتقل) میں داخل کئے گئے، وہاں بیانات لئے گئے، بیان لینے والا شخص انگریز تھا، آخر اس جیل میں ایک مہینہ رکھنے کے بعد پاسپورٹ مرتب کیا گیا اور ۲۴/ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۶/فروری ۱۹۱۷ء میں یہ حضرات مالٹا روانہ کئے گئے، اور ۲۹/ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ میں مالٹا پہونچ گئے۔

۲/جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ کو تقریباً تین برس ۲/مہینہ مالٹا میں رہ کر مالٹا سے روانہ ہوئے، اور ۲۰/رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ مطابق ۸/جون ۱۹۲۰ء کو بمبئی پہونچے، وہاں دو دن قیام فرما کر ۲۳/رمضان المبارک کو روانہ ہو کر ۲۴/رمضان المبارک کو دلی پہونچے، ایک روز قیام کر کے ۲۵/رمضان کی شام کو دیوبند پہونچے، چونکہ اطراف کے بہت سے مہمان جمع تھے اس لئے ۱۰/شوال ۱۳۳۸ھ تک دیوبند ہی میں قیام فرمایا، ۱۷/ذی قعدہ کو اہلیہ محترمہ نے داغِ مفارقت دی جس کا اثر آپ کی طبیعت پر پڑا۔

ارشادات

ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی، مفتی اعظم نمبر میں مفتی تقی عثمانی زید مجدہ نے اپنے والد مکرم حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ واقعات وارشادات نقل کئے ہیں، اسی میں سے ایک ملفوظ پیش خدمت ہیں:

اسباب زوال امت : حضرت شیخ الہندؒ کاایک ملفوظ حضرت والدصاحب رحمۃ اللہ علیہ بار بارنقل فرمایا کرتے تھے اوراسے آپ نے اپنی متعدد تحریروں میں بھی نقل کیاہے،وہ میں حضرت والدصاحبؒ ہی کے الفاظ میں نقل کرتاہوں،شیخ الہندؒ حضرت مولانامحمود الحسن صاحب قدس سرہٗ مالٹا کی چارسالہ جیل سے رہائی کے بعد دارالعلوم دیوبند میں تشریف لائے تو علماء کے ایک مجمع کے سامنے آپ نے ایک اہم بات فرمائی،جولوگ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے واقف ہیں وہ اس سے بھی بے خبر نہیں ہیں کہ ان کی یہ قیدو بند عام سیاسی لیڈروں کی قید نہ تھی،جنگ آزادی میں اس درویش کی ساری تحریکات صرف رضائے حق سبحانہ وتعالی کے لئے امت کی صلاح وفلاح کے گرد گھومتی تھیں،مسافرت اورانتہائی بے کسی کے عالم میں گرفتاری کے وقت جوجملہ ان کی زبان مبارک پرآیا تھاوہ ان کے عزم اورمقصد کا پتہ دیتاہے،''الحمدللہ بمصیبتے گرفتارم نہ بمعصیتے''جیل کی تنہائیوں میں ایک روز بہت مغموم دیکھ کربعض رفقاء نے کچھ تسلی کے الفاظ کہنا چاہے تو فرمایا:''اس تکلیف کا کیاغم ہے جوایک دن ختم ہوجانے والی ہے،غم اس کاہے کہ تکلیف ومحنت اللہ تعالی کے نزدیک قبول ہے یانہیں۔''

مالٹا کی قید سے واپس آنے کے بعد ایک رات بعد عشاء دارالعلوم میں تشریف فرماتھے،علماء کابڑا مجمع سامنے تھا،اس وقت فرمایا کہ''ہم نے تو مالٹا کی زندگی میں دوسبق سیکھے ہیں،یہ الفاظ سن کر سارامجمع ہمہ تن گوش ہوگیا کہ اس استاذ العلماء درویش نے سالہاسال علماء کو درس دینے کے بعد آخرعمر میں جوسبق سیکھے ہیں وہ کیاہے؟ فرمایا:''میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پرغورکیا کہ پوری دنیامیں مسلمان دینی اوردنیاوی ہرحیثیت سے کیوں تباہ ہورہے ہیں؟ تواس کے

دوسبب معلوم ہوئے ،ایک ان کا قرآن کو چھوڑ دینا ،دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی ،اس لئے میں وہاں سے یہ عزم لیکر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کردوں کہ قرآن کریم کولفظاً اور معنیً عام کیا جائے ،بچوں کے لئے لفظی تعلیم کے مکاتب بستی بستی قائم کئے جائیں ،بڑوں کو عوامی درس کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے ،اور قرآنی تعلیم پر عمل کے لئے آمادہ کیا جائے ،اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے ۔''

حضرت والد صاحبؒ آگے تحریر فرماتے ہیں :''نباض امت نے ملت مرحومہ کے مرض کی جو تشخیص اور تجویز فرمائی تھی باقی ایام زندگی میں ضعف وعلالت اور ہجوم مشاغل کے باوجود اسکے لئے سعی پیہم فرمائی ،بذات خود درس قرآن شروع کرایا جس میں تمام علماء شہر اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جیسے علماء بھی شریک ہوتے تھے اور عوام بھی ،اس ناکارہ (مفتی محمد شفیعؒ) کو اس درس میں شرکت کا شرف حاصل رہا ہے ،مگر اس واقعہ کے بعد حضرت کی عمر ہی گنتی کے چند ایام تھے ؏

آں قدح بشکست وآں ساقی نماند (البلاغ مفتی اعظم نمبر)

ف : حضرت مصلح الامتؒ اس واقعہ کو سنا کر یہ فرماتے تھے کہ قرآن حکیم کے عام کرنے میں یہ بھی شامل ہے کہ اس کی تلاوت کو عام کیا جائے ،تاکہ امت اس کے فیوض وبرکات سے مالا مال ہو ،اور اللہ تعالی کی خاص رحمت کا نزول ہو ۔(مرتب)

حضرت شیخ الہندؒ کا مکتوب گرامی

حضرت شیخ الہندؒ کا یہ خط حضرت مولانا محمد انوری صاحبؒ کے والد ماجد

مولانا فتح الدین صاحبؒ نمبر دار اوگی ضلع لائل پور کے نام ہے۔

حضرت مولانا محمد انوریؒ صاحب کے شکریہ کے ساتھ ہم یہاں اس کو درج کر رہے ہیں:

مکرم سراپا فضل وعنایت زید مجدکم، بندہ محمود سلام مسنون کے بعد ملتمس ہے، آپ کا گرامی نامہ مولوی عبداللہ صاحب کے وساطت سے پہونچا، مولوی صاحب نے چند بار جواب کا تقاضا اور یاد دہانی بھی کی مگر حضر وسفر کی مشاغل کی وجہ سے جواب کی نوبت نہ آئی، مکرما! کاہلی وغفلت سخت مضر ہے۔ آپ کو لازم ہے کہ ہمت کے ساتھ اپنے مشاغل واذکار کی طرف رجوع کریں اور بہتر ہو جو شب جمعہ میں غسل کر کے اور دو رکعت خشوع کے ساتھ ادا کر کے اپنے اللہ سے توبہ کریں اور توفیق حسنات کی الحاح کے ساتھ دعا مانگیں اور اپنا کام التزام کے ساتھ شروع کریں اور عزم وہمت کے ساتھ اپنے کام میں چست رہیں، اور کاہلی کو پاس نہ آنے دیں، بندۂ حقیر بھی آپ کے لئے دعا کرتا ہے۔

یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ ایک سو ایک مرتبہ جہر کے ساتھ پڑھ لیا کرو اور یَاحَیُّ کی ضرب قلب پر لگنی چاہئے، باقی اذکار فرمودۂ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کئے جاؤ۔ (غالباً مراد حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ ہوں۔ مرتب)

پریشان خوابوں کا فکر نہ کرو، سونے کے وقت آیۃ الکرسی، سورۂ فاتحہ، معوذتین پڑھ کر دم کر لیا کرو اور کوئی خواب پریشانی کا نظر آوے تو فوراً لاَحَولَ اور تعوّذ پڑھ کر قلب پر تھتکار دو اور کچھ پرواہ نہ کرو۔

اور حق کے مقابلہ میں کسی کی پرواہ نہ کرو، اور اللہ پر توکل رکھو، آپ کو اللہ

تعالیٰ شرِ مخالفین سے محفوظ رکھے، البتہ یہ ضرور ہے کہ لوگوں کے ساتھ اخلاق، نرمی اور صبر وتحمل سے معاملہ کرو، کلمۃ الحق ضرور کہو، مگر نہایت نرمی اور للّٰہیت سے، اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت کرے۔

ف: ماشاء اللہ بہت ہی مفید نصائح ہیں، اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی توفیق دے آمین۔ (مرتب)

اپنی اہلیہ سے بعد سلام مسنون کہہ دینا کہ مہلت ہو تو تمام دن رات میں ایک دفعہ یا مختلف اوقات میں اسم ذات یعنی لفظ اللہ کو چار ہزار مرتبہ پورا کرلیا کرو۔

وہم اور وسوسہ بری بلا ہے، ہرگز اس کا خیال نہ کرو، اور دل میں ٹھہرا لو کہ جو چیز شریعت میں پاک ہے کسی وسوسہ سے وہ ناپاک نہیں ہوسکتی، بلکہ وسوسہ، شیطانی خیال ہے، جب وسوسہ آئے تو **لاحول ولا قوۃ إلا باللہ** پڑھو اور اس کو دفع کرو اور اس کے موافق عمل درآمد نہ کرو، ورنہ اور زیادہ وسوسہ ترقی کرے گا، اور دفع کرنے سے ان شاء اللہ رفتہ رفتہ جاتا رہے گا۔

اپنی صاحبزادی سے بعد سلام مسنون فرمادیجئے کہ تلاوت قرآن پاک حسبِ مہلت اور صبح وشام درود، استغفار، **سبحان اللہ، الحمدللہ، لاالٰہ الا اللہ، اللہ اکبر**، ایک ایک تسبیح پڑھ لیا کریں۔

بنام خدا نکاح لڑکی کا کردیجئے، جہیز کی کوئی مقدار نہ کوئی وقت ضروری، جو بسہولت میسر ہو، اب یا دوسرے وقت وہ دے دیا جائے، مہر کی مقدار کو کم رکھنا بہتر ہے، لیکن کوئی مصلحت درپیش ہو تو پانچ صد سے بڑھا دینا مضائقہ نہیں، باقی خیریت ہے والسلام فقط۔ بندہ محمود عفی عنہ۔

ف: حضرت شیخ الہندؒ کا یہ مکتوب گرامی نہایت اہم احکام ومسائل پر مشتمل ہے جو حضرت شیخ الہندؒ (اور بقول حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ شیخ العالم) کی جامعیت پر دال ہے، وہ مسائل یہ ہیں:

(۱) وظائف واوراد کی ادائیگی میں غفلت وکوتاہی نہ کرنی چاہئے بلکہ عزم واستقلال سے کام میں لگنا چاہئے، یہی کلید کامیابی ہے۔

(۲) حق کے مقابلہ میں کسی کی پروانہ کرنی چاہئے، بلکہ اللہ تعالی پر بھروسہ کرکے حق بات کہنی چاہئے، ہاں! مگر اس کے ساتھ رفق ونرمی کو ملالینا چاہئے تاکہ مخاطب حق کی کڑواہٹ کو بخوشی گوارا کرلے۔ اسی کی ہدایت عارف رومی یوں فرمارہے ہیں۔ ؎ نرم گو لیکن مگو غیر صواب

یعنی نصیحت نرمی سے کرو مگر ہاں حق کے خلاف کوئی بات نہ کہو۔

(۳) عورتوں کو بھی حسبِ فرصت وطاقت علاوہ فرائض اور دیگر وظائف کے کسی قدر اسم ذات کا بھی ورد رکھنا چاہئے، اس لئے کہ یہ علاوہ موجب خیرات وبرکات ہونے کے تزکیۂ نفس میں معین ہے۔

(۴) وساوس کی طرف التفات نہ کرنا چاہئے اور نہ اس کی وجہ سے پریشان ہونا چاہئے، بلکہ ذکر وشغل میں مزید مستعدی سے لگنا چاہئے، یہی اس کا علاج ہے۔

(۵) جہیز کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے اس لئے جس سے جو بھی بسہولت انتظام ہوجائے اپنی لڑکی اور داماد کو بطور عطیہ وتحفہ دے دینا چاہئے، لہذا داماد یا اس کے گھر والوں کو جہیز کے مطالبہ کا کوئی حق نہیں ہے۔

(۶) مہر کی مقدار کم رکھنا یقینا مستحسن ہے لیکن اگر کوئی مصلحت ہو تو

حضرت شیخ الہندؒ کے خیال کے مطابق پانچ سو روپیہ سے زیادہ بھی رکھی جاسکتی ہے، جبکہ یہ مکتوب ۱۹۲۰ھ سے پہلے کا لکھا ہوا ہے، لہذا اب تو اس کی حیثیت بیس ہزار روپیہ سے کم نہ ہوگی، پس اگر شوہروں کی بدخلقی اور عموماً مالی فراخی کو دیکھتے ہوئے کچھ زیادہ بھی رکھی جائے تو مضائقہ نہیں، یوں اصل تو مہر مثل ہے تاہم اگر مہر فاطمی رکھ دی جائے تو اچھا ہے جس کی مقدار ۱۳۱ تولہ ۳ ماشہ چاندی ہے، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ متوفیٰ ۱۹۴۲ء نے خورجہ کے برادر مکرم الحاج محمد الیاس خانصاحب کی والدہ محترمہ کا نکاح بعوض مہر دس ہزار روپیہ خود پڑھایا، اس لئے جیسے کثرتِ مہر مذموم ہے اسی طرح مہر کی اس قدر قلت بھی جس سے عورتوں کی بے وقعتی معلوم ہو، مذموم ہے، بلکہ اگر کسی اور ضرر کا اندیشہ ہو تو وسعت کے مطابق کثرت مہر بھی مطلوب ہے، خوب سمجھ لیجئے۔

بہشتی زیور میں مہر فاطمی کی مقدار ۱۳۱ تولہ ۳ ماشہ چاندی ہی لکھی ہے اور یہی تحقیق مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی جواہر الفقہ میں ہے، مفتی صاحبؒ کا دوسرا قول ۱۴۵ تولہ کا بھی ہے اور فتاویٰ رحیمیہ: ج ۶ ص ۴۴۳ میں بعض علماء کا قول ۱۵۰ تولہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ (مرتب)

علالت و رحلت: ذوالحجہ میں موسمی بخار کا شیوع ہوا چنانچہ خود حضرت عشرۂ محرم کے بعد تپ ولرزہ میں مبتلا ہو گئے، بواسیر اور وجع مفاصل کی تکلیف پہلے سے تھی ہی مگر لرزہ بخار نے آپ کو اتنا کمزور کر دیا کہ نشست و برخاست سے مجبور ہو گئے، اسی زمانہ میں سفر علی گڈھ کی تحریک ہوئی، چنانچہ ۱۶ صفر ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو بروز جمعہ علی گڈھ میں جلسہ ہوا، حضرت شیخ الہندؒ نے جمعہ پڑھ کر صدارت

فرمائی ،کمزوری اتنی تھی کہ خطبہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے پڑھا جو مطبوع ہے جس کا ابتدائی مضمون یہ ہے:

''میں نے اس پیرانہ سالی اور علالت ونقاہت کی حالت میں آپ کی اس دعوت پر لبیک کہا کہ میں اپنی ایک گمشدہ متاع کے پانے کا یہاں امیدوار ہوں'' الخ۔۔

اجلاس علی گڈھ سے فارغ ہوکر دہلی تشریف لائے اور ڈاکٹر انصاری صاحب کی کوٹھی پر قیام فرمایا، ڈاکٹر صاحب نے نہایت توجہ سے علاج فرمایا۔

(خطبۂ صدارت: ص/۱۶، مطبع قاسمی دیوبند)

وفات: ڈاکٹر انصاری کے علاج سے تخفیف کے آثار نمایاں تھے، ۱۴/ربیع الاول تک اطمینانی حالت رہی مگر ۱۵/ربیع الاول کو لرزہ بخار پھر آیا اور حالت نازک ہوگئی، رات بھر یہی حالت رہی، سینہ پر بلغم تھا جس کو ضعف کی وجہ سے دفع نہیں کرسکتے تھے، آخر ۱۸/ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۳۰/نومبر ۱۹۲۰ء کو حالت بہت نازک ہوگئی اور حضرت دنیا سے بالکل غافل ہوگئے، تنفس طویل اور غیر طبعی ہوگیا اور انقطاع عن الدنیا وتوجہ الی الرفیق الاعلی کا گمان غالب آنے لگا، اسی حالت میں حضرتؒ نے غیر فانی اور واجب الوجود ہستی کو یاد کیا جس کے نام پر اپنے آپ کو محمود کردیا تھا یعنی بلند آواز سے ۳/مرتبہ اللہ اللہ اللہ فرمایا۔

مولانا شبیر احمد صاحبؒ کا بیان ہے (جس کو مولانا جلیل صاحب نے نقل فرمایا) کہ حضرت نے تھوڑی دیر آنکھ کھول کر چھت کی طرف دیکھا، پھر فرمایا کہ مرنے کا تو کچھ افسوس نہیں ہے مگر افسوس تو یہ ہے کہ میں بستر پر مر رہا ہوں، تمنا تو یہ

تھی کہ میدان جہاد میں ہوتا اور اعلاء کلمۃ اللہ کے جرم میں میرے ٹکڑے ٹکڑے کئے جاتے، اس کے بعد بلند آواز سے اللہ اللہ سات مرتبہ کہا، آٹھویں مرتبہ آواز بند ہوگئی دیکھا تو زبان تالو سے لگی ہوئی تھی۔

آخر روح مقدس روح وریحان وجنت نعیم کی بہار دیکھنے کے لئے تمام اہل اسلام کو یتیم و بے کس چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئی اور رفیق اعلیٰ سے جا ملی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ (بیس بڑے مسلمان: ۲۹۴)

تدفین: تدفین کے سلسلے میں ڈاکٹر انصاری صاحب کی رائے یہ تھی کہ مقبرہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ میں دفن کیا جائے، مگر حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میں دو مشکلات میں مبتلا ہوں، ایک یہ کہ دیوبند لے جائیں تو مذہب حنفی میں یہ غیر مستحسن ہے اور دوم یہ کہ یہاں کے مقابر میں دفن کریں تو چونکہ اس وقت حضرتؒ سے تمام مسلمانوں کو انتہائی شغف اور محبت ہے لہذا خوف ہے کہ لوگ قبر کو پختہ نہ کر دیں، اور ہم کتنا ہی صدائے احتجاج بلند کریں کچھ بھی نہ سنیں گے، پھر فرمایا کہ اہون البلیتین یہی ہے کہ جنازہ دیوبند ہی لے جایا جائے، وہاں قبر کے پختہ کرنے کا احتمال نہیں ہے۔

چنانچہ دیوبند کے مزار قاسمی میں پہونچایا گیا، قبر تیار تھی، جنازہ قریب لا کر رکھا گیا، اور شریعت وطریقت کے آفتاب عالمتاب کو ہمیشہ کے لئے نظروں سے چھپا دیا گیا، ایک غمزدہ کی زبان نے بھرّائی ہوئی آواز سے کہا ؎

مٹی میں کیا سمجھ کے چھپاتے ہو دوستو
گنجینۂ علوم ہے گنجینۂ زر نہیں

نور اللہ مرقدہٗ

حضرت مولانا سید محمد ظہور الاسلام صاحب فتحپوریؒ متوفی ۱۳۳۹ھ

نام ونسب : نام سید محمد ظہور الاسلام والد کا نام سید حسین علی ابن احسان علی ہے۔

ولادت : آپ کی ولادت ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۸۵۸ء میں موضع ڈلمئو ضلع رائے بریلی میں ہوئی ۔ یہ آپ کی ننہالی جگہ ہے چونکہ آپ کی والدہ زیادہ تر والدین کے پاس رہتی تھیں۔

تعلیم وتربیت : مولانا کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی اس زمانے کے رسم ورواج کے مطابق عربی فارسی کی ابتدائی تعلیم بھی گھر پر حاصل کی اسکے بعد کان پور تشریف لے گئے اور وہاں کچھ دن تعلیم حاصل کرنے کے بعد علیگڈھ گئے جہاں استاذ العلماء حضرت مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اسوقت مولانا لطف اللہ صاحب کا دور دور شہرہ تھا۔ تشنگان علم کھینچے چلے آرہے تھے اور اس وقت کے بڑے بڑے علماء ان کے شاگرد تھے۔ دورہ حدیث کے لئے لکھنؤ گئے اور وہاں علامہ عبدالحی بن عبدالحلیم انصاریؒ سے حدیث اور کچھ دیگر کتابیں پڑھیں اور قاری عبدالرحمن بن محمد انصاری پانی پتیؒ سے حدیث کی سند لی۔ طب کی تعلیم بھی لکھنؤ میں رہ کر حاصل کی۔

آپ کے مفصل حالات حیات شخصیت اور کارنامے کے عنوان سے ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتحپوری اور مولوی نجیب اصغر فتحپوری نے جمع کیا ہے اسی سے یہ مضمون ماخوذ ہے۔ (مرتب)

بیعت وخلافت: آپ حضرت مولانا شاہ فضل رحمن صاحب گنج مرادآبادیؒ کے مرید وخلیفہ تھے۔آپ کو بیعت کرنے کی اجازت حاصل تھی،مولانا علوم ظاہری کے ایک جید عالم تھے اور پابند شرع شریف اور اتباع سنت کا خاص اہتمام تھا۔ اس لئے مولانا کی روحانیت ہمیشہ ڈھکی چھپی رہی اور مولوی کا رنگ اس پر اس قدر غالب رہا کہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپ باطنی اعتبار سے نور علی نور ہیں، چونکہ پیری مریدی آپ نے کبھی نہیں کی اور باوجود اصرار کے کبھی کسی کو علانیہ مرید نہیں کیا اس لئے عام لوگ صرف آپ کو ایک مولوی سے زیادہ نہ جانتے تھے مگر راقم کو معلوم ہے کہ جب کوئی طالب آپ کے سر ہو ہی جاتا تھا تو پھر آپ اسکو بیعت میں قبول فرمالیتے تھے۔مگر شرط یہ ہوتی تھی کہ میری تعظیم وتکریم عام معمول سے زیادہ نہ کرنا اور نہ اسکو ظاہر کرنا بیعت کے وقت فرماتے تھے۔ بیعت کیا ہے؟ ایک عہد اور وعدہ ہے جو تم مجھ سے کر رہے ہو کہ اب تم اپنے نفس کے خلاف اچھے کام کرنے پر آمادہ ہو جاؤ اور جہاں تک تم سے ہو سکے اعمال کی تم پابندی کرو۔میرا کام صرف یہ ہے کہ اللہ سے دعا کروں کہ تمہاری مدد کرے بس اور کچھ نہیں۔

ف: ماشاءاللہ بیعت کی غرض کیا ہی خوب واضح فرمایا فجزاھم اللہ (مرتب)

ایک روز بسلسلہ گفتگو راقم نے عرض کیا کہ آپ علانیہ لوگوں کو مرید کیوں نہیں کرتے۔ ہزاروں نئے تعلیم یافتہ صراط مستقیم کی تلاش میں بھٹکے بھٹکے پھر رہے ہیں مگر ان کی تسلی کے مطابق کوئی نہیں ملتا۔ہنس کر فرمایا بھائی میں اپنے حال میں مبتلا ہوں یہ کام میرے بس کا نہیں ہے میں نے عرض کیا تو کیا آپ پیری کو ایک

فعل عبث مان رہے ہیں فرمایا نہیں میں خود مرید ہوں مجھے اجازت بھی میرے مرشد سے مل چکی ہے مگر بھائی میرا نفس بڑا شریر ہے مولویت ہی کے تفاخر پر اکڑ جاتا ہے۔ پیر ہو جائے گا تو اور غضب ڈھادے گا۔ میں نے عرض کیا ، میری سمجھ میں بات نہیں آئی۔ آپ چونکہ اصلاحِ قوم اور دین وملت کی خیر وبھلائی کا شوق رکھتے ہیں ۔ اسلئے عرض ہیکہ مسلمانوں کی اصلاح ک، پیری ومریدی سے آسانی سے ہوسکتی ہے۔ آپ بحیثیت ایک مولوی کے کسی کو نصیحت کرتے ہیں کہ تم بچوں کو تعلیم دلاؤ، شادی بیاہ کی فضول خرچیوں سے بچو صنعت وحرفت سے نفرت نہ کرو حقوق اقرباء ادا کرو۔ معاملات میں سچے رہو۔ نمازیں پڑھو، روزے رکھو وغیرہ مگر لوگ کان نہیں دھرتے وہ جانتے ہیں کہ وعظ سننے کے لئے ہے نہ کہ عمل کرنے کے لئے مگر پیری مریدی میں یہ بات نہیں ہے۔ ایک پیر اپنے مرید کو جس راستے پر چاہے آسانی سے لگا سکتا ہے اس لئے اور کسی وجہ سے نہ سہی قوم کی بہتری کے لئے آپ اسکو ہاتھ میں لیں۔ اگر آج آپ کے دو ہزار ہی ایسے مرید ہوں جو آپ کو چار آنہ ماہوار بھی دے سکیں تو آپ کا ہائی اسکول نہایت شان سے چل سکتا ہے کیونکہ ہندوستان کی عام طبیعتیں خوشامد پسند واقع ہوئی ہیں یہ سنکر مسکرا کر فرمایا؛

''بات تو مزیدار ہے لالچ تو اچھا دلاتے ہو مگر میں اپنی نا قابلیت سے مجبور ہوں ورنہ مدرسہ کے لئے تو میں سب کچھ کرنے کو تیار ہوں''

فتحپور میں مدرسہ اسلامیہ کا قیام: مولانا نے تعلیم سے فراغت کے بعد ایک مختصر عرصہ کے لئے لکھنؤ میں مطب کھولا لیکن بہت جلد وطن کی محبت فتحپور کھینچ

لائی فتحپور آ کر اولاً ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی اس مدرسہ کا قیام دارالعلوم دیوبند کے ۱۶ سال کے بعد عمل میں آیا پہلے یہ مدرسہ محلہ قضیانہ میں ڈپٹی عبدالغفور کے مکان کے قریب کھولا گیا لیکن جلد ہی اس آراضی پر جہاں اسوقت ہے منتقل کر دیا گیا۔

یہ زمین کوڑا جہاں آباد کے دو زمینداروں کی تھی انہوں نے مولانا کو یہ آراضی زبانی وقف کے ذریعہ مسلم قوم کی تعلیم و تربیت کے لئے دی تھی اس آراضی پر ایک بڑا سا باغ تھا جس میں انواع و اقسام کے درخت لگے ہوئے تھے اور کچھ پختہ و نیم پختہ عمارتیں بنی ہوئی تھیں انہیں سب میں ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۸۸۳ء میں مدرسہ کی بنیاد ڈالی گئی اور اس کا نام ''مدرسہ اسلامیہ فتحپور'' رکھا گیا

تعلیم سے فراغت کے بعد کلکتہ کے مدرسہ عالیہ نے مولانا کی خدمت عربی مدرس کی حیثیت سے لینی چاہی اور مشاہرہ اسی یا سو روپیہ دینا منظور کیا مگر مولانا کے مرشد حضرت مولانا فضل رحمن گنج مرادآبادی نے مولانا کے استصواب پر لکھا کہ تم فتحپور ہی میں رہو تمہاری ضرورت وہیں ہے۔ تھوڑے رزق پر قناعت کرو چنانچہ مولانا نے پھر باہر جانے کا خیال عمر بھر کبھی نہیں کیا حالانکہ ترغیبات وتحریصات کے مواقع بارہا آئے۔

اخلاق و عادات: بزرگان دین اور اللہ والوں کے اخلاق و عادات مثالی ہوا کرتے ہیں اخلاق کی بلندی اور کردار کی پاکیزگی ان کی نمایاں خصوصیات ہوتی ہیں۔ ان کے ظاہری اخلاق اتنے اثر آفریں ہوتے ہیں کہ ہزاروں کی زندگیاں چشم زدن میں دیگر گوں ہو جاتی ہیں اور وہ گذشتہ اعمال و افعال پر نادم و شرمسار ہو کر پاکیزہ زندگی گزارنے لگتے ہیں۔ ان کے اخلاق و عادات سے سبق حاصل

کیا جا سکتا ہے اور انکے دیکھنے سے صحیح اسلام کی تصویر سامنے آتی ہے۔مولانا نہایت خوش خلق اور نرم خو تھے معمولی سے معمولی آدمی کی دل شکنی آپ کو گوارا نہ تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ اور خلفاء راشدین کا طریقہ آپ ے لئے مشعلِ راہ تھا۔مولانا مرحوم ان کے نقش پا کی خود تقلید کرتے اور دوسروں کو اس کی تلقین کرتے تھے۔مولانا کے اخلاق و عادات کس درجہ سنت کے مطابق کس قدر بزرگان سلف کے مشابہ اور اسلامی تعلیمات کا نمونہ تھے، اس کا جیتا جاگتا نقشہ جس کو حکیم ڈاکٹر مولانا عبدالعلی صاحب نے کھینچا ہے حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی کی زبانی سماعت فرمائیں؛

> ہمارے بڑے بھائی صاحب مرحوم ڈاکٹر حکیم مولانا عبدالعلی صاحبؒ نے حضرت مولانا کو دیکھا تھا۔وہ کہتے تھے کہ اگر اسلام کسی انسان کی شکل میں ظاہر ہوتا تو وہ جناب مولانا ظہور الاسلام صاحبؒ کی شکل میں ہوتا۔ نام بھی ان کا ظہور الاسلامؒ ہے، چلتا پھرتا اسلام اگر کسی کو دیکھنا ہو تو ان کو دیکھے۔

ف: سبحان اللہ کتنی جامع تعریف و تحسین فرمائی جو یقیناً اس کے اہل تھے یہ ہماری سعادت ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت اور حسن سیرت کے لکھنے کی توفیق حاصل ہو رہی ہے۔(مرتب)

مولانا کی عادت تھی کہ اگر کوئی ان کے ساتھ کسی قسم کا سلوک کرتا تو کوشش کرتے کہ وہ اس کے ساتھ کچھ زیادہ سلوک کر دیں۔وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ کسی کے احسان مند رہیں۔

مولانا بہت خلیق، ملنسار، نرم خو اور رقیق القلب انسان تھے موصوف دوسروں کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھتے تھے اور عام آدمیوں کی طرح لوگوں میں برائیاں تلاش نہ کرتے تھے بلکہ ہر شخص کی اچھائیوں کو اجاگر کرتے تھے۔

تواضع ومساوات: مولانا بہت متواضع اور ملنسار آدمی تھے وہ اپنے لیے کسی قسم کا امتیاز پسند نہ کرتے تھے، جس مجمع میں شریک ہوتے اتنا گھل مل کر رہتے کہ مجمع کا ہر فرد اپنے کو مولانا سے بہت قریب سمجھتا۔

صبر وتوکل: مولانا کے اکلوتے صاحبزادے عتیق اللہ کا انتقال ہیضہ کے عارضہ میں آناً فاناً ہوا اور دوسرے صاحب زادے عطیۃ اللہ کا انتقال ٹائیفائڈ میں ہوا۔ (وہ بھی اس وقت اکلوتے تھے) لیکن مولانا نے ان حالات میں صرف یہی نہیں کہ سر رشتہ صبر وسکون کو ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا بلکہ ان مواقع پر وہ استقامت دکھلائی کہ لوگوں کو ان کے صبر وتحمل پر تعجب ہوتا تھا۔

رحمدلی وخدمتِ خلق: مولانا کی ساری زندگی خدمت خلق، نزاع باہمی کے رفع اور صلح وصفائی کی کوششوں میں گزری۔ آپ کا ہر فعل دوسروں کو فائدہ پہونچانے کی غرض سے ہوتا تھا۔ قدرت نے طبابت کی دولت سے بھی آپ کو بہرہ ور کیا تھا۔ آپ نے اس مقدس پیشہ سے بھی خدمت خلق کا کام لیا اور کبھی اسے بطور ذریعہ معاش استعمال نہیں کیا۔ مریضوں سے کوئی پیسہ نہ لیتے تھے اور ہمہ وقت اس نیک کام کے لئے پابرکاب رہتے تھے۔

شرم وحیا: مولانا کے مزاج میں بہت شرم وحیا تھی۔ مولانا مرحوم اور مولانا نور محمد صاحب صدر مدرس اسلامیہ کا بہت ساتھ رہا دونوں ہم درس اور ایک ہی استاد

کے شاگرد تھے، بلکہ ایک ہی شیخ کے مرید تھے بلکہ دونوں خلیفہ تھے۔ مدرسہ اسلامیہ کے قیام کے بعد سے حضرت مولانا ظہور الاسلام صاحبؒ تاحیات خود صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ رہے اور مولانا نور محمد صاحبؒ اس کے نگراں اور ناظم تاحیات رہے۔

ف: ایک خاص بات غالباً حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے اس حقیر نے سنا کہ جب مولانا ظہور الاسلام صاحبؒ نے فتحپور میں مدرسہ اسلامیہ قائم کیا تو خود صدر المدرسین کا عہدہ سنبھالا اور حضرت مولانا نور محمد صاحب کو نظامت کے منصب پر فائز فرمایا ماشاء اللہ اپنے پیر بھائی کو کس قدر اہم عہدہ پیش کیا فجزاہم اللہ۔ جب یہ دونوں حضرات اپنے شیخ مولانا فضل رحمن گنج مرادآبادیؒ کے یہاں گئے اور یہ صورت حال بتایا تو مولانا گنج مرادآبادیؒ نے مولانا ظہور الاسلامؒ کو علیحدہ بلایا اور فرمایا کہ تم نے مولانا کو ناظم بنایا ہے تو دیکھو ان کی پوری رعایت کرنا نظام میں کوئی ناگوار چیز سامنے آئے تو درگذر کرنا پھر مولانا نور محمد صاحب کو تنہائی میں بلا کر فرمایا کہ دیکھو مولانا ظہور الاسلام صاحب عالم ہیں اگر کوئی ان کی بات ناگوار ہو تو خیال نہ کرنا اور ان کی علم کی عظمت کو پیش نظر کر کے انکے ساتھ ادب کا معاملہ کرنا غور فرمایئے کہ کس قدر جامع نصیحت ارشاد فرمائی اگر اہل مدارس اس کی رعایت کریں تو کوئی منازعت کی صورت ہی پیدا نہ ہو افسوس آج ان ہی نصیحتوں کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے مدارس میں منازعت کا دور دورہ ہے **اللھم احفظنا** (مرتب)

زہد وقناعت: مولانا کی نمایاں صفت ان کا زہد وقناعت تھی۔ مولانا دنیا سے

ایسی حالت میں بے رغبتی اور بے نیازی کا مظاہرہ کرتے تھے جبکہ عیش وآرام کے تمام اسباب مولانا کے قدموں تلے تھے، مولانا کے شاگرد اونچے اونچے عہدوں پر فائز تھے۔ مولانا کے پاس نذرانے اور تحفے کثرت سے آتے تھے فراغت اور دولت کے سارے وسائل واسباب مہیا تھے۔ لوگوں کی جانب سے تعظیم وتکریم میں کمی نہ تھی۔ کوئی ان پر تنقید یا ان کا محاسبہ کرنے والا نہ تھا۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود وہ ایک زاہد کی سی زندگی گزارتے تھے مشاغل کی کثرت کے باوجود مولانا عابدانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ کے مزاج میں صوفیانہ تقشّف تھا اس لئے سارے تحائف ونذرانے اور اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ ترویج علم اور مدرسہ میں لگا دیتے ہیں۔

ف: حضرت مولاناؒ کے زہد وتواضع اور مسکنت کے حالات لکھ کر خوشی محسوس کر رہا ہوں اللہ تعالی ہم سب کو ان حضرات صالحین کے اتباع کی توفیق مرحمت فرمائے اور جنت میں معیت نصیب فرمائے آمین (مرتب)

وفات: آپ کی وفات ۱۳۳۹ھ مطابق مارچ ۱۹۲۱ء بروز جمعہ صبح ۴ ربجے ہوئی انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مشہور شاعر جج اکبر حسین اکبر الہ آبادیؒ م ۱۳۴۰ھ

ولادت وتعلیم: سید اکبر حسین الہ آبادی ۱۸۴۶ء مطابق ۱۲۶۳ھ میں بارہ ضلع الہ آباد میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم مختلف مدارس میں حاصل کی، چھوٹی عمر میں ملازم ہوگئے، قانون پڑھا، وکالت بھی کی، نائب تحصیلدار بھی رہے اور آخر میں منصف ہوگئے۔

شاعری میں وحید الہ آبادی کے شاگرد تھے، شروع شروع میں غزلیں کہیں، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ قطعات، رباعیات اور منظومات کی طرف میلان ظاہر کیا، طنز وظرافت ان کے کلام کی بنیاد ہے، اور انہوں نے اس ہتھیار سے بہت سے بتوں کو توڑا ہے، آپ کا کلام، کلیات اکبر کے نام سے چار جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ (جدید شاعری: ۵۸۰)

حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ ''یادرفتگاں'' میں ''غم اکبر'' کے عنوان سے یوں رقمطراز ہیں:۔

علم ومعرفت: محرم ۱۳۴۰ھ میں ہماری زبان کا زندہ دل شاعر اس دنیا سے چل بسا۔ اس گلستاں نما خزاں آباد کی بہتر (۷۲) بہاریں اس کی آنکھوں نے دیکھیں، وہ اس وقت عالم وجود میں آیا تھا، جب ہندوستان انقلاب کی کروٹیں لے رہا تھا، اس لئے لامحالہ اس کی زبان سے وہی نالے بلند ہوئے جو قوموں کے انقلاب اور ملکوں کے تغیرات کی خبر دیتے ہیں، اس کے ضخیم دیوان

کے اوراق ہماری سیاسی، اخلاقی، معاشرتی، تخیلی اور تعلیمی انقلابات کی تاریخ ہے، آئندہ نسلیں اس کے صفحات کو پڑھیں گی اور انیسویں اور بیسویں صدی کے اسلامی ہندوستان کی تصویر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گی۔ اس کی زندگی میں شاید ہی کوئی ایسا اہم واقعہ گذرا ہو جس کو اپنے کاشانۂ خیال میں جگہ نہ دی۔

تین اوصاف: زبان خلق نے اس کو لسان العصر کا خطاب دیا۔ اور اس سے بہتر لقب اس کے لئے دوسرا نہیں ہوسکتا تھا، اس میں تین صفتیں ایک ساتھ جمع تھیں۔ وہ فطری فلسفی، پاک مشرب صوفی اور زندہ دل شاعر تھا۔ اس کا نمکِ ظرافت ہمارے عیوب کے زخموں پر کسی قدر تیز چرکا لگاتا ہو۔ تاہم اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ درحقیقت نمک نہیں مرہم تھا۔

سرسید کے زمانہ سے لے کر اب تک تمام ہندوستان تمدنِ جدید کے حسن منظر پر والہ وشیدا تھا لیکن صرف ایک اکبر کی زبان تھی جو برملا اس کے عیوب ونقائص واشگاف کرتی رہتی تھی۔

مرحوم کو سب سے پہلے میں نے شاید ۱۹۰۹ء یا ۱۹۱۰ء میں مولانا شبلیؒ کے پاس دیکھا تھا، دُبلا پتلا بدن، چہرہ پر جھُریاں، گال سکڑے ہوئے، چشم گریاں مگر دل خنداں، اس کے بعد لکھنؤ اور الہ آباد میں بار بار ملاقاتیں ہوئیں، جیسے جیسے ملتا گیا ہنسوڑ (بہت ہنسنے والا) شاعر کے بجائے دانائے فطرت حکیم کے رنگ میں وہ مجھ پر ظاہر ہوتا گیا، ایک دفعہ ایک خط میں مجھے لکھا تھا۔ ؎

اپنے غم خانہ کا دروازہ کرو بند اکبر　　اب نہیں کوئی سوا موت کے آنے والا

اب اس کے غم خانہ کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا اور وہ موت جس

کے آنے کی وہ راہ دیکھا کرتا تھا آ گئی، بوڑھے اکبر مبارک ہو کہ تیرے دل کی مراد پوری ہوئی اور تجھے مسرت جاوید نصیب ہوئی۔ ستمبر ۱۹۲۱ء (یادرفتگاں ص/۴۱، ۴۲)

اکبر الہ آبادی کے متعلق آپ نے اتنے بڑے علامہ کی تحریر پڑھی جو اکبر کے علم و معرفت پر تو دال ہے ہی، مزید انگریزوں کی تہذیب و تمدن سے نفرت اور دین اسلام اور طریق سنت سے محبت و تعلق پر بین ثبوت ہے۔

اکابرین کی نظر میں: اسی لئے ہمارے اکابر بھی ان کے اشعار بہت پسند فرماتے تھے اور اپنی مجلسوں اور وعظوں میں ان کو پڑھتے تھے، چنانچہ حضرت مولانا ابوالوفا صاحب شاہ جہانپوریؒ نے حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے فرمایا کہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو اکبر الہ آبادی کے اشعار سے بہت شغف تھا، کلیات اکبر ساتھ رکھتے تھے۔

حضرت مرشدی مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کو بھی اکبر الہ آبادیؒ کے حکیمانہ اشعار بہت پسند تھے اور موقع بموقع پڑھا بھی کرتے تھے۔

اقتباس از کلیات اکبر: اس لئے اب جی چاہتا ہے کہ کلیات اکبر سے چند اشعار درج کروں، تاکہ ناظرین کرام محظوظ ہوں بلکہ متاثر ہوں اور عمل پیرا ہوں۔ وباللہ التوفیق۔

توحید

کہو کرے گا حفاظت مری خدا میرا — رہوں جو حق پہ مخالف کریں گے کیا میرا
خدا کے در سے اگر میں نہیں ہوں بے گانہ — تو ذرّہ ذرّہ عالم ہے آشنا میرا
غرور اُنہیں ہے تو مجھ کو بھی ناز ہے اکبر — سوا خدا کے سب ان کا ہے اور خدا میرا

(کلیات اکبر: ج/۱ ص/۱)

نعت

؎ درفشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا۔

(کلیات اکبر: ج/۱ص/۳)

؎ ہے یہ وہ نام خاک کو پاک کرے نکھار کر
ہے یہ وہ نام خار کو پھول کرے سنوار کر
ہے یہ وہ نام ارض کو کر دے سما اُبھار کر
اکبر اسی کا ورد تو صدق سے بیشمار کر

صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ (کلیات اکبر: ج/۱ص/۱۵۹)

ف: سبحان اللہ! کتنے عمدہ اسلوب اور بلند کلمات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت شریف کہی ہے جو اکبر الہ آبادی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اور شان رسالت کی معرفت پر بین ثبوت ہے۔ اسی لئے اس کو حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے کسی موقع پر اپنے حواشی قرآن پاک میں درج فرمایا ہے۔ (مرتب)

صحبت صالحین کی ضرورت

؎ نہ کتابوں سے، نہ کالج کے ہے در سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا (کلیات اکبر: ج۱/ص/۷)

ف: مگر پہلا مصرع اس طرح مشہور ہے ؎

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا

اس شعر کا مقصود اصلی دین کے حصول کیلئے صحبت صالحین کی ضرورت واہمیت کو بتلانا ہے۔جیسا کہ اللہ تعالی کے ارشاد: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ○ میں اس کی تاکید فرمائی گہی ہے۔نہ کہ دینی کتابوں اور اصلاحی وعظوں کا بے اثر مفید ہونا بیان کرنا ہے،علماء کے وعظوں اور دینی کتابوں کے نفع وتاثیر سے انکار کیسے کیا جاسکتا ہے،جبکہ اس کا نفع آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔

لہذا مقصد یہ ہے کہ وعظ سننے،کتاب پڑھنے کے ساتھ ساتھ صحبت صالحین کا اہتمام بھی کرنا چاہئے،تاکہ دین کی روح اور قلب کا نور وسرور حاصل ہوکر حقیقی دینداری نصیب ہو۔کما افادہ مرشدی مصلح الامت علیہ الرحمۃ۔(مرتب)

فلسفی کی بحث کا انجام

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

معرفت خالق کی عالم میں بہت دشوار ہے
شہر تن میں جبکہ خود اپنا پتا ملتا نہیں

غافلوں کے لطف کو کافی ہے دنیاوی خوشی
عاقلوں کو بے غم عقبیٰ مزا ملتا نہیں

پختہ طبعوں پر حوادث کا نہیں ہوتا اثر
کوہساروں میں نشانِ نقوش پا ملتا نہیں

اہل ظاہر جسقدر چاہیں کریں بحث وجدال
یہ میں سمجھتا ہوں خودی میں تو خدا ملتا نہیں

چاندنی راتیں بہار اپنی دکھاتی ہیں تو کیا
بے ترے مجھکو تو لطف اے مہ لقا ملتا نہیں

معنی دل کا کرے اکبر اظہار کس طرح
لفظ موزوں بہرِ کشفِ مدعا ملتا نہیں

(کلیات اکبر:ج/۱،ص/ ۳۳،۳۴)

جب کہیں ملتا ہے کرتا ہے نہ ملنے کا گلہ
اور جو ملنے جاتا ہوں مردِ خدا ملتا نہیں

یوں کہو مل آؤں ان سے لیکن اکبر سچ یہ ہے　　دل نہیں ملتا تو ملنے کا مزا ملتا نہیں

(کلیات اکبر: ج/۱،ص/ ۳۴)

تدبیر سدا راست جو آتی نہیں اکبر　　انسان کی طاقت کے سوا بھی ہے کوئی چیز
ہم مصلحتِ وقت کے منکر نہیں اکبر　　لیکن یہ سمجھ لو کہ وفا بھی ہے کوئی چیز

(کلیات اکبر: ج/۱،ص/ ۲۸)

بے نالہ وفریاد وفغاں رہ نہیں سکتے　　قہر اس پہ یہ ہے کہ اس کا سبب کہہ نہیں سکتے
موجیں ہیں طبیعت میں مگر اٹھ نہیں سکتیں　　دریا ہیں میرے دل میں مگر بہہ نہیں سکتے

(کلیات اکبر: ج/۱،ص/ ۷۵)

رشوت ہے گلوئے نیک نامی کا چھُرا　　عیاشی ہے بدی کے پہیئے کا دُھرا
ہر چند کہ بے محل خوشامد ہے بُری　　گستاخ مگر خوشامدی سے بھی بُری

(کلیات اکبر: ج/۱،ص/ ۱۴۱)

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں　　اکبر زمین میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا　　کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

(کلیات اکبر: ج/۱،ص/ ۱۴۲)

ہو علم اگر نصیب تعلیم بھی کر　　دولت جو ملے تو اس کو تقسیم بھی کر
اللہ عطا کرے جو عظمت تجھ کو　　جو اہل ہیں اس کے ان کی تعظیم بھی کر

(کلیات اکبر: ج/۱،ص/ ۱۴۴)

وہ غیرتیں وہ صبر وہ ایمان ہیں کہاں　　حسن عمل کے دل میں وہ ارمان ہیں کہاں
اک غل مچا ہوا ہے کہ مسلم ہیں خستہ حال　　پوچھے ذرا کوئی کہ مسلمان ہیں کہاں؟

الفت اور ادب نہیں انساں نہیں　　بے صبر وسکوں جو ہوتو ایمان نہیں
جو غیرخدا کو مانتا ہو قادر　　اکبر بخدا کہ وہ مسلمان نہیں

اصل دولت وزینت

تحصیل علوم کرکہ دولت ہے یہی　　اخلاق درست کرکہ زینت ہے یہی
اکبر کی یہ بات یاد رکھ اے عشرت　　محفوظ ہومعصیت سے عزت ہے یہی
تسبیح ودعامیں جس نے لذت پائی　　اورذکرخدا سے دل نے راحت پائی
کوئی نہیں خوش نصیب اس سے بڑھ کر　　بس دونوں جہاں کی اس نے نعمت پائی

(کلیات اکبر: ج/۱،ص/۱۵۰)

؎ وہ باتیں جن سے قومیں ہورہی ہیں نامور سیکھو
اُٹھو تہذیب سیکھو صنعتیں سیکھو ہنر سیکھو
بڑھاؤ تجربے، اطراف دنیا میں سفر سیکھو
خواصِ خشک و تر سیکھو، علوم بحر و بر سیکھو
خدا کے واسطے اے نوجوانوں ہوش میں آؤ
دلوں میں اپنے غیرت کو جگہ دو جوش میں آؤ

(کلیات اکبر: ج/۱،ص/۱۹۲)

؎ ذہن میں جو گھر گیا لاانتہا کیونکر ہوا
جو سمجھ میں آ گیا پھر وہ خدا کیونکر ہوا
دل کو جو پہونچائے ایذاء وہ نہیں ہے اہل دل
ظلم کا باعث جو ہو درد آشنا کیونکر ہوا

طالب دنیا کو اکبر کس طرح سمجھوں میں خضر
خود جو گم ہے فکر میں وہ رہنما کیونکر ہوا

ے وقت طلوع دیکھا وقت غروب دیکھا
اب فکر آخرت ہے دنیا کو خوب دیکھا

نامِ خدا کو اکثر زیبِ زباں تو پایا
عشق بتاں کو لیکن نقشِ قلوب دیکھا

اوروں پہ معترض تھے لیکن جو آنکھ کھولی
اپنے ہی دل کو ہم نے گنجِ عیوب دیکھا

(کلیات اکبر: ج/۲ ص/۱)

جان ہی لینے کی حکمت میں ترقی دیکھی موت کا روکنے والا کوئی پیدا نہ ہوا

(ص/۸)

صوم ہے ایمان سے ایمان رخصت صوم گم قوم ہے قرآن سے قرآن رخصت قوم گم

حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے اپنے رسالہ ''جنت'' میں اکبر حسین جج مرحوم کے بہت سے حکیمانہ اشعار نقل فرمائے ہیں، ان میں سے چند اشعار کو نقل کرتا ہوں۔

دین کا دعویٰ سہل ہے، مگر؟

دین کا اِدّعا ہے خلق میں سہل حق ہو راضی، یہ بات مشکل ہے
اٰمَنُوْا میں تو سب کے آگے ہیں عَمِلُوا الصّٰلِحَات مشکل ہے
چشم ظاہر جسے نہ دیکھ سکے اس طرف التفات مشکل ہے

وصل ہو یا فراق ہو اکبر جاگنا ساری رات مشکل ہے

ولایت کی علامت

اس عہد میں اے اکبر ہم اسکو ولی سمجھے تھوڑا سا بھی جس دل میں اللہ کا ڈر دیکھا
گردوں کے ستم دیکھے اجڑا ہوا گھر دیکھا دیکھا تو نہ جاتا تھا ناچار مگر دیکھا
اب آنکھ اٹھانا ہے ایمان کی بربادی اُس بُت کی نظر دیکھی اور اس کا اثر دیکھا
تکبیر ہی اچھی تھی تقریر میں جھگڑے تھے ترک ہم نے کیا اس کو جس شور میں شر دیکھا
دنیا کی یہ ذہنیت عقبیٰ کے وہ ہیں وعدے غافل نے ادھر دیکھا، عاقل نے ادھر دیکھا

وفات: ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں آپ کا انتقال ہوا اور ہمت گنج الہ آباد کے قبرستان میں مدفون ہوئے رحمہ اللہ تعالی ۔

حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن بکھراویؒ متوفی ۱۳۴۰ھ

نام ونسب: آپ ۱۲۹۵ھ میں موضع بکھرا میں (جو ضلع اعظم گڈھ کے مشہور قصبہ سرائے میر سے پانچ میل مغرب میں واقع ہے) پیدا ہوئے۔ یہ گاؤں پہلے بھی مشہور ومعروف تھا اور ہمیشہ حفاظ اور ہر زمانہ کے مطابق علم وشہرت کا حامل تھا اور بہت زمانہ سے اچھے اور پڑھے لکھے لوگوں کا مرکز تھا اور اب ۱۳۹۵ھ میں آبادی اور تہذیب وتمدن، دولت اور عملی ترقی کی وجہ سے ایک قصبہ کی حیثیت رکھتا ہے اور بہت ہی شہرت کا حامل ہے۔

تعلیم: مولانا نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار حافظ رمضان صاحبؒ (جو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے مجاز بیعت تھے اور بہت ہی بافیض حافظ اور عبادت گزار زاہد تھے) سے حاصل کی اور خداداد قابلیت کی وجہ سے بہت جلد حافظ ہو گئے، مولانا کے قرآن پڑھنے کا انداز اور آواز کی دلکشی ایسی تھی کہ سننے والا کبھی آسودہ نہ ہوتا تھا۔

ابتدائی تعلیم حاصل کر لینے کے بعد آپ نے جون پور کا رخ کیا اور وہاں حضرت مولانا سیّد اصغر حسین دیوبندیؒ اس وقت مسجد اٹالہ جونپور میں تدریسی خدمت انجام دے رہے تھے۔ مولانا سیّد اصغر حسینؒ علوم وفنون میں مہارت رکھنے کے ساتھ ولی مادرزاد تھے، مولانا عبدالرحمٰن بھی فطری بزرگ تھے حسن اتفاق سے دو ولیوں کا اجتماع ہو گیا، مولانا سیّد اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی

شفقت ومحبت کے ساتھ مولانا کو پڑھایا اور علوم ظاہرہ وباطنہ سے بہرور فرمایا۔

مولانا عبدالرحمٰن کی قرأت وحفظ کی شہرت اسی زمانہ میں ہوگئی تھی، شہر سے اکثر دعوتیں وعظ کی آتی تھیں، مگر مولانا سیّد اصغر حسین صاحبؒ تعلیم کے حرج کے خیال سے منع فرماتے تھے۔ دونوں بزرگوں کا جونپور میں چند سال قیام رہا۔ شعر

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد

روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

ترجمہ: افسوس بہت جلد دوست کی صحبت ختم ہوگئی جی بھر کر پھول کو دیکھا بھی نہیں کی بہار ختم ہوگئی ۔

سیّد اصغر حسین صاحبؒ نے جون پور کی ملازمت ترک کر کے دیوبند کا ارادہ کیا اور دارالعلوم دیوبند میں مدرس مقرر ہوئے ، یہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ کی صدارت کا زمانہ تھا، اس وقت حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنیؒ اور مولانا انور شاہ کشمیریؒ ابتدائی مدرس تھے۔

مولانا عبدالرحمٰنؒ نے بھی استاذ محترم کے جونپور سے چلے جانے کے بعد دیوبند کا قصد کیا اور حضرت شیخ الہند اور مولانا اصغر حسین صاحبؒ ودیگر متعلقہ مدرسین سے استفادہ کیا اور سند فراغت حاصل کی۔ دیوبند سے فراغت کے بعد چند سال مختلف جگہوں میں رہے اور وعظ وتبلیغ اپنی طبعی مناسبت کی وجہ سے کرتے تھے، مگر ان کی اصل طلب کچھ اور تھی، ان کا طبعی رجحان زہد واتقاء، دنیا سے بے رغبتی، عبادت وریاضت اور ذکر ومراقبہ تھا، ایک منزل کلام اللہ کی تلاوت بلا ناغہ معمول تھا اور نوافل ووظائف کی پابندی مزید برآں۔

علم باطن : علمِ ظاہری اللہ نے بہت دیا تھا، حفظ قرآن ، تجوید، علوم فارسی وعربی پر کافی عبور تھا، مگر بہت سے بزرگان دین کی طرح ان علوم سے لگاؤ کم تھا اور علوم باطنہ سے مناسبت زیادہ تھی، اکثر ان اشعار کو پڑھا کرتے تھے۔ ؎

علم رسمی سر بسر قیل است وقال　　نے از و کیفیتے حاصل نہ حال!

ترجمہ: رسمی علم محض قیل وقال کا نام ہے اس سے نہ تو کوئی کیفیت حاصل ہوتی ہے اور نہ کوئی حال۔

علم چہ بود آنکہ رہ بنمایدت　　زنگ گمراہی زدل بردایدت

ترجمہ: علم حقیقی وہ علم ہے جو تم کو راہ حق دیکھا دے اور گمراہی کا زنگ تمہارے دل سے صاف کردے۔

بینی اندر خود علوم انبیاء　　بے کتاب و بے معین و اوستا!

ترجمہ: جب تم دیکھو اپنے اندر علوم انبیاء بغیر کتاب اور استاد کے تعاون کے۔

جملہ اوراق وکتب درنار کن　　سینہ را از نور حق گلزار کن!

ترجمہ: تو سارے کاغذات اور کتابیں آگ میں ڈال دو اور اپنے سینے کو نور حق سے گلزار کرلو۔

زہد: دنیا سے بے رغبتی آپ کی فطرت میں داخل تھی، اللہ تعالیٰ نے مولانا عبد الرحمٰن کو جگہ، زمین، مکان، باغ اور دنیا میں پھنسانے والی بہت سی چیزیں عطا فرمائی تھیں، مگر ان کو کسی چیز سے لگاؤ نہیں تھا اور نہ انہوں نے جانا کہ میرا کھیت اور باغ کہاں ہے، بھائی لوگ تمام چیزوں کی دیکھ بھال کرتے ،مولانا عبادت وریاضت کو اپنا موضوع زندگی بنائے تھے۔

حضرت تھانویؒ کی خدمت میں: غالباً ۱۳۳۵ھ یا ۱۳۳۶ھ میں تھانہ بھون حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر اصلاحی تعلق پیدا فرمایا اور چند ماہ تھانہ بھون میں قیام کے بعد خلافت سے سرفراز ہوئے، لوگوں کو سخت تعجب تھا کہ لوگوں کو بہت دنوں تک مجاہدہ وریاضت کے بعد بھی یہ دولت نہیں ملتی یہ کیا ہوا لیکن بات یہ ہے کہ برتن تو پہلے ہی سے صاف تھا صرف قلعی کی ضرورت تھی۔ شیخ کی توجہ سے بہت جلد کامیاب ہو گئے، چونکہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کو اپنے پیرومرشد حضرت مولانا تھانویؒ سے بیحد محبت وعقیدت تھی اور چند ماہ خانقاہ تھانہ بھون میں رہے تھے کہ زیور خلافت سے آراستہ ہو کر مکان واپس آئے۔

جو شہرت اور مقبولیت پہلے تھی اب اس میں کئی گنا اضافہ ہو گیا، خلق کا رجحان اور عقیدت مندوں کا ہجوم اور بڑھنے لگا، تھانہ بھون سے واپسی کے وقت حضرت مولانا تھانویؒ نے فرمایا کہ علماء کے لئے علمی مشغلہ کا ترک کرنا مناسب نہیں اس مشغلہ کا قائم رہنا ضروری ہے اس لئے تھانہ بھون ہی سے ایک مدرسہ کو تجویز کر کے اور مدرسہ کا نام ''رحمۃ العباد'' رکھ کر واپس کیا اس کے بعد غالباً ۱۳۳۵ھ یا ۱۳۳۶ھ میں اس کی بنیاد رکھی گئی اب دن میں درس وتدریس، تعلیم رشد وہدایت اور رات میں اللہ، اللہ، لا الٰہ الا اللہ کی آواز سے مسجد کے گونجنے کا ایک عجیب پُر کیف منظر ہوتا تھا، مگر افسوس کی ''مادر چہ خیالیم وفلک در چہ خیال است'' ادھر یہ پر کیف منظر تھا کہ اسی دوران میں مولانا کو ذیابطیس کا عارضہ شروع ہو گیا اور مرض کا حملہ اتنا شدید ہوا کہ کمزوری بہت تیزی سے بڑھنے لگی، ایسی

حالت میں کام میں کمی کے بجائے تصنیف وتالیف کا بھی اضافہ کرلیا، اسی بیماری کے زمانہ میں تین ابواب پر مشتمل ایک رسالہ لکھا جس کا نام حضرت مولانا تھانوی نے ''رحمۃ المتعلمین'' رکھا اور بیحد پسند فرمایا۔

وفات: ۱۹/ذی قعدہ ۱۳۴۰ھ کو بعد نماز عشاء ۴۵ برس کی عمر میں یہ روشن چراغ خاموش ہوگیا اور ۲۰/ذی قعدہ کو اپنے آبائی قبرستان بکھرا اعظم گڈھ میں مدفون ہوئے۔ **رحمہ اللہ تعالیٰ**۔ (تذکرہ علماء اعظم گڈھ صفحہ ۱۹۶)

ابوالانوار[1] حضرت مولانا عبدالغفار صاحب عراقی مئویؒ م ۱۳۴۱ھ

ولادت: ۲ صفر ۱۲۸۳ھ میں اپنے آبائی مکان محلہ اورنگ آباد قصبہ مئوناتھ بھنجن ضلع مئو میں آپ کی ولادت ہوئی ،والد صاحب کا اسم گرامی عبداللہ تھا اردو، فارسی اور احکام دینیہ سے پوری طرح واقفیت رکھتے تھے ۔اور مشہور بزرگ حضرت چاند شاہ صاحب ٹانڈویؒ سے بیعت تھے،اور آپ کی خدمت میں رہ کر باطنی کیفیت وحال اور تصوف کے اسرار ورموز سے آگاہی حاصل کی۔

تعلیم: فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں والد ماجد اور قصبہ ہی کے علماء اور ماہرین فن سے پڑھیں ،پھر خوش نصیبی سے حضرت مولانا امام الدین صاحب

آپ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا افتخار احمد صاحبؒ نے آپ کے مفصل حالات لکھ کر اس حقیر کے پاس ارسال فرمایا،اسی سے اخذ کر کے یہ مختصر سا مضمون پیش خدمت ہے اللہ تعالی قبول فرمائے اور ناظرین کو نفع بخشے ،حضرت مولانا افتخار احمد صاحبؒ بھی ماشاءاللہ جید عالم تھے،اور صاحب جذب وکیف تھے،اولا حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے ان کا اصلاحی تعلق رہا،بعدہ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب سے قائم فرمایا،جن سے آپ مجاز صحبت بھی ہوئے ،حضرت مصلح الامتؒ کی وفات کے بعد آپ نے کسی دوسرے شیخ سے تعلق ۔بیعت قائم نہ فرمایا ،مگر اصلاح وتربیت کا کام اپنے خاص انداز سے کرتے رہے،اور لوگوں نے آپ کو مثل پیر ہی کے سمجھا اور مانا ،آپ گورکھپور میں مسجد سبحان اللہ محلہ جعفرا بازار میں عرصہ تک امام رہے،اور اسی کے متصل حجرہ ومکان میں مع اہل وعیال کے قیام پزیر رہے،اور وہیں ۵ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ مطابق ۷ اکتوبر ۱۹۸۹ء میں گورکھپور کے مشہور کچی باغ بختیار محلہ کے قبرستان میں مدفون ہوئے،نوراللہ مرقدہٗ (مرتب)

پنجابیؒ مئوتشریف لائے جومعقولات ومنقولات میں یکساں مہارت رکھتے تھے اور درس وتدریس نہایت ہی اعلیٰ طریقہ سے دیتے تھے،ان سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا،چنانچہ حضرت مولانا عبدالغفار صاحبؒ خود اپنی سوانح میں تحریر فرماتے ہیں:

”میں شرح جامی وغیرہ پڑھ چکا تھا مگر حضرت مولانا پنجابیؒ کے پڑھانے کا طریقہ بہت ہی عمدہ اور طلباء کے لئے بیحد نافع بلکہ انفع تھا اس لئے پڑھی ہوئی کتابیں از دیاد نفع اور رسوخ فی العلم کی غرض سے ان سے دوبارہ پڑھیں اور ان کی تعلیم کی برکت سے کتابی استعداد بہت ہی مضبوط اور عمدہ ہوگئی۔

ف: طلبہ کے لئے اس میں نصیحت ہے کہ مقصود استعداد کی مضبوطی ہے،خواہ اس کے لئے دوبارہ سہ بارہ کتابیں پڑھنے کی حاجت ہو۔(مرتب)

اس کے بعد آپ نے نوانگر ضلع بلیا کے مشہور مدرسہ میں داخلہ لیا جہاں مولانا حکیم عبداللہ مجددیؒ تلمیذ حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ تدریسی خدمت انجام دے رہے تھے،پھر غازیپور پہنچے اور ملا عارف ولایتیؒ سے بعض کتابیں پڑھیں،

اس کے بعد مرزاپور ۱۳۰۲ھ میں جا کر مولانا عبدالاحد الہ آبادیؒ[1] سے بھی بعض فنون کی کتابیں پڑھیں،جب آپ علوم مروجہ متداولہ کی تکمیل کر چکے اور فنون میں آپ کو خاصی مہارت حاصل ہوگئی،تو علم حدیث کی طرف متوجہ ہوئے،

اس وقت مولانا عبدالحئی فرنگی محلیؒ کے شباب علم کا علمی دنیا میں غلغلہ بلند تھا

---

(۱) آپ الہ آباد کے محلہ مہندوری (جو دریائے گنگا کے کنارے واقع ہے) کے ایک معزز خاندان میں پیدا ہوئے،مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کے شاگرد تھے،آپ کے رفقاء درس میں الہ آباد کے مشہور شیخ طریقت مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی بھی تھے،مولانا عبدالاحد صاحبؒ کا انتقال ۱۳۱۵ھ میں ہوا،رحمہ اللہ تعالیٰ (مرتب)

اس لئے ۱۳۰۴ھ میں مولانا عبدالغفار صاحبؒ نے لکھنؤ کا علمی سفر کیا، مگر مولانا فرنگی محلی مرض صرع میں تھے، چند روز کے بعد ہی مولانا فرنگی محلیؒ کا ۳؍ربیع الاول ۱۳۰۴ھ میں انتقال ہوگیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

حضرت مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں: لکھنؤ کے قیام کے دوران مولانا نے علم طب اور عربی ادب کی منتہی کتابیں پڑھیں، اس کے بعد ۱۳۰۵ھ میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خدمت میں حدیث شریف کی تعلیم کے لئے گئے اور پورے ایک سال حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خدمت میں رہ کر صحاح ستہ کو سبقا سبقا پڑھا، تکمیل کے بعد شعبان ۱۳۰۶ھ میں حضرت گنگوہیؒ قدس سرہٗ سے اجازت لے کر مکان چلے آئے، اس کے بعد اسی سال حضرت گنگوہیؒ نے اپنے دست مبارک سے سند لکھ کر بھیج دی، پھر دوسرے سال میں ایک مطبوعہ سند بھی ارسال فرمائی۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ کا اعتماد: مولانا گنگوہیؒ کو آپ کے علم پر کامل اطمینان تھا، چنانچہ مشرقی اضلاع سے استفتاء جاتا تو فرماتے: اس دیار میں مولوی عبدالغفار کے ہوتے ہوئے استفتاء یہاں کیوں بھیجتے ہیں!

تدریس: اس کے بعد تدریسی دور شروع ہوا چنانچہ متعدد مدارس میں نہایت ہی جانفشانی و کامیابی کے ساتھ تدریسی خدمت انجام دی اور ۱۳۳۱ھ میں انجمن اسلامیہ گورکھپور کے مسندِ صدارت کو زینت بخشی، ۱۳۳۴ھ میں مدرسہ مظہر العلوم بنارس میں صدر مدرس ہو کر رونق افروز ہوئے، اور ۱۳۳۶ھ تک یہاں قیام پذیر رہے، اسی اثناء میں محدث عصر حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی المتوفیٰ ماہ رمضان

المبارک ۱۴۱۲ھ نے آپ سے استفادہ فرمایا اور شرف تلمذ حاصل کیا۔

اس کے بعد دوبارہ انجمن اسلامیہ گورکھپور تشریف لے گئے اور اخیر دم تک وہیں درس وتدریس، تصنیف وتالیف میں مشغول رہے۔

بیعت طریقت: ظاہری علوم میں تبحر کے ساتھ باطنی علوم ومعارف میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے، چنانچہ اپنے والد ماجدؒ کے پیر ومرشد حضرت چاندشاہ صاحبؒ سے ۱۱رشوال ۱۳۰۹ھ میں باقاعدہ بیعت ہوئے، اور اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے مگر اس کا اپنے گھر والوں پر بھی اظہار نہ فرمایا حتی کہ وفات کے بعد کتابوں سے اس کا پتہ چلا۔

آپ کے چند دعائیہ اشعار

يَارَبِّ عَبْدُكَ دَائِمًا مُتَزَلْزِلٌ مِنْ خَوْفِ بَطْشِكَ هَائِمًا مُتَمَلْمِلٌ

اے میرے پروردگار! آپ کا بندہ مسلسل آپ کی گرفت کے خوف سے بے قرار ہو کر کروٹیں بدل رہا ہے۔

يَارَبِّ اِنِّيْ عِنْدَ بَابِكَ صَارِخٌ يَارَبِّ غَيْرُكَ لَيْسَ لِيْ مُتَوَصِّلٌ

اے میرے پروردگار! بے شک میں آپ کے دروازے پر پکار رہا ہوں، اے میرے پروردگار! تیرے سوا کوئی مجھ تک پہونچنے والا نہیں ہے۔

يَارَبِّ نَفْسِيْ رَاوَدَتْنِيْ دَائِمًا يَارَبِّ اِنِّيْ مُذْنِبٌ وَمُضَلَّلٌ

اے میرے رب! میرے نفس نے ہمیشہ مجھ کو فریب دیا ہے، اے میرے رب! بیشک میں خطا کار ہوں اور راہِ حق سے ہٹا ہوا ہوں۔

يَارَبِّ اَنْتَ ثَبِّتْنِيْ عَلٰى مَمْشَى التُّقٰى تَعْسًا لِقَلْبِيْ دَائِمًا مُتَدَلْدِلٌ

اے میرے رب! مجھ کو تقویٰ کی راہ پر ثابت قدم رکھئے، ہلاکت ہے میرے قلب کے لئے کہ ہمیشہ لڑکھڑاتا رہتا ہے۔

يَارَبِّ اَنْتَ مَلَاذُنَا وَمَعَادُنَا　　يَارَبِّ اَنْتَ اِلَى الْهُدٰى مُتَوَسِّلٌ

اے میرے رب! آپ ہی ہمارے جائے قرار ہیں اور پناہ گاہ ہیں، اے میرے رب آپ ہی ہدایت تک پہونچانے والے ہیں۔

يَارَبِّ اِغْفِرْلِيْ بِمَنْ هُوَ آخِرٌ　　لٰكِنَّهٗ فِي الْخَلْقِ نُوْرٌ اوَّلٌ

اے میرے رب! میری بخشش فرمادیجئے اس ذات کے طفیل میں جو وجود کے اعتبار سے آخر ہیں اور خلق کے اعتبار سے نور اول ہیں۔

هٰذَا اَبُوالْاَنْوَارِ عِنْدَكَ بَاسِطٌ　　كَفَّيْهِ وَهُوَ مِنَ الذُّنُوْبِ مُخَجَّلٌ

یہ ابوالانوار آپ کے سامنے اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلائے ہوئے ہے اس حال میں کہ وہ گناہوں سے شرمسار ہے۔

يَوْمَ الْحِسَابِ احْشُرْهُ رَبِّ وَوَجْهُهٗ　　نُوْرٌ كَبَدْرٍ كَامِلٍ يَتَهَلَّلٌ

اے میرے رب! قیامت کے دن اس حال میں حشر فرمائیے کہ اس کا چہرہ بدرِ کامل کی طرح چمک رہا ہو۔

وَ كِتَابُهٗ بِيَمِيْنِهٖ وَحِسَابُهٗ　　خِفٌّ وَمِيْزَانُ الْكِتَابِ مُثَقَّلٌ

حال یہ کہ اس کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں ہو اور حساب آسان ہو اور اس کے اعمال کا ترازو بھاری ہو۔

هٰذَا دُعَائِيْ اِسْتَجِبْ يَارَبَّنَا　　وَاغْفِرْ لَنَا وَاِلٰى مَنْ يَتَنَحَّلٌ

اے میرے رب! یہ میری دعا ہے اس کو قبول فرمالیجئے اور میری اور ان

لوگوں کی بخشش فرمایئے جو ہماری طرف منسوب ہیں۔(تحفۂ ضیائی)

ف: سبحان اللہ، کتنی عمدہ دعائیں ہیں، جن سے اپنی عاجزی و بے بسی کا خوب ہی خوب اظہار ہو رہا ہے، جو یقیناً دعاء کی روح ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کی توفیق دے۔(مرتب)

وفات: ۱۳۴۱ھ میں آپ نے دارِ آخرت کی طرف رحلت فرمائی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ آپ کا مزار مئو ناتھ بھنجن میں عید گاہ اورنگ آباد کے متصل قبرستان میں ہے۔ نور اللہ مرقدہٗ۔

حضرت مولانا حکیم عبدالحی حسنی رائے بریلویؒ المتوفی ۱۳۴۱ھ

نام ونسب مع ولادت: اس آخری عہد میں تکیہ کلاں رائے بریلی میں جو سادات کا خاندان آباد ہے، اس کے اولین بزرگوں میں حضرت شاہ علم اللہ حسنی نقشبندیؒ نے دین وتقویٰ کے داعیہ سے یہاں آکر بستی بسائی، اور ایسا ماحول وہاں پر قائم کیا تھا جو ارشاد وتربیت کے تقاضوں کو پورا کرے، اور آبادی سے کٹ کر اللہ کے ذکر سے وابستہ رہے، اس میں تعلیم وارشاد کا سلسلہ رہا، اور بزرگ پیدا ہوتے رہے، حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ سلسلہ کے بڑے بزرگ تھے، اور حضرت سید آدم بنوریؒ جو حضرت شاہ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے، بڑے سادہ زاہدانہ انداز کے ساتھ نمایاں دینی کردار ادا کیا، ان کی اولاد ان کے نقش قدم پر تھی، اور یہ سب علم وروحانیت کے جامع افراد تھے، جن میں اکثر کا تعلق حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے تھا، اور ان حضرات کو ان کا بڑا اعتماد حاصل تھا۔

ان کے بعد کی نسل کا تعلق ان کے جانشیں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے رہا، جن میں سب سے نمایاں شخصیت امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہیدؒ کی تھی، ان کے تربیت یافتہ لوگوں میں خاندان کے افراد میں نمایاں نام حضرت مولانا محمد ظاہر حسنیؒ کا ہے جو ان کے ممتاز خلیفہ تھے ان کے بعد اس خاندان میں انہی کے تربیت یافتہ لوگوں میں ایک بھتیجہ حضرت مولانا شاہ ضیاء النبی حسنیؒ ہوئے،

مرتبہ حضرت اقدس مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی زید مجدہم ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ان دونوں سے خاندان کے جن افراد نے تربیت حاصل کی، ان میں سب سے نمایاں شخصیت کے طور پر حضرت مولانا سید عبدالحئی حسنیؒ سامنے آئے، جنہوں نے اپنے بعد دوفرزند چھوڑے، جن کے نام اور کام سے اس آخری عہد میں بہت مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی، یہ دونوں ہمارے ماموں تھے، ایک مولانا ڈاکٹر حکیم سید عبدالعلی حسنیؒ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تھے، دونوں کے تعارف کی یہاں ضرورت نہیں، ان دونوں نے ندوۃ العلماء اور دارالعلوم دیوبند دونوں علمی مراکز سے استفادہ کیا، اور ندوۃ العلماء کے یکے بعد دیگرے ناظم ہوئے۔ مولانا عبدالحیؒ کی ولادت ۱۲۸۶ھ مطابق ۱۸۶۹ء میں ہوئی۔

بزرگوں سے تعلق: حضرت مولانا عبدالحی حسنیؒ علوم دینیہ میں پختگی اور کمال حاصل کرنے کے ساتھ اپنے عہد کے بزرگوں سے تعلق اور ان کی قائم مقامی کا مقام حاصل کیا، ان کے علم وادب میں امتیاز کا ثبوت ان کی تین اہم ترین کتابوں میں دیکھا گیا، اور اس موضوع پر لوگوں نے ان کی کتابوں سے بہت فائدہ اٹھایا، اور ہندوستان کے علمی و دینی اور حکومتی امتیاز رکھنے والی شخصیتوں کو تاریخ کی کتابوں میں سے کھنگال کر انسائیکلو پیڈیا کے طور پر پیش کیا، دوسرے ہندوستان میں علمی وثقافتی جو تصنیفات و تالیفات پیش کی گئیں، ان کو بھی جمع کیا، وہ بھی انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتا ہے، اور تیسرے اردو ادب وشاعری پر جو کام ہوا اس کو بھی جامع اور علمی خصوصیت کے ساتھ انہوں نے ایک ضخیم کتاب کی صورت میں پیش کیا، اس طرح انہوں نے ہندوستانی مسلمانوں کے علمی وادبی کارناموں کو اس طرح قابل استفادہ بنادیا، کہ جو بہت قدردانی کے لائق بنا، اور گجرات

کے علماء ومشائخ اور اہل کمال اور ممتاز شخصیتوں اور وہاں کے سلاطین وامراء کے حالات کو پیش کیا، اور وہ معلومات فراہم کیں کہ یہ کتاب اس موضوع پر مرجع بن گئی، اس کے علاوہ تربیت وارشاد کے سلسلہ میں انہوں نے شیوخ دیوبند سے بھی ملاقاتیں کی اور رہنمائی حاصل کی، جن میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نام اہمیت کے حامل ہیں، اور اویس زمانہ حضرت مولانا شاہ فضل رحمن گنج مرادآبادیؒ کی خدمت میں گنج مرادآباد حاضری دے کر بیعت وارادت کا تعلق قائم کیا، اور ربانی خصوصیت حاصل کی اور اجازت حدیث بھی لی، ان کی وفات کے بعد سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے مکہ معظّمہ میں خط وکتابت کے ذریعہ بیعت وارادت کا شرف حاصل کیا۔

ان کے علاوہ مشہور قوی النسبت بزرگ اور ماموں حضرت مولانا عبدالسلام ہانسویؒ کی شفقت وتوجہ بھی حاصل کی تھی، اور ان کے ایک خلیفہ کی جانب سے اجازت وخلافت بھی پائی تھی، انہیں اپنے والد سید فخر الدین حسنیؒ اور اپنے خسر شاہ ضیاء النبی حسنیؒ سے بھی اجازت وخلافت حاصل تھی۔

ندوۃ العلماء سے وابستگی: حضرت مولانا عبدالحی حسنیؒ نے اپنے عہد کی ممتاز خصوصیت کی درسگاہ ندوۃ العلماء سے وابستگی اختیار کی، اور اس کے لیے اپنی خدمات پیش کیں، چوں کہ اس کے اکثر ذمہ داروں کا تعلق اویس زمانہ حضرت شاہ فضل رحمن گنج مرادآبادیؒ سے تھا، جن کے بڑے خلیفہ حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ ندوۃ العلماء کے ناظم اور بانی تھے، انہوں نے مولانا عبدالحی حسنیؒ کو اپنا معاون

بنایا، اور اس طرح مولانا عبدالحیؒ نے اپنے کو ندوۃ العلماء کے لیے وقف کر دیا، اور معاون ناظم سے ترقی کر کے نائب ناظم اور ۱۹۱۵ء میں ناظم منتخب ہوئے، ندوۃ العلماء کو اپنی متنوع خصوصیات سے بڑی ترقی دی اور استحکام بخشا، ان کی نظامت کا یہ عرصہ ۸ سال رہا، اور انتقال کے وقت تک اس کے ناظم رہے۔

ندوۃ العلماء کے قیام کا مقصد دینی اور عصری تعلیم کے درمیان قربت پیدا کرنا تھا، تاکہ دین و دنیا کی مطلق علاحدگی جو رائج الوقت بن گئی تھی اس کو دور کیا جائے، چنانچہ اس کے اثر سے ندوۃ العلماء کی تعلیم کی پہلی نسل میں علامہ سید سلیمان ندویؒ اور مولانا عبدالباری ندویؒ اور دیگر کئی شخصیتیں سامنے آئیں جو علم میں کمال کے ساتھ ربانی صفات سے متصف تھیں، اور انہی کے طرز کے ان کے بعد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور ان کے ندوہ کے معاصرین مولانا محمد اویس نگرامی ندویؒ، مولانا محمد عمران خان بھوپالی ندوی کی شخصیتیں ایسی ہیں جنہوں نے وقت کی ربانی شخصیات سے اصلاحی و روحانی تعلق پیدا کر کے ان کا اعتماد اور خلافت بھی حاصل کی۔

انہوں نے اپنے والد کی خاص تربیت حاصل کی تھی، اور ان کی وجہ سے مولانا عبدالحی کو بھی شاہ ضیاء النبی صاحب کی خاص شفقت و تربیت کا حصہ ملا، انہوں نے ان کو قریب سے دیکھا اور ان کے متعلق سر الوجود، برکۃ الدنیا اور لب لباب العرفان جیسے الفاظ لکھے، ان کے مشورہ اور رہنمائی کی بنیاد پر انہوں نے سلوک و ارشاد کی اہم کتابیں پڑھیں، مجھے ان سے جو خاندانی نسبت و تعلق حاصل ہے کہ وہ میرے حقیقی نانا تھے، اور میرے دادا سید خلیل الدین حسنی مرحوم

کے حقیقی ماموں زاد بھائی تھے، جو ان کے ساتھ دہلی اور اس کے اطراف کے دینی ودعوتی سفر میں ساتھ رہے تھے، مجھے بھی ان کی حسنات وصفات کی برکتوں کا فائدہ حاصل ہوا، میری والدہ ان کی بڑی صاحبزادی تھیں، ان کے بڑے بیٹے کا نام انہوں نے ممدوح عالم حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کے نام پر سید محمود حسن رکھا تھا، حالانکہ ان کا موضوع اسلامی ثقافت وتاریخ وتذکرہ نگاری تھا، مگر حدیث شریف سے انہیں خاص شغف تھا، اور اس کے مایہ ناز علماء سے استفادہ کا موقع ملا تھا، جن میں علامہ حسین بن محسن انصاری خزرجی یمانیؒ کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے، ان سے ان کو اجازت حدیث بھی حاصل تھی ان کے علاوہ شاہ فضل رحمن گنج مراد آبادیؒ ، حضرت مولانا شاہ رشید احمد گنگوہیؒ ،میاں سید نذیر حسین دہلویؒ سے بھی اجازت حدیث حاصل تھی، اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے ان کے کانپور کے قیام میں جامع العلوم میں پڑھا بھی تھا، اس کے علاوہ فرنگی محل کے علماء اور بھوپال کے علماء سے خاص طور پر استفادہ کیا تھا۔

علمی کارنامہ: حضرت مولانا عبدالحی حسنیؒ نے علمی کارنامے بہت خاموشی کے ساتھ اور بڑے معیاری وتحقیقی انداز میں انجام دیئے تھے، کہ ان کی کتابوں کے متعلق ان کی وفات کے بعد لوگوں کو علم ہوا، جو کہ قلمی دائرہ میں تھیں، جن کو ان کے صاحبزادگان اور قدردانوں نے طبع کرا کر دنیا کو روشناس کرایا، یہ ان کا اجتماعی زندگی میں تصنیفات اور ندوہ کی انتظامی خدمت کا مشغلہ تھا، اور اندرونی طور پر انہوں نے اپنے گھر کے اندر اپنی نئی نسل کو بہت صالح اور داعی نسل بنانے کی پوری فکر کی تھی، ان کی زوجیت میں مولانا سید عبدالعزیز ہانسوی کی صاحبزادی

تھی جو بہت نیک صفت خاتون تھیں، مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ انہی کے صاحبزادے ہیں، ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا شاہ ضیاء النبی حسنیؒ کی صاحبزادی سیدہ خیر النساءؒ بہتر سے نکاح ہوا، جو بڑی برگزیدہ اور بزرگ اور رابعہ سیرت خاتون تھیں، جن کا گھر کے کاموں کی نگرانی کے ساتھ زیادہ وقت دعا ونماز وذکر وشغل میں گزرتا تھا، ان کی خصوصی تربیت سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی شخصیت پیدا ہوئی، جس کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی اپنی والدہ پر کتاب ذکر خیر سے سمجھا جاسکتا ہے، ان کی خوبیوں کا اثر ان کی صاحبزادیوں میں بھی خوب ظاہر ہوا تھا، بڑی صاحبزادی سیدہ امۃ العزیزؒ جو ہم بھائیوں کی والدہ تھیں اور دوسری صاحبزادی سیدہ امۃ اللہ تسنیمؒ تھیں اور دونوں ہی صاحب دل اور صاحب قلم خاتون تھیں، سیدہ امت اللہ تسنیمؒ کی کتابیں زادسفر اور قصص الانبیاء خاص طور پر مقبول اور عام ہوئیں۔

اقوال وملفوظات

فرمایا: ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ جو لا الہ الا اللہ کی گواہی دیتے ہوئے وفات پائے گا، وہ جنت میں داخل ہوگا، مرید کے لیے ضروری ہے، کہ ان مقامات میں وہ برابر ترقی کرتا رہے، اوران مقامات کے لیے طاعات اور اخلاص اصل ہے، اس کی بنیادی اور مقدم شرط ایمان ہے، پھر اس کے نتیجے میں کچھ احوال وصفات اور نتائج وثمرات ظاہر ہوتے ہیں، یہاں تک کہ مرید درجہ بدرجہ توحید ومعرفت کے بلند مقام پر پہونچ جاتا ہے، اگر کسی مقام وحالت میں صحیح اور مطلوب ثمرات نہ حاصل ہوں، تو سمجھ لینا چاہئے کہ پہلے والے مقام میں کوئی تقصیر رہ گئی

ہے، اور ٹھیک اسی طرح واردات قلبی اور کیفیات نفسی میں بھی سمجھنا چاہئے اس لیے ضروری ہے کہ مرید اپنے ہر قول وفعل کا برابر محاسبہ کرتا رہے اور جائزہ لیتا رہے، کیوں کہ اعمال کے نتائج وثمرات کا ظہور ضروری ہے، اور اگر نتائج وثمرات ٹھیک طور پر نہیں ظاہر ہورہے ہیں، تو اس کا سبب عمل میں کوئی کمی یا کوتاہی ہے، مرید اپنے اعمال کا محاسبہ اپنے ذوق و وجدان کے ذریعہ کرتا ہے، لیکن یہ صفت بہت کم لوگوں کو حاصل ہے، اور عام طور پر لوگ اس معاملہ میں غفلت کا شکار ہیں۔

فرمایا: مراقبہ یہ ہے کہ انسان اپنے سارے ادراک و احساس کے ساتھ اس ذات مجرد کی طرف متوجہ ہوجائے جس کو لفظ اللہ سے لوگ جانتے ہیں، لفظ سے الگ ہوکر محض ذات کا تصور کرنا بہت کم ہے، مراقب کا کام یہ ہے ذات باری تعالیٰ کی طرف توجہ الفاظ سے الگ ہوکر کرے، اور اللہ کی طرف وساوس اور دوسرے خیال سے اپنے کو علاحدہ کرکے متوجہ ہوجائے۔

فرمایا: حضرت مولانا شاہ فضل رحمن گنج مرادآبادیؒ نے میری طرف مخاطب ہوکر فرمایا، علم کی غرض عمل ہے، اگر عمل نہ ہوا تو علم حاصل کرنا بیکار ہے، اولیاء اللہ جتنا پڑھتے تھے اس پر عمل کرتے تھے، شاہ مینا شرح وقایہ پڑھتے تھے جب کتاب الزکاۃ تک پہونچے، تو پڑھنا چھوڑ دیا، استاد نے سمجھایا تو کہا کہ علم کی غرض عمل ہے، صوم وصلاۃ مجھ پر فرض ہے اس کا علم حاصل کرنا ضروری تھا زکوۃ مجھ پر فرض نہیں، جب کبھی فرض ہوگی، تو اس کے مسائل بھی سیکھ لوں گا، اس وقت اس کا پڑھنا وقت کو ضائع کرنا ہے، یہاں تک پہونچ کر آپ پر کیفیت طاری ہوگئی، اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

فرمایا: حضرت مولانا شاہ فضل رحمن گنج مرادآبادی علیہ الرحمۃ سے میں نے عرض کیا، کہ مجھ کو اس بات کی تمنا ہے کہ حدیث کی سند آپ سے حاصل ہو، آپ نے ازراہ کرم میری التماس قبول فرمائی اور مجھ کو اجازت دی، اور فرمایا کہ میں تم کو ''حصن حصین'' کی بھی اجازت دیتا ہوں، اس کے پڑھنے سے سات سو (یا اس کے قریب قریب کوئی تعداد مجھ کو فرمائی) آدمی اولیاء اللہ بن گئے، فرمایا تیسری بار جب حاضری ہوئی تو عصر کا وقت تھا آپ صحن سے باہر حجرے کے محاذی تشریف رکھتے تھے، نہایت لطف ومحبت سے آپ نے شرف پذیرائی عطا فرمائی، اور دیر تک اپنے حالات بیان کرتے رہے، اسی گفتگو میں آپ نے یہ شعر پڑھا۔

دل ڈھونڈنا سینے میں میرے بوالعجبی ہے
ایک ڈھیر ہے یاں راکھ کا اور آگ دبی ہے

سلسلہ کلام کے ختم ہونے کے بعد میں نے عرض کیا کہ مجھ کو حدیث مسلسل سنائیں، آپ بہت محظوظ ہوئے، اور فرمایا کہ میں نے اپنے کانوں سے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی زبان سے سنا ہے پھر آپ نے تیمم فرمایا اس کے بعد آپ نے یہ حدیث پڑھی،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''الراحمون یرحمھم الرحمن، تبارک و تعالیٰ، ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء''

پھر آپ نے فرمایا کہ میں تم کو حدیث مسلسل بالمحبۃ کی بھی اجازت دیتا ہوں، اس حدیث کو میں نے شاہ عبدالعزیز صاحب سے سنا ہے،

"یا معاذ انی احبک فقل اللھم اعنی علی ذکرک و شکرک و حسن عبادتک"

فرمایا: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے فرمایا کہ مجھ کو حضرت سید احمد شہیدؒ سے دو طریق سے نسبت حاصل ہے، میرے دادا پیر میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ ان کے مرید تھے، اور ان کے پیر حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتیؒ بھی حضرت کے مرید تھے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے فرمایا: سب مشائخ طبیب امت ہیں، اپنے اپنے زمانے کے لوگوں کے اعتبار سے طرق انہوں نے رکھے ہیں، سب کا مآل ایک ہے، اور سب کا خلاصہ اتباع سنت ہے، جس سے جس کو عقیدت ہو، اس کے طریقہ میں وہ داخل ہو جائے، فائدہ ہوگا۔ مجھ کو حضرت سید صاحب کے ساتھ محبت وعقیدت اعلیٰ درجہ کی ہے، میں یہ جانتا ہوں کہ وہ اپنے پیر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے بڑھ کر ہیں، باقی خدا جانیں، کون بڑھ کر ہے، لیکن میرے دل میں ہمیشہ یہی آتا ہے، میں اپنے قلب کا مختار نہیں ہوں، یہ کچھ خدا کی طرف سے ہے، پھر میں کہتا ہوں اللہ تو ہی جانے، میں مجبور ہوں، شاہ صاحب کے پہلے سے اس خاندان میں اتباع سنت تھا، مگر حضرت نے نہایت درجہ کو اتباع کیا، ہندوستان میں نور پھیلا دیا، علماء کہتے ہیں کہ وہی کتابیں پہلے تھیں، وہی اب بھی ہیں، لیکن اب خدا جانے کیا بات ہوگئی ہے، جو ان کی صحبت میں ایک گھڑی بیٹھا اس میں وہی رنگ آ گیا، جس میں زیادہ اتباع ہو وہی ولی کامل ہے۔

وفات: افسوس کہ مولانا عبدالحی حسنیؒ نے قمری اعتبار سے ۵۵ سال اور شمسی

اعتبار سے ۵۳ سال کی عمر میں لکھنو میں وفات پائی، اور مشہور بزرگ حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ کے پائینتی رائے بریلی میں تدفین عمل میں آئی۔ نور اللہ مرقدہ

ف: ماشاء اللہ! اس حقیر کی گذارش پر حضرت اقدس مولانا سید محمد رابع صاحب دامت برکاتہم نے حضرت حکیم مولانا سید عبدالحی حسنیؒ کا خوب ہی خوب تعارف فرمایا اور مفید ترین ملفوظات درج فرمائے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر مرحمت فرمائے اور ملفوظات پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین (مرتب)

حضرت شاہ پیر ابو احمد صاحب[1] بھوپالیؒ ۱۳۴۲ھ

ولادت وتعلیم: آپ کی پیدائش ۱۱/رمضان المبارک ۱۲۶۰ھ میں بھوپال میں ہوئی، آپ کا اصل نام عبداللہ تھا،تعلیم اساتذہ بھوپال بالخصوص مولانا قاضی ایوب صاحب سے حاصل کی، آپ کے والد ماجد حضرت شاہ خطیب احمد صاحب[2] کا جب انتقال ہوا تو آپ کی عمر ۶/سال کی تھی ،اس لئے ان سے اکتساب فیض نہ کرسکے،

---

(۱) حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ''صحبت بااہل دل'' میں حضرتِ شاہ یعقوب صاحب مجددی کے حالات وملفوظات جمع فرمائے ہیں اس کے ضمن میں ان کے والد ماجد شاہ پیر ابو احمدؒ کے بھی مختصراً حالات لکھے ہیں اسی سے کسی قدر آپ کے حالات درج کررہا ہوں۔

(۲) شاہ خطیب صاحب کے والد محترم کا اسم گرامی شاہ رؤف احمد صاحب تھا جورامپور میں پیدا ہوئے ،اوررام پور ہی کے علماء سے تعلیم پائی ،طریقت کا اکتساب اولاً اپنے سلسلہ کے نامور شیخ شاہ درگاہی نقشبندیؒ سے کیا اوراجازت سے سرفراز ہوئے ،پھر شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع ہوئے،ان سے بھی ۱۲۳۱ھ میں اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے، آپ نے شاہ غلام علی صاحب کے ملفوظات وافادات کو قلم بند کیا جس کا مجموعہ ''درالمعارف'' کے نام سے شائع ہوکر مقبول خاص وعام ہوا،حضرت شاہ رؤف احمد صاحب ۱۲۳۳ھ میں بھوپال تشریف لائے نواب معز محمد خاں مرید ہوئے اور خانقاہ کی موجودہ جگہ عطافرمائی ،۲۷/ذی قعدہ ۱۲۵۳ھ میں بحالتِ احرام بندرلیث میں وفات پائی اوروہیں مدفون ہوئے۔

آپ نسبۃً اول سے آخر تک مجددی ہیں، چنانچہ آپ کا سلسلہ یوں ہے: شاہ رؤف احمد ابن شاہ شعور احمد ابن شاہ مشرف ابن شیخ رضی الدین ابن شیخ زین العابدین ابن حضرت محمد یحییٰ ابن شیخ احمد مجدد الف ثانی سرہندی اورسلسلۂ طریقت یوں ہے: حضرت شاہ رؤف احمد خلیفہ حضرت شاہ غلام علی خلیفہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں خلیفہ حضرت سید نور محمد بدایونی خلیفہ حضرت شیخ سیف الدین خلیفہ وصاحبزادہ حضرت خواجہ محمد معصوم خلیفہ وصاحبزادہ حضرت احمد مجدد الف ثانی سرہندیؒ۔(صحبتِ بااہل دل:ص/۲۴)

اس بنا پر اپنے خاندانی بزرگ حضرت شاہ عبدالغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ سے مدینہ طیبہ جا کر سلوک کی تعلیم وتربیت حاصل کی ،اورانہیں سے اجازت وخلافت حاصل ہوئی۔

کمالات واوصاف: حضرت شاہ پیر ابواحمد صاحبؒ اپنے عہد کے مشائخ کبار میں سے تھے اوراس آخری دور میں کم ازکم ہندوستان میں نسبت مجددیہ کا ان سے بڑھ کر مظہر اوراس طریقہ کے کمالات ،علوم اور معارف وحقائق کا ان سے بڑھ کر عارف وترجمان نظر نہیں آتا ،وہ غایت درجہ میں سنت کے متبع اورآدابِ طریقت کے امین ومحافظ تھے ،امراء واہل دنیا سے بے رغبتی اور زہد وقناعت میں دور دور انکی نظیر نہیں ملتی ،منازلِ سلوک کے نشیب وفراز اوراس کی گھاٹیوں سے پورے طور پر واقف اور مکتوبات امام ربانی کے بڑے غوّاص اور محقق تھے ، احکام شریعت میں نہایت سخت اور معاملات دنیاوی میں نہایت نرم وشفیق ،طبعی طور پر مزاج میں جلال تھا لیکن چھوٹوں پر بڑی شفقت اورکمزوروں اور طالبین صادقین کی بڑی رعایت فرماتے تھے ،اہل اللہ کے عام شیوہ کے مطابق بذل وسخا اور جود وعطا کا بڑا ذوق تھا ،معمولات کے شدت سے پابند تھے ،اوراوقات کا بیشتر حصہ طریقہ کے اذکار واشغال ومراقبات میں گزرتا۔

چھوٹی چھوٹی سنتوں اورآداب، ادعیہ ماثورہ اوراذکار مسنونہ کا اہتمام فرماتے ،اور ہر چیز میں اتباع سنت کو مقدم رکھتے ،اسفار اور دوروں کا بہت کم معمول تھا کہ اس سے اذکار ومعمولات میں فرق پڑتا ہے ،زندگی کے آخر دور میں یکسوئی وانقطاع اوراتباع سنت کا اہتمام بہت بڑھ گیا تھا۔

ف: یہ وہ صفات و معمولات ہیں جن سے ہم کو نصیحت حاصل کرنا چاہئے، اور ہم کو بھی ان صفات سے متصف اور ان معمولات کا پابند ہونا چاہئے تا کہ اللہ تعالی کی رضا و خوشنودی نصیب ہو، و باللہ التوفیق۔ (مرتب)

وفات: ۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ مطابق ۲۷/ دسمبر ۱۹۲۳ء کو اس دنیا سے کوچ فرمایا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ اور بھوپال ہی میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہٗ۔ (صحبت با اہل دل)

حضرت مولانا صوفی سلیمان صاحب لاجپوریؒ م: ۱۳۴۳ھ

نام ونسب، ولادت: حضرت صوفی صاحب صوبہ گجرات کے ایک مردم خیز علاقہ لاجپور ضلع سورت میں پیدا ہوئے۔

آپ کے والد ماجد احمد بن شیخ یعقوب صوفی حافظ، عالم اور قاری تھے، ساتھ ہی آپ زمیندار بھی تھے جس سے بقدر کفاف معاش حاصل کر لیتے تھے، اور نہایت قناعت اور سادگی سے زندگی بسر فرماتے تھے، حضرت صوفی صاحب علیہ الرحمہ اپنے والد ماجد کے اکلوتے بیٹے تھے۔

حضرت صوفی صاحب کی کنیت ابو محمد اور لقب عبد الاحد تھا یہ لقب آپ کو اپنے شیخ حضرت مولانا نظام الدین مکی ترکیسریؒ کی طرف سے ملا تھا، اس میں اشارہ تھا کہ آپ زمانہ کے فرد الافراد تھے۔

آپ کی ولادت باسعادت کے متعلق جگہ، صحیح تاریخ اور سن ولادت معلوم نہ ہوسکی اور اپنی عمر شریف کا اندازہ خود بھی کبھی نہیں بتایا بلکہ فرماتے تھے کہ ”نکمی عمر کی کیا گنتی کریں“ البتہ بڑی عمر والوں کے بتلانے اور بعض حالات سے پتہ چلتا ہے کہ صوفی صاحبؒ کی عمر شریف ۱۲۵ رسال کے قریب ہوئی تھی۔

آپ کو بچپن ہی سے از حد یاد الٰہی کا شوق تھا گویا آپ پیدائشی ولی تھے، بچپن ہی سے ہمیشہ ذکر وفکر میں مشغول رہتے تھے۔

آپ کی بیعت: آپ علیہ الرحمہ نے سب سے پہلے بزرگ وشیخ کامل محبوب

رب العالمین حضرت مولیٰنا نظام الدین مکی علیہ الرحمہ (جو مقام ترکیسر ضلع سورت میں مدفون ہیں) سے بیعت ہو کر سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ، قادریہ چشتیہ اور سہروردیہ میں اجازت وخلافت حاصل کرلی تھی۔

آپ کے دوسرے مرشد شیخ ابراہیم الرشید رحمۃ اللہ علیہ تھے، اور آپ کے تیسرے شیخ حضرت مولانا فضل رحمن صاحب گنج مرادآبادیؒ تھے۔

حضرت گنج مرادآبادیؒ سے خلافت واجازت: ایک مرتبہ آپ صفی پور اسٹیشن سے روانہ ہو کر گنج مرادآباد ایسے وقت پہنچے کہ ظہر کی نماز ہو چکی تھی اور حضرت مولیٰنا فضل رحمن حجرہ شریف میں تشریف لے جا چکے تھے، آپ کے ساتھ ایک چھوٹے صاحبزادے حضرت مولیٰنا احمد میاں صوفی مرحوم بھی تھے، آپ نے ان سے فرمایا کہ بزرگوں کے پاس بلا اجازت داخل نہیں ہونا چاہئے کیونکہ حضرت پیران پیر دستگیر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: لَا تَدْخُل حتیٰ یَقُولَ اُدْخل یعنی جب تک تم سے یہ نہ کہا جائے کہ داخل ہو جاؤ اس وقت تک تم داخل نہ ہو، لہٰذا تم یہاں دروازہ پر اسباب لے کر بیٹھو، میں مسجد میں نماز پڑھ کر آتا ہوں۔

آپ مسجد میں نماز پڑھنے لگے کہ ایک شخص مسجد میں آ کر پکارنے لگا کہ صفی پور سے کون صاحب تشریف لائے ہیں، مولانا احمد صاحب فرماتے ہیں کہ میں تو خاموش رہا مگر حضرت صوفی صاحب نے نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ ”میں آیا ہوں“ اس نے کہا کہ حضرت مولیٰنا بہت دیر سے لیٹے ہوئے منہ پر ہاتھ رکھے ہوئے فرمارہے ہیں ”صفی پور سے کوئی آرہا ہے ان کو بلالاؤ“ آپ جب خدمت میں حاضر ہوئے تو اسی طرح فرمارہے تھے، فوراً بیٹھ گئے اور ملاقات کر کے فرمانے

لگے ”کیا آپ آئے ہیں؟ اچھا وہ اسباب فلاں حجرہ میں رکھو۔“

آپ چند روز وہاں استفادہ فرماتے رہے پھر آپ کو اجازت وخلافت دے کر رخصت فرمایا۔

صوفی صاحب کے خلفاء ومریدین: آپ کے بہت سے مریدین اطراف اور دور دراز جگہوں میں موجود تھے اور خلفاء بھی تھے، لیکن ان کی فہرست ضبط نہ ہونے کی وجہ سے معلوم نہ ہوسکی، آپ کے آخری خلیفہ وجانشین آپ کے صاحبزادہ محترم حضرت مولانا محمد بن صوفی سلیمانؒ تھے، انہوں نے آپ کا سلسلہ خلافت جاری رکھا تھا اور وہ بیعت بھی فرماتے تھے۔

آپ کی علمی خدمات: آپ علیہ الرحمہ نے لاجپور میں لوگوں کے غلط اعتقاد کو درست کرنے کے لئے ایک دارالعلوم قائم فرمایا تھا جو اس زمانہ میں تعلیم کے اعتبار سے بہت مشہور تھا، دورۂ حدیث کی تعلیم ہوتی تھی، اس دارالعلوم میں ہندوستان کے مشہور علماء تعلیم کی خدمات انجام دیتے تھے جن میں مولینا شمس الحق کابلیؒ، مولینا خدا بخش صاحب پنجابیؒ اور مولینا لیاقت علی صاحب[1] الہ آبادی مشہور تھے۔

آپ کی تصانیف: (۱) معارف الصوفیہ (۲) اوراد الصوفیہ (۳) فوائد الصوفیہ اور آخری تمام کتابوں کا مجموعہ بنام ”باغ عارف“ مشہور ہے۔

آپ کے ارشادات عالیہ: (۱) عمر گرامی انمول وبیش قیمت جوہر ہے اس کو حقیر وناچیز دنیا کے عوض فروخت کر دینا باعث خسارت دارین ہے۔

---

[1] الحمدللہ مولانا لیاقت علی صاحب الہ آبادیؒ متوفی ۱۲۹۵ھ کا تذکرہ ساتویں جلد میں آچکا ہے۔

(۲) قرآن مجید کو اپنے اعمال کا آئینہ بنانا چاہئے خصوصاً ان دو رکوع سے اپنے افعال کا موازنہ کرنا فلاح ونجات کا ایک طریقہ ہے "قد افلح المؤمنون" دوسرے "وعباد الرحمن الآیہ" ان دو رکوع کو ہر روز پڑھ کر اس پر عمل کرنا چاہئے۔

(۳) اور فرمایا کہ سچا یقین اس بات پر رکھنا چاہئے کہ خدا تعالی ہر آن اپنی مخلوقات کی حرکات وسکنات کا ناظر ہے۔

(۴) اللہ پاک کے پاس جانے کا جب پورا یقین ہے تو اس سے حیاء وشرم کرنی چاہئے۔

(۵) سب سے بڑا کام یہ ہے کہ اپنے کو سب سے برا سمجھے۔

(۶) قلب نور خداوندی کے نزول کا محل ہے اس لئے اس کو برے خطرات ومذموم خیالات سے خراب نہ کرنا چاہئے، لہذا ان امور سے ہمیشہ مجتنب رہنا چاہئے کہ اس سے دل خراب ہوتا ہے، وہ یہ ہیں: کبر، کینہ، بغض، حسد۔

اپنی سعادت: الحمدللہ آپ جیسے بزرگ کے بعض اعزہ کا اس حقیر سے خاص محبت وارادت کا تعلق ہے، مثلاً قاری عبداللہ صاحب ہرارے زمبابوے۔ (مرتب)

آپ کی وفات: ۱۳۴۳ھ میں آپ اس دار فانی سے دار باقی کی طرف رحلت فرما گئے، آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک پر آخری سانس تک اللہ اللہ کا ذکر جاری تھا اور آہستہ آہستہ بند ہوتا گیا اور آپ کی روح مبارک کب پرواز کر گئی اس کا پتہ بھی نہ چلا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ اور شہر سورت کے صوفی باغ میں مدفون ہوئے ہیں۔ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ۔

مسیح الملک حکیم محمد اجمل خاںؒ متوفی ۱۳۴۶ھ

نام ونسب ولادت: دہلی کے مشہور طبی خانوادے خاندان شریفی کے گل سرسبد حکیم محمد اجمل خاں ۱۷رشوال ۱۲۸۴ھ ۱۸۶۴ء میں شریف منزل میں پیدا ہوئے آپ کا خاندان طبی دنیا میں نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ دیکھا جائے تو لکھنؤ کے خاندان عزیزی اور دہلی کے خاندان شریفی ہندوستان میں طب کی نشاۃ ثانیہ میں ان دونوں کا بڑا حصہ ہے اگر چہ دوسرے خاندانوں نے بھی اپنی اپنی جگہ پر نمایاں خدمات انجام دیں ہیں لیکن ان دونوں خاندانوں کی گراں قدر خدمات سے یونانی طب کبھی عہدہ برآ نہیں ہوسکی۔

حکیم محمد شریف دہلوی ۱۱۳۹ھ ۱۲۲۲ء سے لیکر مسیح الملک حکیم اجمل خاںؒ تک اطباء کاملین کا بے حد خوب صورت سلسلہ بن گیا ہے یوں تو اس خاندان کے ہر فرد نے طبابت اور تصنیفی وتالیفی کام کے ذریعہ نمایاں خدمات پیش کی ہیں لیکن محمد شریف خاںؒ کے بعد مدرسہ طبیہ دہلی کے بانی حکیم عبد المجید دہلویؒ اور ان کے برادر معظم حاذق الملک کی طبی خدمات زیادہ اہم ہیں ان کے بعد حکیم محمود خاںؒ اور حکیم واصل خاںؒ نے اپنے آباء کے ذریعہ ڈالی گئی طبی ارتقاء کی بنیاد کو عمارت کی شکل دینے میں بے نظیر کارنامے انجام دیے خاص طور سے حکیم محمود خاں کا تعاون قابل ذکر ہے۔ مسیح الملک حکیم اجمل خاںؒ انہیں محمود خاںؒ کے ہونہار فرزند تھے۔

تعلیم وتربیت: اردو کی ابتدائی تعلیم کے بعد حکیم صاحبؒ کو حفظ قرآن کے لیے

بٹھایا گیا حافظہ بڑا اچھا تھا چنانچہ بہت کم وقت میں حفظ کی تعلیم مکمل کر لی پھر فارسی وعربی کے فنون وعلوم کی طرف متوجہ ہوئے۔صرف ونحو آپ نے پیر جی صدیق احمد دہلویؒ، فلسفہ ومنطق کے لیے مولوی عبدالحقؒ صاحب تفسیر حقانی، اور مولوی عبدالرشیدؒ کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔مرزا عبداللہ بیگ کا نام بھی استاد کی حیثیت سے کتابوں میں ملتا ہے۔طب کی ابتدائی کتابیں اپنے والد بزرگوار حکیم محمود خاں سے پڑھیں اور انتہائی کتابیں حاذق الملک اول سے پڑھیں اور دونوں سے مطب سیکھا۔

ذوق مطالعہ: مطالعہ کا شوق بچپن میں بہت تھا۔خاصی تعلیم ہونے کے بعد بھی رات گئے تک مختلف کتابوں کا مطالعہ آپ کا معمول تھا۔طبی کتابوں میں اس قدر انہماک تھا کہ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کی ہمہ وقت تلاش میں رہتے تھے۔

عادات واطوار: حکیم اجمل خاں بحیثیت انسان نہایت پاکیزہ اوصاف کے حامل تھے۔وہ نہایت سنجیدہ اور شیریں کلام وضعدار اور متحمل مزاج آدمی تھے یہی وجہ ہے کہ وہ جب تک زندہ رہے مقبول ہر دلعزیز اور عوام کی عقیدت کا مرکز رہے انہوں نے دلی والوں کے دل جیت لیے تھے۔لارڈ ہارڈنگ اپنے افسران سے کہا کرتے تھے کہ وہ دلی کے بے تاج بادشاہ ہیں ان کی یہ مقبولیت صرف مسلمانوں تک محدود نہیں تھی ہندوؤں میں بھی ہر دلعزیزی کا یہی عالم تھا۔

مطب کا حال: حکیم اجمل خاںؒ کا مطب اپنے دور کا بہت مشہور مطب تھا سستی اور مفید دوائیں آپ کے نسخہ کا جزو ہوتی تھیں۔اپنی مقبولیت کی وجہ سے حکیم صاحب کا مطب ہمیشہ مریضوں سے بھرا رہتا تھا۔نبض اور قارورہ سے تمام امراض کی نہایت کامیابی سے تشخیص کرتے تھے۔آپ کی تشخیصی مہارت کے

ثبوت کے طور پر ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے حوالہ سے یہ بات تاریخ کی کتابوں میں کثرت سے نقل کی گئی ہے کہ جب ڈاکٹر انصاری جیرنک اسپتال لندن میں ہاؤس سرجن تھے تو حکیم صاحب نے اسپتال کا معائنہ کیا اور آپ کی ملاقات سینیر سرجن ڈاکٹر اسلیلے سے ہوئی انہوں نے حکیم صاحب کو دوسرے دن اسپتال آنے کی دعوت دی حکیم صاحب جب پہونچے تو ڈاکٹر صاحب طالب علموں کے سامنے ایک مریض کو لٹا کر اسے مرارہ (پتا) کے ورم کا مریض بنا کر درس دے رہے تھے حکیم صاحب نے مریض کو دیکھ کر یہ تشخیص کی کہ اس کی آنتوں کے ابتدائی حصہ میں زخم ہیں۔ڈاکٹر نے ہنس کر کہا کل آپریشن کے وقت آپ بھی آئیں گے۔اسی وقت یونانی اور ایلو پیتھک کا مقابلہ ہو جائے گا آپریشن کے بعد حکیم صاحب کی تشخیص درست نکلی۔ڈاکٹر نے حکیم صاحب کو اس کامیابی پر بہت مبارک باد دی۔

حکیم صاحب ذاتی مطب کے علاوہ نو برس تک رام پور میں سرکاری طبیب بھی رہے۔۱۵۰۰ روپئے ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ریاست کے تمام شفا خانوں کی نگرانی کا شرف بھی آپ کو حاصل تھا۔حکیم صاحب کے معالجہ میں مہارت سے متعلق پیرس کے سفر کے دوران کا یہ واقعہ بھی اہمیت کا حامل ہے۔پیرس میں ایک مریضہ آپ کے پاس علاج کے لئے آئیں۔اس کی دونوں ٹانگیں سکڑ گئیں تھیں۔ پیٹ میں درد ہوتا رہتا تھا اکسرے کئی ہوئے لیکن تشخیص نہیں ہوسکی۔حکیم صاحب نے مریضہ سے چند سوالات کئے اس نے بتایا کہ وہ گھوڑ سواری کی بہت شوقین ہے حکیم صاحب نے یہ سن کر ایک پُڑیا اسے دی ایک ہفتہ میں بالکل ٹھیک ہوگئی۔ بعد میں دوسروں کے پوچھنے پر حکیم صاحب نے بتایا کہ مریضہ کی آنتوں میں گرہ

پڑ گئی تھی ۔ان دونوں واقعات سے حکیم صاحب کی حذاقت اور معالجہ ومہارت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

تصنیف: حکیم صاحب کے معالجانہ نسخوں پر مشتمل کئی تصانیف شائع ہوچکی ہیں جن میں افادات مسیح الملک اور خود ''حاذق'' کے نام سے اہم کتاب مقبول عوام وخواص ہے ۔علاوہ ازیں متعدد اردو اور عربی تصانیف کے مالک تھے،اس کے علاوہ بہت سے نسخہ جات بھی شائع ہوئے ہیں

طبی خدمات: طبی خدمات کے اعتبار سے حکیم اجمل خان کو یونانی طب کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک کا روحِ رواں سمجھا جاتا ہے ۔اور عہد مغلیہ کے اطباء کی غیر تحقیقی روش اور یونانی کی کسمپرسی کو دیکھ کر حکیم اجمل خاں نے اپنے مطب اور دیگر مصروفیات کے ساتھ یونانی طب کی ارتقاء کے لئے متعدد کوششیں کیں ۔اس مقصد کے لیے انہوں نے یوروپ کا سفر بھی کیا۔

تعلیمی و تحقیقی ادارے کا قیام: طب کا تعلیمی ادارہ اگرچہ ان کے بھائی حکیم عبدالمجید نے قائم کیا تھا حکیم صاحب نے اسی ادارے کو مزید فعال بنایا،نصاب تعلیم میں تجدید کی بحیثیت کالج رجسٹرڈ کرایا،ساتھ ہی ملکی حالات کے پیش نظر آیورویدک تعلیم بھی شروع کی ۔موجودہ قرول باغ طبی اینڈ آیورویدک کالج حکیم صاحب کی اہم یادگار ہے۔

طب حکیم صاحب نے قرول باغ طبی کالج سے وابستہ ایک یونٹ قائم کی، قدیم دواؤں کی جدید انداز سے تحقیق کی مفردات ادویہ کے کیمیائی تجزیہ ان کی شناخت اوران کی فراہمی،ادویہ کی معالجاتی حیثیت کی جدید ذرائع سے توثیق جیسے اہم

شعبوں پر مشتمل تھی۔

ادویہ کی فراہمی کے لیے یونانی دواخانہ کا قیام: یونانی ادویہ کی فراہمی اور اس سے حاصل شدہ آمدنی کے ذریعہ طبی کالج کے مصارف کا انتظام حکیم صاحب کا اہم پروگرام تھا اس مقصد کے لیے آپ نے ہندوستانی دواخانے کی بنیاد ڈالی۔ آج کل یہ دواخانہ پرانی دلی کے محلہ بلیماران میں دہلی انتظامیہ کے زیر انتظام سرگرم عمل ہے مذکورہ بالا اہم پروگراموں کے ذریعہ یقیناً طب یونانی کے لیے حکیم صاحب نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔

سیاسی سرگرمیاں: حکیم صاحب ہندستان کی آزادی کی لڑائی میں صفِ اول کے مجاہدین میں شمار کئے جاتے ہیں، یوں تو حکیم صاحب شروع ہی سے سیاسی ذہن رکھتے تھے۔ مسلم لیگ کے سرگرم ممبر اور نائب صدر کے علاوہ خلافتِ تحریک اور تحریکِ عدم موالات جیسی تحریکات سے بھی وابستگی تھی۔ آزادی کی لڑائی آگے بڑھتی رہی حکیم صاحب نے گاندھی جی کی آواز پر لبیک کہا اور جنگ میں شریک ہو گئے۔ ظاہر ہے اعلانِ جنگ کے بعد حکیم صاحب نے انگریزوں کا احسان پسند نہیں کیا اور ۲۰/مارچ ۱۹۲۰ء کو حاذق الملک اور قیصر ہند کا خطاب انگریزوں کو واپس کر دیا۔

شاعری: حکیم صاحب اچھے ادیب مقرر، طبیب، سیاسی رہنما کے علاوہ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ شیدا تخلص رکھتے تھے۔

وفات: حکیم صاحب کا انتقال ۴/رجب ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۷ء کو رام پور میں ہوا اور تدفین دلی میں ہوئی نور اللہ مرقدہ۔ (تاریخ طب، مولفہ حکیم سید محمد حسان نگرامی: ص ۴۳۲)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ م:۱۳۴۶ھ

نام نسب وولادت: آپ والد کی طرف سے انصاری ایوبی اور والدہ کی طرف سے صدیقی تھے، والد محترم کا اسم گرامی شاہ مجید علی صاحب اور آپ کا وطن قصبہ انبیٹھہ تھا، ولادت اواخر صفر ۱۲۶۹ھ میں اپنے نانیہال قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور میں ہوئی۔

تعلیم: حضرت مولانا نے اپنے وطن انبیٹھہ اور نانیہال نانوتہ میں رہ کر اردو کی کتابیں پڑھ لیں اور قرآن شریف ختم کیا، اس کے بعد آپ کے چچا آپ کو گوالیار لے گئے، جہاں آپ کے والد ماجد، شاہ مجید علی صاحب بھی ملازم تھے، سب سے پہلے چچا صاحب نے آپ کو عربی شروع کرائی اور صرف میر، پنج گنج وغیرہ پڑھائی، اس کے بعد آپ کے والد ماجد کی مدت ملازمت ختم ہوگئی تو آپ کو وطن لائے، اور والد صاحب کے حکم سے مولانا سخاوت علی صاحب انبیٹھویؒ سے تعلیم حاصل کرنا شروع کردی، اور شرح جامی تک پڑھا اس کے بعد بعض وقتی مصلحت سے انگریزی اسکول میں والد صاحب نے داخل کردیا، مگر دل عربی پڑھنے کا شائق تھا اس لئے جب مدرسہ دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ماہ محرم ۱۲۸۳ھ میں پڑی تو عربی پڑھنے کا شوق فزوں سے فزوں تر ہوگیا اور جب یہ معلوم ہوا کہ آپ کے حقیقی ماموں حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ اس مدرسہ کے صدر مدرس ہیں تو عزم میں مزید پختگی آگئی، اور والد صاحب

---

(۱) آپ کی مفصل سوانح ''حیات خلیل'' کے نام سے دو حصوں میں حضرت مولانا سید محمد الثانی حسنیؒ نے لکھی ہے ظاہر ہے، اس سے بڑھ کر اور کون سی مستند سوانح ہوگی، اس لئے اسی سے کسی قدر حالات اور چند ارشادات درج کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ (مرتب)

سے اجازت لے کر شفیق ماموں کی خدمت میں پہونچ گئے اور چھ ماہ تک پوری توجہ وانہماک سے تعلیم حاصل کرتے رہے، مگر دیوبند کی آب وہوا موافق نہ آئی، ادھر یکم رجب ۱۲۸۳ھ ہی میں مظاہر علوم سہارنپور کی بنیاد پڑی اور مولانا محمد مظہر صاحب جو آپ کے رشتہ کے ماموں تھے صدر مدرس مقرر ہوئے، تو مظاہر علوم میں تعلیم حاصل کرنے کا شوق ہوا اور داخلہ لے لیا، اور مختصر المعانی کے سبق میں شریک ہوگئے، اس سال مدرسہ میں ۶۸ طلبہ تھے، سالانہ امتحان میں آپ کو انعام میں اصول الشاشی ملی۔

تحصیل علم حدیث: دوسرے ہی سال آپ نے حدیث شریف شروع کردی، حدیث میں آپ کے استاذ حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتویؒ تھے، سب سے پہلے آپ نے ۱۲۸۴ھ میں مشکوٰۃ شریف پڑھی اس وقت آپ کی عمر پندرہ سال تھی، آپ نے حدیث کی تقریباً پوری تعلیم حضرت مولانا محمد مظہر صاحب سے حاصل کی، اور دوسرے علوم وفنون کی کتابیں دوسرے اساتذہ سے۔

دَورۂ حدیث: مدرسہ کے تیسرے سال یعنی ۱۲۸۵ھ، ۱۲۸۶ھ میں پہلی بار دورۂ حدیث ہوا تو حضرت مولانا نے اسی سال دورۂ حدیث پڑھا بخاری وھدایہ اخیرین کا امتحان دیا، اور جامع ترمذی بطور انعام ملی۔

مزید تعلیم: دَورۂ حدیث کے بعد بھی آپ نے تکمیل علوم میں مزید دو سال صرف کئے، چنانچہ ۱۲۸۷ھ میں توضیح وتلویح کا امتحان دے کر اعلیٰ نمبرات حاصل کئے اور انعام میں شرح سلم موصول ہوئی اور اس کے بعد ہی زمرہ علماء میں آپ کا شمار ہونے لگا۔

نکاح: ۱۲۸۹ھ میں جب کہ آپ کی عمر اکیس سال کی تھی آپ کا نکاح شاہ حسن عسکری کی نواسی انبیا بیگم سے ہوا جو شاہ عبدالرحمن صاحب کی صاحب زادی تھیں، حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ نے ڈھائی ہزار روپیے مہر پر نکاح پڑھا دیا۔ (ص/ ۹۵)

ف: اس سے معلوم ہوا کہ ڈھائی ہزار روپیہ اس زمانہ میں اس قدر کثیر نہ تھا جس کی مذمت حدیث میں مذکور ہے ورنہ حضرت مولانا گنگوہیؒ جیسا مصلح عالم ہرگز نکاح نہ پڑھاتا اور خلاف سنت امر کا کبھی بھی مرتکب نہ ہوتا، اس لئے کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کا اتباع سنت میں ایک خاص مقام تھا بلکہ آپ کا عمل اس معاملہ میں حجت قرار دیا جاتا تھا، لہذا اس زمانہ میں مہر کی مقدار میں بہت کمی پر اصرار کرنا کوئی تدین وتقویٰ کی بات نہیں ہے، بلکہ زمانۂ حاضر کے لحاظ سے حیثیت دیکھ کر اور سوچ سمجھ کر مہر مقرر کرنا چاہئے۔ (مرتب)

گنگوہ کی حاضری: غالباً ۱۲۸۲ھ یا ۱۲۸۳ھ میں رمضان کے مبارک مہینے میں آپ گنگوہ تشریف لے گئے اور حضرت گنگوہیؒ کی زیارت ہی نہیں بلکہ ان کے پیچھے قرآن شریف سنا جس سے آپ کو بیحد کیف وسرور حاصل ہوا، اس کے بعد حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں بار بار آنے جانے لگے جس سے ان کی صحبت میں بیٹھنے اور ان کے ارشادات سننے کا موقع ملا، جس کی وجہ سے حضرت گنگوہیؒ کی عظمت اور ان کی محبت وعقیدت دل میں بیٹھنے لگی، آخر کار اپنے ماموں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کو (جو حضرت گنگوہیؒ کے استاذ زادے تھے) بیعت کے لئے واسطہ بنایا اور سفارشی خط لکھا کر گنگوہ حاضر ہوئے، حضرت گنگوہیؒ نے خط پڑھ کر اس طرح رکھ دیا گویا کوئی چیز ہی نہیں اور استغناء کے ساتھ فرمایا کہ میاں تم پیرزادے

ہو، خود پیر ہو تمہیں کسی کے مرید ہونے کی کیا ضرورت، مگر واہ رے خلیل کی قابلیت کہ یہ سن کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور عرض کیا کہ حضرت کیسی پیرزادگی، میں تو اس دربار کے کتوں کے برابر بھی نہیں، بیعت کا حاجت مند ہی نہیں بلکہ سرتاپا احتیاج ہوں، چھاتی سے لگائیے یا دھکّے دیجئے، میں تو حضرت کا غلام بن چکا۔

یہ الفاظ آپ کی زبان سے نکلے تھے اور حضرت کے چہرے پر انبساط کی لہر دوڑتی تھی کہ آپ نے فرمایا: بس بس بہت اچھا، اور اس کے بعد بیعت کرلیا۔

ف: حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی طلب اور صدق ارادت ملاحظہ فرمایئے پھر حضرت مولانا گنگوہیؒ کی شانِ استغناء دیکھئے، تو معلوم ہوجائے گا کہ طالب ومطلوب دونوں کی شانیں الگ الگ ہیں پس اگر طالب، مطلوب اور مطلوب، طالب ہوجائے گا تو پھر فیض کا باب بند ہوجائے گا اور طریق بدنام بلکہ برباد ہوجائے گا، جیسا کہ دریں زمانہ مشاہد ہے، پہلے چونکہ کام اصولِ طریق کے مطابق ہوتا تھا اس لئے طالبین ومریدین کو کامرانی نصیب ہوتی تھی مگر اب عموماً ایسا نہیں ہے اس لئے محرومی ہمارے لازم حال ہے جیسا کہ مشہور مقولہ ہے۔ انّما حُرِمُوا الوصول لتضییعھم الاصول۔ (مرتب)

اجازت وخلافت: آپ چونکہ طالبِ صادق تھے، رسماً تو بیعت ہوئے نہ تھے اس لئے بیعت کے بعد ذکر الٰہی، اصلاحِ اخلاق اور مجاہدہ وریاضت میں ہمہ تن مشغول ہوگئے، شب خیزی کے بھی پابند ہوگئے اور حضرت شیخ کو آپ پر کامل اعتماد ہوگیا تو خود حضرت مولانا گنگوہیؒ نے مکہ مکرمہ اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں اپنے مرید حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ

کو اجازت وخلافت دینے کی گویا سفارش فرمائی، چنانچہ آپ جب رخصت ہونے لگے تو حضرت حاجی صاحبؒ نے چھاتی سے لگایا اور اپنی دستار مبارک سر سے اتار کر آپ کے سر پر رکھ دی، امام ربانی کے نام مبارکباد کا خط اور حضرت کے نام خلافت نامہ مزین بہ مہر آپکے حوالہ فرما کر رخصت کیا، پس جب آپ گنگوہ حاضر ہوئے تو حضرت حاجی صاحبؒ کا والانامہ پیش کر کے یہ دونوں عطیّے بھی امام ربانی کے سامنے رکھ دیئے، حضرت نے فرمایا: مبارک ہو یہ تو اعلیٰ حضرت کا عطیہ ہے، آپ نے عرض کیا کہ بندہ تو اس لائق نہیں، یہ حضور کی بندہ نوازی ہے، میرے لئے تو وہی مبارک ہے جو آں حضرت کی طرف سے عطا ہو، نیز یہ بھی عرض کیا کہ اجازت نامہ درحقیقت شہادت ہے کسی مسلمان کے ایمان کی، لہٰذا دو مقبول شہادتیں ثبت ہوں گی تو ہر شخص کے نفسی نفسی پکارنے کے وقت بارگاہِ خدا تعالیٰ میں پیش کرسکوں گا، حضرت امام ربانیؒ آپ کے اس حسنِ ادب سے کہ اصل کمال یہی ہے، بہت خوش ہوئے اور خلافت نامہ پر دستخط فرما کر مع دستار کے حوالہ فرمایا۔ (ص/۱۰۹)

حضرت مولانا گنگوہیؒ کا ایک اصلاحی مکتوب: حضرت مولاناؒ اوائل صفر ۱۳۰۹ھ سے لے کر ۱۳۱۴ھ تک دارالعلوم دیوبند میں مدرس دوم کی حیثیت سے رہے، وہ زمانہ حاجی عابد حسین صاحبؒ دیوبندی کے اہتمام کا تھا، جو اس مدرسہ کے بانیوں میں سے تھے، چند سال کے بعد ممبران کمیٹی کے اضافے میں اختلاف پیدا ہوا اور اس نے فتنہ وشورش پیدا کر دی، جس کا اثر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ جو مدرسہ کے مدرس اول تھے اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ پر جو مدرسہ کے مدرس دوم تھے، بہت زیادہ پڑا، اس لئے دونوں حضرات نے

اپنے شیخ ومربی حضرت مولانا گنگوہیؒ کو مدرسہ کے حالات من وعَن تحریر کئے اس کا جو جواب عنایت فرمایا وہ ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے جس کا ابتدائی حصہ یہ ہے:

از بندہ رشید احمد عفی عنہ۔

برادران مکرمان بندہ مولانا محمود حسن صاحب ومولوی خلیل احمد صاحب مدفیوضہما۔

بعد سلام مسنون مطالعہ فرمائید، آپ دونوں کے چند خطوط پہونچے، جس سے وہاں کا حال معلوم ہوتا رہا، آج مولوی خلیل احمد صاحب کا خط آیا، جس سے پریشانی مدرّسین کی دریافت ہوئی لہذا یہ تحریر ضروری ہوئی۔

میرے پیارے دوستو! تم کو کیوں اضطراب و پریشانی ہے تم تو ''وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ'' پر قانع رہو، مدرسہ سے فقط آپ کو اتنا تعلق ہے کہ درس دیئے جاؤ، اگر مدرسہ بندحق تعالی کرادے گا تم اپنے گھر بیٹھ رہنا، اگر مفتوح رہا درس میں مشغول رہنا، جو تم سے درس کرانا اہل شہر کو منظور نہ ہوگا تو دوسرا باب مفتوح ہوجائے گا تم کس واسطے پریشان ہوتے ہو، خبر بھی مت پوچھو کہ کیا ہو رہا ہے، اپنا کام کئے جاؤ، تمہارے برابر تو کسی کے دست و پا نہیں چلتے تم کیوں بے دست و پا اپنے آپ کو لکھتے ہو، جس کام میں تم ہو اس میں تکرار نہیں، اب فقط نزاع یہی ہے کہ اہل شوریٰ کی زیادت ہو، تمہارا کیا حرج ہے؟ تم اپنا کام کرو، حاجی صاحب مصلحت کا کام کرتے ہیں وہ اپنی تدبیر میں رہیں خواہ کچھ ہو، ہماری تمہاری مرضی کے موافق ہو یا مخالف، اور اہل شوریٰ خود سب اختیار حاجی صاحب کو دے کر مطمئن ہو گئے تو تم پر کیا بار ہے، بس تم جیسے لوگوں سے

تردد کا ہونا بے موقع ہے، تم کسی امر میں لب کشامت ہو، کوئی پوچھے تو جواب دو کہ درس کے باب میں ہم سے پوچھو جو ہمارا کام ہے، انتظام وغیرہ کو نہ ہم جانیں، نہ ہم دخل دیں اور اندیشۂ بدمعاشاں کیوں کرو، اس شعر حضرت شیخ المشائخ قدس سرہ کو مدنظر رکھو۔

قصدِ ظالم بسوئے کُشتن ما دل مظلوم مابسوئے خدا

(یعنی ظالم کا قصد تو ہمیں مار ڈالنے کا ہے اور ہمارے مظلوم دل کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔)

او دریں فکر تابماچہ کند ما دریں فکر تاخداچہ کند

(ظالم تو اس فکر میں ہے کہ ہمارے ساتھ کیا کرے، اور ہم اس فکر میں ہیں دیکھیں اللہ تعالیٰ کیا کارروائی فرماتا ہے۔)

اے عزیزان! روز ازل مقدر ہو چکا ہے، ذرہ ذرہ جو واقع ہوگا، مدرسہ کے امور میں بھی بس وہی ہوگا اور ہو کر رہے گا، خواہ کوئی دفع کرے یا واقع کرے، پھر تم کیوں سرگشتہ ہوتے ہو، ''ہر چہ از محبوب رسد شیریں بود'' (یعنی محبوب کی طرف سے جو کچھ پیش آتا ہے وہ شیریں ہوتا ہے۔) (ص/ ۱۶۲)

ف: سبحان اللہ! اس مکتوب گرامی میں کیسی نصیحتیں مذکور ہیں جن سے حضرت گنگوہیؒ کی فہم وفراست کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے، واقعی پیر دستگیر وہی ہے کہ پیروں کے پھسلنے کے موقع پر ان کو سنبھال لے، نہ کہ مزید الجھاوے اور قعر ضلالت میں گرادے، اس لئے ایسی نصائح کو تو پیر و مرید سبھی کو مستحضر رکھنا چاہئے تاکہ اصلاح وتربیت کا سلسلہ بخوبی جاری رہے۔ (مرتب)

آپ کے اوصاف حسنہ

اتباع سنت: حضرت مولاناؒ کا سب سے بڑا وصف کمالِ اتباع سنت تھا کہ آپ کی زندگی کے ہر شعبہ میں خواہ وہ عبادات سے تعلق رکھتے ہوں یا معاشرت سے، قدم قدم پر سنت نبوی کی پیروی فرماتے اور کسی حال میں بھی اس بارے میں سر مو فرق نہیں آنے دیتے تھے، ہر وقت باوضو رہتے، عموماً سنتیں مکان پر ادا کرتے، آپ نماز کے ہر جزو میں سنت واستحباب کی رعایت کرتے، اور اس کی دوسروں کو بھی تاکید فرماتے کہ وہ ہر موقع پر سنت کا اہتمام کریں، کھانے سے پہلے اگر کوئی ہاتھ نہ دھوتا اور یہ کہتا کہ ابھی وضو یا غسل کر کے آیا ہوں یا میرے ہاتھ صاف ہیں تو آپ فرماتے! یہ تو کھانے کی سنت ہے، طہارت یا نظافت کے لئے نہیں ہے، مسلمان جب کھانا کھاوے بہ نیت ادائے سنت اول بھی ہاتھ دھوئے اور بعد میں بھی۔ گھر میں تشریف لے جاتے تو دروازہ پر کھڑے ہو کر فرماتے: آؤں؟ جب پردہ ہو جاتا تو السلام علیکم کہہ کر داخل ہوتے، عورتوں میں سلام مسنون کا رواج کم تھا، آپ اس کی اصلاح فرماتے کہ سلام کا جواب کیوں نہ دیا، عورتیں جواب دیتیں کہ شرم آتی ہے، تو آپ فرماتے: دین میں شرم کیسی؟ یہ تو ضعف ایمان ہے، اس کا نام شرم کس نے رکھا؟ آپ کی کوشش سے سلام مسنون کا رواج عام ہو گیا اور عورتیں بھی سلام مسنون ''السلام علیکم'' کہنے لگیں، آپ ابتداء بالسلام کا اہتمام فرماتے چنانچہ ایسا بہت کم ہوتا کہ دوسرا اسلام کرنے میں سبقت لے جائے، اکثر آپ ہی سلام کرتے۔ (ص ر ۳۴۷)

حق گوئی: اظہار حق اور جرأت و بے باکی، حضرت مولانا کا خاص شیوہ تھا حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ باوجود یکہ اس احقر کے ساتھ

مساویانہ بلکہ اس سے بھی زیادہ تر برتاؤ فرماتے تھے لیکن اظہار حق کا اس قدر غلبہ تھا کہ اگر میں نے استفادۃً کوئی بات پوچھی تو اس کے جواب میں کبھی تکلف نہ فرمایا اور کبھی از خود متنبہ فرمایا۔(ص/۳۵۸)

استغناء: یہ صفت بھی مولانا کے اندر بہت زیادہ تھی، چنانچہ حضرت مولانا کے استغناء اور قناعت کا حال یہ تھا کہ بڑے سے بڑے امیر سے جن کا تعلق بھی خصوصی ہوتا تھا آپ صرف نظر رکھتے، حتی کہ جو حضرات بیعت ہوتے اور کچھ ہدیہ پیش کرتے تو اس کو بھی اس وقت قبول نہ فرماتے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بیعت کرنے پر حضرت کی خدمت میں اگر نذر پیش کی گئی تو حضرت نے کبھی قبول نہیں فرمائی کہ صورۃً یہ توبہ کرانے کا معاوضہ بن جاتا ہے، اور اس رسم کے مشابہ ہے جو آج کل دنیادار پیروں میں چل رہی ہے، ہاں اس کے بعد انس ومحبت کا تعلق پیدا ہو کر اگر کوئی قلیل ہدیہ بھی پیش کرتا، مسنون طریقہ پر آپ اسے بخوشی قبول فرماتے۔(ص/۳۶۳)

تواضع وانکساری: حضرت مولاناؒ میں تواضع وانکساری حد درجہ تھی، چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ آپ کی تواضع وانکساری کے متعلق فرماتے ہیں کہ مولاناؒ میں حضراتِ سلف کی سی تواضع تھی کہ مسائل واشکالات علمیہ میں چھوٹوں سے بھی مشورہ فرماتے تھے اور چھوٹوں کے معروضات کو شرح صدر کے بعد قبول فرمالیتے تھے۔

سخاوت وفیاضی: حضرت مولاناؒ کے اوصاف وکمالات میں ایک بڑا وصف جود وسخا کا تھا، جو آپ کے پاس آتا وہ دوسروں کے کام آتا، آپ نے کبھی کسی

سائل یا کسی چیز کے خواہش مند کی خواہش کو جس کا پورا کرنا آپ کے اختیار میں ہو رد نہیں فرمایا۔(ص ر ۳۶۸)

ف: یہ حضور اقدس ﷺ کی خاص سنت ہے، علماء جو وارث انبیاء ہیں ان میں ضرور ہونی چاہئے۔(مرتب)

صبر و استقامت: اسی طرح آپ کے اندر صبر و استقامت کی ایسی صفت تھی جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص تعلق رکھنے والے بندے ہی کا کام ہے۔

آپ نے مسلسل دلخراش حادثوں پر صبر و استقامت کا ثبوت دیا اور قضائے الٰہی پر جس طرح راضی رہے وہ آپ کے تعلق باللہ اور فنافی اللہ کا ثبوت ہے۔

شفقت و رحمت: اسی طرح آپ کے اندر شفقت و رحمت کا وصف بھی بہت زیادہ تھا جیسے آپ اپنے بڑوں کے ساتھ ادب و احترام کا معاملہ فرماتے تھے ایسے ہی اپنے چھوٹوں پر شفقت و رحمت بھی فرماتے تھے جیسا کہ واقعات اس پر شاہد ہیں۔

غیرت و حمیت: اسی طرح غیرت و حمیت بھی آپ کے اندر کمال درجہ کی تھی وہ دین کے خلاف کیا ایک ادنیٰ سنت کے خلاف بھی نہ کوئی بات سن سکتے تھے اور نہ برداشت کر سکتے تھے۔(ص ر ۳۷۷)

ف: یہ تھے ہمارے اکابر کے اوصاف و خصال جن سے اتصال تو درکنار ہم کو ان سے متصف ہونے کا خیال تک نہیں، جب کہ ہم انہیں اکابر کے نام لیوا اور ان سے انتساب کے دعویدار ہیں۔العیاذ باللہ۔(مرتب)

ارشادات

فرمایا کہ اگر دنیاوی مصائب دور کرنے کے لئے اتباع شریعت سے

غافل ہو کر عقل انسانی پر اعتماد کیا گیا تو یقینا مسلمانوں کے لئے ناکامیاں اور غیر متوقع مشکلات وتکالیف رونما ہوں گی۔ص/ ۴۶۷

فرمایا کرتے کہ شرعی گنجائش پر عمل کر کے (لوگوں کے ساتھ) ملا جلا رہنا صلۂ رحمی کو بھی قائم رکھتا ہے اور اکثر اصلاح کا بھی سبب بن جاتا ہے ورنہ اس زمانہ میں آزادی ایسی آگئی ہے کہ علیحدہ ہو کر بیٹھیں تو دوسروں کو پروا بھی نہ ہوگی، وہ کہیں گے: تم روٹھے، ہم چھوٹے، اور اس طرح معاصی میں اور زیادہ ڈوبیں گے۔(ص/ ۴۷۹)

ف: سبحان اللہ! کیسے تجربہ کی بات ارشاد فرمائی، جو لائحۂ عمل بنانے کے لائق ہے۔(مرتب)

فرمایا: دنیا میں رہ کر تارک الدنیا رہنا یہ ناممکن ہے البتہ دنیا دین کے لئے صَرف کرو اور اپنے اہل وعیال کی خبر گیری اور اہل حقوق کے حقوق کی ادائیگی محض خداوند تعالی کی رضامندی کے لئے کرتے رہو۔ص/ ۴۸۴

ف: سبحان اللہ! تعلیم میں کیسی جامعیت تھی کہ دین ودنیا دونوں کی رعایت فرمائی۔(مرتب)

اگر آپ کو محسوس ہوتا کہ کوئی شخص سود لے رہا ہے یا دے رہا ہے یا کسی پر سودی قرضہ ہے تو اس کو تاکید فرماتے کہ اس لعنت سے وہ محفوظ رہے، آپ نے ایک موقع پر تحریر فرمایا: ''اس بلائے بے درماں (لاعلاج) سے جہاں تک ممکن ہو جلد نکلو، اور فاقہ کرو، تنگی جھیلو، ضروریات کو بند کرو۔ مگر اس وبال سے کسی طرح نجات پاؤ۔''(ص/ ۸۵)

فرمایا: دوستوں کے حسن ظن پر جی رہا ہوں کہ شاید کسی کے طفیل مغفرت

ہو جائے اور حق تعالیٰ اپنے صلحاء کے حسن ظن کی لاج رکھ دے۔ص/ ۴۹۴

ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضرت آنکھ بند کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے لیکن بغیر آنکھ بند کئے یکسوئی نہیں ہوتی، فرمایا: شروع سے اخیر تک تمام نماز میں آنکھ بند رکھنا مکروہ ہے، اور کبھی آنکھ بند کر لینا اور کبھی کھول دینا مکروہ نہیں۔(ص/ ۴۹۵)

ف: کیسی معرفت کی بات ارشاد فرمائی۔(مرتب)

فرمایا: طالب ومعتقد بن کر کافر بھی آئے تو اس کو عزت دینا چاہئے اور مسلمان تو وہ چیز ہے کہ جس کی دلداری پر سو نفلیں بھی قربان، خصوصاً ذاکر شاغل مسلمان، ہمیں تو ہر وقت اس توقع میں رہنا چاہئے کہ خدا جانے کس آنے والے مسلمان کی بدولت بیڑا پار ہو جائے۔

ف: سبحان اللہ! کیسی تواضع وانکساری کی بات ہے۔(مرتب)

فرمایا کرتے تھے کہ میرا تعلق داڑھی کے ساتھ ساتھ ہے، داڑھی رہے گی تو میرا تعلق بھی رہے گا اور یہ ختم ہے تو وہ بھی ختم ہے۔

ف: اللہ اکبر! منکر سے کس قدر نفرت تھی جو آج کل عنقاء ہوتی جا رہی ہے۔

(مرتب)

فرمایا: غیر جنس سے اختلاط ہرگز نہ رکھنا چاہئے بجز اس کے کہ اس کی اصلاح کی نیت ہو اور بشرطیکہ اس کی حالت رو بہ اصلاح محسوس ہو۔

ف: اختلاط کی بھی حد مقرر فرما دی جس کا مستحضر رکھنا ہر طالب کے لئے ضروری ہے۔(مرتب)

سلوک کا مقصود: فرمایا: سلوک کا مقصود یہ ہے کہ بندہ کا دل حق تعالیٰ کی مرضیات کا ایسا طالب ہو جائے جیسا کہ جسم غذا کا طالب ہے اور اس کو عبادت کی ایسی خواہش ہو جیسی جسم کو پانی کی خواہش ہوتی ہے۔

ف: خوب ہی خلاصۂ تصوف بیان فرمادیا جو آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہے۔ (مرتب)

کثرتِ ذکر کے طریقے: فرمایا: کثرتِ ذکر کے دو طریقے ہیں، ایک وہ جو مشائخ کا معمول ہے مثلاً ذکر نفی و اثبات اور ذکر اسم ذات وغیرہ، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جو دعائیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف اوقات اور مختلف حالات کے متعلق ارشاد فرمائی ہیں ان پر مواظبت کی جائے، میرے نزدیک ان دونوں کو جمع کرنے کی ضرورت ہے۔

ف: ماشاء اللہ خوب فیصلہ فرمایا، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے آمین۔ (مرتب)

علم سے مقصود عمل ہے: اگر کسی طالب علم کو آزاد دیکھتے تو فرماتے: ابھی سے آزاد بنو گے تو پڑھ کر لکھ کر خود بھی ڈوبو گے اور دوسروں کو بھی ڈبوؤ گے، علم سے مقصود عمل ہے، پس علم کے ساتھ ساتھ عمل کی پوری عادت ڈالو کہ پھر اسی عادت میں لذت و حلاوت پیدا ہو، یہ خیال کہ عالم بن کر عمل کر لیں گے محض شیطانی خیال ہے۔

ف: یقیناً یہ تجربہ کی بات ہے اور حق ہے یہی بات طلبہ سے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ برابر فرماتے تھے۔ (مرتب)

ذکر و شغل کیلئے رات ضروری نہیں: چونکہ شب کے وقت خلوت اور سکون حاصل ہوتا ہے اس لئے ذکر و شغل کے لئے رات کا وقت بہتر ہے لیکن اگر کسی کو

رات کا وقت نہ ملے اور کبھی رات کو کسی ضروری کام کی وجہ سے یا سو جانے کی وجہ سے وظیفہ رہ جائے تو دن میں پورا کرلے کہ عبادت کے لئے رات دن سب برابر ہیں ،اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں : وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ۔

ترجمہ: اور وہ ایسا ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والے بنائے (اور یہ سب کچھ جو دلائل ونعم مذکور ہوئے)اس شخص کے (سمجھنے کے) لئے ہیں جو سمجھنا چاہے یا شکر کرنا چاہے ۔

ف: اس معاملے میں بھی سالکین بلکہ جملہ مسلمین کے لئے سہولت کا دروازہ کھول دیا کہ رات میں نہ سہی دن میں وظیفہ پورا کرلیا کریں ۔(مرتب)

طریقت کا مقصود: فرمایا: طریقت سے مقصود یہ ہے کہ دنیا ومافیہا کی طرف سے بے رغبتی ہو اور اللہ ورسول کی محبت دل میں جاگزیں ہو،بس اس سے اِدھر یا اُدھر نظر نہ رہنا چاہئے ۔ (ص/۴۹۸)

پاکی اور طہارت: سالکین کو پاکی اور طہارت کا بہت خیال رکھنا چاہئے ،بلکہ ہمیشہ باوضو رہنا چاہئے کہ سونا بھی باوضو ہو ۔(ص/۵۰۹)

مدارس دینیہ کی ضرورت: فرمایا: مذہبی تعلیم جس کا بیڑا میرے اکابر نے اٹھایا اور جس میں تمام عمر منہمک رہے ہیں اس کو نہایت ضروری اور مہتم بالشان سمجھتا ہوں ،اور میں ہر اس تحریک کا سختی سے مخالف ہوں جو اس میں نقصان پہونچانے والی ہو ۔

میں نے سنا ہے کہ بعض علمائے اسلام جوش کے ساتھ یہ فرماتے ہیں کہ مدارس دینیہ بند کردو اور سب کے سب خلافت (اور اب دعوت وتبلیغ) کی طرف

متوجہ ہوجاؤ ،میرے نزدیک یہ نہایت غلط راستہ ہے ،دونوں امرفرض کفایہ ہیں علماءاور ہادیان ملت کو دونوں طرف توجہ فرمانااور دونوں کو یکساں سمجھنا ضروری سمجھتا ہوں ۔(ص/۴۷۱)

ف:-حضرت مولاناؒ کے اس ارشادکو بغور مطالعہ فرمائیں اور دیکھیں کہ مدارس دینیہ کی کیسی کچھ ضرورت واہمیت کو بیان فرمارہے ہیں جو عین حق وصواب ہے لہذااس کی ضرورت وفضیلت کاانکارنہ ارباب خلافت کوروا ہے اورنہ اصحابِ دعوت کو بلکہ ہرشعبۂ دینیہ کی ضرورت کوتسلیم کرتے ہوئے جملہ خدّام دین کی اعانت کرنا چاہئے،جیسا کہ اللہ تعالی کاارشاد پاک ہے وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى اور ہراس کلمہ سے احتراز کرنا چاہئے جس سے کسی جماعت یافرد کی تحقیر کاشائبہ ہو۔خوب سمجھ لیں ۔(مرتب)

مرض الوفات: رمضان المبارک ۱۳۴۵ھ میں فالج کااثر ہوامگر وہ عید کے بعد ختم ہوگیا تھا مگر ضعف واضمحلال ضرور تھا حتیٰ کہ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ میں دردسینہ شروع ہوا، سینکائی سے افاقہ ہوامگر بعد میں شدت کا درد ہوا اور بیہوشی طاری ہوگئی ،آخر چہارشنبہ ۱۵/ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ کو بعد عصر باآواز بلند اللہ اللہ کہنا شروع کیااور اللہ اللہ کہتے کہتے آنکھیں دفعۃً بند کرکے خاموش ہوگئے اور روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی ۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

نماز جنازہ: مسجد نبوی میں نماز مغرب ہوئی،نماز کے بعد مدرسہ شرعیہ کے صدرمدرس مولاناشیخ طیب صاحبؒ نے نماز پڑھائی اور جنت البقیع میں اہل بیت کی مزارات کے متصل عشاء کے قبل آغوش لحد کے سپرد کیا گیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔رَحِمَہُ اللّٰہُ رَحْمَۃً وَّاسِعَۃً۔

حضرت مولانا محمد[1] علی مونگیری المتوفی ۱۳۴۶ھ

(بانی ندوۃ العلماء لکھنؤ)

خاندان: آپ خاندان نبوت کے چشم و چراغ ہیں، حضرت شاہ ابوبکر چرم پوش آج سے تین سو برس پہلے ملتان سے جہاں ان کا خاندان آباد تھا ضلع مظفر نگر تشریف لائے اور قصبہ کھتولی کے قریب قیام فرمایا اور مولانا محمد علیؒ کے جد امجد سید شاہ غوث علیؒ سو برس سے زائد ہوا مظفر نگر سے کانپور تشریف لائے اور سکونت پذیر ہوئے، بچپن میں ان کو فنون سپہ گری سے خاص شغف تھا، جوان ہوئے تو ایک بیگم کی فوج میں ملازمت کرلی، اور اچھے عہدے پر فائز ہوئے، علوم دینیہ سے پہلے ہی فراغت کر چکے تھے، آخر میں شاہ غلام مصطفیٰ کے حکم سے ملازمت چھوڑ کر ان کی صحبت اختیار کی اور ان کے جانشین ہوئے، یہ پورا خاندان شروع سے اخیر تک شریعت وطریقت کی صراط مستقیم پر گامزن رہا اور گم گشتہ راہ اس کی ضیا پاشیوں سے فائدہ اٹھاتے رہے۔

ابتدائی حالات وتعلیم: ۳/شعبان ۱۲۶۲ھ ۔ ۲۸/جولائی ۱۸۴۶ء کو کانپور میں پیدا ہوئے، والد ماجد سید عبدالعلیؒ کے انتقال کے وقت آپ کی عمر دو ڈھائی سال کی تھی اس لئے ابتدائی زمانہ آپ کے جد امجد سید شاہ غوث علیؒ

---

(۱) آپ کی مفصل سوانح حیات بنام ''سیرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ'' مولانا سید محمد الحسنیؒ نے تحریر فرمائی ہے اس سے آپ کے مختصر حالات و چند ارشادات نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ اصل کی طرح اس انتخاب کو بھی قبول فرمائے۔ آمین۔ (مرتب)

کے ساتھ گذرا، قرآن مجید اپنے چچا سید ظہور علی صاحب سے پڑھا اور فارسی کی ابتدائی کتابیں مولانا سید عبدالواحد بلگرامیؒ سے، قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا لیکن اکثر بیمار رہا کرتے تھے اس لئے یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا، درسیات کی تکمیل استاذ الاساتذہ مولانا لُطف اللہ صاحب علی گڈھیؒ اور مفتی عنایت احمد کاکوریؒ سے کی، بیشتر کتابیں مولانا لطف اللہؒ سے پڑھیں۔

اہل حق کی تلاش: مولانا کو طالب علمی ہی کے زمانہ سے اہل حق کی تلاش رہا کرتی تھی اور ان کی طبیعت کو اہل اللہ و مشائخ سے ایک خاص مناسبت تھی، یہ طلب صادق آپ کو بے چین رکھتی تھی اور کسی حقیر چیز پر قانع نہ ہونے دیتی تھی۔

چنانچہ آغاز جوانی میں ان کی ملاقات ایک صاحب حال بزرگ حافظ محمد صاحبؒ سے ہوئی، انہوں نے مولانا کو اسم ذات کی تعلیم دی، اس شغل سے مولانا میں استغراقی کیفیت اور قلب میں گرمی پیدا ہوگئی، نمازوں میں بیحد لطف آنے لگا اور دنیا سے طبیعت بالکل سرد ہوگئی، اس لئے بعض دوستوں کے مشورہ سے اس کو ترک کر کے مولانا کرامت علی قادریؒ کا دامن پکڑا، ان سے استفادہ کی مدت دس ماہ ہے، ان دس مہینوں میں ان کو مولانا سے بڑا فیض حاصل ہوا۔

مولانا فضل رحمن گنج مرادآبادیؒ کی خدمت میں: مولانا شاہ کرامت علیؒ کے بعد ان کو دوسرے مرشد اور رہنما کی تلاش ہوئی، جذبۂ اخلاص اور طلب صادق نے ان کو جلد ہی ایک ایسے مرشد تک پہونچا دیا جس کی نگاہ تربیت نے روحانی بلندی اور کمال کے اس مرتبہ تک پہونچا دیا جو بعض اوقات طویل مجاہدات اور ریاضات کے بعد بھی حاصل نہیں ہوتا، چنانچہ آپ نے کانپور میں کئی مرتبہ

حضرت مولانا فضل رحمن صاحب گنج مرادآبادیؒ سے ملاقات کی اور ایک مرتبہ کا قصہ تو خود تحریر فرماتے ہیں کہ:

مجھ سے دریافت فرمایا کہ تم کیا پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا: قاضی مبارک، ارشاد ہوا: استغفر اللہ نعوذ باللہ قاضی مبارک پڑھتے ہو اس سے حاصل؟ ہم نے فرض کیا تم منطق پڑھ کر قاضی مبارک کے مثل ہو گئے؛ پھر کیا؟ قاضی مبارک کی قبر پر جا کر دیکھو کیا حال ہے، اور ایک بے علم کی قبر پر جاؤ جس کو خدا سے نسبت تھی اس پر کیسے انوار و برکات ہیں۔

ف: میرا خیال ہے کہ علم منطق میں اس قدر اشتغال کہ علوم دینیہ کی تحصیل میں حارج بن جائے یقیناً منع ہے، اور اگر اس علم کو بطور آلہ و وسیلہ کے حاصل کریں کہ قرآن و حدیث کے علوم و معارف کو بآسانی سمجھ سکیں تو اس میں مضائقہ نہیں، ہاں! اس میں غلو نہ ہونا چاہئے، واللہ ولی التوفیق۔ (مرتب)

گنج مرادآبادیؒ کی پہلی حاضری اور بیعت: اس کے بعد پھر حضرت قبلہؒ کے قدوم میمنت لزوم سے مشرف نہیں ہوا اور مجھے سلسلہ میں داخل ہونے کا شوق ہوا، یہ حاضری اگرچہ بقصد بیعت تھی مگر مجھے یاد ہوتا ہے کہ دنیاوی غرض بھی اس کے ساتھ تھی یعنی کسی خاص مقام میں نوکری کی غرض سے سفارش کرانا منظور تھا، الحمدللہ! وہاں جا کر یہ خیال ہی محو ہو گیا اور سفارش کرانے کا ارادہ بالکل ہی جاتا رہا، شام کو میں وہاں گیا تھا اور گھوڑے پر گیا تھا، آپ نے گھاس پہلے ہی خرید کر رکھی تھی، صبح کو بعد نماز میں نے بیعت کے لئے عرض کیا، آپ نے قبول فرمایا اور داخل سلسلہ فرما کر بہت دیر تک توجہ دیتے رہے، بعد فراغ ارشاد ہوا کہ ہم نے بہت

دور تک توجہ دے دی ہے، اس کے بعد آپ کھڑے ہو گئے اور خادم کو آواز دی ،وہ حاضر ہوا، فرمایا کہ گھر میں سے ان کے لئے کچھ لے آؤ، وہ گیا اور آ کر کہا کہ ابھی کچھ پکا نہیں ہے، آپ نے فرمایا کہ پکّا کچا جو کچھ ہو لے آؤ، وہ گیا اور ڈلیا میں کچھ چنے لے آیا، غالباً دو ڈھائی سیر ہوں گے، مجھ سے ارشاد ہوا کہ تمہارے پاس کوئی کپڑا ہے؟ میں نے رومال حاضر کیا، آپ نے تین لپیں ان چنوں میں سے بھر کر میرے رومال میں دیں اور ارشاد فرمایا کہ لو یہ تمہیں دنیا دیتے ہیں کھانے کے واسطے، یہ ارشاد آپ کا مسجد کے در میں تھا جب آپ لب فرش پہونچے تو خادم سے فرمایا کہ ان کے لئے پان لاؤ، میں نے عرض کیا کہ حضرت! مجھے پان کی عادت نہیں، مگر میرے قول کی طرف توجہ نہیں فرمائی، اور مکرر خادم سے فرمایا کہ پان لاؤ، وہ پان لایا، آپ نے اسے لے کر اپنے منہ مبارک میں لیا اور کسی قدر چبا کر مجھے عنایت فرمایا، اور زبان فیض سے یہ لفظ بھی ارشاد ہوا ’’لو یہ پان ہے عرفان کا اسے کھالو‘‘، یہ دونوں باتیں معمول کے خلاف تھیں اس لئے ان دونوں ارشادوں کو مولانا رومیؒ کے اس شعر کا مصداق کہنا کسی طرح بیجا نہیں ہے۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود　　گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

(ترجمہ) اس کا کہا ہوا اللہ کا کہا ہوا ہے، اگرچہ بظاہر اللہ کے ایک بندے کا کہا ہوا ہے۔)

مولانا محمد علی صاحبؒ حضرت مولانا فضل رحمن صاحب گنج مرادآبادیؒ سے ملاقات کرنے اکثر تنہا جاتے تھے، راستہ میں کوئی ساتھ مل جاتا تو ان سے الگ ہو جاتے، مقصد یہ ہوتا کہ تنہائی میں اطمینان کے ساتھ بیٹھ سکیں۔

حدیث کی تکمیل: حدیث سے فطری مناسبت تھی، مولانا فضل رحمن صاحبؒ گنج مرادآبادیؒ کی صحبت وبیعت نے اس رنگ کو اور گہرا کردیا، اس شغف اور تعلق کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اتنے اہتمام کے ساتھ درس حدیث کے باوجود دل کو تسکین نہ ہوئی اور تشنگی کا احساس باقی رہا، کچھ عرصہ کے بعد یہ خواہش اس قدر غالب ہوئی کہ مشہور نامور محدث مولانا احمد علیؒ سہارنپوریؒ (م ۱۲۹۷ھ) کے ہاں تشریف لے گئے اور ان کے پاس گیارہ مہینے قیام کرکے صحاح ستہ، موطا امام محمد، اور مؤطا امام مالک پڑھی اور اول الذکر دو چیزوں کی سند بھی حاصل کی۔

مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی بڑی عزت اور قدر کی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نگاہِ بصیرت اور فراست ایمانی نے اس بات کو محسوس کرلیا تھا کہ مولانا کے اندر کیا جوہر قابل پوشیدہ ہے۔ ؎

بالائے سرش ز ہوشمندی می تافت ستارۂ بلندی

(ترجمہ) اس کے سر پر ہوش مندی کی وجہ سے بلندی کا ستارہ چمک رہا تھا۔

مولانا اپنے شاگرد کا ایسا احترام کرتے تھے جیسا ایک شاگرد کسی استاد کا کرتا ہے، مصنف مقامات لکھتے ہیں:

''مولانا آپ کی اس قدر عزت کرتے تھے کہ لوگوں کو تعجب ہوتا تھا بعد عصر درس سے فارغ ہوکر مولانا مکان نوتعمیر میں جا کر لیٹ جاتے تھے اور اکثر طلبہ ہمراہ جا کر قریب بیٹھ جایا کرتے تھے، مگر جب حضرت تشریف لے جاتے تو فوراً اٹھ بیٹھتے تھے۔ حضرت نے ایک روز فرمایا کہ جناب میں آپ کا ایک ادنیٰ شاگرد ہوں، سیکڑوں علماء آپ کے شاگرد ہیں، سن میں آپ میرے والد سے زائد ہیں، اس

سِن میں آپ تمام دن پڑھا کر اس وقت لیٹ جاتے ہیں اور پھر میری حاضری میں اٹھ بیٹھتے ہیں، اس کا جواب کچھ آپ نے نہیں دیا، مگر حضرت نے اس وقت کا حاضر ہونا چھوڑ دیا۔" (ص/ ۲۷)

غنائے قلب: فرماتے ہیں کہ حدیث کے فراغ کے بعد جو نعمت غنائے قلب اور تقویٰ کی اللہ تعالیٰ نے عنایت کی اس کا بیان نہیں ہوسکتا، باوجودیکہ ظاہر میں کوئی وجہ معاش نہ تھی، مگر اس قدر اطمینان قلب تھا کہ کسی بادشاہ کو بھی میسر نہ ہوگا، وہاں سے لوٹنے کے بعد کسی نوکری کی خواہش دل میں نہ رہی، دل میں یہ خطرہ بھی نہ آتا تھا کہ وجہ معاش تو کچھ ہے نہیں گذر کیسے ہوگی؟

سہارنپور سے واپس ہونے لگے تو گنج مرادآباد تشریف لے گئے، اور مولانا فضل رحمن صاحبؒ نے صحاح ستہ، موطا امام مالک اور حصن حصین کی اجازت مرحمت فرمائی۔

اجازت وخلافت: اسی زمانہ میں مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ نے بیعت کی اجازت بھی دی اور وہ بھی عجیب اور سادے طریقہ سے، "ارشاد رحمانی" میں مولانا لکھتے ہیں:

"جب میں رخصت ہونے کی غرض سے حضرت کے ہمراہ مسجد کے اندر سے صحن مسجد میں آیا تو حضرت قبلہ میرا ہاتھ پکڑ کر مسجد کے اندر داہنے گوشہ میں لے گئے اور اُکڑوبیٹھ کر ارشاد فرمایا کہ جو کوئی تمہارے پاس آکر بیعت کی درخواست کرے تو خاندان نقشبندیہ اور قادریہ میں مرید کرلیا کرو، میں نے عرض کیا کہ حضرت! میں اس قابل نہیں ہوں، ارشاد ہوا کہ تمہیں اس سے کیا بحث ہے،

جو ہم کہتے ہیں وہ کرو؛ پھر میں نے عرض کیا کہ اس بوجھ کو حضور ہی سنبھالیں اور خیال رکھیں، فرمایا: ہاں۔'' (ص/۲۸)

اس کے بعد مولانا محمد الحسنیؒ نے مولاناؒ کی تدریسی خدمات، ردّ عیسائیت، ردِّ قادیانیت، تحریک ندوۃ العلماء، اس کی نظامت اور اس سے استعفیٰ، سلوک وارشاد اور اصلاح عام کے سلسلہ میں جو اہم امور انجام دیئے ہیں ان پر سیر حاصل کلام فرمایا ہے، لہذا جو حضرات ان کو دیکھنا چاہیں ان کو چاہئے کہ اصل کتاب کا مطالعہ فرمائیں اس لئے کہ وہ سب نہایت بصیرت افروز وسبق آموز ہیں۔

لہذا ہم موضوعِ کتاب کی مناسبت سے مولانا کے کسی قدر تربیتی اقوال وارشادات کے نقل پر اکتفا کرتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

ارشادات

اصول تربیت: مولاناؒ کے انداز تربیت اور اصول تربیت میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں اور بنیادی معلوم ہوتی ہے وہ ''محبت اور اطاعت'' ہے یعنی ایک طرف مسلمان کا دل سوز وگداز اور عشق ومحبت سے لبریز ہو، دوسری طرف طریق سنت اور جادۂ شریعت سے ایک قدم منحرف نہ ہو، دونوں کے حدود وآداب کا ہر وقت خیال رکھے، وہ ''ضبط محبت، شرط محبت'' کے قائل تھے اور خود ان کی زندگی بھی اسی کی نمونہ تھی، دوسری طرف وہ مسترشد سے اصلاح وتربیت کا قریبی اور عملی تعلق قائم رکھتے تھے، یہ تعلق اس نوعیت کا تھا کہ ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ میرے حال پر مولانا کی شفقت وعنایت سب سے زیادہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ طریقہ اور دستور تھا کہ اپنی مجالس میں عمومی بات کہتے تھے

اور سمجھنے والا سمجھ جاتا تھا، مولانا نے اصلاح وتربیت میں اسی اصول کو ہمیشہ مدنظر رکھا، اور ایسے مواقع پر ہمیشہ عمومی بات کہنے پر اکتفا کیا، یا اشارہ اور کنایہ سے کام لیا، بے تکلف خادموں اور قریبی تعلق رکھنے والوں سے بھی مولانا اسی انداز میں بات کرنا پسند کرتے تھے، اور دل شکنی سے بہت بچنا چاہتے تھے، یہ نبوی طریقۂ تربیت ان طالبان حق کے لئے بہت مفید وموثر تھا جس میں ہر طبقہ اور ہر استعداد کے لوگ تھے، اس میں انسانی فطرت اور نفسیات کی پوری رعایت کی تھی اور انسان کے معاندانہ اور جوابی جذبہ کو ابھرنے اور قبول اصلاح میں رکاوٹ بننے کا موقع بھی بالکل نہ ملتا تھا۔

اس انتظام وپیش بندی کے بعد انہوں نے محبت کی اس دعوت عام کا اعلان کیا، جس میں کسی کی کوئی تفریق اور امتیاز وتخصیص نہ تھی، انہوں نے اپنے مخلصین اور اہل تعلق سے بارہا فرمایا کہ

''شروع میں کچھ محنت ضرور ہے، جب دل محبت سے بھر جائے گا تو پھر برسوں کا کام گھنٹوں اور منٹوں میں ہونے لگے گا۔''

ف: کس قدر حوصلہ افزا ارشاد ہے جو ہر مسلمان کو پیش نظر رکھنے کے لائق ہے۔ (مرتب)

ان کے نزدیک سارا تصوف اور سارا مجاہدہ اور روحانی کمال یہ ہے کہ آدمی سب کچھ کرے لیکن اس کا دل ہر وقت خدا میں لگا رہے، وہ کہتے ہیں کہ:

''اصل یہ ہے کہ خدا سے رابطہ وواسطہ پیدا ہو۔''

ف: سبحان اللہ! تصوف اگر یہ ہے تو پھر اس میں کیا قباحت ہے جس کو ہوّا بنالیا گیا ہے، یہ اس لئے کہ یہ تو عین دین وشریعت ہے کہ اللہ تعالی سے اس کے بندوں کا صحیح اور قوی تعلق پیدا ہو جائے۔ (مرتب)

حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ نے مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ کے حوالہ سے ایک قول نقل کیا ہے کہ:

''بہت سے لوگ میرے پاس آئے جن کا ہر بُن موذا کرتھا مگر انہیں خدا سے کوئی واسطہ نہ تھا۔

ف: مطلب یہ کہ مشق سے یہ چیز حاصل ہو جاتی ہے مگر لطیفۂ قلب غافل کا غافل ہی رہ جاتا ہے، اس ملفوظ کو حضرت مصلح الامت مولانا وصی اللہ صاحبؒ نے سنا، تعجب فرمایا کہ ایسا بھی ہوتا ہے۔

حضرت مصلح الامتؒ فرمایا کرتے کہ مولانا مونگیری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ خیریت ہے؟ فرمایا: کیا خیریت بتلاؤں، مر کر جنت پہونچ جاؤں تو خیریت معلوم ہو۔ (مرتب)

ایک مرتبہ فرمایا: آنکھ سے دیکھو، کان سے سنو، ہاتھ سے کام کرو، دل کو اس کے (یعنی اللہ تعالیٰ) ساتھ مشغول رکھو۔

ف: اسی لئے کسی بزرگ کا مشہور مقولہ ہے ''دست بکار دل بیار'' یعنی ہاتھ تو کام میں مشغول ہو مگر دل یار سے مربوط ہو۔ (مرتب)

عام طور پر قرآن مجید کی زیادہ سے زیادہ تلاوت پر زور دیتے تھے اس کے بعد درود شریف، استغفار و ذکر وغیرہ پر، استغفار کے متعلق فرماتے تھے کہ ''پچھلی شب آنکھ کھل جائے تو اس وقت نہایت توجہ اور حضور قلب سے اپنے گناہوں کا خیال کرو اور استغفار پڑھا کرو، اللہ تعالیٰ نے اچھے لوگوں کی جو خوبیاں بیان کی ہیں اس میں یہ بھی فرمایا ہے: وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ یعنی صبح

صبح استغفار کرتے ہیں۔“: (ص/ ۳۷۲)

شکرِ نعمت: ایک خط میں کسی طالب کو مولانا لکھتے ہیں کہ ”قلب پر اگر خدا کے فضل کی بارش ہو اور عمدہ جذبات اور واردات اس طرف سے آئیں تو اس کی قدر و حفاظت ضرور ہے ورنہ نعمتِ عظمیٰ کی ناشکری ہوگی، جس کا نتیجہ حرمانِ نعمت اور قہرِ منعم ہے اور جو نعمت ناشکری کی وجہ سے چھین لی جاتی ہے پھر نہیں ملتی، ہزار سر پٹکے، بہت ہوشیار رہنا چاہئے، حفاظت یہ ہے کہ جن اعمال کی وجہ سے وہ نعمت ملی ہے اس پر استمرار اور دوام شکر اور عجز کے ساتھ اس کے منافیات (اضداد) سے اجتناب رکھے۔“

لذتِ ذکر: ایک مولانا صاحب کو حضرت مولاناؒ لکھتے ہیں کہ:

مولانا ان باتوں کو دل میں جگہ دیجئے اور خوب غور کر کے اس پر عمل کیجئے، اللہ کی یاد اور اس کی عبادت میں وہ لذت و کیفیت ہے کہ دنیا کی کوئی لذت اس کے عشر عشیر کو بھی نہیں پہونچتی، اللہ کی یاد سے قلب کو ایسا اطمینان ہو جاتا ہے کہ کسی امیر و نواب و بادشاہ کو نہیں ہوسکتا۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ارشاد خداوندی ہے، اہل علم سے نہایت تعجب ہے کہ اطمینان قلب اور راحت کے لئے دنیا کے اسباب میں پریشان ہوتے ہیں اور ارشاد خداوندی پر نظر نہیں کرتے، زیادہ لکھنا فضول ہے، میں نے غالباً زبانی بھی کہا تھا کہ پہلے اسم ذات کی مشق کرنا چاہئے، یہاں تک کہ ہر رگ و پے سے یاد ہونے لگے اور اس کی یاد سے تمام جسم زبان بن جائے۔ مولانا! طالب کی جب یہ حالت ہوتی ہے اور خود بخود تمام جسم سے ذکر ہونے لگتا ہے تو اس قدر کیفیت ملتی ہے جس کی حد و انتہا نہیں اور بے اختیار اس کی زبان سے یہ جاری ہوتا ہے۔ ع

بادشاہی سے تو بہتر ہے گدائی تیری'' (ص/ ۳۹۲)

ایک خط میں لکھتے ہیں کہ:

یہ خیال کہ ہم اس قدر درود شریف پڑھتے ہیں یا ایسی حالت رہتی ہے اور پھر زیارت سے محروم ہیں اس سے دو باتیں مترشح ہوتی ہیں ،ایک یہ کہ اس قدر پڑھنے کو کوئی چیز سمجھنا، دوسرے مایوس ہونا، یہ دونوں باتیں کم فہمی اور اللہ کی محبت کی کمی کی نشانی ہیں ،سچے محبّوں کی یہ حالت ہوتی ہے جو اس شعر سے ظاہر ہو رہی ہے ؎

ہجرے کہ بود رضائے دلبر از وصل ہزار بار خوشتر

(یعنی جس ہجر میں محبوب کی رضا و خوشنودی ہو وہ اس کے وصال سے ہزاروں گنا خوشتر ہے۔)

ہماری بندگی اور اطاعت کا یہ تقاضا ہونا چاہئے کہ اپنی اطاعت وفرماں برداری کا خیال بھی دل میں نہ ہو، ہر وقت اپنے کو قصوروار سمجھے اور دل میں قلق ہو کہ ہم سے کچھ نہیں ہوسکتا، اپنے کئے کو کچھ سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ص/ ۳۵۹

ترک دنیا مقصود نہیں: اے عزیزو! میں یہ نہیں کہتا کہ ہر ایک تارک الدینا ہو کر مسجد میں بیٹھ جائے بلکہ یہ کہتا ہوں کہ اس پر عمل کرو۔ اَصۡلِحُوۡا دُنۡیَا کُمۡ وَاِعۡمَلُوۡا لِاٰخِرَتِکُمۡ یعنی اپنی دنیا کی اصلاح کرو اور آخرت کے لئے عمل کرو، دنیا کے کمانے میں اللہ کا خیال رہے یعنی اس طرح کماؤ کہ جس سے اللہ بھی راضی رہے ،یعنی حلال طریقہ سے کماؤ اور اس میں اللہ کے حقوق کا خیال رکھو اور پھر حقوق العباد کا اس سے بھی زیادہ خیال رہے، کیونکہ اللہ بے نیاز ہے

اسے تمہاری پرواہ نہیں اور بندے محتاج ہیں اس لئے حقوق العباد کا خیال بہت ہی ضروری ہے ورنہ اس کی معافی مشکل ہے۔"(ص/۳۹۷)

اپنے ایک مخصوص ارادت مند اور مسترشد کو ایک خط میں یہ الفاظ لکھتے ہیں: خوب یاد رکھو کہ طالب کبھی محروم نہیں رہتا، اور کچھ دنوں حجاب میں رکھ کر شوق کو بڑھانا اور اس کو تڑپانا بڑی عنایت ہے اور انجام ظاہر ہے۔

کششے کہ عشق دارد نگذاردت بدینساں
بجنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد

ترجمہ: عشق کے اندر جو جذب وکشش ہے وہ تم کو یونہی نہیں چھوڑے گا بلکہ اگر جنازہ میں شریک نہ ہوگے تو مزار پر تو ضرور ہی آؤ گے۔(ص/۳۹۸)

وفات: وصال کے ایک روز پہلے مولانا کے ایک خاص خادم اور مزاج داں حاجی لیاقت حسین صاحب نے متحرک لبوں میں کان لگایا تو اللہ اللہ کی آواز آرہی تھی۔

۶/ربیع الاول ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۳/ستمبر ۱۹۲۷ء کو زوال آفتاب کے قریب ایسا محسوس ہوا کہ یہ آفتاب رشد وہدایت بھی عنقریب غروب ہونے والا ہے۔ اب وقت پورا ہو چکا تھا، ظہر کی نماز کے بعد دو بجے دن میں اللہ اللہ کرتے ہوئے جان جان آفریں کے سپرد کی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

نماز جنازہ کے بعد خانقاہ مونگیر کے حجرہ کے سامنے صحن کے آخری مشرقی حصہ میں لیچی کے درخت کے نیچے تدفین عمل میں آئی اور نصف صدی سے زائد عرصہ تک اسلامی ہند کی فضاؤں کو اپنی ضیا پاشیوں سے منور کرنے کے بعد یہ آفتاب نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ رحمہ اللہ تعالی و نور اللہ مرقدہ (سیرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ)

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی دیوبندیؒ[1] م: ۱۳۴۷ھ

مفتی اول دارالعلوم دیوبند

وطن اور خاندان: دیوبند کے نامی گرامی عثمانی خاندان میں حضرت مولانا فضل الرحمن عثمانیؒ ایک مشہور دانش ور، ادیب اور عالم دین تھے، کمال فہم اور علم وعمل کی وجہ سے ارباب علم میں متعارف اور نہایت محترم تھے، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے مخلص احباب میں تھے، اور دارالعلوم دیوبند کے اولین معماروں میں جن مقامی بزرگوں نے آگے بڑھ کر حصہ لیا ان میں آپ کا نام نامی سرفہرست نظر آتا ہے۔

مولانا فضل الرحمن صاحب عثمانیؒ نے دہلی میں رہ کر تعلیم حاصل کی تھی اور استاذ العلماء مولانا مملوک العلیؒ (م۔ ۱۲۶۷ھ) کے ممتاز شاگردوں میں آپ کا شمار ہے، اس رشتہ سے مولانا عثمانیؒ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے استاذ بھائی بھی تھے۔

فراغت کے بعد مولانا عثمانی ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدہ پر فائز ہوئے، اور اسی عہدہ پر بریلی میں آپ کا قیام تھا کہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ ہوا، آپ نے

---

(۱) حضرت مفتی صاحبؒ کے متعلق ''رسالہ برہان'' ماہ صفر و ماہ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ میں مکرم مولانا مفتی ظفیر الدین صاحبؒ مفتی دارالعلوم دیوبند کا مضمون نظر سے گذرا جو نہایت محقق و معتمد معلوم ہوا، اس لئے اسی سے اخذ کر کے آپ کے حالات درج کر رہا ہوں۔ (مرتب)

اپنی آنکھوں سے سلطنتِ مغلیہ کا چراغ گل ہوتے ہوئے اورانگریزوں کو برسر اقتدار آتے ہوئے دیکھا تھا۔

ولادت: حضرت مفتی مولانا عزیز الرحمن صاحب عثمانیؒ انہیں مولانا فضل الرحمن عثمانیؒ کے بڑے صاحبزادے ہیں، آپ اپنے آبائی وطن دیوبند میں ۱۲۷۵ھ میں پیدا ہوئے اور یہیں علمی و دینی ماحول میں پرورش ونشوونما پائی، بچپن میں کچھ دنوں والدین کے ساتھ بریلی میں رہنا ہوا تھا۔

تعلیم: ۱۵؍محرم ۱۲۸۳ھ میں جب دارالعلوم دیوبند کا سنگِ بنیاد ڈالا گیا تھا تو اس وقت حضرت مفتی صاحب کی عمر کم وبیش آٹھ سال کی تھی اس لئے جب ذی الحجہ ۱۲۸۴ھ میں درجۂ حفظ قائم کیا گیا تو آپ کو درجۂ حفظ میں داخل کیا گیا اور ۱۲۸۷ھ میں مدرسہ دارالعلوم ہی سے قرآن پاک حفظ مکمل کیا، حفظِ قرآن میں آپ کے استاذ حافظ نامدار خاں صاحب تھے۔

فراغت: اس کے بعد فارسی اور عربی کی تعلیم کا دارالعلوم میں باقاعدہ تفصیلی سلسلہ نہیں ملتا، ہاں یہ یقینی ہے کہ ۱۲۹۷ھ میں دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث مکمل فرمایا اور یہ آپ کی تعلیم کا آخری سال ہے، جس میں آپ نے کامیابی حاصل کی ہے، اس زمانہ میں دارالعلوم کے مدرس اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ابن استاذ العلماء مولانا مملوک العلی صاحبؒ تھے، اس لئے حضرت مفتی صاحب نے بھی حدیث کی کتابیں آپ ہی سے پڑھیں، اور دستار بندی شوال ۱۲۹۷ھ میں امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور دوسرے اکابر اساتذۂ دارالعلوم کے ہاتھوں عمل میں آئی۔

درس وتدریس: اس کے بعد آپ کو اسی سال دارالعلوم دیوبند میں بطور معین المدرسین درس وتدریس کی خدمت سپرد ہوئی جسے دو سال بلا معاوضہ انجام دیا، پھر اس کے بعد ۱۳۰۰ھ میں اساتذہ کرام کے مشورہ سے مدرس ہو کر شہر میرٹھ کے مدرسہ اسلامیہ میں تشریف لے گئے، جہاں آپ نے مسلسل نو سال تک مختلف بڑی بڑی کتابوں کا درس دیا، مگر ارکانِ دارالعلوم نے مدرسہ کی اہم ضرورت کی بناء پر آپ کو بلایا چنانچہ حضرت مفتی صاحب ربیع الاول ۱۳۰۹ھ میں مدرسہ اسلامیہ میرٹھ سے دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور نیابت اہتمام کا عہدہ سنبھال لیا، اور کم وبیش ایک سال اس عہدہ پر فائز رہے۔

دارالافتاء میں تقرر: چونکہ افتاء کا کام پھیل رہا تھا اس لئے شورائے دارالعلوم کو مستقل کسی مفتی کی ضرورت کا احساس ہوا، اس لئے ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ میں ایک خط کے ذریعہ سرپرست مدرسہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو اس کی طرف متوجہ کیا تو آپ نے جواب میں ارقام فرمایا کہ ”بندہ کے نزدیک مولوی عزیز الرحمن صاحبؒ کو اہتمام سے جدا کر کے افتائے مدرسہ واسباق طلبہ دیئے جائیں اور اعانت مدرسین کی کریں۔“

سرپرست محترم کی اس تحریر کے بعد ارباب مدرسہ نے حضرت مفتی صاحب کو نیابتِ اہتمام سے سبکدوش کر کے افتاء کا کام سپرد کر دیا، اس طرح دارالعلوم دیوبند میں باقاعدہ شعبۂ دارالافتاء کھل گیا اور دارالعلوم کے سب سے پہلے مفتی آپ مقرر ہوئے۔

کار افتاء کے ساتھ آپ کو اسباق بھی دیئے گئے، آپ نے مدۃ العمریہ

دونوں خدمتیں انجام دیں چنانچہ ۱۳۱۰ھ سے لیکر ۱۳۴۶ھ تک ۳۷ سال آپ نے دارالافتاء میں رہ کر یہ فریضہ بحسن وخوبی انجام دیا اوراس کے ساتھ ہی ساتھ آپ مشکوۃ شریف اور جلالین شریف کا بھی درس دیتے رہے، ان کتابوں کے علاوہ دورۂ حدیث تک کے اسباق آپ کے ذمہ رہے اورآپ نے ان کا بخوبی درس دیا۔

ف: سبحان اللہ! کیسی جامعیت تھی جو اس زمانہ میں تو عنقا ہی ہوتی جارہی ہے، اللہ تعالی ہم سب کو بھی ایسی صلاحیت واستعداد عطا فرمائیں تاکہ علمی و دینی خدمت بخیر وخوبی انجام دے سکیں، اللہ ولی التوفیق۔ (مرتب)

آپ کے بھائیوں کی علمی خدمات: آپ کے دو چھوٹے بھائیوں نے بھی دارالعلوم میں رہ کر علم وفن کی خدمت انجام دی ہے، ایک حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ جو مشہور مدبر، فاضل وادیب تھے، دوسرے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے زمانہ کے مایۂ ناز مفسر ومحدث تھے اورآپ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ نے بھی دارالعلوم میں رہ کر درس وتدریس اورافتاء کا فریضہ انجام دیا ہے۔

ارشاد وبیعت: حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب قدس سرہٗ جہاں ایک بڑے عالم، فقیہ اور مفتی تھے وہیں ایک مرشد، مربی مصلح اور باطنی امراض کے حکیم بھی تھے، جہاں تزکیۂ باطن، تصفیۂ قلب، خشیتِ الٰہی حاصل ہوتی تھی آپ سے بہت سے علمائے امت نے یہ دولت پائی اور بہت سے عوام کی آپ کے ذریعہ اصلاح باطن ہوئی۔

ظاہری تعلیم سے فراغت کے بعد ہی آپ باطن کو آراستہ کرنے پر متوجہ ہو گئے تھے، چنانچہ رب العالمین نے وافر دولتِ باطنی سے نوازا، اس دور میں علم کے ساتھ عمل کا بڑا چرچا تھا، دیوبند اور اس کے اطراف میں بکثرت اہل اللہ پھیلے ہوئے تھے۔

خود دارالعلوم کے متعلق مشہور تھا کہ اس کا دربان بھی صاحب نسبت ہوا کرتا تھا، علماء اور اساتذہ کا تو کہنا ہی کیا۔ (برہان صفر ۱۳۹۴ھ)

آپ کے مرشد: آپ کے مرشد حضرت شاہ رفیع الدین صاحب دیوبندیؒ حضرت مولانا شاہ فریدالدین عثمانیؒ کے فرزند ارجمند تھے، مولانا فریدالدینؒ اپنے دور کے ایک بڑے عالم دین اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔

حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ گو اصطلاحی عالم نہ تھے مگر حضرت مولانا عبدالغنی مجددی دہلویؒ کی خدمت میں رہ کر قلب ونظر کی اصلاح کی، بالآخر خلعت خلافت سے نوازے گئے، دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی دور میں آپ اس کے مہتمم ثانی رہے تھے اور دارالعلوم کی خدمت انجام دی تھی اور ۱۳۰۶ھ میں ہجرت فرما کر حرمین شریفین تشریف لے گئے، پہلے کچھ دنوں مکہ مکرمہ قیام رہا پھر مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور وہیں سپرد خاک ہوئے، نور اللہ مرقدہ۔

بیعت وخلافت: حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ نے ۱۳۰۰ھ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور باطن کا تزکیہ آپ کے ذریعہ حاصل کیا، آخر شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے آپ کو خلعتِ خلافت سے نوازا۔

خلافت از حاجی امداد اللہؒ: ۱۳۰۵ھ میں جب آپ حرمین شریفین تشریف

لے گئے اور وہاں دو سال قیام فرمایا تو اسی زمانہ میں حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ نے بھی اپنی طرف سے خلافت سے نوازا۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے اس دور کے ایک بڑے بزرگ مولانا شاہ فضل رحمن گنج مرادآبادیؒ سے باطنی فیض حاصل کیا تھا، جبکہ ۱۳۰۹ھ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کتب حدیث اور حصن حصین کی سند و اجازت حاصل کی۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''(حضرت مفتی صاحب) نہ صرف عالم اور مفتی ہی تھے بلکہ عارف باللہ اور صاحب باطن اکابرین میں سے تھے، بیعت و ارشاد کا سلسلہ مستقل قائم تھا، اور ہزار ہا بندگانِ خدا اطراف ہندوستان میں آپ کی باطنی تلقین و تربیت سے فیضیاب ہو کر مراد کو پہونچے اور یہ سلسلہ دور دور تک پھیلا، آپ حضرت اقدس مولانا شاہ رفیع الدین دیوبندی قدس سرہ مہتمم ثانی دارالعلوم دیوبند کے ارشد خلفاء میں تھے اور سلسلہ نقشبندیہ کے نہایت ہی صاحب حال اور ممتاز مشائخ میں آپ کا شمار تھا۔''

(فتاوی دارالعلوم: ج/۱، ص/۳۰)

مولانا بدر عالم صاحبؒ کی صحبت: آپ کے خلفاء میں حضرت مولانا قاری محمد اسحاق صاحبؒ بہت مشہور و مقبول ہوئے، اور حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنیؒ مشہور استاذ حدیث اور مؤلف ترجمان السنۃ بھی حضرت مفتی صاحبؒ سے بیعت تھے مگر مولانا کو اجازت آپ کے مجاز حضرت مولانا قاری محمد اسحاق صاحبؒ سے حاصل ہوئی، مولانا رحمۃ اللہ سے بھی یہ سلسلہ عجم و عرب میں

خوب پھیلا اس لئے کہ تقسیم ہند کے بعد آپ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی اور دیارحبیب میں اقامت فرمائی چنانچہ وہاں بہت سے لوگ آپ سے مرید ہوئے، آخر مدینہ منورہ ہی میں وفات ہوئی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

ذوق علم: حضرت مفتی صاحب کو ایک دن سوتے وقت قرآن پاک کی ایک آیت کے سلسلہ میں ایک علمی اشکال پیش آیا، جب حل نہ ہوا تو اُٹھے اور سیدھے گنگوہ کے لئے پیدل روانہ ہوگئے، اور تہجد کے وقت گنگوہ پہونچ گئے، اتفاق سے اس وقت حضرت گنگوہیؒ تہجد کے لئے وضو فرمارہے تھے، آپ نے سلام کیا، فرمایا: کون؟ عرض کیا: عزیز الرحمن، فرمایا: تم اس وقت کیسے؟ عرض کیا کہ ایک علمی اشکال لے کر حاضر ہوا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ قرآن تو نفع آخرت کو صرف اپنی ذاتی سعی میں منحصر بتارہا ہے جس سے غیر کی سعی کے نافع ہونے کی نفی نکل رہی ہے اور حدیث میں ہے کہ غیر کی سعی مفید اور موثر ہوتی ہے، اس تعارض کا حل سمجھ میں نہیں آتا۔ حضرت گنگوہیؒ نے وضو کرتے ہوئے برجستہ فرمایا کہ آیت قرآنی میں سعیٔ ایمانی مراد ہے جو آخرت میں غیر کے کارآمد نہیں ہوسکتی کہ ایمان تو کسی کا ہو اور نجات کسی کی ہوجائے، اور حدیث میں سعیٔ عملی مراد ہے جو ایک کی سعی دوسرے کے کام آسکتی ہے اس لئے کوئی تعارض نہیں۔ انتہیٰ کلامہ۔

حضرت مفتی صاحب یہ واقعہ بیان کرکے فرماتے تھے کہ اس جواب سے ایک دم سے میری آنکھ سی کھل گئی، اور اس سے آئندہ کے لئے علم کا ایک بڑا دروازہ میرے لئے کھل گیا۔

ف: اس سے حضرت مفتی صاحب کی طلب علم اور اس کے لئے سعی بلیغ کا بخوبی اندازہ ہوا، اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کا بلاتوقف جواب دینا آپ کے کمال علم ومعرفت پر بین ثبوت ہے جس سے اللہ تعالی نے ہمارے اکابر کو خاص طور سے سرفراز فرمایا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ (مرتب)

وفات: ۱۰؍ جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ کو آپ نماز جمعہ کے لئے جامع مسجد دیوبند تشریف لے گئے مگر وہاں سے واپس آکر صاحب فراش ہوگئے اور ایک ہفتہ بعد وفات ہوگئی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن۔ مزار قاسمی دیوبند میں مدفون ہوئے نور اللہ مرقدہ، آپ کی مزار پر حاضری ہوئی ہے۔ (مرتب)

(رسالہ برہان صفر وربیع الاول ۱۳۴۷ھ)

حضرت مولانا عبدالعلی صاحب میرٹھی دہلویؒ متوفی ۱۳۴۷ھ

نام ونسب: نام عبدالعلی، والد کا نام نصیب علی ہے۔علماء دیوبند میں ایسے مشاہیر پیدا ہوئے، جو اپنے وقت کے امام ملت،علم وعمل کا نمونہ اور خواص وعوام کی رشد وہدایت کا مرکز تھے،اور روایت حدیث ،رنگ تفسیر وفقہی مسائل میں راسخ تھے،حضرت مولانا عبد العلی صاحب میرٹھیؒ کی ذات بابرکت کا شمار بھی انہیں راسخین فی العلم میں ہوتا ہے، جو اپنے زمانہ میں عظیم محدث وسلف کی صحیح یادگار تھی۔

ولادت: مولاناؒ کی ولادت تقریباً ۱۲۷۰ھ میں ضلع میرٹھ کے قصبہ عبداللہ پور میں ہوئی۔

تعلیم و تدریس : اندازہ یہی ہے کہ ابتدائی تعلیم اپنے وطن عبد اللہ پور میں حاصل کی ہوگی۔ابتدائی تعلیم سے فراغت کے بعد فقہ وتفسیر اور حدیث کی اعلیٰ کتابوں کی تکمیل کے لئے علوم اسلامیہ کی عظیم درسگاہ دارالعلوم دیوبند کا قصد فرمایا، جہاں کے اکابر اساتذہ کی شہرت عالم اسلامی کو اپنی طرف متوجہ کئے ہوئے تھی۔

دیوبند کا یہ وہ دور تھا جس کی سیادت حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ فرمارہے تھے، جو اپنی جامعیت علوم ظاہرہ و باطنہ کے سبب شاہ عبدالعزیز ثانی تسلیم کئے جاتے تھے۔اور دارالعلوم کا اہتمام دارالعلوم کے سب سے پہلے مہتمم

حاجی سید عابد حسین صاحب دیوبندیؒ (م ۱۳۳۱ھ ۱۹۱۲ء) سے متعلق تھا، ۱۲۹۴ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہیؒ آپ کے رفیق درس ہیں۔

اساتذہ : مولانا کے اساتذہ میں حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ۔ حضرت مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوریؒ۔ قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت نانوتویؒ سے محبت: حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے لکھا ہے کہ:

(مولانا عبدالعلی صاحبؒ) ''اپنے استاد میں فنائیت کا درجہ رکھتے تھے، اور ہر وارد وصادر سے فرماتے تھے کہ قاسمی بن جاؤ محروم نہیں رہو گے''۔

(تاریخ دارالعلوم ،۵۷)

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ (م ۱۳۶۹ھ ۱۹۴۹ء) آپ کا مقولہ نقل فرماتے تھے کہ:

''قاسمی ہو جاؤ! بھوکے ننگے نہ رہو گے، مجھ اپاہج کو دیکھو نہ اٹھ سکتا ہوں نہ بیٹھ سکتا ہوں، مگر رزق کی یہ بہتات ہے کہ میرا حجرہ ہمہ قسم کی نعمتوں سے ہمہ وقت بھرپور رہتا ہے''۔ (تاریخ دارالعلوم صفحہ ۴۳ جلد ۲)

حتیٰ کہ اپنے استاد سے محبت کا یہ عالم تھا کہ جب بھی حضرت نانوتویؒ کا ذکر فرماتے اشکبار ہو جایا کرتے، اور زار و قطار رونے لگتے۔

زمانہ تدریس: دارالعلوم سے فراغت کے بعد ۱۲۹۴ھ میں دیوبند میں مدرس عربی کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوا۔ اسی سال شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ اور حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ کی معیت میں حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے، تو حضرت شیخ الہندؒ کی واپسی تک مسند صدارت تقریباً چھ ماہ تک مولانا عبدالعلی صاحبؒ کے ذمہ رہی۔ چنانچہ حضرت مولانا ''مشکوۃ'' و ''ہدایہ'' کے علاوہ صحاح ستہ کی نہایت مشکل اور اہم کتاب ''ترمذی شریف'' کا درس دیا کرتے تھے۔

مولانا عبدالعلی صاحبؒ دارالعلوم دیوبند میں ۱۲۹۷ھ تک بحسن وخوبی تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد ۱۲۹۸ھ میں مظاہر علوم تشریف لے گئے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ (۱۴۰۲ھ ۱۹۸۲ء) تحریر فرماتے ہیں کہ:

''یکم رجب سن رواں (۱۲۹۸ھ) سے مولانا عبدالعلی صاحب میرٹھی جو مدرسہ دیوبند میں مدرس تھے، بمشاہرہ ۲۰ر بجائے مدرس دوم تشریف لائے''۔

(تاریخ مظاہر صفحہ ۴۴)

مظاہر میں مولاناؒ مدرس دوم کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دیتے تھے، اور مدرس اول حضرت مولانا مظہر صاحبؒ تھے، مگر مولانا موصوف کے وصال کے بعد مولانا عبدالعلی صاحبؒ مدرس اول بنائے گئے اور ۱۳۰۶ھ تک منصب صدارت پر فائز رہے۔ بعد ازاں ربیع الثانی ۱۳۰۶ھ میں مدرسہ سے رخصت

لے کر مرادآباد تشریف لے گئے اور کچھ حالات و مشکلات کی وجہ سے مدرسہ مظاہر العلوم میں استعفاء بھیج دیا۔آپ یکم رمضان المبارک ۱۳۱۴ھ میں مدرس دوم ہوکر دوبارہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے آئے، روئیداد مدرسہ ۱۳۱۴ھ میں مذکورہ ہے کہ :

دارالعلوم میں آپ کا دوسرا تدریسی دور ۱۳۱۴ھ سے ۱۳۱۷ھ تک رہا، دارالعلوم کے بعد آپ دوبارہ صدر مدرس ہوکر مدرسہ حسین بخش دہلی رونق افروز ہوئے''۔دارالعلوم کی روئیداد ۱۳۱۷ھ صفحہ ۲/ پر مرقوم ہے کہ:

مدرسہ حسین بخش کے بعد غالباً ۱۳۲۱ھ میں آپ دہلی کی مشہور درس گاہ مدرسہ عبدالرب میں تشریف لائے، اور یہیں تادم زیست علم حدیث کی شمع کو روشن رکھا۔

تلامذہ: اس طویل مدت تدریس (تقریباً پچاس سال) میں آپ کے تلامذہ کا حلقہ بڑا وسیع ہے، جن میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، خاتم المحدثین حضرت مولانا انور شاہ کشمیری صاحبؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، عارف باللہ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ، ہیں جو علم و عمل کے اعتبار سے شہرۂ آفاق ہیں۔

طلبہ پر شفقت: اخلاص فی العلم کا ایک بڑا تقاضہ اپنے تلامذہ کے ساتھ لطف وعنایت اور شفقت و رحمت کا معاملہ کرنا بھی ہے۔

مدرسہ عبدالرب کے سالانہ جلسہ میں اپنے شاگرد رشید حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو بڑے اہتمام سے بلایا کرتے۔حضرت تھانویؒ کی

سفر سے معذوری کے بعد حضرتؒ کے خلیفہ اجل حکیم الاسلام مولانا قاری طیب صاحبؒ کو بلا کر تقریر کروایا کرتے تھے۔

تلامذہ کی تادیب: تلامذہ کے ساتھ محبت وشفقت کے ساتھ ساتھ تادیباً زجر وتوبیخ سے بھی دریغ نہیں رکھتے، عبارت کی غلطی، درس گاہ کی بے ادبی، وبے حرمتی پر بالفور مواخذہ بھی فرماتے تھے۔

عشق نبوی: حدیث شریف میں ہے:

عن انس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: (لا یؤ من احد کم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعیں) (متفق علیہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں بن سکتا جب کہ میں اس کو اس کے باپ سے اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔

حضرت مولاناؒ کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایسی محبت تھی کہ ذکر مبارک سے اشکبار ہوجاتے۔ بعض مرتبہ تو اتنا روتے کہ بے قابو ہوجاتے، اور لحیہ مبارک سے آنسوں کے قطرے ظاہر ہوتے۔ صاحب مقامات لکھتے ہیں:

''آپ عاشق صادق بارگاہ نبوی تھے''۔ (مقامات خیر صفحہ ۴۶۱)

فیاضی ومہمان نوازی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: (من

کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ) الخ (متفق علیہ، مشکوٰۃ: صفحہ ۲۶۸)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اس کو چاہئے کہ وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مہمان کا اعزاز واکرام ایمان کا خاصہ ہے، اور یہی انسانیت وشرافت کا اصلی تقاضہ ہے کہ اپنے پاس آنے والے کا ہر طرح اعزاز واکرام کیا جائے اور فیاضی وفراخ دلی برتی جائے۔

حضرت مولانا عبدالعلی صاحبؒ کی مہمان نوازی مشہور ومعروف تھی، جو مہمان حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے، مولاناؒ ان کا پورا پورا اعزاز فرماتے اور نہایت فیاضی وفراخ دلی کے ساتھ ان کی خاطر تواضع فرماتے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:

''جب میں دہلی سے چلتا ہوں کچھ نہ کچھ ہدیہ ضرور ساتھ کر دیتے ہیں، بے لوث اور بے تعلق ہیں، کسی سے کچھ مطلب نہیں، خود بھی مدرسہ میں چندہ دیتے ہیں، اور مقدار چندہ کی سب سے زیادہ ہوتی ہے، ۱۵/روپیہ یا زیادہ تک۔ مولانا صاحبِ جائیداد ہیں، سال میں جو کچھ بچاتے ہیں سب خرچ کر دیتے ہیں۔ مولانا سے جو کوئی ملنے جاتا ہے بہت خاطر کرتے ہیں چائے اور شربت پلاتے ہیں''۔ (حسن العزیز: صفحہ ۹۵ جلد ۲)۔

اوصاف وکمالات: زہد وقناعت، تقویٰ وطہارت میں مولانا اپنی مثال

آپ تھے۔ آخری سانس تک جماعت کی نماز اور صف اولیٰ ترک نہیں ہوئی۔ آخری عمر میں فالج کی وجہ سے نقل وحرکت سے معذور ہو گئے تھے، اس حالت میں بھی خدام وتلامذہ آپ کو اٹھا کر صف اولیٰ میں رکھ دیتے تھے، اور آپ بیٹھ کر امام کی اقتداء فرماتے۔

ف: سبحان اللہ یہ تھے مولانا کے اخلاق واوصاف جو عین سنت وشریعت کے مطابق تھے اور آپ کی سنت نبویہ کا عشق ومحبت کا ثمرہ تھا۔ جو آپ کے ورثاء میں آنا ہی چاہئے تھا۔ مگر افسوس کہ اپنے مشائخ واساتذہ کے ان اخلاق وکمالات کی اتباع کا اہتمام ہم میں نہیں ہے۔ اس لئے اللہ کی خاص رحمت سے محروم ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ (مرتب)

علالت اور سانحہ وفات: مولاناؒ طویل عرصہ سے فالج کے مرض میں مبتلا ہو گئے تھے، اور حرکت کرنے سے معذور ہو گئے تھے، ایسی حالت میں بھی ایک مدت تک درس دیتے رہے، چار پائی پر گاؤ تکیہ سے سہارا لگا کر تشریف فرماتے، بالآخر وقت موعود آپہنچا، پوری عمر خدمت حدیث میں گزار کر سالہا سال سے "قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" پڑھنے اور سننے والے دہلی کے محدثؒ دارالعلوم کے عظیم فرزند نے یکشنبہ ۱۳/ جمادالاولیٰ ۱۳۴۷ھ مطابق ۲۹/ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو دہلی کے مدرسہ عبدالرب میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ جنازے میں اس قدر ہجوم تھا کہ گویا پوری دہلی امنڈ آئی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) کے مقبرہ میں آسودۂ خواب ہیں، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (ذکر صالحین ص ۲/ ۵۷)

حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن مکیؒ الہ آبادی المتوفی ۱۳۴۹ھ

نام ونسب: آپ کا نامِ نامی ''عبدالرحمٰن بن شیخ محمد بشیر خان'' ہے۔آپ قصبہ قائم گنج، ضلع فرخ آباد، یوپی کے رہنے والے تھے۔آپ چونکہ اپنے والد محترم کے ساتھ مکہ معظّمہ ہجرت کر گئے تھے اس لئے ''مکی'' کہلاتے ہیں۔اور چونکہ تجوید وقرأت کی خدمت آپ نے کافی عرصہ تک الہ آباد میں کی، اس لئے الہ آبادی بھی کہے جاتے ہیں۔آپ کی تاریخ پیدائش کا علم نہیں ہوسکا۔

تعلیم: مدرسہ صولتیہ مکۃ المکرمہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی، حفظ قرآن سے فراغت کے بعد اپنے بڑے بھائی جناب قاری عبد اللہ صاحبؒ (شیخ القرأت مدرسہ صولتیہ، مکۃ المکرمہ) سے قرأت حفص اور قرأتِ سبعہ پڑھیں۔

ایک رات خواب میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قاری عبد اللہ صاحب سے فرمایا کہ ''قاری عبداللہ'' سنو! اپنے بھائی قاری عبدالرحمٰن کو ہندوستان بھیج دو تاکہ وہاں تجوید وقرأت کی اشاعت ہو، آپ یہ بشارت پا کر بہت خوش ہوئے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نام لے کر فرمارہے ہیں۔ چناچہ آپ نے بھائی کو بلا کر یہ خوشخبری سنائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نام لے کر فرمارہے ہیں کہ قاری عبدالرحمٰن کو ہندوستان بھیجو، یہ خوشخبری سن کر آپ بھی بیحد خوش ہوئے اور ہندوستان تشریف لے آئے ، اولاً آپ گولڑہ شریف (پنجاب) میں پہنچے، وہاں قاری محمد غازی سے قرأت عشرہ پڑھیں، پھر مزید تعلیم کے لئے کانپور تشریف لے

گئے اور حضرت مولانا احمد حسن صاحب کانپوریؒ کے مدرسہ میں داخلہ لے کر درس نظامی کی تکمیل کی، بعد ازاں اسی مدرسہ میں استاذ ہو گئے۔ اور کئی سال تک تجوید وقرأت کی تعلیم دیتے رہے، وہیں ایک تاجر کی صاحبزادی سے آپ کا عقد بھی ہو گیا۔ جس سے صرف ایک لڑکی پیدا ہوئی جو بچپن ہی میں انتقال کر گئی۔

احیاء العلوم الہ آباد میں آمد: پھر حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے مرید خاص شیخ عبداللہ ساکن مہیوا الہ آباد کی خواہش پر آپ الہ آباد تشریف لے آئے، اور مدرسہ احیاء العلوم [1] (متصل ریلوے اسٹیشن) میں تجوید وقرأت کی خدمت انجام دینے لگے، یہاں چونکہ لوگ آپ سے واقف نہ تھے، اس لئے اولاً اس فن کی طرف کسی نے کوئی توجہ نہیں کی، ان حالات کو دیکھ کر آپ دل برداشتہ ہو گئے، اور مکہ معظّمہ واپسی کا ارداہ فرمالیا، اور طے کر لیا کہ کل صبح روانہ ہو جاؤں گا۔ بستر وغیرہ باندھ کر تیار کر لیا، اسی رات پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں تشریف لائے اور فرمایا کہ ''قاری عبدالرحمن مکہ مکرمہ کیوں واپس جا رہے ہو، ہمیں تو تم سے بہت کام لینا ہے''۔

یہ خوشخبری پا کر آپ نے ارادہ ملتوی کر دیا اور کام شروع فرمایا، اب

---

[1] اسی مدرسہ احیاء العلوم میں حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علیصاحب تھانویؒ کا برابر وعظ ہوتا تھا اور اسی وعظ میں محدث کبیر حضرت مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنیؒ بچپنے میں شریک ہوئے جس سے اتنا متاثر ہوئے کہ انگریزی تعلیم سے دل اچاٹ ہو گیا اور عربی پڑھنے کی اپنے والد سے درخواست کی، اس کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد کی سپردگی میں درس نظامی مکمل فرمائی اور بہت بڑے محدث ہوئے۔ (مرتب)

تشنگانِ علوم جوق در جوق آنا شروع ہو گئے، کچھ ہی دنوں میں تجوید وقرأت کی شہرت بامِ عروج پر پہنچ گئی۔ چنانچہ ہزار قراء وحفاظ اس سرچشمۂ تجوید وقرأت سے تیار ہوئے۔ آج فنِ تجوید وقرأت کا جو چرچہ جابجا نظر آرہا ہے، یہ سب آپ کی اور آپ کے تلامذہ کی مساعیِ جمیلہ کا ثمرہ ہے۔

ف: اس حقیر کے دل میں یہ جذبہ موجزن ہے کہ الہ آباد میں تجوید وترتیل کا باضابطہ نظام ہو اس لئے مدرسہ دارالمعارف الاسلامیہ الہ آباد کے سامنے بیت سعید میں جو ادارہ معارف مصلح الامتؒ اور دارالتزکیہ والاحسان کے نام سے موسوم ہے اس کے صحن میں معہد ترتیل القرآن الکریم (اس میں ترمیم بھی ہوسکتی ہے) کے نام سے ایک ادارہ کی بنیاد رکھا، جس میں ہمارے سب لڑکے اور مدرسہ کے جملہ اساتذہ اور طلباء شریک رہے، اللہ تعالی اس کام کو آسان فرمائے آمین۔ (مرتب)

حضرت نے اس فن کے ایسے رجال پیدا فرمادئے تھے کہ تاریخ اس صدی میں ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اور اس وقت شاید ہی کوئی قاریٔ سبعہ وعشرہ ایسا ہو جس کا سلسلہ حضرت قاری عبدالرحمنؒ تک نہ پہنچتا ہو۔

تصانیف: حضرتؒ نے دو کتابیں تالیف فرمائیں ہیں:

(۱) **فوائد مکیہ:** یہ کتاب اتنی مقبول ہے کہ ہندوپاک کا شاید ہی کوئی مدرسہ ایسا ہو جہاں یہ داخل نصاب نہ ہو اور برصغیر کی عظیم درسگاہ دارالعلوم دیوبند میں تو اسے وہ مقام حاصل ہے کہ فاضلِ دارالعلوم کی سند اس وقت تک نہیں دی جاتی جب تک کہ طالب علم نے اس کے پڑھنے کا ثبوت پیش نہ کردیا ہو۔

(۲) **افضل الدرر:** رسم عثمانی میں علامہ شاطبیؒ کے مشہور معروف

قصیدے ''رائیہ'' کی نہایت محققانہ اور جامع شرح ہے۔

تلامذہ: آپ کے تلامذہ بے شمار ہوئے ہیں جو سبھی شہرت اور بلندی کے آسمان پر پہنچے ہوئے تھے جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) حضرت مولانا قاری مقری عبدالوحید صاحبؒ الہ آبادی مدرس اول تجوید وقرأت دارالعلوم دیوبند۔

(۲) حضرت قاری مقری عبداللطیف صاحب الہ آبادیؒ [۱]

(۳) محترم مولانا قاری مقری عبدالرحمن صاحب پڑتا بگڈھی شیخ القراء دارالعلوم دیوبند۔

(۴) حضرت مولانا قاری مقری ضیاء الدین صاحبؒ الہ آبادی۔

(۵) حضرت مولانا قاری مقری محب الدین احمد صاحبؒ الہ آبادی

(۶) حضرت مولانا قاری مقری عبدالخالق صاحبؒ علی گڈھی۔

(۷) حضرت مولانا قاری مقری عبدالمالک صاحبؒ علی گڈھی۔

(۸) حضرت مولانا قاری مقری عبداللہ صاحبؒ گنگوہی۔ مرادابادی۔

وفات: آخر میں آپ حضرت مولانا عین القضاہ صاحب رحمۃ اللہ کی فرمائش پر مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ تشریف لے گئے، وہاں قریب دوسال تک تجوید وقرأت کی بے مثال خدمت انجام دے کر ایک ہفتہ کی مختصر علالت کے بعد داعیٔ اجل کو لبیک کہہ کر ۱۳۴۹ھ کو اپنے رب کے آغوش میں چلے گئے۔ اور متصل مسجد عثمانیہ کلوشاہ محبوب گنج لکھنؤ میں مدفون ہوئے۔ **رحمہ اللہ تعالی**۔ (تحفہ مرضیہ برفوائد مکیہ صفحہ:۶ از قاری جمشید علی قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند)

---

[۱] ماشاءاللہ آپ حضرت مصلح الامتؒ کے خاص متعلقین میں سے تھے، میری سعادت ہے کہ آپ کو چند سورتیں سنایا تو آپ بہت خوش ہوئے۔ (مرتب)

حضرت مولانا حمید الدین فراہی اعظمیؒ متوفی ۱۳۴۹ھ

نام ونسب مع ولادت: مفسّر قرآن حضرت مولانا حمید الدین بن عبدالکریم بن قربان قنبر بن تاج الدین فراہی ضلع اعظم گڈھ کے ایک گاؤں پھریہا میں جمادی الاخریٰ ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۲ء میں پیدا ہوئے، مولانا کا خاندان ضلع کے معزز خاندانوں میں شمار ہوتا ہے جو تعلیم اور دنیاوی وجاہت کے اعتبار سے پہلے سے ممتاز رہا ہے۔

تعلیم: مولاناؒ کی ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی، سب سے پہلے انھوں نے قرآن حفظ کیا فارسیؒ کے بعد مولانا نے عربی کی تحصیل شروع کی اور مولانا شبلی نعمانی سے عربی پڑھنے لگے، چنانچہ متوسطات تک مولانا شبلی ہی سے تعلیم پائی، اس کے بعد لکھنؤ جا کر فرنگی محل میں حضرت مولانا عبد الحئی قدس سرّہ سے کچھ پڑھا۔ اس کے بعد دیگر مدارس میں جا کر تعلیم حاصل کرتے رہے یہاں تک کہ بیس سال کی عمر میں علیگڈھ کالج میں داخلہ لیا اس کے بعد مدرستہ الاسلام کراچی میں مدرس ہو گئے اس کے بعد مختلف مقامات پر تعلیم وتدریس کا فریضہ انجام دیکر وطن واپس ہو گئے اور مدرسہ الاصلاح سرائمیر سے متعلق ہو گئے۔

مدرسہ اصلاح سرائمیر سے تعلق: اسی زمانہ سے مولانا نے مدرستہ اصلاح سرائے میر سے تعلق استوار کیا اور براہِ راست اس کی تکمیل وترقی کی اسکیموں میں دلچسپی لینے لگے، ہر ہفتہ میں تین دن شب وروز مدرسہ ہی پر قیام فرماتے اساتذہ

ومنتہی طلبہ کو درس دیتے ، منتظمین کو اپنے تعلیمی اور اصلاحی نظریات سے آگاہ کرتے ، چند آدمیوں کو منتخب کر کے انھوں نے ان کی خاص طور سے تربیت بھی کی تا کہ وہ ان کے طریق فکر ونظر کو اچھی طرح اپنالیں اور ان کے بعد اس تعلیمی اور فکری اصلاح کے کام کو جاری رکھ سکیں جو مولانا نے شروع کیا تھا ، اسی طرح انھوں نے دارالمصنّفین کے معاملات سے پوری دلچسپی لی اور اس کی مجلس عاملہ کے مجلسوں میں جس کے وہ ابتداء سے مستقل صدر تھے شریک ہوتے اور وہاں مصنّفین ورفقاء کی علمی رہنمائی بھی فرماتے تھے۔

اب آپ کے علمی وعملی حالات وکمالات ملاحظہ فرمائیں

فضل وکمال: یوں تو مولانا فلسفی بھی تھے، متکلم بھی اور عربی وفارسی کے بے نظیر ادیب وشاعر بھی، لیکن یہ ساری چیزیں ان کے یہاں ضمناً تھیں، اصل چیز جو ان کے دل ودماغ پر چھائی ہوئی تھی وہ قرآن تھا، قرآن کی ایک ایک آیت پر انھوں نے پوری حاضر دماغی اور دل جمعی کے ساتھ غور فرمایا، مولانا نے یہ کام اسی زمانہ سے شروع کر دیا تھا جب وہ علیگڈھ میں بحیثیت ایک طالب علم کے مقیم تھے اور اس وقت سے اپنی زندگی کے آخری لمحات تک برابر اس کام میں لگے رہے، ان جملہ صفات کے ساتھ اخلاق وکردار میں مولانا بلند مقام پر فائز تھے، ان کے جاننے والوں میں ہمیشہ یہ بحث رہی ہے کہ ان کا علم زیادہ تھا یا تقویٰ؟۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں پہلوؤں میں سے یہ متعین کرنا مشکل ہے کہ ان کی زندگی کا راجح پہلو کون سا تھا۔

عدل وانصاف: سچائی اور صبر کی عادت مولانا میں ابتداء سے نہایت پختہ تھی ، معاملات میں حد درجہ کھرے اور نہایت انصاف پسند تھے ، ان کے

انصاف پر مخالفوں کو بھی پورا بھروسہ تھا، خود حکم بنادیا، مقدّمہ فیصلہ کے لئے عدالت سے مولانا کے پاس منتقل ہوگیا، مولانا نے اس کا فیصلہ اپنے والد کے خلاف کردیا، جس کے نتیجے میں مولانا کے والد کی جائداد کا ایک خاصہ حصہ ان کے قبضہ سے نکل گیا جو بالآخر مولانا ہی کی طرف منتقل ہوتا۔

اوصاف حمیدہ: ایک خوش حال گھرانے سے تعلق رکھنے اور بیش مقدار میں تنخواہ پانے کے باوجود نہایت سادہ زندگی بسر کرتے، کپڑے نہایت سادہ پہنتے، کھانے میں بھی تکلف نہیں کرتے تھے، تنخواہ کا بیشتر حصہ یا تو کتابوں کی خریداری اور ان کی پُرتکلف جلد پر خرچ ہوتا یا پھر مستحقین خصوصاً غریب اہلِ علم اور نادار شرفاء کی امداد پر، اس دوسری مد کا خرچ ان کے ہاں وسیع تھا۔

حد درجہ خلوت پسند تھے، عام لوگوں سے ان کا ملنا جلنا بہت کم تھا، اپنے شاگردوں اور اہل علم کی مجلس میں بیٹھنا پسند فرماتے تھے، گفتگو ہمیشہ علمی اور مختصر کرتے تھے، ان کی مجلس میں ہجو، غیبت اور طعن وتشنیع کا کبھی گذر بھی نہیں ہو پاتا تھا، ہمیشہ شب میں ڈھائی تین بجے اٹھ جاتے، چارپائی اور اپنا بستر وغیرہ خود ٹھیک کرلیتے تاکہ شاگردوں یا ملازم کو زحمت نہ اٹھانی پڑے، اس کے بعد تہجد پڑھتے، اس سے فارغ ہوکر اگر طبیعت موزوں ہوتی تو کچھ تصنیف کا کام کرتے، دن میں تصنیف کا کام بہت کم کرتے تھے۔

سب سے خاص چیز جو مولانا کی ذات میں تھی یہ ان کا وہ اثر تھا جو ان کی صحبت میں بیٹھنے والے پر پڑتا تھا، آدمی ان کے پاس بیٹھ کر فی الواقع دنیا اور دنیا کی دل فریبیاں بھول جاتا تھا، علامہ شبلی مرحوم کے متعلق مشہور ہے کہ وہ مولانا کی

نسبت فرمایا تے تھے کہ حمید کے پاس بیٹھ کر آدمی کا دل دنیا سے اچاٹ ہوجاتا تھا۔

ف: یہ یقیناً آپ کے صاحب نسبت ہونے کی خاص علامت ہے۔(مرتب)

توکل: مکرم حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی نے نہایت تأثر کے ساتھ حضرت مولاناؒ کا یہ واقعہ سنایا کہ مدرسۃ الاصلاح کے کچھ ذمہ دار حضرات مولاناؒ کی خدمت میں گئے اور کہا کہ آج مدرسہ کے طلبہ کیلئے کھانے کا انتظام نہیں ہے اس لئے مطلع کرنے کیلئے ہم لوگ آپ کے پاس آئے ہیں تو فرمایا تعجب ہے کہ آپ لوگ اس کام کے لئے میرے پاس آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو مجھ سے زیادہ قریب تھے اس لئے اللہ تعالی ہی سے عرض کرنا چاہئے تھا۔

ف: سبحان اللہ! اس میں کیسی توحید کی تعلیم ہے جو ہم سب کے لئے اپنانے کی صفت ہے اس لئے کہ توحید رأس الطاعات ہے، واللہ الموفق

تصنیف: مولانا کی تصانیف کی تعداد تقریباً تینتیس (۳۳) تک پہونچتی ہے، جن میں بہت سی شائع ہوچکی ہیں اور بہت سی مسودہ کی شکل میں دائرۂ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں محفوظ ہیں، مسودہ میں بعض نامکمل ہیں۔

جس طرح مولانا نے تصنیف وتالیف کے ذریعہ قرآن حکیم کو مرکز بنا کر گراں قدر علمی خدمات انجام دیں، اسی طرح درس وتدریس کے ذریعہ بھی آپ کے فیض سے ایک بڑی جماعت سیراب ہوئی۔

وفات: پیشاب کے رکنے کا مرض تھا آپریشن کے لئے متھرا گئے آپریشن ہوا مگر ناکام ہوگیا ۱۹/ جمادی الثانیہ ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۱/ نومبر ۱۹۳۰ء کو وہیں انتقال ہوگیا اور متھرا میں غریبوں کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ (تذکرۂ علماء اعظم گڈھ ص ۱۲۳)

حضرت قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوریؒ المتوفی ۱۳۴۹ھ

نام ونسب: نام قاضی محمد سلیمان والد کا نام قاضی احمد شاہ ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت ۱۲۸۴ھ مطابق ۱۸۶۷ء بمقام منصور پور ضلع پٹیالہ پنجاب میں ہوئی۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کیا جو پٹیالہ میں نائب تحصیلدار تھے۔آپ سترہ سال کی عمر میں منشی اور فاضل کے امتحان میں اول آئے۔اس کے بعد انھوں نے ریاست پٹیالہ میں محکمہ تعلیم، مال اور دیوانی میں ملازمت اختیار کرلی اپنی قابلیت اور صلاحیت سے ترقی کرتے ہوئے ۱۹۲۴ء میں آپ جج مقرر ہوئے اس انتہائی مصروفیت کے باوجود آپ علمی اور تصنیفی کام کرتے تھے۔ لوگوں کو روزانہ درس قرآن دیتے تھے۔عیسائیوں سے خوب مناظرہ کیا قرآن کی تفسیر میں اہم نکات بیان کرتے تھے۔

فضل وکمال: حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے آپ کے محامد یوں نقل کیا ہے: وہ مشرقی فاضل جس کی موت پر آج ہم کو ماتم کرنا ہے وہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری سابق جج پٹیالہ اور سیرت کی مشہور کتاب ''رحمۃ للعالمین'' کے مصنف ہیں، وہ علم وعمل، زہد وکمال اور فضل وورع دونوں کے جامع تھے، روشن دل اور دماغ تھے، ان کے جدید وقدیم دونوں خیالات حد اعتدال پر تھے، عربی زبان اور علوم دین کے مبصر عالم تھے، توراۃ وانجیل پر فاضلانہ وناقدانہ نگاہ

رکھتے تھے، غیر مسلموں سے مناظرہ کے شائق تھے، مگران کے مناظرے کا طرز سنجیدگی، متانت اور عالمانہ وقار کے ساتھ تھے، مسلکاً اہل حدیث تھے، مگر اماموں اور مجتہدوں کی دل سے عزت اوران کی محنتوں اور جانفشانی کی پوری قدر کرتے تھے۔

ف: یہی عدل واعتدال اور ادب واکرام ہے جو ہم سب کو بھی لائحۂ عمل بنانے کی ضرورت ہے، اللہ تعالی اعتدال پیدا کرنے کی توفیق دے، آمین

مرحوم مجھ سے عمر میں بہت بڑے تھے اور میرے بزرگ تھے، مگران کی طرف سے انکساری وتواضع نے اور میری طرف سے اعتراف اور اقرار نے اس تخم کی آبیاری کی اور رفتہ رفتہ اس درجہ اس میں بالیدگی ہوئی کہ اس شجر طوبیٰ کے سایہ میں ہم نے بارہا آرام پایا۔ ندوۃ العلماء کی مجلس کے ہم دونوں ممبر تھے، اور اس تعلق سے سال میں ایک دفعہ ضرور یک جائی نصیب ہوتی تھی۔ ایک دفعہ جب وہ اہل حدیث کانفرنس کے اجلاس مئو کے صدر ہوکر آئے تو اعظم گڈھ آکر دارالمصنفین میں بھی دوراتیں بسر کیں اور یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے جانا کہ موصوف عامل بالحدیث ہیں۔ ایسے خاموش آمین بالجہر کرنے والے کو آنکھوں نے سب سے پہلی دفعہ دیکھا اور لطفِ روحانی اٹھایا۔ میں نے حیرت سے پوچھا یہ کیا ہے، فرمایا یہ تو مدت العمر سے ہے۔

مرحوم میں روشن خیالی کے ساتھ روشن ضمیری اور دماغی قابلیت کے ساتھ روحانی کیفیت یک جا تھی، وہ علم کے ملا اور دل کے صوفی تھے۔ صاف ستھرے رہتے تھے، تبلیغ کے دلدادہ تھے، صلح پسند اور خاکسار تھے، اوران سب

سے بالاتر جو وصف تھا وہ ذات پاک رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شیفتگی اور عقیدت تھی۔ دو حج کئے، اور آخر دوسرے حج میں دیارِ حبیب میں اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کی اور عبودیت کا سر اس آستانۂ اقدس پر اس طرح جھکایا کہ پھر نہ اٹھایا۔ عشقِ باطن نے ظاہری نعمت کے ساتھ باطن کی سعادت یہ بخشی کہ اس سرزمین میں ان کو ہمیشہ کے لئے جگہ دی، جس کے ذرّہ ذرّہ کے ساتھ ان کی رگ رگ کو وابستگی تھی۔

ف: سبحان اللہ! کس قدر اعتدال تھا کاش آج کے اہل حدیث حضرات میں یہ صفت اعتدال پیدا ہوجاتی تو بہت سی الجھنیں کافور ہوجاتیں۔ واللہ الموفق۔

(مرتب)

آپ کی تصنیف لطیف رحمۃ للعالمین: مرحوم نے اسلام کے فضائل اور تفسیر و تاریخ میں اپنے بعد اپنی متعدد یادگاریں چھوڑیں مگر ان سب میں بہتر اور جامع ان کی تصنیف رحمۃ للعالمین ہے۔ حضرت مولانا مفکر اسلام ابوالحسن علی میاں ندویؒ نے اپنی محسن کتابوں میں اس کو شمار کیا ہے اسلئے طلبہ اور علماء کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے کیونکہ نہایت بصیرت افروز کتاب ہے جس کو اس حقیر نے بار بار پڑھا ہے۔

وفات: آپکی وفات سفر حج سے واپسی پر یکم محرم الحرام ۱۳۴۹ھ مطابق ۳۰ر مئی ۱۹۳۰ء کو بحری جہاز میں ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اسی سمندر میں تدفین ہوئی نور اللہ مرقدہ (تذکرہ در مقدمہ رحمۃ للعلمین)

حضرت مولانا سید محمد امین صاحب[1] نصیر آبادیؒ م:۱۳۴۹ھ

نام ونسب: نام سید محمد امین، والد کا نام سید طہٰ حسنی وحسینی ہے۔

ولادت: دوشنبہ کے دن ۹/ذی الحجہ ۱۲۷۵ھ میں نصیر آباد رائے بریلی میں آپ کی ولادت ہوئی، آپ کی ولادت کے چالیس روز کے بعد آپ کے والد بزرگوار کا انتقال ہو گیا آپ کے بھائیوں نے تعلیم وتربیت کی ذمہ داری سنبھالی اور پورے اہتمام کے ساتھ ان کی تعلیم وتربیت کرتے رہے۔

تعلیم: سید صاحب کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی قوتِ حافظہ اور صلاحیت سے نوازا تھا، بچپن ہی سے پڑھنے لکھنے کا شوق اور لہو ولعب سے اجتناب پایا جاتا تھا۔ ۹/سال کی عمر میں صرف ایک سال کی مدت میں پورا کلام پاک حفظ کرلیا، اس کے علاوہ فارسی زبان کی بھی قابلیت حاصل کرلی، عام حفاظ کی طرح محض الفاظ قرآن ہی محفوظ کرنے پر اکتفاء نہ فرماتے بلکہ بیشتر آیات کا مفہوم ومطلب بھی ذہن نشین کرتے جاتے۔ اس کے بعد عربی کی طرف متوجہ ہوئے اور عربی کی ابتدائی کتابیں اپنے عم بزرگوار شیخ وقت حضرت مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادیؒ سے پڑھیں، اس کے بعد جملہ علوم نقلیہ وعقلیہ کی ۱۲۹۶ھ میں سند فضیلت وتکمیل حضرت علامہ عبدالحیٔ فرنگی محلیؒ سے حاصل کی، اس کے بعد علوم طب میں بھی لکھنؤ میں رہ کر تکمیل کی اور ساتھ ہی ساتھ مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی کے بے نظیر کتب خانہ سے برابر استفادہ کرتے رہے، چنانچہ خود

---

(۱) مرتبۂ عزیزم محمد عبداللہ صاحب حسنیؒ استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے استاذ مرحوم کے کتبخانہ کو تین بار مطالعہ کیا ہے اور اب بحمداللہ بجائے علم سفینہ کے علم سینہ کو اپنا سرمایۂ زندگی سمجھتا ہوں، آپ نے تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا: بحمداللہ ۲۵/ہزار حدیثیں یاد ہیں لیکن آپ کے برادر مکرم سید محمد متین، جو مولانا محمد محدث تھانویؒ کے خود شاگرد ہیں؛ کا بیان ہے : بھائی نے حرف بحرف کامل صحیحین مجھ کو زبانی سنایا تھا۔

بیعت واجازت: حضرت سید صاحب کو پہلے پہل اجازت بیعت اپنے خاندانی چچا حضرت مولانا سید احمد خواجہ نصیر آبادیؒ سے حاصل ہوئی تھی اس وقت سید صاحب کی عمر ۱۴،۱۵ سال کی تھی لیکن علوم ظاہری سے فراغت کے بعد اپنے خاندانی بھائی شیخ طریقت حضرت مولانا سید ضیاء النبی صاحبؒ سے جملہ سلاسل کی اجازت حاصل کی۔

علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کے بعد آپ فریضۂ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو انجام دینے کے لئے ہمہ تن مشغول ہو گئے، اس کے لئے آپ نے قریبی اضلاع سلطان پور، اعظم گڈھ، رائے بریلی، پرتاب گڈھ کو اپنی کاوشوں کا میدان بنایا جن سے ہزاروں لاکھوں بندگان الٰہی نے فیض حاصل کیا، آپ کی مقبولیت ومحبوبیت کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے کچھنی باغ برما میں جو جمعہ پڑھایا اس میں تقریباً ایک لاکھ کا مجمع تھا۔

معمولات: آپ کا ہمیشہ سے یہ معمول تھا کہ رات کو دو بجے کے قریب اٹھ جاتے اور تہجد میں مصروف رہ کر اسی وضو سے فجر کی نماز ادا فرماتے، بعد نماز فجر دیر تک دعا مانگا کرتے پھر وظائف مسنونہ کے بعد تلاوت قرآن مجید اور اشراق سے فراغت

کے بعد مکان تشریف لے جاتے نصف گھنٹہ کے بعد باہر کمرہ میں بیٹھ کر مطب کرتے، اس کے بعد خطوط اور فتاویٰ کے جوابات لکھتے ،ظہر کا وقت آجاتا تو نماز پڑھ کر کھانا تناول فرماتے، گرمیوں میں چند منٹ قیلولہ فرماتے اور پھر باقاعدہ درس وتدریس کا مشغلہ عصر تک جاری رہتا، بعد عصر بھی تلاوت کا معمول تھا، مغرب کی نماز کے بعد وظیفۂ درود شریف اور اس کے بعد مراقبہ اور پھر اخیر میں عشاء تک تلاوت فرماتے اور پھر کھانا کھا کر تقریباً گیارہ بجے آرام کرنے چلے جاتے۔

حضرت سید صاحب کا رمضان مبارک میں یہ معمول تھا کہ دو ختم قرآن مجید تراویح میں اور ایک ختم عشرۂ اخیرہ میں فرماتے ،رمضان کے شروع کے بیس یوم تو شاید چند منٹ آرام کر لیتے لیکن عشرۂ اخیرہ میں مطلقاً سونا ثابت نہیں ۔(انتھیٰ کلام حسنی)

فضل وکمال: اب ہم وہ احوال وکوائف نقل کرتے ہیں جو ہم نے اپنے بڑوں سے سنا ہے، خاص طور سے حضرت مصلح الامتؒ خوب بیان کرتے تھے:-

حضرت مولانا سید محمد امین صاحبؒ کی ولایت و بزرگی کا ذکر بچپن ہی سے اپنے دادا وغیرہ سے ہم سنتے رہے اس لئے کہ آپ کا اصلاحی وتبلیغی دورہ برابر ضلع اعظم گڑھ وضلع مئو ہوا کرتا تھا جس سے وہاں کے باشندگان کو دین کا کافی نفع ہوا، عام طور پر لوگ حضرت مجدد سید احمد رائے بریلویؒ کو بڑے سید صاحب اور مولانا سید امین صاحب نصیر آبادیؒ کو چھوٹے سید صاحب کہا کرتے تھے، ہماری خوش نصیبی ہے کہ حضرت مولاناؒ ہماری چھوٹی سی بستی موضع ''کاری سات''، ضلع مئو میں تشریف لاتے تھے اور اہل بستی سے تا اخیر عمر نہایت خوش رہے، کسی خاص موقع پر آپ کی

ہمارے خاندان کے بڑوں نے نصرت کی جس کا تذکرہ تحسینی کلمات میں حضرت مرشدی مصلح الامتؒ فرماتے تھے،مولانا دیہاتوں میں نماز جمعہ وعیدین کے قائل تھے،حضرت مصلح الامتؒ حضرت مولانا سید صاحبؒ کے بہت معتقد تھے،اسی طرح حضرت مرشدی مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھیؒ بھی آپ کا ذکر خیر فرماتے تھے ،ان کے متعدد وعظ میں شریک ہوئے تھے ، چنانچہ فرماتے تھے کہ مولانا نہایت خوبصورت، وجیہ اور بارعب عالم تھے،معلوم ہوتا تھا کہ شاہزادے ہیں،اور جمعہ کے بعد وعظ کے لئے دوزانوں بیٹھ جاتے تو عصر کے وقت تک اسی حال میں وعظ فرماتے رہتے جنبش تک نہ فرماتے اور قیامت وآخرت پر ایسا وعظ فرماتے جیسے کہ قیامت سامنے ہے،اور درحقیقت وعظ اسے ہی کہتے ہیں جس سے لوگوں کی اصلاح ہو اور دل میں خوفِ آخرت پیدا ہو،اللہ تعالی ہم سب کو ایسا ہی وعظ کرنے اور اس پر عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔آمین (مرتب)

ملفوظات

سنت پر عمل اور اس سے ایسا عشق تھا کہ خلاف سنت بات نہ آپ دیکھ سکتے تھے اور نہ برداشت کر سکتے تھے،اسی لئے ایک مرتبہ اُویس زمانہ حضرت مولانا فضل رحمن گنج مرادآبادیؒ نے دیکھ کر یوں فرمایا کہ فقیر نے تیرے سوا کسی کو اب تک اتباعِ سنت کا متوالا نہیں دیکھا،اسی لئے خلاف امورِ شرعیہ پر حضرت سید صاحب بے خود ہو جاتے تھے،ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ کیا کروں،طبیعت کو بہت روکتا ہوں؛لیکن اہانت طریقۂ محمدیہ دیکھ کر آنکھوں میں خون اتر آتا ہے۔

حضرت سید صاحب فرماتے تھے کہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ،

شیخ جیلانیؒ ،مجدد الف ثانیؒ اور سید احمد مجدد شہید رائے بریلویؒ قدست اسرارہم وغیرہم نے بڑی خدمات انجام دیں اور امت محمدیہ پر بڑا احسان کر گئے ،بدعات کو ایک حد تک چھانٹ دیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالی نے ان حضرات پر راہِ سنت منکشف فرمادی تھی اور اس کا بڑا احسان ہے کہ فقیر پر بھی یہ راہ سنت آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔

فرمایا: ایک اہم نکتہ یہ ملحوظ ہونا چاہیئے کہ آنحضرت ﷺ نے جن باتوں کا اہتمام فرمایا ہے مثلاً نماز باجماعت اور فرائض وواجبات وسنن مؤکدہ وغیرہ اگر کوئی اس پر عمل کرتا اور پابندی اختیار کرتا ہے تو نہ خود اس کو وسوسہ وشبہ پیدا ہوتا ہے کہ میں کامل بزرگ اور ولی اللہ ہوگیا ہوں اور نہ دوسرے اسے ولی اللہ اور بڑا متقی سمجھتے ہیں لیکن اگر ان امور کا پابند ہو جائے جن کا آنحضرت ﷺ نے اہتمام نہیں فرمایا مثلاً نماز چاشت واشراق ،وغیرہ تو وہ خود بھی سمجھتا ہے کہ اب میں بایزید بسطامیؒ ،جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور شبلیؒ سے کم نہیں ہوں اور دوسرے بھی فریب میں پڑ جاتے ہیں بس یہیں سے نفس اور شیطان کو گمراہ کرنے کا بڑا موقع ہاتھ آجاتا ہے جس کی وجہ سے لوگ اپنے کو بزرگ سمجھنے لگتے ہیں اور گمراہ ہو جاتے ہیں۔

ف: سبحان اللہ! یہ ملفوظ کس قدر بصیرت افروز وحکمت آموز ہے جو پیش نظر رکھنے کے لائق ہے۔(مرتب)

وفات: ۱۳۴۹ھ دوشنبہ کے دن آپ نے اس دار فانی سے کوچ کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون اور نصیر آباد میں مدفون ہوئے۔نور اللہ مرقدہٗ۔

مجاہد آزادی حضرت مولانا محمد علی جوہرؒ م: ۱۳۵۰ھ

ولادت اور وطن: آپ کا وطن نجیب آباد ضلع بجنور ہے، آپ ۱۸۷۶ء کے آخر میں پیدا ہوئے آپ کے منجھلے بھائی کا نام مولانا شوکت علی تھا، دو سال کی عمر کے تھے کہ والد ماجد کا انتقال ہوگیا، والدہ ماجدہ باہمت و مستقل مزاج تھیں، بیٹوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائی، معمولی اردو فارسی وغیرہ گھر پر ہوئی، اس کے بعد بریلی ہائی اسکول میں داخل ہوئے، مولانا جوہر کی ذکاوت و ذہانت اسی زمانہ میں اجاگر ہو چکی تھی۔

تعلیم: پھر اپنے بڑے بھائی شوکت علی کے ہمراہ علی گڈھ یونیورسٹی میں داخل ہوئے، مگر مولانا کا سارا سال کھیل اور تفریحات میں گذرتا، ڈیڑھ دو ماہ امتحان سے قبل ہر طرف سے یکسو ہو کر کتابوں کے ہو کر رہ جاتے اور امتیازی نمبروں سے کامیاب ہو جاتے، علی گڈھ کے زمانۂ طالب علمی ہی میں انگریزی میں کافی قابلیت ہو چکی تھی، پھر اس کے بعد تو بے مثل ادیب ثابت ہوئے۔

آپ کی شاعری: اب ہم چاہتے ہیں کہ ''جوہر نامہ'' مرتبہ حکیم محمد عرفان الحسینی میں حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحی کا جو مضمون بعنوان ''مولانا محمد علی کی شاعری'' شائع ہوا ہے اس سے چند سطریں نقل کرنے کی سعادت حاصل کریں:

مولانا محمد علی مرحوم بڑے سچے اور پکے مسلمان تھے، ان کے اشعار گہری مذہبیت، ایمانی غیرت، ملی حرارت اور قلب مومن کی اصلی ادا و کیفیت کے غماز ہوتے تھے، مرد مومن کی جذباتی کیفیت اور ظاہری و اندرونی حالت کو

مولانا سے زیادہ خوبی اور خوبصورتی کے ساتھ اور کون بیان کرسکتا ہے؟ کیونکہ ان کے دل کی طرح ان کی زندگی بھی مومنانہ تھی اور وہ مردِ مومن کی اصلی کیفیات وخصوصیات کے واقعی مشاہد اور لذت شناس بھی تھے، جیل کی تنگ وتاریک فضا میں ان کا دل سراپا مطلع انوار بن جاتا تھا اور انہیں اسی نورانی ماحول میں ایمانی بصیرتیں بھی حاصل ہوتی تھیں اور اسی میں ان پر مردِ مومن کی اصلی کیفیت بھی پوری طرح منکشف ہوتی تھی۔

آپ بیتی : اپنی اس آپ بیتی کو وہ ایک نعتیہ غزل میں نہایت والہانہ انداز میں اس طرح بیان کرتے ہیں ؎

تنہائی کے سب دن ہیں تنہائی کی سب راتیں
اب ہونے لگیں ان سے خلوت کی ملاقاتیں
ہر آن تسلی ہے ہر لحظہ تشفی ہے
ہر وقت ہے دلجوئی ہردم ہیں مدارا تیں
کوثر کے تقاضے ہیں تسنیم کے وعدے ہیں
ہر روز یہی چرچے ہررات یہی باتیں
معراج کی سی حاصل سجدوں میں ہے کیفیت
ایک فاسق وفاجر میں اورایسی کراماتیں
بے مایہ سہی لیکن شاید وہ بلا بھیجیں
بھیجی ہیں درودوں کی کچھ ہم نے بھی سوغاتیں

اس نعتیہ غزل کے متعلق ایک واقعہ کا ذکر بے محل نہ ہوگا، ۱۹۲۴ھ میں

مولانا محمد علی مرحوم کی لکھنؤ میں تشریف آوری سے فائدہ اٹھا کر مولانا عبدالرحمن ندویؒ نگرامی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء نے ندوہ کی طرف سے انہیں چائے پر مدعو کیا اس موقعہ پر تقریر کرتے ہوئے مولانا نگرامی نے کہا کہ:

سیاسی تقریریں تو اور بہت سے موقعوں پر ہم سن لیں گے اس وقت تو ہم طلبۂ ندوہ یہ چاہتے ہیں کہ ''تنہائی کی راتوں میں خلوت کی ملاقاتیں'' جو آپ کے نصیب میں آئی ہیں ان سے ہمیں بھی مستفید فرمایا جائے۔

مولانا نگرامی بڑے دیندار، مخلص اور بے نفس قسم کے انسان اور اچھے خطیب اور مقرر تھے، ان کی تقریر سے مولانا محمد علی بھی متاثر و محظوظ ہوئے، لیکن ان کی حاضر جوابی اور ذہانت نے اس فرمائش سے گریز کا یہ لطیف انداز اختیار کیا۔

میرے عزیز بھائی! تم بھی ایک شاعر کی بات کا اعتبار کر بیٹھے شاعر تو اپنی خیالی دنیا میں کیا کچھ کہہ جاتا ہے اس سے ان چیزوں کا ثبوت عملی دنیا میں طلب کرنا تو بڑی زیادتی ہے۔ (محمد علی: ج ۱، ص ۱۳۸)

ف: سبحان اللہ! کس قدر تواضع اور اخفائے حال کا اہتمام تھا جو اچھے اچھوں کو نصیب نہیں۔ (مرتب)

ایمانی کیفیت: ایک اور غزل کے چند اشعار سے مولانا کی ایمانی کیفیت کا اندازہ کیجئے:

تم یوں ہی سمجھنا کہ فنا میرے لئے ہے — پر غیب سے سامانِ بقا میرے لئے ہے
پیغام ملا تھا جو حسین ابن علی کو — خوش ہوں وہی پیغام قضا میرے لئے ہے
میں کھو کے تیری راہ میں سب دولتِ دنیا — سمجھا کہ کچھ اس سے بھی سوا میرے لئے ہے

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے　　یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

وہ بارگاہِ رسالت میں اپنا پرخلوص نذرانہ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اے شافع محشر جو کرے تو نہ شفاعت　　پھر کون وہاں تیرے سوا میرے لئے ہے

کیوں ایسے نبی پہ نہ فدا ہوں کہ جو فرمائے　　اچھے تو سبھی کے ہیں برا میرے لئے ہے

کیوں جان نہ دوں غم میں ترے جبکہ ابھی سے　　ماتم یہ زمانہ میں بپا میرے لئے ہے

بیٹی کی علالت پر اشعار: مولانا کو اسیری کی حالت میں اپنی ایک جوان بیٹی کی علالت کی خبر ملتی ہے، جیل میں ہونے کی وجہ سے اس کی تیمارداری اور دوا وعلاج سے معذور تھے، لیکن اپنی تسکین وتثبیت قلب کے لئے اس موقعہ پر انہوں نے جو اشعار کہے ہیں وہ درحقیقت ایک مومن کے جذبہ صبر وشکر، تسلیم ورضا اور توکل وتفویض الی اللہ کے پوری طرح آئینہ دار ہیں، ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:

میں ہوں مجبور پر اللہ تو مجبور نہیں　　تجھ سے میں دور سہی وہ تو مگر دور نہیں

امتحان سخت سہی پر دل مومن ہی وہ کیا　　جو ہر ایک حال میں امید سے معمور نہیں

ہم کو تقدیر الٰہی سے نہ شکوہ نہ گلہ　　اہل تسلیم ورضا کا تو یہ دستور نہیں

تیری صحت ہمیں مطلوب ہے لیکن اس کو　　نہیں منظور تو پھر ہم کو بھی منظور نہیں

تیری قدرت سے خدایا تری رحمت نہیں کم　　آمنہ بھی جو شفا پائے تو کچھ دور نہیں

شان رحمت مجھے دکھلا کہ ہو تسکیں کا نزول　　دل جو ہر ہے یہ، یارب جبل طور نہیں

صعوبتوں اور دشواریوں سے ہراساں ہونے کے بجائے انہیں صبر وشکر کے ساتھ جھیل جانے اور خطرات وشدائد کا خندہ پیشانی سے استقبال کرنے کو وہ عین دین وایمان سمجھتے ہیں اور کوشش وجستجو اور حرکت وعمل کی تلقین بھی

کرتے ہیں مگر نتیجہ خدا کے حوالے کرنے، اس کی مرضی کے تابع ہونے اور صبر و توکل اختیار کرنے کی دعوت بھی دیتے ہیں، فرماتے ہیں:

ہر رنگ میں راضی برضا ہو تو مزہ دیکھ　　دنیا ہی میں بیٹھے ہوئے جنت کی فضا دیکھ
ہے سنتِ ارباب وفا صبر و توکل　　چھوٹے نہ کہیں ہاتھ سے دامانِ رضا دیکھ

(جوہر نامہ: ص/ ۱۱۶ تا ۱۱۷)

ف: غور فرمایئے کہ توحید و رسالت کے سلسلہ میں کتنے عارفانہ و عاشقانہ اشعار ہیں جو صاحب معرفت ہی کہہ سکتا ہے، اسی لئے ان اشعار کو ہمارے مشائخ و علماء نے بھی پسند فرمایا ہے اور داد تحسین دی ہے۔

چنانچہ مرشدی حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتا بگڈھیؒ تو اکثر صاحبزادی آمنہ کی علالت کے سلسلے میں کہے ہوئے اشعار نیز رات کی تنہائی کی کیفیت قلبی کو بیان کرتے ہوئے مولانا نے جو اشعار کہے ہیں ان کو مجلس عام و خاص میں نہایت کیف و حال سے سناتے تھے جس سے اصحابِ مجلس غایت درجہ متاثر ہوتے تھے۔

نیز حضرتؒ فرماتے تھے کہ مولانا محمد علی جوہر اصطلاحی عالم نہ تھے مگر چونکہ حضرات علمائے دیوبند کی خدمت میں رہے تھے اس لئے ان کے فیض صحبت سے وہ بھی صاحب دل ہو گئے تھے اس لئے وہ ایسے اشعار کہتے تھے۔ (مرتب)

تحریکِ خلافت: تحریک خلافت کے دنوں میں ہندوستان میں جذبۂ آزادی کی روح پیدا کرنے میں علی برادران کا بڑا ہاتھ رہا، اس سلسلہ میں ان کی والدہ کا یہ شعر نہایت مشہور بلکہ زبان زد عوام و خواص رہا ؎

بولی اماں محمد علی کی　　جان بیٹا خلافت پہ دے دو

ف: چنانچہ لاڈلے بیٹے نے اماں جان کے حکم کے امتثال میں جان تو دے ہی دی جیسا کہ اس کا بیان آگے آرہا ہے۔(مرتب)

گول میز کانفرنس: ۱۹۳۰ء میں گاندھی ارون پیکٹ ہوا، اور طے پایا کہ لندن میں گول میز کانفرنس منعقد کی جائے جس میں ہندوستان کے بڑے زعماء شریک ہوں چنانچہ مولانا محمد علی جوہر گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے نامزد کئے گئے اور برطانیہ تشریف لے گئے، مولانا ان دنوں بیحد علیل اور کمزور تھے اس لئے گول میز کانفرنس میں بیٹھے بیٹھے جو تقریر کی اس کے چند کلمات یہ ہیں:

آزادی یا موت: آج جس مقصد کے لئے میں یہاں آیا ہوں وہ یہی ہے کہ میں اپنے ملک کو اس حالت میں واپس جاؤں جبکہ آزادی کا پروانہ میرے ہاتھ میں ہو، میں ایک غلام ملک کو واپس نہ جاؤں گا، میں ایک غیر ملک میں جب تک وہ آزاد ہے مرنے کو ترجیح دونگا، اور اگر آپ مجھے ہندوستان کی آزادی نہیں دیں گے تو پھر آپ کو یہاں مجھے قبر کے لئے جگہ دینی پڑے گی، مولانا کی یہ تقریر خاصی طویل ہے شائقین کو اس کے لئے ''سیرت محمد علی'' کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

وفات: مولانا نے گول میز کانفرنس میں عجیب وغریب معرکۃ الآراء تقریر کی ان کی صحت گرتی چلی گئی اور سنبھلنے کا کوئی امکان نہ رہا تاہم وہ کام کرتے رہے، وفات کی رات سے پہلی شب ساری رات کام کرتے رہے، ہندو مسلم تعلقات کے متعلق ایک مفصل اسکیم کی ترتیب دیتے رہے جو وزیر اعظم کو پیش کرنا تھی، مسودہ تیار ہوگیا تو آپ بیہوش ہو گئے، مولانا شوکت علی ایک دوست سے ملنے کے لئے آئرلینڈ چلے گئے تھے، ہوش میں آئے تو بوڑھے بھائی شوکت علی سرہانے بیٹھے تھے اور دیکھتے

دیکھتے ہی آنکھیں مندھ گئیں، یوں ملک کی آزادی اور ملت اسلامیہ کے لئے ساری دنیا سے لڑنے والا مجاہد موت سے عاجز آگیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن تاریخ وفات ۴؍جنوری ۱۹۳۱ء ہے۔(بیس بڑے مسلمان:ص؍ ۸۲۳ تا ۸۲۵)

ف: مگر افسوس کہ برادرانِ وطن ان کا نام تک نہیں لیتے جو حق وانصاف سے کس قدر دور ہے۔العیاذباللہ تعالی(مرتب)

تکفین وتدفین: آپ کا تابوت ایک جہاز کے ذریعہ مصر لایا گیا،وزیر اعظم اور مشائخ پورٹ سعید پر استقبال کے لئے موجود تھے،شہزادہ محمد علی نے غلاف کعبہ کا ایک ٹکڑا تابوت پر رکھنے کے لئے مرحمت فرمایا،آپ کا کفن خالص کھدر کا تھا، قاہرہ سے آپ کا تابوت بیت المقدس پہونچایا گیا اور بعد از جمعہ نماز جنازہ پڑھ کر آپ کو دفن کر دیا گیا۔نور اللہ مرقدہ (بیس بڑے مسلمان:ص؍ ۸۲۵)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے آپ کی وفات کے بعد جن الفاظ میں اپنے تاثر کا اظہار فرمایا ہے وہ مولانا محمد علی کے صدق وخلوص پر بین ثبوت ہے،چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

”محمد علی کی وفات پر میرے قلب پر جو اثر ہے بیان نہیں کرسکتا،خدا جانے کتنی دفعہ دعا کر چکا ہوں اور کر رہا ہوں،مجھ کو مرحوم کی جس صفت کا اعتقاد اور اس اعتقاد کی بناء پر محبت ہے،صرف ایک صفت ”مسلمانوں کی سچی وبے غرض محبت“ ہے باقی دوسری صفات دیکھنے والے جانتے ہیں،میں نے کبھی دیکھا نہیں اس لئے ایک ہی صفت سے محبت ہے اور اس کو میں روح الصفات سمجھتا ہوں۔“

ف: اللہ تعالی ایسی ہی محبت ہم سب کو عطا فرمادے،آمین (مرتب)

حضرت سید احمد شریف سنوسی افریقی متوفی ۱۳۵۰ھ

(سنوسی تحریک کے ایک عظیم داعی)

نام ونسب: افریقہ اور خاص طور سے شمالی افریقہ میں جس تحریک ودعوت نے سب سے موثر اور ہمہ گیر خدمات انجام دی، وہ سنوسی تحریک ہے؛ جس کے اولین رہنماؤں میں سید احمد شریف السنوسی کا نام نامی آتا ہے، یہ سنوسی سلسلہ طریقت کے ان چار ستونوں میں سے ایک تھے جنہوں نے یکے بعد دیگرے اس تحریک کے ذریعہ دعوت وجہاد اور تبلیغ وارشاد کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دئے، سید احمد معروف ومشہور بانی تحریک امام محمد بن علی سنوسی کے صاحبزادے تھے اور ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے، انہوں نے تحریک کے دائرہ اور حلقہ کو وسیع کیا، جہاد کا دائرہ بھی دو محاذوں تک پھیلا دیا، فرانسیسیوں اور اطالیوں دونوں سے جنگ کی اور شاندار کامیابیاں حاصل کیں۔

ولادت: سید احمد الشریف الجزائر کے شہر ''مستغانم'' میں ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۸۷۶ء میں پیدا ہوئے، والد محمد سنوسی نے براہ راست خود تعلیم وتربیت کی نگرانی کی، ابتدائی تعلیم وطن ہی میں حاصل کی اور بیشتر کتابیں اپنے والد اور ان کے فاضل وجلیل القدر رفقاء سے پڑھیں پھر مراکش، مصر اور حجاز کا سفر کیا، تعلیم جاری رکھتے ہوئے تحریک میں بھرپور حصہ لیا اور خانقاہیں قائم کرنے میں ہاتھ بٹایا، خانقاہوں کے انتظام وانصرام اور مریدین وتلامذہ کی تربیت وسرپرستی میں سرگرم

حصہ لیا، جب امام محمد سنوسی نے طرابلس و برقہ کو اپنا مرکز بنایا تو ساتھ ہی قیام کیا، اور جہاد میں بارہا فوجوں کی قیادت کی۔

آپ کی خصوصیات: سید احمد کی ایک امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے کتاب وسنت کے مطابق عقائد و اعمال پر زور دیا اور اس سلسلہ میں اپنے ساتھیوں، دوستوں، شاگردوں اور مریدوں پر کڑی نگاہ رکھی، اگر کسی شخص سے معمولی سی بھی کوتاہی ہوئی تو اس کو تنبیہ اور سختی سے کتاب وسنت پر عمل کرنے کی تاکید کی، وہ خود اپنی زندگی میں مثالی نمونہ تھے اور چلتے پھرتے مدرسہ تھے، جس سے ہر شخص علم کے ساتھ جہاد، اللہ تعالی سے تعلق، انابت، رجوع، دنیا بیزاری اور حق کی راہ میں بہادری اور پیش قدمی سیکھتا تھا، اسی سرپرستی اور تربیت کا نتیجہ تھا کہ ان کے پیروکاروں نے سامراجیوں سے جنگ کرنے میں غیر معمولی ایمانی جذبہ اور شجاعت کا مظاہرہ کیا اور جنگ کے میدان میں اتنے زبردست نظم وضبط کا ثبوت دیا کہ دشمن حیرت زدہ رہتا تھا، انہوں نے یہ نظم و ضبط اپنی خانقاہوں میں سیکھا تھا۔ انہیں اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے خواہ وہ مسجد میں ہوں یا مطبخ میں ہوں اور تعلیمی حلقوں میں ہوں یا فوجی مشقوں کے دوروں اور میدانوں میں ہوں۔ ہر جگہ اور ہر وقت نظم وضبط کی جانب توجہ مبذول کرائی جاتی تھی، ان کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ اخوت اسلامی اور بین الاقوامی بھائی چارگی ان کی زندگی میں رچ بس گئی تھی، وہ ایک تحریک کے مقاصد ومنصوبوں، اس کے سربراہ اور جماعت کے افراد کے ہمراہ دعوت و جہاد کرتے تھے مگر دوسرے افراد وحلقوں اور عام مسلمانوں کو یہ محسوس نہ ہونے دیتے تھے کہ وہ صرف

اپنی جماعت ہی کے خیر خواہ اور وفادار ہیں اور دوسری جماعتوں، طریقوں اور تحریکوں سے کسی قسم کا تعصب رکھتے ہیں۔

ف: مگر اس زمانہ میں ہر ہی جماعت تعصب کی شکار ہے جس کی وجہ سے باہم میل ملاپ، اور محبت والفت مفقود ہے اسی وبائے عام کو دیکھتے ہوئے حضرت مرشدی مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھیؒ فرماتے تھے کہ وہ شخص قابل مبارک باد ہے جو عصبیت سے پاک ہے (مرتب)

کیونکہ ان کی دعوت وتحریک جماعتی تعصب اور تحریکی انتہا پسندی کی بنیاد پر قائم نہیں تھی بلکہ اسلام کی آفاقیت اور اس کے اعلی اقدار، پاکیزہ اخلاق اور انسانیت نواز قدروں پر مبنی تھی، جن کے پیش نظر اسلام اور صرف اسلام تھا اس لئے قدرتی طور پر ہر کلمہ گو اور ہر مسلمان کی ہم دردی، غمخواری، مواسات، رحم دلی، تعاون مدد اور نصرت اور خدمت کا حق دار تھا خواہ وہ سنوسی تحریک سے وابستہ ہو یا نہ ہو، بس مسلمان ہونا اور اس کے بعد انسان ہونا کافی تھا ان کی خانقاہوں میں اس کے دلنواز اور خوشگوار مناظر آتے تھے بلکہ بسا اوقات محسوس ہوتا تھا کہ جماعت کا غیر رکن اور غیر وابستہ شخص ان کو زیادہ عزیز اور ان کے لئے زیادہ مرکز توجہ ہے، سنوسی تحریک کی یہ ایک ایسی امتیازی خصوصیت تھی جو اسے دور نبوی کے اسلامی معاشرہ سے جوڑ دیتی ہے۔ اسی بنا پر اس تحریک نے بڑی کامیابی اور مقبولیت حاصل کی۔ عصر حاضر کے ممتاز داعی، مصلح اور ادیب وانشا پرداز امیر ارسلان، سید احمد سنوسی کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

''سید احمد، عالم، اور ممتاز استاذ تھے، بے حد شریف، باوقار، فراخدل اور

ہوشمند تھے‘‘

اطالیوں سے جہاد کیا اور عثمانی خلافت کے ہم نوا تھے، تنہا علم جہاد بلند کیا اور برقہ وطرابلس ان کی علم داری میں شامل ہو گیا، سید احمد کا مقصد مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ اور اسلامی خلافت کو بحال کرنا تھا انہوں نے فرانسیسی سامراج سے ۱۹۰۲ھ سے ۱۹۱۳ء تک یعنی گیارہ سال جنگ کی اور اطالوی سامراج سے سات برس سے زیادہ جہاد کیا، جہاد میں بڑی پامردی، ثابت قدمی، استقلال، استقامت اور بہادری سے جنگ کر کے دشمنوں کے چھکے چھڑا دئے فوجوں کی قیادت خود کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے ’’یوم الجمعہ‘‘ نامی معرکہ کی قیادت کی جو ’’درنہ‘‘ کے قریب ۱۶ مئی ۱۹۱۳ء میں پیش آیا، سید احمد نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور فتح حاصل کی، بعض لوگوں نے حالات کا جائزہ لینے کے بعد کہا کہ یہ فتح یابی سید صاحب کی کرامت تھی، اس معرکہ اور اس طرح کے بے شمار معرکوں میں انہیں کامیابی حاصل ہوئی، جب کہ ان کے اور مجاہدین کے پاس معمولی ہتھیار اور تھوڑی تعداد ہوتی، ان کے مقابلہ میں دشمن کی تعداد بہت بڑی اور جدید ترین ہتھیاروں سے لیس ہوتی، ان کی فتح، اللہ تبارک وتعالی کے ارشاد کے مصداق ہوتی۔

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِيْنَ۔

ترجمہ: ’’کتنی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں اللہ تعالی کے حکم سے بڑی بڑی فوجوں پر غالب آگئیں، اللہ تعالی ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے۔‘‘

مسلمانوں کے بدحالی کے اسباب: سنوسی تحریک کے مخلص داعیوں

نے مسلمانوں کی بدحالی کے تین اسباب بیان کئے ہیں:

(۱) مسلمانوں کی اپنے دین سے ناواقفیت اور نادانی۔

(۲) اختلاف اور تعدد رجحانات ومسالک۔

(۳) علماء میں عزیمت، جرأت اور ایثار کا فقدان، اور اسلام کے نشر واشاعت میں غفلت ولا پرواہی۔

ان مخلص داعیوں نے اس تجزیاتی نظریہ کو پیش نظر رکھ کر اپنی دعوت کا کام شروع کیا اور ان تینوں اسباب کے ازالہ کے لئے پوری جدوجہد کی، تن من دھن کی بازی لگادی اور انتہائی مجاہدانہ سرگرمیوں سے بڑی کامیابیاں حاصل کیں، جس کے خوشگوار نتائج برآمد ہوئے اور اس کے اثرات نظر آئے، جن کو ہم مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کرسکتے ہیں:

(۱) طرابلس اور ان کے آس پاس کے بیشتر علاقوں میں بسنے والے عرب قبائل میں الفت ومودت اور اخوت قائم ہوئی اور زندگی بھر کی دشمنی اور دائمی جنگ کو ختم کر کے منفعت بخش اور تعمیری کاموں میں ہمہ تن مصروف ہوگئے۔

(۲) اسلامی تعلیمات اور اس کی اعلیٰ قدروں کی اشاعت ہوئی، وسط افریقہ اور ساحلی ملکوں میں سنوسی تحریک کے ذریعہ دعوت اسلامی کو فروغ حاصل ہوا، غلاموں کی تجارت اور اس کا کاروبار بند کردیا گیا، امتیازی سلوک اور نسلی برتری کا قلع قمع کیا گیا۔

(۳) سنوسی علماء اور ان کے شاگردوں اور مریدوں نے پورے

عالم اسلام میں غیر ملکی طاقتوں اور سامراج ، اور ان سے آزادی اور ان کے ناپاک عزائم کے خلاف عملی جہاد بھی کیا ، شمالی اور وسطی افریقہ میں فرانسیسی سامراج کو چین نہ لینے دیا، اس نے بھی سنوسیوں کو اپنا سب سے بڑا دشمن قرار دیا، اور اسے کچل دینے کے لئے ہر طرح کا حربہ استعمال کیا، طرابلس میں سنوسی علماء اور داعیوں نے اطالوی سامراج سے بیس سال تک زبردست اور خونریز جنگ کی اور ان کے قدم جمنے نہ دئے۔

ف: اللہ تعالی اپنے فضل سے ایسے حضرات کو پیدا فرماتے رہیں تاکہ اسلام کا بول بالا ہوتا رہے اور مسلمان دین وتقویٰ کی زندگی گزار کر اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی حاصل کرتے رہیں۔(مرتب)

وفات: سید احمد سنوسی نے ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹۳۳ء میں وفات پائی، انا للہ وانا الیہ راجعون دلوں میں اب تک ان کے لئے احترام اور قدر ومنزلت باقی ہے۔آج بھی ان کی شجاعت، بہادری، للّٰہیت، تقویٰ، خداترسی، ایثار وقربانی اور اللہ کی راہ میں فدائیت وشہادت کی یاد تازہ ہے۔رحمہ اللہ تعالی

(تاریخ فکر اسلامی صفحہ ۲۵۰)

حضرت شہید عمر مختار لیبیا المتوفی ۱۳۵۱ھ

نام ونسب مع ولادت: شیخ عمر مختار لیبیا کے شہر برقہ کی وادی بطنان میں ۱۲۷۷ھ میں پیدا ہوئے، ان کا تعلق ایک مشہور عرب قبیلہ ''منفہ'' سے تھا جو اس علاقہ میں اپنی بہادری اور دلیری کی وجہ سے بڑی شہرت رکھتا تھا، ان کی پیدائش سے قبل ان کے والد مختار بن عمر نے نذر مانی تھی کہ اگر ان کے یہاں لڑکا پیدا ہوا تو وہ اسے علم دین کی خدمت کیلئے وقف کر دیں گے، والد کے نذر مانتے وقت یہ وہم گمان میں بھی نہ تھا کہ ان کے یہاں نرینہ اولاد پیدا ہوگی اور اگر لڑکا ہوگا تو وہ اپنی خداداد صلاحیت کی بناء پر لیبیا کا عظیم ترین مجاہد اور غازی بنے گا۔

تعلیم وتربیت: بچہ ابھی پانچ برس کا ہوا تھا کہ والد نے مدرسہ میں داخل کر دیا۔ ابتدائی تعلیم ختم کرنے کے بعد ''جغبوب'' کی خانقاہ سے وابستہ ہو گئے تاکہ وہاں دینی تعلیم تاریخ اسلام اور عربی زبان وادب میں مہارت ودسترس حاصل کریں، جغبوب کی خانقاہ ان مشہور خانقاہوں میں سے ایک تھی جنہیں سنوسی تحریک کے بانی شیخ محمد بن علی سنوسی متوفی ۱۲۷۶ء نے قائم کی تھی، جغبوب کی اس خانقاہ کے تین حصے تھے ایک حصہ پڑھنے پڑھانے اور بدویوں کی تربیت کے لئے تھا، دوسرا حصہ مسافروں کے قیام ومہمان نوازی کے لئے اور تیسرا حصہ تعلیمی شعبہ کے استاذوں اور کارکنوں کی رہائش کے لئے مخصوص تھا اس خانقاہ میں دین وعقیدہ اور دنیا وآخرت اور حریت وجہاد کی بھرپور تعلیم وتربیت دی جاتی

تھی ، اسی خانقاہ جغبوب میں سنوسی داعیوں ومجاہدوں کے زیر نگرانی عمر مختار کی تعلیم وتربیت ہوئی ، دوران تعلیم ہی عمر مختار کی غیر معمولی صلاحیت ، ذہانت ، معاملہ فہمی ،مہارت اور عبقریت نمایاں تھی۔

تدریس: سنوسی بزرگوں نے ان کی تعلیم ختم ہوتے ہی مرج کے قریب سبز پہاڑیوں کے دامن میں واقع ''قصور خانقاہ'' میں معلم وداعی مقرر کردیا، یہ ان کی صلاحیتوں کا زبردست امتحان تھا کیونکہ اس خانقاہ کے آس پاس بسنے والا قبیلہ انتہائی سرکش اور باغیانہ کردار کا حامل تھا، ان کی تعلیم وتربیت کے لئے ایک خاص انداز اور حد درجہ کی حکمت ودانائی کی ضرورت تھی تاکہ ان کی سرکشی اور کج روی کا ازالہ کرکے ان کی زندگی میں سکون واستقرار، سلامتی وراست بازی اور باہم محبت والفت اور ہمدردی وتعاون کی روح پھونک دی جائے ،عمر مختار نے بڑی حکمت ودانائی کے ساتھ اس قبیلہ کو اسلامی اخلاق اور دینی آداب کی تعلیم دی اور اپنے اعلی اخلاق اور نرم خوئی وحسن کردار سے اپنا ہمنوا بنالیا، اٹلی نے لیبیا پر قبضہ کرنے کے لئے ترکی سے ۲۱/اکتوبر ۱۹۱۲ء کو معاہدہ کرلیا جس کے بارے میں لیبیا کے باشندوں کو کچھ علم نہ ہوسکا، اور اس معاہدہ کے رو سے ترکی فوجیں لیبیا چھوڑ کر چلی گئیں جس کی بناء پر اطالوی حکومت کے لئے لیبیا پر اپنا تسلط قائم کرنا آسان ہوگیا، لیکن عمر مختار مسلسل بیس ۲۰ برس تک اٹلی کی فوجوں سے برسرپیکار رہے اور اسے سکون سے حکومت واقتدار کی باگ ڈور سنبھالنے نہ دی، ان کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جو میدان جنگ میں زخمی نہ ہوا ہو، اب وہ بوڑھے ہوچکے تھے مگر خدا تعالی کا حکم کچھ اور تھا، وہ مجاہدین کے ہمراہ جبل اخضر کے علاقہ

میں مقیم تھے اطالوی فوجوں کا دباؤ بڑھتا جارہا تھا، ۲۸/ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ کی شام کو پچاس مجاہدوں کے ساتھ اٹلی کی فوجوں کی نقل وحرکت معلوم کرنے کے لئے پہاڑ سے اترے تو اچانک محسوس کیا کہ وہ دشمن کے محاصرہ میں ہیں، پوزیشن سنبھالی اور جنگ شروع کر دی مگر ان کے گھوڑے کو گولی لگی اور گھوڑے کے ساتھ وہ بھی زمین پر گر پڑے۔

شہادت: اطالوی فوجیوں نے بڑھ کر گرفتار کرلیا، اور انتہائی تیز رفتاری سے انہیں بن غازی کی جیل میں منتقل کر دیا، چار روز کے بعد ۳/جمادی الاولی ۱۳۵۰ھ کو عدالت میں کرنل مارینی کے سامنے مقدمہ پیش ہوا اس نے ان پر سنگین الزامات عائد کئے، عمر مختار نے بغیر انکار کئے ہوئے کہا کہ تم لوگوں نے ہمارے ملک اور زمین پر غاصبانہ قبضہ کیا ہے اسلام نے اس صورت میں ہم پر جہاد فرض کیا ہے ہم نے اسلامی احکام کو نافذ کیا ہے، اسلام کسی صورت میں بھی ظلم، ذلت اور رسوائی کو قبول نہیں کرسکتا دوسرے روز اس مجاہد اعظم اور داعی و مصلح کو پھانسی دے دی گئی وہ مسکراتے ہوئے کامرانی کی راہ پر روانہ ہوگئے اور جہاد وقربانی کی تاریخ ہمیشہ ہمیش کے لئے جریدہ عالم پر ثبت کر گئے۔

رحمہ اللہ تعالی رحمۃ واسعہ

(تاریخ فکر اسلامی ص ۲۶۵)

(پروفیسر محمد اجتباء ندویؒ)

حضرت مولانا عبدالکریم صاحب گنج مرادآبادی م ۱۳۵۱ھ

نام ونسب وولادت: آپ محدث اور مشائخ کبار میں سے تھے، آپ کا اصلی وطن پنجاب تھا، وہیں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی، آپ نے علم مولانا امیر احمد ابن امیر حسن سہسوانیؒ وغیرہ سے حاصل کیا، اس کے بعد ۱۲۹۷ھ کے قریب گنج مرادآباد تشریف لائے اور شیخ عارف باللہ حضرت مولانا فضل رحمن صاحب گنج مرادآبادیؒ کی صحبت میں رہے اور حدیث وفقہ حاصل کیا اور گنج مرادآباد ہی میں سکونت اختیار فرمائی اور شیخ کی نواسی سے نکاح ہوگیا۔

بیعت وخلافت: آپ کو مولانا گنج مرادآبادیؒ سے خلافت بھی ملی، اس لئے آپ مولانا کی وفات کے بعد مسند شیخوخت پر جلوہ افروز رہے اور ذکر وشغل، افادہ وارشاد اور تعلیم وتربیت میں طویل مدت تک مشغول رہے، بدعات وخرافات، رسوم مشائخ اور عرسوں سے کوسوں دور رہے۔

(ماخوذ از نزہۃ الخواطر: ج/۸، ص/۲۸۳)

وفات: آپ کی وفات ۱۳۵۱ھ میں ہوئی، اس وقت آپ کی عمر ۸۰ سال تھی، گنج مرادآباد ہی میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ

حضرت شفاء الملک حکیم احمد حسین عثمانی الہ آبادیؒ م ۱۳۵۱ھ

نام ونسب: حکیم احمد حسین، والد کا نام بدرالدین عثمانی ہے، آپ مشہور افاضل میں شمار کئے جاتے ہیں۔

ولادت: آپ کی ولادت ۱۸۵۹ء میں ہوئی اولاً تعلیم اپنے گاؤں کونڈہ پور ضلع الہ آباد میں حاصل کی، پھر شہر الہ آباد حضرت مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادیؒ سے حدیث، فقہ، منطق وغیرہ علوم کی تعلیم حاصل کی، پھر لکھنؤ جا کر علم طب میں مہارت حاصل کی، ماشاءاللہ آپ نے مطب کی مشغولیت اور درس وتدریس میں مصروفیت کے باوجود تاریخ ابن خلدون کا اٹھارہ جلدوں میں بہترین ترجمہ اردو میں کیا، جو مقبول ہوا، آپ مسلک اہل حدیث سے تعلق رکھتے تھے۔

بنیاد طبیبہ کالج: آپ کا یہ بھی ایک کارنامہ ہے کہ ۱۹۰۴ء میں طبیہ کالج الہ آباد کی بنیاد رکھی اور اس کو ترقی دیا، جس میں مدارس عربیہ کے فضلاء کے داخلہ کی بھی گنجائش رکھی جس کی وجہ سے بہت سے علماء بھی اس علم طب سے سرفراز ہوئے، مگر افسوس کہ اب سرکار کے قبضہ میں چلے جانے کی وجہ سے یہ سہولت باقی نہ رہی۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کے دونوں صاحبزادے حکیم احمد عثمانی اور حکیم محمد عثمانی نے مطب اور کالج دونوں کو بخوبی سنبھالا، چھوٹے صاحبزادے حکیم محمد عثمانی کا پہلے انتقال ہوا۔ بڑے صاحبزادے حکیم احمد عثمانی شفاء الملک حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے خاص محبت وعقیدت رکھتے تھے، انہوں نے

حضرتؒ کا نہایت خلوص و دلچسپی سے درد قولنج کا علاج فرمایا تھا چنانچہ انھوں نے اولاً حضرت مصلح الامتؒ سے فرمایا کہ آپ کو قلیل الکمیت وکثیر الکیفیت غذا کی ضرورت ہے۔اس جملہ سے حضرت مصلح الامتؒ بیحد مسرور ہوئے اور اس کی تحسین فرمائی۔بفضلہ تعالی اس مرض سے شفا نصیب ہوئی تھی جاتے وقت حضرت سے فرمایا کہ ہم نے ایسا علاج کر دیا کہ یہ مرض ختم ہو جائے گا،اس حقیر کا بھی عرصہ تک علاج فرمایا تھا،حضرت مولاناؒ بھی آپ سے خاص تعلق رکھتے تھے اور آپ کی حذاقت کے معترف تھے،۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں جب حکیم صاحب حج کے لئے تشریف لے جانے لگے تو حضرت مصلح الامتؒ حکیم عثمانی صاحب کے مکان واقع سبزی منڈی تشریف لے گئے تھے اور تصوف کی کتاب ''ترصیع الجواہر المکیہ'' کی بعض اہم عبارتیں سنائیں جس کو حکیم صاحب نے پسند فرمایا۔

مگر حکیم صاحب حج سے الہ آباد واپس نہ آسکے،بلکہ مقام منیٰ میں طبیعت علیل ہوئی تو مکہ مکرمہ لائے گئے،علاج ہوا مگر مشیت ایزدی کہ وہیں وفات ہوگئی اور مکہ مکرمہ کے مشہور قبرستان جنت المعلی میں مدفون ہوئے،نور اللہ مرقدہٗ۔

وفات: حکیم احمد حسین عثمانی کی وفات ۱۳۵۱ھ مطابق جنوری ۱۹۳۳ء میں ہوئی اور آپ کے قائم کردہ طبیہ کالج محلہ ہمت گنج الہ آباد میں مدفون ہوئے، رحمہ اللہ تعالی۔

اپنی سعادت: الحمدللہ آپ نے اس حقیر کا ایک خاص مرض کا سالوں علاج فرمایا (جب کہ اس سے قبل متعدد حکماء کا علاج ہو چکا تھا) جس کی وجہ سے عرصہ تک آپ کے مطب میں نشست کی سعادت نصیب ہوئی۔اس کے ضمن میں

توحید کی خاص بات سننے کی سعادت نصیب ہوئی۔ جب کہ ایک مریضہ نے کہا کہ حکیم صاحب ہم کو اچھا کر دیجئے۔ تو آپ نے معاً فرمایا ''لَاتُشْرِکْ بِاللّٰہِ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ'' اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرانا، بیشک شرک کرنا بڑا بھاری ظلم ہے۔

یعنی شفا دینے والا تو اللہ تعالیٰ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

اخیر میں یہ عرض ہے کہ حضرت حکیم صاحب حج کے لئے تشریف لے جانے لگے تو زیارت کے لئے حضرت مصلح الامتؒ تشریف لے گئے ساتھ میں یہ حقیر تھا، تو حکیم صاحب نے فرمایا کہ ان کا (مراد یہ حقیر ہے) ایسا علاج کر دیا ہے کہ انشاء اللہ کبھی عود نہ کرے گا۔ یہ میرے لئے بہت بشارت کی بات ہے۔ چنانچہ اب تک مرض میں افاقہ ہے اضافہ نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ حکیم صاحب کو جزائے خیر مرحمت فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا شاہ عبدالمجید مئویؒ المتوفی ۱۳۵۱ھ

نام ونسب مع ولادت: حضرت مولانا شاہ عبدالمجید بن شاہ مولوی کریم بخش بن مولوی محمد قائم بن مولوی شاہ کمال مئوی حنفی تقریباً ۱۲۷۴ھ میں مئو میں پیدا ہوئے۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم قصبہ کے اساتذہ سے حاصل کی جن میں استاذ الکل حضرت مولانا امام الدین پنجابیؒ خاص طور سے قابل ذکر ہیں، اس کے بعد مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور میں مولانا عبدالعلیم رسول پوریؒ، مولانا محمد فاروق چریا کوٹیؒ اور دیگر اساتذہ سے جملہ علوم وفنون کی تکمیل کی، پھر لکھنؤ جا کر فن طبابت کی تحصیل کی اور اس فن کو بھی علیٰ وجہ الاتم حاصل کر کے بلند پایہ طبیب بھی ہو گئے۔

مولانا عبدالمجید صاحبؒ ایک علمی اور روحانی خانوادے کے چشم وچراغ تھے، مولانا کے والد ماجد قصبہ کے شاہی مسجد کے امام اور شاہ کمال افغانی خلیفہ شاہ اسحٰق دہلوی قدس سرہ کے خلیفہ تھے۔ آپ کے مریدین ومستفیدین کا حلقہ بہت وسیع تھا، مولانا عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکیؒ صاحب ''الاکلیل'' انھیں اعظم گڈھ کی شمع ہدایت کہا کرتے تھے۔ (تفسیر اکلیل علی مدارک التنزیل)

تدریسی مشغلہ: شاہ صاحب نے فراغت تعلیم کے بعد علماء وصلحاء کی درس وتدریس کا مشغلہ اختیار کیا اور مسلسل اٹھائیس برس شہر بنارس کی مشہور درسگاہ جامعہ مظہر العلوم میں صدارت تدریس کے عہدہ پر فائز رہے، مولانا کے بنارسی

طلبہ میں مفتیٔ شہر حضرت مولانا مفتی ابراہیم صاحبؒ اپنے وقت میں بڑی شہرت ومقبولیت کے مالک ہوئے۔

مظہر العلوم سے الگ ہوجانے کے بعد مشرقی یوپی کی سب سے مشہور درسگاہ دار العلوم مئو کے ناظم منتخب ہوئے اور عرصہ دراز تک اس عہدہ پر فائز رہے، آپ کا دور نظامت مدرسہ کا دور زریں ہے۔ اسی عہد کے محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ، حضرت مولانا عبداللطیف نعمانیؒ جیسے علم کے آفتاب وماہتاب مدرسہ سے فارغ ہوکر نکلے۔

مولانا دارالعلوم کے استحکام وترقی کے لئے ہر وقت سرگرداں رہتے، قرب وجوار اور دور دراز کے اسفار مدرسہ کے لئے کرتے رہتے، حتیٰ کہ کثرت اسفار سے آپ کی صحت بہت گر گئی، مگر مدرسہ سے آپ کو اس قدر محبت تھی کہ اپنے آرام وراحت کا کبھی خیال نہ کیا۔

علمی تبحر کے ساتھ مولانا عبدالمجید صاحبؒ روحانی طریق میں بھی کامل تھے اور اپنے والد ماجد شاہ کریم بخش کے خلیفہ تھے اور سلاسل اربعہ میں بیعت کرتے تھے، اطراف وجوانب کے بیشمار لوگ آپ سے بیعت ہوگئے تھے۔

طبابت: علمی وروحانی مشاغل کے علاوہ آپ طبابت بھی کرتے تھے اور آپ کا شمار قصبہ کے حاذق اطباء میں ہوتا تھا۔ غرض مولانا علم الابدان اور علم الادیان دونوں میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور روحانی وجسمانی دونوں قسم کا معالجہ کرتے تھے۔

ان علمی وعملی کمالات کے ساتھ مولانا کو دنیاوی وجاہت بھی حاصل تھی

انگریزی حکومت کی طرف سے آپ اعزازی مجسٹریٹ تھے، روزانہ معتدد مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے، قدرت نے فصلِ خصومات کا ایسا ملکہ ودیعت کیا تھا کہ فریقین برضا ورغبت آپ کے فیصلے پر سرخم کردیتے تھے۔

اپنے والد ماجد کی طرح آپ بھی تا آخر عمر شاہی مسجد کٹرہ کے امام رہے۔

وفات: مولانا نے ستہتر (۷۷) برس کی عمر پا کر ۱۳۵۱ھ میں وفات پائی اور اپنے آبائی قبرستان میں دفن ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

مولانا کے خلفاء میں آپ کے صاحبزادے مولانا حکیم منیر الدین امام شاہی مسجد خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ مولانا منیر الدین صاحب طبابت کے ساتھ سلوک وطریقت میں بھی شہرت کا مقام رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کے فیض کو تادیر باقی رکھے۔ (تذکرہ علماء اعظم گڈھ صفحہ:۲۱۱)

حضرت العلامہ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ م ۱۳۵۱ھ

ولادت باسعادت وتعلیم: آپ ۲۷ رشوال المکرم ۱۲۹۲ھ اپنے ننیہال بمقام موضع دودھواں (علاقہ لولاب کشمیر) میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی، یہ علاقہ اس وقت ہندوستان میں ہے، ساڑھے چار سال کی عمر میں اپنے والد ماجد مولانا محمد معظم شاہ صاحبؒ سے قرآن پاک شروع کیا اور چھ برس کی عمر تک قرآن کے علاوہ فارسی کے متعدد رسائل بھی ختم کر لئے، پھر مولانا غلام محمد صاحب (صوفی پورہ) سے فارسی عربی کی تعلیم حاصل کی۔

آپ کے والد مولانا محمد معظم شاہؒ (جو عالم ربانی، زاہد وعابد اور کشمیر کے نہایت مشہور خاندانی پیر ومرشد تھے) نے فرمایا کہ جب انہوں نے مجھ سے مختصر القدوری شروع کی تو مجھ سے بعض ایسے مسائل دریافت کرتے کہ مبسوط کتابوں کا مطالعہ کئے بغیر ان کا جواب دینا مشکل ہوتا تھا۔

آپ کے والد آپ کو اور آپ کے بڑے بھائی یٰسین شاہ مرحوم کو کشمیر کے پہاڑوں میں اعتکاف کرنے والے ایک عارف کے پاس حصول برکت کے لئے لے گئے عارف نے جب اس ہونہار بچے کو دیکھا تو والد محترم سے پوچھا کہ یہ

---

(۱) کتاب ''بیس بڑے مسلمان'' سے آپ کے حالات وارشادات پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں اور مزید ملفوظات ''ملفوظات محدث کشمیری''، جمع فرمودہ مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری مؤلف ''انوار الباری'' سے لکھے ہیں۔ (مرتب)

تمہارا بچہ ہے؟ پھر کہا کہ یہ بڑا عظیم الشان عالم ہوگا اور مستقبل میں اس کی علمی عظمت مسلم ہوگی۔

ایک دفعہ حضرت شاہ صاحب منطق اور نحو کے چند رسائل کا مطالعہ کر رہے تھے، اتفاقاً ایک بڑے عالم آپ کے پاس آئے، ان عالم نے ان کی کتابوں کو اٹھا کر دیکھا، کتابوں پر خود حضرت مرحوم کے حواشی لکھے ہوئے تھے، پس بچپن کے زمانہ کی اس ذکاوت، تیزی طبع، جودت فہم کا اندازہ کر کے بے اختیار انہوں نے کہا کہ یہ بچہ اپنے وقت کا رازی اور اپنے زمانہ کا غزالی ہوگا۔

علمی مذاق اور ذہانت کے ساتھ سلامتیٔ طبع، حسن اخلاق اور اعمال صالحہ کی دولتیں بھی شروع ہی سے آپ کو وافر مقدار میں ملی تھی۔

تین سال تک آپ ہزارہ (سرحد) کے متعدد علماء وصلحاء کی خدمت میں رہ کر علوم عربیہ کی تحصیل وتکمیل فرماتے رہے مگر جب علوم وفنون کی پیاس وہاں بجھتی نظر نہ آئی تو ہندوستان کے مرکز علوم دینیہ دارالعلوم دیوبند کی شہرت سن کر آپ ۱۳۰۷ھ یا ۱۳۰۸ھ میں بعمر سولہ سترہ سال ہزارہ سے دیوبند آگئے، دیوبند میں آپ نے چار سال رہ کر وہاں کے مشاہیر وقت ویکتائے روزگار علماء سے فیوض علمیہ وباطنیہ کا بدرجۂ اتم استفادہ کیا اور ۲۰، ۲۱ سال کی عمر میں نمایاں شہرت وعزت کے ساتھ سندِ فراغ ۱۳۱۲ھ میں حاصل کی۔

آپ کے اساتذہ: جن علماء سے آپ کو شرف تلمذ رہا ہے ان میں سے مندرجہ ذیل حضرات خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

مرشد عالم حضرت مولانا محمود حسن شیخ الہندؒ، حضرت مولانا خلیل احمد

سہارنپوریؒ، حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب امرتسری مہاجر مدنیؒ، حضرت مولانا غلام رسول صاحب ہزاروی ؒ دیوبند سے فارغ ہو کر قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمدؒ کی خدمت میں گنگوہ تشریف لے گئے، اور وہاں سے سندِ حدیث کے علاوہ فیوض باطنی بھی حاصل کئے۔ (ص/ ۳۷۱)

تدریس: اس کے بعد آپ دہلی تشریف لے گئے اور تین چار سال تک مدرسہ امینیہ کے صدر مدرس رہے، اس کے بعد بعض ضرورتوں ومجبوریوں کے باعث کشمیر تشریف لے گئے، ۱۳۲۳ھ میں زیارت حرمین سے مشرف ہوئے، سفر حجاز سے واپس آ کر خواجگان قصبہ بارہ مولا (کشمیر کا مشہور مقام) میں مدرسہ ''فیض عام'' کی بنیاد ڈالی اور تقریباً تین سال تک آپ وہاں خلق اللہ کو فیض یاب فرماتے رہے۔

دارالعلوم دیوبند میں تقرر: اسی اثناء میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کے مشہور جلسۂ دستار بندی کے لئے مدعو کیا گیا اور آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور وہاں مدرس مقرر کر دیئے گئے، سنن ابو داؤد شریف اور صحیح مسلم شریف کا درس سالہا سال تک بغیر کسی تنخواہ کے دیتے رہے، چند سال کے بعد آپ کو اپنی والدہ ماجدہ کے انتقال کی وجہ سے پھر کشمیر جانا پڑا لیکن دارالعلوم کی طرف سے شدید تقاضا ہوا، اس لئے آپ جلد ہی تشریف لائے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا نکاح: حضرت شاہ صاحبؒ عالم شباب گذار کر عالم کہولت میں داخل ہو چکے تھے، مگر نکاح نہیں فرمایا تھا، تجرد وعزلت کو اپنے لئے پسند فرماتے تھے اور بار بار ارضِ حرم کی طرف ہجرت کا ارادہ فرماتے تھے تاکہ ازدواجی تعلق اس راہ میں حائل نہ ہو۔

مگر اللہ تعالی جزائے خیر دے حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحبؒ کو (جو اس وقت دارالعلوم کے مہتمم ثانی تھے) کہ انہوں نے حسنِ تدبیر سے گنگوہ کے سادات میں شاہ صاحب کا نکاح کرادیا تاکہ شاہ صاحب دیوبند میں مقید ہوجائیں، نکاح کے ایک دوسال بعد ایک بچی پیدا ہوئی، اس کے بعد دوسرے بچے پیدا ہوئے، تو ذمہ داریاں بڑھتی گئیں اور ہجرت کا ارادہ سست پڑگیا جو بالآخر ترک کرنا پڑا۔

نکاح اور اولاد کے بعد منتظمین مدرسہ کو موقع ملا کہ وہ حضرت شاہ صاحب کو دارالعلوم کی طرف سے کچھ مشاہرہ دلوائیں چنانچہ باصرار حضرت شاہ صاحبؒ اس پر راضی ہوگئے۔

حضرت شیخ الہندؒ کی نیابت: اسی دوران حضرت شیخ الہندؒ نے حجاز مقدس کا قصد فرمایا تو انکے تشریف لے جانے کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے قائم مقام صدر مدرس کی حیثیت سے بخاری شریف اور ترمذی شریف کا درس سنبھال لیا اور طلبہ کو محسوس تک نہ ہوا کہ ایک بحر ذخار (حضرت شیخ الہندؒ) سے محروم ہوگئے ہیں بلکہ حضرت شاہ صاحبؒ کے درس میں بعض ایسی امتیازی خصوصیات تھیں جو عام طور پر دوسرے حلقوں میں نہیں تھیں اور حضرت علامہ کا انداز درس درحقیقت دنیائے درس وتدریس میں ایک انقلاب کا باعث ہوا۔ (ص/ ۳۷۲)

یہی بات ہمارے حضرت الاستاذ مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ دارالعلوم میں حدیث پہلے بھی پڑھائی جاتی تھی مگر ہمارے استاذ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس میں چار چاند لگادیا۔ (مرتب)

دارالعلوم سے علیحدگی: ۱۳۴۵ھ تک دارالعلوم میں بحیثیت صدر مدرس وجانشین شیخ الہندؒ درسِ حدیث دیتے رہے، اس کے بعد جب منتظمین دارالعلوم سے بعض اصلاحات کے سلسلہ میں اختلاف ہوا تو آپ نے ۱۳۴۵ھ میں دارالعلوم سے قطع تعلق فرمالیا اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانیؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا سراج احمد رشیدیؒ، مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہارویؒ، مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ اور دیگر کئی علماء اور بہت سے طلبہ کی ایک جماعت کے ساتھ ڈابھیل ضلع سورت گجرات ''جامعہ اسلامیہ'' تشریف لے گئے اور ۱۳۵۱ھ تک وہاں درسِ حدیث دیا۔

تبحر علمی: حضرت علامہؒ کے علمی وعملی کمالات میں سے جو چیز اقران میں آپ کو ممتاز کرتی تھی وہ آپ کی جامعیت وتبحر علمی ہے، علوم عقلیہ وشرعیہ میں سے ایک بھی ایسا علم نہیں جس میں آپ کو مہارت تامہ حاصل نہ ہو، اور شاید یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ علمائے متقدمین میں بھی ہر حیثیت سے ایسی جامع علوم عقلیہ ونقلیہ ہستیاں شاذ ونادر ہی ملتی ہیں۔

''نفحۃ العنبر'' جو حضرت شاہ صاحبؒ کی تاریخ حیات ہے جسے عربی زبان میں حضرت شاہ صاحبؒ کے شاگرد مولانا محمد یوسف بنّوریؒ نے مرتب کیا اور مجلس علمی نے ڈابھیل سے شائع کیا، اس میں لکھا ہے کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اکثر مسائل میں علامہ مرحوم سے استفادہ فرمایا ہے۔

اور بروایت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میرے نزدیک حقانیت اسلام کی دلیلوں میں ایک دلیل

حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ کا امت مسلمہ میں وجود ہے، اگر دین اسلام میں کسی قسم کی کجی یا خرابی ہوتی تو آپ دین اسلام سے کنارہ کش ہو جاتے۔ (حیات انور)

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوریؒ فرماتے تھے کہ ''واقعی حضرت شاہ صاحبؒ ''آیَۃٌ مِّنْ اٰیاتِ اللہ'' تھے'' حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ایک دفعہ ڈابھیل تشریف لے گئے تو جامعہ اسلامیہ کے طلبہ نے تقریر کی درخواست کی اور یہ بھی چاہا کہ حضرت علامہ کے حالات پر تبصرہ کریں تو بخاری صاحب نے فرمایا: میرے جیسا کم علم ان کے حالات کو کیا بیان کرسکتا ہے، البتہ صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ صحابہ کا قافلہ جارہا تھا یہ پیچھے رہ گئے تھے۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے حضرت علامہؒ کے جلسۂ تعزیت میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے ہندوستان، حجاز، عراق، شام وغیرہ کے علماء اور فضلاء سے ملاقات کی اور مسائل علمیہ میں ان سے گفتگو کی لیکن تبحر علمی، وسعت معلومات، جامعیت اور علوم نقلیہ وعقلیہ کے احاطہ میں شاہ صاحبؒ کا کوئی نظیر نہیں پایا۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ کے سانحۂ ارتحال پر ''معارف'' میں کس قدر بلیغ بات کہی تھی ''مرحوم کی مثال اس سمندر جیسی ہے جسکی اوپر کی سطح ساکن ہو لیکن گہرائی موتیوں سے لبریز ہو۔''

آپ کے استاذ حضرت شیخ الہندؒ نے آپ کو جو سند اجازت عنایت فرمائی تھی اس میں تحریر فرمایا تھا کہ خداوند تعالی نے مولانا انور شاہ میں علم وعمل، سیرت وصورت، ورع وزہد، رائے صائب اور ذہن ثاقب جمع کر دیا ہے، اور شیخ الہندؒ حضرت شاہ صاحبؒ کو علامہ جیسے وقیع لفظ سے یاد فرماتے، اور مسائل علمیہ میں

جب کوئی دقیقہ سامنے آتا تو حضرت شاہ صاحبؒ سے دریافت فرماتے، کہو علامہ اس مسئلہ میں سلف کا کوئی قول یاد ہے؟ علامہ صاحب جواب دیتے اور حضرت شیخ الہندؒ مسرت واطمینان کا اظہار فرماتے تھے، استاذ کا شاگرد کو علامہ سے یاد کرنا، حضرتِ علامہ کے کمال علمی پر دلالت کرتا ہے۔

نیز علامہ سید رشید رضا مصریؒ جب دیوبند تشریف لائے تو عربی میں آپ کی تقریر سنی تو بقول مولانا مناظر احسن گیلانیؒ سید رشید رضا بار بار اپنی کرسی سے اٹھتے تھے اور فرماتے تھے: وَاللّٰہِ مَارَایتُ مِثْلَ ھٰذا الرَّجُلِ یعنی اللہ کی قسم! میں نے ان جیسا آدمی ہرگز نہیں دیکھا۔

نیز علامہ اقبال نے تعزیتی جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا: اسلام کی ادھر کی پانچ سو سالہ تاریخ شاہ صاحبؒ کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔

(بیس بڑے مسلمان: ص/ ۳۷۴)

زہد وتقویٰ اور تصوف وسلوک: علمی اشغال میں غیر معمولی انہماک اور شغف کے باوجود عمل بالکتاب والسنۃ اور اتباعِ سلف کے اہتمام میں ذرہ برابر کمی اور کوتاہی نہیں ہوتی تھی، ملنے والے بہت سی سنتوں کو حضرت شاہ صاحبؒ کے عمل کو دیکھ کر معلوم کرلیا کرتے تھے۔

سنت نبوی علیہ التحیۃ والسلام کے مطابق کھانا اکڑوں بیٹھ کر کھاتے تھے، اور کھانے میں ہمیشہ تین انگلیاں استعمال کرتے اور دونوں ہاتھ مشغول رکھتے تھے، بائیں ہاتھ میں روٹی اور داہنے ہاتھ سے اسے توڑ توڑ کر استعمال کرتے تھے، لقمے ہمیشہ چھوٹے چھوٹے استعمال کرتے تھے۔

زہد وتقویٰ حضرت ممدوح کے روشن اور کھلے ہوئے چہرے پر برستا تھا، ایک غیر مسلم شخص نے کسی موقع پر حضرت ممدوح کا سرخ وسفید رنگ کشادہ پیشانی اور ہنس مکھ چہرہ نیز چہرہ کی مجموعی وجاہت وعظمت دیکھ کر کہا تھا کہ ''اسلام کے حق ہونے کی ایک مستقل دلیل یہ چہرہ بھی ہے۔''

جمعہ کے لئے جاتے تو فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہ کا منظر سب کو نظر آتا، حَسْبُنَا اللّٰہ تکیہ کلام تھا، اٹھتے بیٹھتے اکثر وبیشتر حَسْبُنَا اللّٰہ فرماتے اور ایسے ہی موقع بموقع اَللّٰہُ اَجَلُّ فرماتے رہتے تھے، درس میں بعض اوقات غایت خشیت سے آنکھوں میں نمی آجاتی، اور ٹھیک طریقۂ نبوی کے مطابق کن انکھیوں سے نہ دیکھتے، اور جدھر متوجہ ہوتے پورے متوجہ ہوتے تھے۔

ادبِ علم کا یہ عالم تھا کہ خود ہی فرمایا کہ کتاب کو مطالعہ کے وقت اپنا تابع کبھی نہیں کرتا بلکہ ہمیشہ خود کتاب کے تابع ہو کر مطالعہ کرتا ہوں، مطلب یہ کہ اگر کسی کتاب پر حاشیہ ٹیڑھا ترچھا ہے تو بجائے اس کے کہ کتاب کو حاشیہ کے مطابق پھیر لیں کتاب کو بغیر ہلائے آپ اس طرف گھوم جاتے تھے، چنانچہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ لیٹ کر مطالعہ کرتے ہوں یا کتاب پر کہنی ٹیک کر مطالعہ میں مشغول ہوں بلکہ کتاب کو سامنے رکھ کر مودب انداز میں بیٹھتے گویا کسی شیخ کے آگے بیٹھے ہوئے استفادہ کر رہے ہیں، ایک دفعہ فرمایا کہ میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے اب تک دینیات کی کسی کتاب کا مطالعہ بے وضو نہیں کیا۔

سبحان اللہ! کہنے کو تو یہ بات چھوٹی سی نظر آتی ہے لیکن اس پر استقامت اور دوام ہر ایک کے بس کی بات نہیں، یہ وہی کر سکتا ہے جسے حق تعالیٰ نے ایسے

کاموں کے لئے موفق ومیسّر کر دیا ہو، اور وہ گویا بنایا ہی اس لئے گیا ہے کہ اس سے دینی آداب کے عملی نمونے پیش کرائے جائیں۔ كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ

ہر کسے را بہر کارے ساختند　　میل اورا در دلش انداختند

ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو ایک کام کے لئے پیدا کیا ہے اس لئے اس کی خواہش اس کے دل میں ڈال دیا ہے۔ (مرتب)

اصل چیز احسانی کیفیت: ایک پیر صاحب کا خود چشم دید واقعہ بیان فرمایا کہ وہ اپنے مریدین کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے طریقہ پر توجہ ڈالنی شروع کی اور وہ اس کے اثر سے بیہوش ہو ہو کر لوٹنے اور تڑپنے لگے، اس کے بعد غیر معمولی جوش کے ساتھ ارشاد فرمایا: یہ کچھ نہیں ہے لوگوں کو متاثر کرنے کے لئے ایک کرشمہ ہے اور کچھ مشکل بھی نہیں، معمولی مشق سے ہر ایک کو حاصل ہو سکتا ہے، ان باتوں کا خدا رسیدگی سے کوئی تعلق نہیں۔

پھر اسی سلسلہ میں اور جوش کی حالت میں فرمایا: اگر کوئی چاہے اور استعداد ہو تو ان شاء اللہ تین دین میں یہ کیفیت پیدا ہو سکتی ہے کہ قلب سے اللہ اللہ کی آواز سنائی دینے لگے، لیکن یہ بھی کچھ نہیں، اصل چیز تو بس احسانی کیفیت اور شریعت وسنت پر متابعت ہے۔

ف: سبحان اللہ! کیسی حقیقت بیان فرمائی جو طریق کی اصل اور دین کی روح ہے، مگر افسوس کہ اس کی قدر نہیں اور نہ اس کے حصول کی فکر ہے۔ (مرتب)

حضرت مولانا تھانویؒ وغیرہ سے عقیدت: ایک دفعہ فرمایا: ہم یہاں آئے (یعنی کشمیر سے ہندوستان) تو دین حضرت گنگوہیؒ کے یہاں دیکھا، اس

کے بعد حضرت استاذ (شیخ الہندؒ)اورحضرت رائے پوری (یعنی حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ) کے یہاں دیکھا اوراب جو دیکھنا چاہے تو وہ حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ کے یہاں جا کر دیکھے۔(بیس بڑے مسلمان:ص/۳۸۷)

ف: معاصرت وہم عصری کے باوجود حضرت مولانا تھانویؒ کے متعلق ایسی بات کہنا آپ کے انتہائی خلوص وللہیت پر دال ہے۔اللھم وفقنا(مرتب)

اخلاق وشمائل: رسول اللہ ﷺ کے اخلاق وشمائل میں ایک عادت مبارکہ یہ بھی نقل کی گئی ہے کہ آپ بہت زیادہ خاموش رہا کرتے تھے،حدیث کے الفاظ یہ ہیں "كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ طَوِيْلَ الصَّمْتِ"یعنی حضور ﷺ دیر دیر تک خاموش رہتے تھے چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ اس عادت مبارکہ کا کامل نمونہ تھے۔

اسی طرح حضور ﷺ کی عادت مبارکہ میں صحابہ ذکرفرماتے ہیں کہ: مسکرانے کی تو بہت زیادہ عادت تھی مگر کھلکھلا کر ہنستے ہوئے کبھی نہیں دیکھا،یہی حال حضرت شاہ صاحبؒ کا تھا۔

اس زمانہ میں غیبت کی بیماری کس قدر عام ہے،مگر حضرت شاہ صاحبؒ کو اللہ تعالی نے ایسا محفوظ فرمایا تھا کہ کبھی اشارۃً یا کنایۃً بھی غیبت کی کوئی بات کبھی کسی نے ان سے نہ سنی بلکہ اگر حضرت کے سامنے کسی نے غیبت کی کوئی بات کہی تو حضرت نے فوراً روک دیا،اگر کوئی شخص کوئی مسئلہ دریافت کرنے آتا تو اس کا جواب دیتے اوراس کے بعد اگر بیٹھا رہتا اور باتیں کرتا تو یہ فرماتے: جاؤ بھائی آرام کرو،آرام بہت اچھی چیز ہے،یعنی لایعنی باتوں سے احتراز میں دنیا وآخرت

دونوں کی راحت ہے۔(ص/۳۸۹)

ف: حضرت امام بخاریؒ بھی غیبت سے بہت اجتناب فرماتے تھے ،چنانچہ خود انہوں نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ میں اللہ تعالی سے اس حال میں ملاقات کروں گا کہ مجھ سے کسی کی غیبت کے متعلق سوال نہ فرمائے گا۔

(اقوال سلف: ج/۲،ص/۴۳۴،ازطبقات کبری للشعرانیؒ)

اور بزرگوں نے فرمایا ہے کہ غیبت سے بچنا منجملہ اخلاق صدیقین کے ہے،اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ صدیقین میں سے تھے ،تاہم حاسدین ومعاندین نے طعن وتشنیع اور مخالفت سے ان کو بھی نہیں چھوڑا جس کی وجہ سے ان کو کئی مقامات پر ہجرت کرنی پڑی ، پھر بھی جب مخلوق کی ایذارسانی سے جان نہ بچی تو اللہ تعالی سے دعا کی ؛اے اللہ !زمین مجھے قبول نہیں کررہی ہے اب مجھے اٹھالیجئے ، چنانچہ اس کے کچھ ہی دنوں بعد رحلت فرماگئے ۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ راجِعُون۔(مرتب) (ماخوذ ازمقدمۃ فتح الباری:ص/۴۹۳)

حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو جب بھی میں دیکھتا تو یہ شعر زبان پر آتا ؎

اَلْمُسْلِمُوْنَ بِخَیْرٍ مَا بَقِیْتَ لَھُمْ
وَلَیْسَ بَعْدَكَ خَیْرٌ حِیْنَ تَفْتَقِدُ

ترجمہ: جب تک آپ زندہ ہیں اس وقت تک مسلمان خیر وبرکت میں ہیں اور تیرے گم ہونے کے بعد کوئی خیر نہیں۔

طبقات شافعیہ میں ہے کہ یہ شعر کسی نے امام بخاریؒ کو دیکھ کر پڑھا تھا،

تو شاہ صاحبؒ چونکہ اس زمانہ کے امام بخاری تھے اس لئے یہ ناچیز ان کو دیکھ کر یہ شعر پڑھتا تھا۔

شکل وصورت: قدرت نے جیسے حضرت شاہ صاحبؒ کو علم وعمل کی دولت سے آراستہ فرمایا تھا اسی طرح جسمانی ہیئت، قد وقامت اور شکل وصورت میں بھی ایک خاص امتیاز عطا فرمایا تھا۔

پسندیدہ غذا: اسی حسن وجمال ظاہری وباطنی کے باعث طبیعت میں لطافت بھی بہت زیادہ تھی ،بہت صاف اور اجلے کپڑے پہنتے تھے ،غذا میں سادگی پسند تھے البتہ تازہ پھلوں اور چڑیوں کے شوقین تھے۔

علامہ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ: ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کی عظمت وشان کو بہت وقیع اور عقیدت بھرے الفاظ میں بیان کرتے ہوئے فرماتے کہ حافظ ابن تیمیہؒ جبال علوم میں سے ہیں ان کی رفعت شان اور جلالت قدر کا یہ عالم ہے کہ اگر میں ان کی عظمت کو سر اٹھا کر دیکھنے لگوں تو ٹوپی پیچھے سے گر جائے گی۔

(بیس بڑے مسلمان: ص/ ۳۹۰)

اردو زبان وانگریزی کی اہمیت: ایک دفعہ دورۂ حدیث کے طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: میں نے عربی وفارسی ذوق کو محفوظ رکھنے کیلئے ہمیشہ اردو پڑھنے سے احتراز کیا، یہاں تک کہ عام طور سے اپنی خط وکتابت کی زبان بھی میں نے عربی فارسی ہی رکھی ،لیکن اب مجھے اس کا بھی افسوس ہے، ہندوستان میں اب دین کی خدمت اور دین کا دفاع کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اردو میں مہارت پیدا کی جائے اور باہر کی دنیا میں دین کا کام کرنے کے لئے ضروری ہے

کہ انگریزی زبان کو ذریعہ بنایا جائے، میں اس بارے میں آپ صاحبان کو خاص طور سے وصیت کرتا ہوں۔ (ص/ ۳۹۳)

ف: حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے بھی انگریزی کے متعلق ارشاد فرمایا ہے اور یہ احقر عرض کرتا ہے کہ اس ملک میں ہندی زبان کا سیکھنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے اس لئے اس کا سیکھنا ہی نہیں بلکہ اس میں مہارت حاصل کرنا ضروری ہے ،تاکہ اپنی دینی کتابوں کو ہندی زبان میں منتقل کرنے کی صلاحیت پیدا ہو اس لئے کہ اغیار کی اسکیم ہے کہ مسلمانوں کو اردو سے دور کرکے دین سے دور کردیا جائے پس اللہ ہی حافظ ہے۔ واللہ ناصر دینہ وولی نبیہ۔ (مرتب)

ملفوظات

اب میں آپ کے چند ملفوظات حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری رحمۃ اللہ علیہ کی جمع فرمودہ کتاب مسمیٰ بہ ''ملفوظات محدث کشمیری'' سے نقل کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔

ذکر اللہ: فرمایا: حدیث صحیح میں ہے کہ افضل اعمال ''ذکر اللہ'' ہے اگرچہ حدیث ہی میں ہے کہ افضل اعمال بعد ایمان کے نماز ہے، پھر برّ والدین (والدین کے ساتھ حسن سلوک) پھر جہاد مگر یہ سب بھی اسی لئے (افضل اعمال) ہیں کہ ذکر اللہ پر شامل ہیں۔

نماز میں تو ذکر اللہ ہے ہی اور روزہ بھی اگر خدا کو یاد نہ دلائے تو فاقہ ہے، (یعنی محض عادت ہے عبادت نہیں) ذکر اللہ دائمی ہے حتیٰ کہ جنت میں بھی رہے گا جو سانس کے ساتھ جاری ہوگا جیسے ملائکہ کے لئے ہے اور میرا خیال ہے کہ

جوصوفیاء کے یہاں ''پاسِ انفاس'' ہے وہ اسی کے مشابہ ہے، پس وہاں سب جنتی بھی فرشتوں کی خصلت پر ہو جائیں گے۔

اور حدیث میں ہے کہ جنت میں حضرتِ حق جَلَّ ذِکْرُہٗ روزانہ دو بار صبح کو اور عصر کے وقت قرآن مجید کی تلاوت فرمائیں گے اور مقربین سنیں گے اور جنت میں تلاوت قرآن مجید رہے گی۔

نیز فرمایا: حدیث میں ہے کہ اَحَبُّ الْکَلَامِ اِلَی اللّٰہِ ذِکْرُ اللّٰہِ مَا اصْطَفَاہُ اللّٰہُ لِمَلَائِکَتِہٖ یعنی اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب کلام اس کا ذکر ہے جس کو اپنے فرشتوں کے لئے پسند و اختیار فرمایا ہے۔

نیز فرمایا: ذکر اللہ ایسی عبادت ہے کہ جنت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کے بعد بھی منقطع نہ ہوگا لہٰذا وہ الی الابد ہے نیز یہ بھی فرمایا کہ غافل کو حیات نہیں ہے اور ذاکر کو موت نہیں ہے۔

ف: کیا خوب معرفت کی بات ہے، اللہ تعالیٰ غفلت سے نکال کر ذکر کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین (مرتب)

فرمایا: ایک حدیث میں ہے کہ کسی کے پاس اشرفیاں ہوں اور وہ قدم قدم پر خرچ کرتا ہو اور دوسرا شخص ذکر اللہ کرتا ہو تو یہ افضل ہے۔

حدیث میں ہے: سبحان اللہ اور الحمد للہ کہنے سے ان کے انوار زمین سے آسمان تک بھر جاتے ہیں اور ایک حدیث میں ہے کہ تنہا اللہ اکبر ہی زمین سے آسمان تک بھر دیتا ہے اور لا الٰہ الا اللہ آسمان کو چیر کر نکل جاتا ہے یعنی اس کی سمائی نہیں ہے زمین و آسمان میں۔

فرمایا: جب بندہ اللہ اللہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ لبیک لبیک کہتا ہے اور یہی تفسیر ہے ''فَاذْكُرُونِيٓ أَذْكُرْكُمْ'' کی، اس لئے میرے نزدیک أَذْكُرْكُمْ سے مراد ''رحمت سے یاد کرنا'' یہ بے ضرورت تاویل ہے۔

فرمایا: روح کو خواہ کافر کی ہو یا مومن کی کبھی موت نہیں ہے لیکن اعمالِ حیات ذاکر کے لئے مخصوص ہیں اور غافل بمنزلہ مردہ ہے اگرچہ روح باقی ہے۔

فرمایا: ذاکرین سے ذکر اللہ کسی وقت جدا نہ ہوگا، قبر میں بھی محشر تک ساتھ ہوگا اور جنت میں بھی رہے گا، اسی لئے میں نے کہا کہ ذکر اللہ ان کے حق میں دائمی ہے اور ذاکر کو موت نہیں ہے جیسے غافل بظاہر زندہ ہو کر بھی مردہ ہے۔

(ملفوظات: ۷۰-۷۳)

جزا وسزا عین اعمال ہے: فرمایا: آخرت میں جو ثمرہ ملے گا وہی عمل ہوں گے، ان کی ایک صورت ہے عالم دنیا کی اور دوسری عالم آخرت کی، عمل ایک ہی ہے لیکن مکان کے اعتبار سے فرق ہے کہ وہی عمل وہاں جزاء کی صورت میں ہوگا اور اس کی دلیل آیتِ قرآنی ''وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا'' ہے جس کے ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ ملے گا، لیکن میں کہتا ہوں کہ بعینہ اپنے کئے ہوئے اعمال ہی کو آخرت میں موجود پائیں گے، اور یہ مفہوم دوسری آیات واحادیث سے بھی مؤید ہے۔ (ص/۱۱۶)

اس کے بعد اس مضمون کی تفصیل بیان فرمایا ہے جو اصل کتاب میں مذکور ہے مطالعہ فرمائیں۔ ان شاء اللہ مفید پائیں گے۔ (مرتب)

خلافتِ آدم علیہ السلام بوجہ عبدیت کے ہے: فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام کی

خلافت کی وجہ علم زیادہ ہونا بتلایا جاتا ہے لیکن میرے نزدیک چونکہ آدم علیہ السلام کی خلقت ہی میں عبدیت زیادہ تھی بہ نسبت ملائکہ کے، اس لئے وہ خلافت سے سرفراز ہوئے ہیں، کیونکہ خلافت، عطا فرمانے کی بات اور اس پر ملائکہ کی طرف سے عرض ومعروض پہلے ہی ہو چکی تھی، پھر جب یہ مکالمہ یا مناظرہ ختم ہو چکا تو حق تعالی نے ایک کرشمہ بھی دکھلا دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو علم عطا فرما کر ظاہر میں حجت بھی قائم فرمادی یعنی عطائے منصب خلافت پر ملائکہ نے بنی آدم کے ظاہری احوال سے ''سَفْكِ دِمَاء اور فَسَادٌ فِي الْأَرْضِ'' کا اندازہ لگا کر کہ جو بے محل سوال کر دیا تھا حق تعالی نے صرف ''إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ'' فرمادیا اور فرشتے بھی اپنے بے محل سوال پر نادم ہو گئے، پھر بعد کے واقعات نے ظاہر کر دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ہر موقع پر جناب باری میں نہایت عاجزی، غایت تذلل اور تضرع وابتہال ہی کا اظہار کیا، اور کوئی بات بھی بجز عبودیت[1] کے ظاہر نہ فرمائی، حالانکہ وہ بھی حجت ودلیل اور سوال وجواب کی راہ

---

(۱) فقہ کی کتاب مراقی الفلاح حاشیہ نور الایضاح میں ہے: لیس اشرف من العبودیة فی صفات المخلوقین وھی الرضا بما یفعل الرب والعبادة بما یرضیه والعبودیة اقوی من العبادة لبقاءھا فی العقبی بخلاف العبادة۔ (مراقی: صـ۲۳۰) یعنی مخلوق کی صفات میں سب سے اشرف صفت عبودیت ہے اور وہ اللہ تعالی کے فعل سے راضی رہنا ہے اور عبادت وہ فعل ہے جو اللہ کو راضی کر دے، اور عبودیت عبادت سے قوی ہے اس لئے کہ یہ آخرت میں باقی رہے گی بخلاف عبادت کے اور درحقیقت اللہ تعالی کے شریعت کے وضع ونازل فرمانے کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ بندہ باختیار خود صفت عبودیت سے متصف ہو جائے۔ (ماخوذ از موافقات: ج/۱، ص/۱۶۸)

اختیار کرسکتے تھے ،چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مناظرہ[1] ہوا تو حضرت آدم علیہ السلام نے ایسی قوی حجت پیش فرمائی کہ حسب ارشاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے۔

---

(۱)اس واقعہ مناظرہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں بیان فرمایا ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے پروردگار کے پاس مباحثہ فرمایا۔پس حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خاموش کردیا، چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ آپ وہی آدم ہیں جن کو اللہ تعالی نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا اور اپنی روح آپ کے اندر پھونکی ،اور اپنے ملائکہ سے آپ کا سجدہ کرایا اور اپنی جنت میں ٹھہرایا پھر آپ نے اپنی خطا ولغزش کی وجہ سے لوگوں کو زمین کی طرف اتار دیا۔تو آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ تم وہ موسیٰ ہو جس کو اللہ تعالی نے اپنی رسالت اور کلام کے لئے چن لیا ہے اور آپ کو تختیاں عنایت فرمائیں جن میں ہر شئ کے متعلق واضح بیان ہے اور آپ کو راز دار ہونے کی حیثیت سے اپنے قریب کیا،پس میری پیدائش سے کتنے پہلے اللہ تعالی نے تورات کو لکھا ہے؟ تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ چالیس سال،تو آدمؑ نے فرمایا کہ کیا تم نے اس میں لکھا ہوا پایا ہے(وَعَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی) اور آدم سے اپنے رب کا قصور ہوگیا سو غلطی میں پڑ گئے تو فرمایا کہ ہاں،تو آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ تم میرے ایسے عمل پر ملامت کررہے ہو جس کو اللہ نے میری پیدائش سے چالیس سال پہلے لکھ دیا تھا؟اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس طرح آدمؑ نے موسیٰ علیہ السلام کو محجوج فرمادیا یعنی خاموش کردیا۔رواہ مسلم (مشکوٰۃ:ج ر ا،باب الایمان بالقدر)

موقع کے مناسب ایک روایت نقل کرتا ہوں جسے ابوالمواہب عبدالوہاب شعرانیؒ نے غالباً الیواقیت والجواہر میں نقل فرمایا ہے وہ یہ کہ: قیامت میں گنہ گار مومنین جب اللہ تعالی کے روبرو پیش ہوں گے تو شرم وحیا سے ان کے چہرے سے گوشت کٹ کٹ کر گرنے لگیں گے تو اللہ تعالی ان کی تسلی کے لئے ارشاد فرمائینگے کہ اے میرے بندو!اتنا غم نہ کرو اس لئے کہ میں نے ہی تو تمہاری تقدیر میں ان معاصی کے ارتکاب کو لکھ دیا تھا اس لئے تمہارا کیا قصور ہے؟اس کے بعد علامہ شعرانیؒ نے لکھا ہے کہ اگر یہی بات اللہ تعالی سے گنہ گار بندے کہہ دیتے تو یہ بے ادبی وگستاخی میں شمار ہوتا اور یقیناً سزا کے مستحق ہوتے۔

ف: سبحان اللہ!کیا ہی عمدہ بات ہے،اسی سے کہا گیا کہ طریق یعنی دین سراسر ادب ہے جس نے بھی ادب اختیار کیا وہ بانصیب اور کامیاب ہوا،باادب بانصیب مشہور مقولہ ہے اور بالکل صحیح ہے۔(مرتب)

ظاہر ہے کہ یہی دلیل وہ حق تعالی کی جناب میں بھی پیش کر سکتے تھے مگر وہاں ایک حرف بھی بطور عذر گناہ نہیں کہا، بلکہ اس کے برخلاف اپنے قصور کا اعتراف فرما کر مدت دراز تک توبہ واستغفار، عجز ونیاز اور گریہ وزاری میں مصروف رہے۔ میرے نزدیک یہی عبودیت اور سراپا طاعت ونیازمندی کا وہ مقام تھا جس کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام خصوصی فضیلت وخلافت سے سرفراز ہوئے ہیں۔

پھر اس کے بعد حق تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کے وصف علم کو اس موقع پر نمایاں کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان کا وصف ظاہر تھا جس کو سب معلوم کر سکتے تھے، اس لئے کہ وہ مدار فضیلت تھا، بخلاف عبودیت کے کہ وہ مستور و پوشیدہ وصف تھا جس کو معلوم کرنا دشوار تھا، پھر فرمایا کہ میں نے حضرت آدم علیہ السلام کے اس قصہ سے ۱۵/اصول دین کے نکالے ہیں اور وہی اسلام کی اساس و بنیاد ہیں۔

فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے القاب میں سب سے بڑا لقب ''عبدہ'' ہے اور عارفین نے سب سے بڑا مقام عبدیت کا بتلایا ہے۔ (ملفوظات: ص/ ۱۷۶)

ف: حضرات علماء اسلام کا ارشاد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حق تعالی کے ساتھ تواضع کی تو دولتِ معراج حاصل ہوئی، اسی لئے واقعہ اسراء میں عبد کے لفظ سے اس کی طرف اشارہ فرمایا اور مخلوق کے ساتھ تواضع کی تو دولتِ شفاعت پائی۔ واللہ اعلم۔

امام رازیؒ نے اپنے والد ماجد سے نقل فرمایا کہ میں نے ابوالقاسم سلیمان انصاری کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ شبِ معراج میں حق تعالی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ آپ کو کون سا لقب ووصف سب سے زیادہ پسند ہے تو آپ نے فرمایا وصف عبدیت (تیرا بندہ ہونا) اس لئے

سورۂ اسراء میں آپ کا یہی پسند کردہ لقب نازل ہوا۔ (بحوالہ سیرۃ المصطفٰے: ج ۱/ص ۳۱۳)

حضرت مرشدی مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے یہ حدیث سنایا کہ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے ایک چور کو چوری کرتے دیکھا، تو فرمایا: کیا تم نے چوری کیا ؟ اس نے کہا: نہیں ، قسم اللہ کی! میں نے چوری نہیں کیا ، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور میری آنکھوں نے جھوٹ دیکھا۔ (ابن ماجہ: ص/ ۱۵۳، باب من حلف لہ باللہ فلیرض)

اس حدیث کے تحت حضرت شاہ انور صاحبؒ کی تقریر (غالباً معارف السنن سے) یہ سنائی کہ اصحاب نفوس قدسیہ کے سامنے جب اللہ رب العزت کا نام آجاتا ہے تو اس کی عظمت وکبریائی کے سامنے اپنے مشاہدات کی بھی تکذیب فرمادیتے ہیں۔

اس پر مرشدی حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے فرمایا کہ: ہمارے استاذ حضرت مولانا شاہ انور صاحب کشمیریؒ بھی نہیں اصحاب نفوس قدسیہ میں سے تھے، نیز حضرت مصلح الامتؒ نے فرمایا کہ حضرت شاہ صاحبؒ سمجھتے ہی نہ تھے کہ کوئی مسلمان جھوٹ بولتا ہے۔

نیز کوئی طالب علم جو نیک ہوتا خواہ جید الاستعداد نہ ہوتا تو جب وہ ملنے آتا تو کھڑے ہو کر اس سے مصافحہ فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ اس سے ہم کو بہت ڈر لگتا ہے اس لئے کہ یہ رات کو اٹھ کر روتا ہے۔

ف: سبحان اللہ! آپ پر کیسی ہر چیز کی حقیقت منکشف تھی کہ اسی آئینہ میں ہر شخص سے اس کے حال کے مطابق معاملہ فرماتے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ

اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ یعنی اللہ تعالی کے نزدیک مکرم وہ ہے جو اللہ سے زیادہ ڈرتا ہے، ظاہر ہے کہ اس کا لحاظ تو ہونا ہی چاہئے۔ (مرتب)

علالت وسانحۂ وفات: ڈابھیل کے زمانۂ قیام میں پرانے مرض بواسیر خونی کا غلبہ ہوا، اس میں بڑا دخل گجرات کی آب وہوا کی ناموافقت کو تھا، یہی وہ زمانہ ہے کہ مرض آہستہ آہستہ بڑھتا گیا، قویٰ پر ضعف غالب آگیا، بھوک ختم ہوگئی، بیماری کی شدت ہوئی تو ڈابھیل سے رخصت لے کر دیوبند تشریف لے آئے، مکان پر علاج ومعالجہ جاری رہا مگر مرض بڑھتا ہی رہا، عرصہ سے گریہ وخشیت الٰہی کے آثار آپ پر نمایاں تھے، چنانچہ فرماتے کہ پیر کے روز مجھے سفر کرنا ہے، کس جگہ جانا ہے اس کا تعین نہ فرماتے، والدہ نے خیال کیا کہ شاید کشمیر کا سفر درپیش ہے، آخر کار ۲ رصفر ۱۳۵۲ھ بروز اتوار عصر سے کچھ پہلے قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے، خون بڑی مقدار میں جسم سے خارج ہوگیا، عصر ومغرب کے درمیان بیماری کی شدت بڑھتی رہی، بلکہ مغرب کے بعد سے نزع کی کیفیات طاری ہوگئیں، وقت گذرنے کے ساتھ آپ کی بے چینی بڑھتی گئی، تشنگی کا یہ عالم تھا کہ چند وقفہ سے پانی کی ضرورت محسوس ہوتی، اور پانی طلب فرماتے چند گھونٹ پانی پی لیتے، اسی پانی میں انگلیاں تر فرما کر کبھی چہرہ کبھی سینہ پر ملتے، حسب معمول ''حسبنا اللہ'' پڑھتے ہوئے سیدھے لیٹ جاتے، بے تابی سے اٹھنا بیقراری سے لیٹ جانا مسلسل ہوتا، آخر شب کے بارہ بجے کے بعد حضرت شاہ صاحب بیحد اضطراب کے ساتھ پلنگ پر اٹھ بیٹھے ''بھائی مجھے پانی پلادو'' کانپتے ہوئے ہاتھوں سے گلاس کو ہونٹوں تک پہونچایا، ابتداء میں حسبنا اللہ اور کلمہ توحید کے پاکیزہ ورد پر خود ہی چارپائی پر قبلہ رُخ ہوگئے، اس کے بعد ہی علم

وکمال کا آفتاب غروب ہوگیا اور رشد وہدایت کا چراغ بجھ گیا۔ یہ صفر ۱۳۵۲ھ اتوار کا دن ختم ہوکر ۳؍صفر شب پیر تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ وَرَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ۔

آخری آرام گاہ: حضرت شاہ صاحبؒ پھلوں کے شائق تھے، دیوبند کے بیر جو اپنی عمدگی ونفاست کی وجہ سے دور دور شہرت رکھتے ہیں، عیدگاہ کے قریب ان کے کچھ مشہور باغ تھے، بیر کی فصل آتی تو معمولاً بیر کھانے کے لئے ان باغات میں تشریف لے جاتے، جہاں آپ کا مرقد ہے، طلبہ وہیں آپ کے لئے مصلیٰ بچھادیتے جس پر بیٹھ کر بیر تناول فرماتے، بارہا موجود خدام سے مخاطب ہوکر فرمایا: بھائی ہمیں یہیں دفن کرنا۔

یہ وصیت اور آپ کی دیرینہ خواہش والدہ مرحومہ تک پہنچ چکی تھی اس لئے وفات کی صبح میں اپنا ایک طلائی زیور فروخت کرکے یہ زمین خریدلی اور نامور شوہر کی وصیت کو پورا کرنے کی سعادت ان کے حصہ میں آئی، یہ قطعاً غلط ہے کہ دارالعلوم سے اختلاف کی بنا پر حضرت شاہ صاحبؒ کے برادر نسبتی حکیم سید محفوظ علی صاحب نے اکابر دارالعلوم کے ساتھ دفن کرنے سے گریز کیا، لیکن یہ بھی معلوم نہیں کہ مدفن کے لئے اس زمین کو شاہ صاحب نے کس خصوصیت کی بنا پر انتخاب فرمایا تھا۔ آخر وہاں ہی اس گنجینہ علوم کو زیر زمین دفن کردیا گیا، مِنْہَا خَلَقْنٰکُمْ وَفِیْہَا نُعِیْدُکُمْ۔ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ

(تلخیص از نقش دوام مصنفہ حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ)

تعزیتی مضمون

اب دلی تقاضا ہے کہ حضرت العلامہ سید سلیمان ندویؒ نے آپ کی وفات

پر جو بصیرت افروز مضمون ارقام فرمایا ہے، اسی پر آپ کے تذکرہ کو ختم کروں۔

دین و دانش کی دنیا کا مہر انور ۳ رصفر ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۹ رمئی ۱۹۳۳ء کی صبح کو دیوبند کی خاک میں ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا، یعنی مولانا سید انور شاہ صاحبؒ جانشین شیخ الہندؒ وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نے دو برس کی علالت بواسیر اور ضعف ونقاہت کے بعد ۵۹ ربرس کی عمر میں وفات پائی۔

مرحوم کم سخن لیکن وسیع النظر عالم تھے، ان کی مثال اس سمندر کی سی تھی جس کی اوپر کی سطح ساکن لیکن اندر کی سطح موتیوں کے گراں قیمت خزانوں سے معمور تھی، وہ وسعتِ نظر، قوتِ حافظہ اور کثرتِ حفظ میں اس عہد میں بے مثال تھے، علوم حدیث کے حافظ اور نکتہ شناس، علوم ادب میں بلند پایہ، معقولات میں ماہر، شعر وسخن سے بہرہ مند اور زہد وتقویٰ میں کامل تھے، اللہ تعالیٰ اپنی نوازشوں کی جنت میں ان کا مقام اعلیٰ کرے کہ مرتے دم تک علم ومعرفت کے اس شہید نے قال اللہ وقال الرسول کا نعرہ بلند کیا۔

مرحوم معلومات کے دریا، حافظہ کے بادشاہ اور وسعت علمی کی نادر مثال تھے، ان کو زندہ کتب خانہ کہنا بجا ہے، شاید ہی کوئی کتاب مطبوعہ ہو یا قلمی ان کے مطالعہ سے بچی ہو، میری تصنیفات میں سے ارض القرآن اُن تک پہونچی تھی اور اس پر اپنی رضا ظاہر فرمائی، مرحوم آخری ملاقاتوں میں زیادہ تر قدیم عربی نصاب کی اصلاح پر مجھ سے گفتگو فرمایا کرتے تھے۔

ربیع الاول ۱۳۵۲ھ جولائی ۱۹۳۳ء

(یادرفتگان، مؤلفہ: سید سلیمان ندویؒ: ص/ ۱۶۸)

حضرت مولانا محمد صدیق برئی پوری اعظمیؒ م: ۱۳۵۲ھ

نام ونسب وولادت: مولانا محمد صدیق بن منشی قائم علی بن بخش علی کے اجداد بسہی اقبال پور تحصیل لال گنج، ضلع اعظم گڑھ کے باشندے تھے، بخش علی نے برئی پور میں آکر سکونت اختیار کرلی، یہیں مولانا محمد صدیق صاحبؒ ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۸۹۱ء میں پیدا ہوئے۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم گھر پر مولوی باقر علی ساکن بھدیٹھی سے پائی، پھر مدرسہ حنفیہ جونپور میں حافظ قدرت اللہ جونپوری سے قرآن حفظ کیا اور مولانا ماجد علی مانوی جونپوریؒ متوفیٰ ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹۳۴ء سے تمام مروجہ علوم وفنون کی کتب پڑھ کر ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۸ء میں فارغ التحصیل ہوئے، چونکہ بہت صالح اور ذہین تھے، اس لئے مولانا مانویؒ سفر وحضر میں آپ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے، فراغت کے بعد دو سال نواب مکرم علی رئیس کٹک کے مدرسہ میں مدرس رہے، نواب صاحب آپ کی صلاحیت کے بہت مداح تھے، آپ کو روکنے کی بہت کوشش کی، مگر آپ وہاں سے ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۰ء میں علیحدہ ہوکر مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور میں صدر مدرس ہوکر آگئے، اس وقت یہاں مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوریؒ مدرس دوم تھے، ان دونوں کے مزاج میں یکسانیت تھی، اس لئے ان کے تعلقات بہت خوشگوار تھے، اس زمانہ میں مولانا فتح پوریؒ کئی بار مولانا محمد صدیق صاحبؒ

مرتبہ حضرت مولانا محمد عثمان صاحب معروفی رحمہ اللہ تعالیٰ

کے گھر برئی پور بھی گئے، احیاء العلوم میں چھ برس تدریسی خدمت انجام دیکر ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۷ء میں یہاں سے بھی مستعفی ہو گئے، آپ چاہتے تھے کہ تحصیل سگڑی میں علم دین کا کوئی مرکز نہیں، اس لئے وہاں ایک مدرسہ قائم کیا جائے۔

جین پور میں مدرسہ کی بنیاد: جب آپ کے شاگرد مولانا عبدالحکیم فتحپوریؒ متوفی ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء درس نظامیہ سے فارغ ہوئے تو اپنی دیرینہ تمنا کے مطابق قصبہ جین پور تحصیل سگڑی میں مدرسہ جامع العلوم کی داغ بیل ڈال کر مولانا عبدالحکیم صاحب کو اس کا مدرس مقرر کیا، اور خود چھ ماہ بعد احیاء العلوم سے جامع العلوم (جین پور) میں چلے گئے، آپ کے ہمراہ آپ کے بھائی حافظ محمد ایوب، مولانا نظام الدین (مفتی دارالعلوم دیوبند)، مولوی ممتاز احمد گورکھپوری اور مولوی نعیم ڈھکوا، اعظم گڑھ وغیرہ بھی یہاں آگئے، اب باقاعدہ جامع العلوم میں عربی فارسی کی تعلیم شروع ہوگئی، مولانا صدیق صاحب جب مدرسہ کے ناظم اور اول مدرس تھے اور مذکورہ حضرات اول متعلم، مولانا کے اخلاص وسعی سے مدرسہ بہت جلد ترقی کر گیا، یہاں بہت سے طلبہ نے فیض پایا، مولانا تاعمر اس مدرسہ سے وابستہ رہے، بلاتنخواہ لوجہ اللہ مدرسہ کی خدمت کرتے رہے، معاش کیلئے سرمہ بنا کر فروخت کرتے، اور ہر مہینہ جو بچتا اس کو طلبہ اور مدرسہ پر خرچ کرتے، ایک پیسہ پس انداز نہ کرتے، مولانا نے اپنے وطن برئی پور میں بھی ایک مکتب قائم کیا جو بحمداللہ تاحال تعلیمی خدمت انجام دے رہا ہے۔

اصلاح باطن: تزکیۂ نفس کیلئے وقت کے مشہور مرشد حضرت مولانا بشارت کریم نقشبندیؒ ساکن گڑھل شریف مظفر پور (بہار) سے ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۴ء

میں بیعت کی، پھر تعلیم وتدریس سے جو وقت بچتا اذکار و وظائف میں صرف کرنے لگے، علائق دنیوی سے کوئی سروکار نہ رکھتے، ریاضت وعبادت میں امتیازی شان رکھتے تھے، کشف وکرامت میں اعلیٰ مقام پر فائز تھے، تلاوت قرآن میں ایسا گریہ طاری ہوجاتا کہ دیکھنے والے ترس کھاتے، ایک بار نماز مغرب پڑھا رہے تھے، اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِاَحۡکَمِ الۡحَاکِمِین پر پہونچے تو چیخ نکل پڑی، بے ہوش ہوکر گرے، اور مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے، نماز توڑ کر لوگوں نے پکڑا، کافی دیر میں سکون ہوا، آخر عمر میں ایسے حالات کثرت سے پیش آنے لگے، اس لئے امامت ترک کردی، علوم ظاہری میں جس طرح آپ ہر فن میں مہارت رکھتے تھے، اسی طرح علوم باطنی میں بھی کمال رکھتے تھے، راقم الحروف کے اساتذہ مولانا عبدالستار صاحب معروفیؒ اور مولانا عبدالجبار صاحب معروفیؒ وغیرہ اپنے استاذ مولانا محمد صدیق صاحبؒ برئی پوری کے علم وفضل کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے، آپ سے کرامتوں کا ظہور بہت کثرت سے ہوا۔

مرض اور وفات: آپ کو نزلہ وزکام کی شکایت بچپن سے تھی، میدان تصوف میں قدم رکھنے کے بعد ریاضت وعبادت میں کثرت ہوئی تو ضعف بڑھتا گیا، اسہال کا بھی عارضہ ہوگیا تو مدرسہ جامع العلوم جین پور سے برئی پور تشریف لے گئے، علاج ہوتا رہا مگر مرض بڑھتا گیا، بالآخر شوال ۱۳۵۲ھ ۳/فروری ۱۹۳۴ء کو بعمر ۴۳ سال داعئ اجل کو لبیک کہا، ''نظر الحسن'' سے تاریخ ولادت ''ہادی پاک'' سے مدت عمر اور ''خورشید پیکر'' سے تاریخ رحلت برآمد کرلیجئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ۔

مولانا نے وفات سے پہلے وصیت کی تھی کہ میری نماز جنازہ مولانا

عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ پڑھائیں، انتقال کے بعد لوگ پھولپور گئے، معلوم ہوا کہ مولانا پھولپوریؒ لکھنؤ گئے ہوئے ہیں، لوگ واپس آگئے، لیکن عین نماز جنازہ کے وقت مولانا پھولپوریؒ لکھنؤ سے آگئے اور نماز جنازہ آپ نے ہی پڑھائی، لوگ مولانا کی اس آخری کرامت پر حیرت میں پڑ گئے، تدفین کے بعد مولانا پھولپوریؒ نے بتایا کہ ایسی نورانی قبر میں نے کسی کی نہیں دیکھی ۔ میں نہیں جانتا تھا کہ مولانا اس درجہ کے آدمی ہیں۔ انتہیٰ

خوش نصیبی: یہ حقیر محمد قمر الزمان (مرتب کتاب) عرض پرداز ہے کہ جس زمانہ میں حضرت مولانا محمد صدیق صاحبؒ مدرسہ جامع العلوم جین پور میں قیام پذیر تھے اس وقت وہاں ہمارے والد ماجد سلطان احمد صاحبؒ بھی زیر تعلیم تھے، حضرت مولاناؒ میرے والد صاحب سے بہت محبت فرماتے تھے، اپنے کھانے میں شریک فرماتے تھے، اور بہت سی دعائیں وتعویذیں سکھلاتے تھے، چنانچہ آج بھی والد صاحب کو وہ باتیں یاد ہیں اور لطف لے لے کر بیان فرماتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا محمد صدیق صاحبؒ کو مراتب عالیہ سے نوازے اور ہم سب کو جنت میں داخلہ کی سعادت اور آپ کی رفاقت نصیب فرمائے۔ آمین یارب العلمین (مرتب)

حضرت مولانا ماجد علی صاحب جونپوریؒ متوفی ۱۳۵۳ھ

نام و ولادت: مولانا ماجد علیؒ جونپوری قصبہ مانی کلاں میں آپ کی ولادت ہوئی، آپ کا شمار مشہور فاضل اور ماہر اساتذہ میں ہوتا ہے۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کیا۔ پھر سفر کر کے مولانا عبدالحق بن فضل حق خیرآبادی 'یوپی' کی طویل مدت تک صحبت میں رہے، پھر علیگڈھ میں مفتی لطف اللہ کوئلیؒ کے اسباق میں لازمی طور سے شریک رہے، پھر ریاست بھوپال میں قاضی عبدالحق بن اعظم کابلی سے شرح چغمینی پڑھی اور اس کے علاوہ بھی کچھ درسی کتابیں ان سے پڑھیں، مولف نزھتہ الخواطر حضرت مولانا سید عبدالحیؒ لکھتے ہیں کہ شرح چغمینی پڑھتے وقت میں بھی ان کا شریک درس رہا۔ پھر گنگوہ جا کر عالم ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے حدیث کے اسباق پڑھے۔ رات کے وقت پوری تقریر لکھ لیتے تھے۔

تدریسی خدمت: اس کے بعد گلاؤٹھی ضلع مظفرنگر کے مدرسہ میں آپ نے مدت تک اسباق پڑھائے اسی مدرسہ میں فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمدؒ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے آپ سے مختلف کتابیں پڑھیں۔ پھر بلند شہر کے مقام ''مینڈھو'' میں کافی مدت تک پڑھاتے رہے۔ پھر بہار میں کسی مدرسہ کے ذمہ دار بنائے گئے۔ اس کے بعد کلکتہ شہر میں مدرسہ عالیہ میں پڑھانے کیلئے عہدہ صدارت آپ کو دیا گیا چونکہ آپ بڑے فاضل لوگوں میں تھے اسلئے علوم

حکمیہ کی اہم کتابیں انتہائی تحقیق اور باریک بینی کے ساتھ پڑھاتے اور آپکی قدیم مصنفوں کی کتابوں پر بڑی گہری نظر تھی، حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ نے بھی آپ سے تعلیم حاصل کیا ہے۔

(چودہویں صدی کے علماء برصغیر ترجمہ نزھتہ الخواطر ص ۴۸ جلد ۸)

ف: ہمارے پھوپھا قاری امین اظہر صاحبؒ نے بھی آپ سے نور الایضاح پڑھی ہے (مرتب)

مولانا گنگوہیؒ سے بیعت ہونے کا واقعہ: عزیزم مولانا محمد ارشد اعظمی بنارسی نے اپنی کتاب ''تھوڑی دیر اہل حق کے ساتھ'' میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مولانا ماجد علی جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کو تصوف سے اور مرید ہونے سے مناسبت نہیں تھی، جب مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ نے دیکھا کہ یہ آزادی چاہتے ہیں اور کسی اللہ والے کے ہاتھ پر اپنے کو نہیں بیچ رہے ہیں تو مولانا یحییٰؒ نے مولانا ماجد علی جون پوریؒ کو مرید کرنے کی ایک ترکیب نکالی، ایک دن مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف پڑھاتے ہوئے درمیان میں وقفہ فرمایا، تو مولانا یحییٰ صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت؟ آپ مولوی ماجد علی کو بیعت فرمالیجئے۔ ذرا عنوان دیکھئے یہ نہیں کہا کہ مولوی ماجد علی بیعت ہونا چاہتے ہیں، یہ جھوٹ ہو جاتا۔ اس لئے یہ فرمایا کہ آپ مولوی ماجد علی کو بیعت فرمالیں، مولانا گنگوہیؒ سمجھے کہ مولوی ماجد علی نے انہیں وکیل بنایا ہے۔ حضرت گنگوہیؒ نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا، اب اتنے بڑے شیخ قطب العالم، محدث عظیم اپنے شاگرد کی طرف ہاتھ بڑھائیں تو کیا وہ شاگرد

ہاتھ کھینچ کر کہدے کہ میں بیعت نہیں چاہتا (ہرگز نہیں) لہذا انہوں نے بھی فوراً اپنا ہاتھ بڑھایا اور بیعت ہو گئے۔

حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

ساری زندگی مولانا ماجد علی جونپوریؒ مولانا یحییٰ صاحبؒ کو شکریہ کا خط لکھتے رہے کہ مولانا یحییٰؒ؟ تمہارا مجھ پر اتنا بڑا احسان ہے کہ جس کا بدلہ اللہ تعالی ہی قیامت کے دن تمہیں عطا فرمائیگا کہ مجھ جیسے کو تم نے مولانا گنگوہیؒ کے ہاتھ پر بیعت کرا کے اتنے بڑے قطب العالم کے سلسلے میں داخل کر دیا، اگر تم مجھ پر مہربانی نہ کرتے تو میں محروم رہ جاتا۔ (تھوڑی دیر اہل حق کے ساتھ ص ۷۰)

وفات: حضرت مولانا کی وفات یکم شوال ۱۳۵۳ھ عید کے دن اپنے وطن مانی کلاں ضلع جونپور میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ

حضرت[1] علامہ شیخ رشید رضا مصری متوفی ۱۳۵۴ھ

نام ونسب وولادت: شیخ محمد رشید رضا لبنان کے شمالی شہر طرابلس کے قصبہ قلمون میں ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۸۶۵ء میں پیدا ہوئے، بحیرہ روم کے ساحل پر یہ انتہائی سرسبز شاداب اور زرخیز قصبہ ہے۔

تعلیم: شیخ رشید رضا نے ابتدائی تعلیم، لکھنا پڑھنا اور حساب کے مروجہ قواعد اپنے قصبہ میں ہی حاصل کئے، اس کے بعد مدرسہ رشیدیہ طرابلس میں داخلہ لیا اور نحو وصرف، عقائد اور عبادات کی اعلیٰ تعلیم سے آراستہ ہوئے، اس کے علاوہ ترکی زبان بھی سیکھی اور اس میں مہارت حاصل کر لی، ان کی پسندیدہ کتابوں میں امام غزالیؒ کی احیاء العلوم تھی جسے وہ بہت شوق وذوق سے پڑھتے تھے اور اس کتاب نے ان کے فکر وعقیدہ اور اخلاق وسلوک پر بڑے اثرات ڈالے اس کے علاوہ اپنے قصبہ قلمون میں ہر عمدہ اور نئی کتاب، رسالہ اور صحیفہ کو حاصل کرتے اور اپنی معلومات میں اضافہ کرتے، انہوں نے بڑی محنت اور کدوکاوش سے علم حاصل کیا، انہوں نے عالم اسلام کے موجودہ حالات اور واقعات کا جائزہ لیا، انہوں

تاریخ فکر اسلامی مؤلفہ حضرت مولانا محمد اجتباء ندوی، یادرفتگاں مؤلفہ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ اور رسالۂ کانفرنس تعلیم وتربیت ان تینوں کتابوں کو سامنے رکھ کر آپ کے مختصر حالات وکمالات نیز دارالعلوم دیوبند وندوۃ العلماء لکھنؤ اور علی گڈھ یونیورسٹی میں آپ کے علمی وروحانی بیانات کے اقتباسات پیش کئے گئے ہیں (مرتب)

نے محسوس کیا کہ ان کے زمانہ میں دو اسلامی شخصیتیں سید جمال الدین افغانیؒ اور شیخ محمد عبدہؒ نے مسلمانوں اور عالم اسلام کی خدمت اور فلاح و بہبود کے لئے سب سے زیادہ کام کئے ہیں انہیں ان دونوں شخصیتوں کے افکار و خیالات، طریقۂ کار اور لائحہ عمل نے متاثر کیا اور ان کے نقش قدم پر چلنے کا مصمم ارادہ کیا چنانچہ اسی جذبہ کے تحت مصر کا سفر کیا اور وہاں ہی قیام پذیر ہو گئے، مگر طرابلس انہوں نے اس وقت چھوڑا جب اپنی تعلیم طرابلس کے علماء سے حاصل کر کے مکمل کر لی، انہوں نے خاص طور سے ممتاز عالم و مفکر اور مربی شیخ حسین جسرؒ سے فائدہ اٹھایا، اور غالبا شیخ حسین جسرؒ ہی کی صحبت میں سید جمال الدین افغانیؒ اور شیخ محمد عبدہؒ کے افکار و تحریک سے مکمل واقفیت حاصل ہوئی، مصر پہونچ کر دونوں شخصیتوں سے بھر پور استفادہ کا موقع ملا، اور شیخ محمد عبدہؒ کے تو باقاعدہ شاگرد بن گئے اور ان کے افکار و علم کی توضیح اور تشریح اپنی زندگی کا سب سے بڑا مقصد بنایا، شیخ رشید رضاؒ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے شیخ محمد عبدہؒ کو ''الاستاذ الامام'' کے لقب سے یاد کیا، شیخ رشید رضاؒ نے اپنے استاذ محمد عبدہؒ کی سوانح حیات لکھی اور بہت ہی مفصل طور پر ان کے دینی، سماجی اور سیاسی افکار بیان کئے، جس کے ذریعہ سے عالم اسلام کو منظم طور پر فکروں کا ایک مجموعہ حاصل ہوا۔

رسالہ المنار کا اجراء: شیخ رشید رضا نے مصر میں ''المنار'' نام کا ایک رسالہ نکالنا شروع کیا، اس رسالہ کے ذریعہ چالیس سال تک علم و فکر، دین و دعوت، تحریک و عمل، احکام و فتاوی، اور دینی سیاسی اور سماجی اصلاح کے کام انجام دئے، سید رشید رضا اپنے اس رسالہ کے ذریعہ اتنی طویل مدت تک مسلمانوں اور

مسلم معاشرہ کی خدمت اس وجہ سے بھی بخوبی انجام دے سکے کہ ان سے قبل ان کے دونوں اساتذہ سید جمال الدین افغانیؒ اور شیخ امام محمد عبدہؒ نے اس بنجر اور سنگلاخ زمین کو شاداب اور زرخیز بنادیا تھا، مسلم عوام ایک زندہ زبان، متحرک دعوت اور عملی افکار کے لئے تشنہ تھے، سید رشید رضاؒ کے گہرے علم، وسیع تجربات، پختہ قلم اور سحر انگیز الفاظ نے مسلمانوں کو گرویدہ بنالیا اور علم وعمل کا ایک ایسا ذریعہ دستیاب ہوگیا جس نے انہیں عملی زندگی عطا کردی، بیداری اور سامراج سے آزادی اور اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی تحریک کا بہت اہم سبب بنا، سید رشید رضاؒ نے ان دونوں معماران قوم سے عملی وفکری استفادہ کے ساتھ ساتھ دینی، سیاسی اور سماجی میدانوں میں خدمت کے لئے تجربات حاصل کئے، شیخ رشید رضاؒ نے بھی اپنے دونوں استاذوں کی طرح عالم اسلام کا سفر کیا، حجاز وعراق خلیج عربی، ہندوستان ومشرق بعید کا قریب سے مشاہدہ کرکے اور دینی ودعوتی کام کرنے والوں سے ملاقات کرکے تجربات ومعلومات حاصل کیں، بلاشبہ شیخ رشید رضاؒ نے آنے والی نسلوں کو نہ صرف پیغام عمل دیا بلکہ طریقۂ کار اور لائحہ عمل بھی عطا کیا۔

تصنیف وتالیف: سید رشید رضاؒ نے رسالہ ''المنار'' کے ساتھ تصنیفی وتالیفی کام بھی کئے اور تفسیر ''المنار'' کے عنوان سے تفسیر لکھنی شروع کی، جس میں بالکل نئے اور اچھوتے انداز سے فکر وعمل کا خاکہ پیش کیا مگر عمر نے وفا نہ کی اور تفسیر نامکمل رہ گئی سورہ یوسف کی اس آیت تک تفسیر مرتب کرسکے ''رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْکِ وَ عَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ، اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ''

ترجمہ: اے میرے پروردگار آپ نے مجھ کو سلطنت کا بڑا حصہ دیا اور مجھ کو خوابوں کی تعبیر دینا تعلیم فرمایا' (جو کہ علم عظیم ہے) اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے آپ میرے کارساز ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، مجھ کو پوری فرمانبرداری کی حالت میں دنیا سے اٹھا لیجئے اور مجھ کو خاص نیک بندوں میں شامل کر دیجئے''۔ (تاریخ فکر اسلامی صفحہ ۲۲۶ مؤلفہ مولانا محمد اجتباء ندویؒ)

فضل و کمال: حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ اپنی معرکۃ الآرا کتاب ''یاد رفتگاں'' میں آپ کے فضل و کمال کو یوں نقل کرتے ہیں۔ اسلام کے اصلاحی مسائل ان کی تصانیف کا خاص موضوع تھا، المنار جس کی اشاعت دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ میں تھی، ان کی ادارت میں نکلتا تھا، سید رشید رضاؒ کا ہمارے درمیان سے اٹھ جانا آج اسلام کا سب سے بڑا حادثہ ہے، وہ دنیائے اسلام کے کاشانہ میں ہدایت کے چراغ تھے، افسوس کہ یہ چراغ اب ہمیشہ کے لئے بجھ گیا، اور اس سے زیادہ افسوس یہ کہ اس چراغ کے گل ہونے سے المنار کی وہ روشنی بھی بجھ گئی جسکی کرنیں ہر ماہ تمام دنیا میں پھیلتی تھیں، **ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امراً**۔

میری ان کی پہلی ملاقات ہندوستان میں ۱۹۱۲ء میں ہوئی، جب وہ اس سال مولانا شبلی مرحوم کی تحریک سے ندوۃ العلماء کے اجلاس لکھنؤ میں صدر ہو کر آئے، پھر ۱۹۲۴ء میں مصر جا کر ان سے ملا اور مجلس خلافت مصر اور شیوخ ازہر سے میری ملاقات کا ذریعہ بنے، آخر میں ۱۹۲۶ء کی موتمر اسلامی میں مکہ معظّمہ میں ملاقاتیں ہوتی رہیں، مکاتبات کا سلسلہ بھی تھا۔ (یادرفتگاں ص ۱۶۳)

ہندوستان تشریف آوری: ہمارے لئے بہت ہی مبارک سن وسال تھا

جب کہ حضرت العلامہ المصلح والتقی الصالح السید رشید رضاؒ ایڈیٹر المنار ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۲ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کی دعوت پر ہندوستان تشریف لائے اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مدرسۃ العلوم علیگڈھ اور دارالعلوم دیوبند میں وعظ و بیان فرمایا جو ''رسالہ کانفرنس التربیۃ والتعلیم'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوا تھا جس کے پڑھنے سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ آپ نے خداداد بصیرت سے زمانے کے تقاضے کے مطابق نہایت ہی عمدہ پند ونصائح فرمائی، خاص طور سے دارالعلوم دیوبند کے حدیث کی خدمات کو سراہا اور اس کی خدمات دینیہ وعلمیہ کی تصویب فرمائی۔

اس لئے ہم نے چاہا کہ ان تینوں خطبات کے اقتباسات کا اردو ترجمہ درج کریں، جو انشاء اللہ ناظرین کرام کے لئے موجب انشراح وانصلاح بلکہ سبب ازدیاد علم ومعرفت ہوگا۔ وماذالک علی اللہ بعزیز۔ (مرتب)

حضرت علامہ رشید رضاؒ کی دارالعلوم دیوبند میں تقریر

حضرات علمائے کرام!

میں آپ کی اس حسن ضیافت اور مہمان نوازی اور عزت افزائی کا (جو آپ نے میری کی ہے وہ میری حیثیت سے بہت زیادہ ہے) صدق دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ نیز جو عظیم الشان اور گراں بہا خدمات آپ علم اور دین کی انجام دے رہے ہیں ان کے لحاظ سے آپ میرے اور تمام مسلمانوں کے شکریہ کے مستحق ہیں۔ مجھے اس مدرسہ کو دیکھ کر بڑی مسرت حاصل ہوئی۔

حضرات علماء کرام! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر میں اس مدرسہ کو

نہ دیکھتا تو میں ہندوستان سے نہایت غمگین جاتا۔ ہندوستان میں آکر اس مدرسہ کی نسبت جو کچھ میں نے اب تک سنا تھا اس سے بہت زیادہ پایا۔ شیخ انور شاہ کشمیریؒ نے جو اصول میرے سامنے بیان کئے ہیں اور جو مسلک اپنے مشائخ کا مجھے بتلایا ہے۔ میں اس کو پسند کرتا ہوں اور اس سے متفق ہوں، میں یہاں آنے سے پہلے یہ خیال کرتا تھا کہ دیوبند میں خاص فقہ حنفی کی تعلیم ہوتی ہے، اور فقہ حنفی اگر اس پر عمل کیا جائے تو بلا شبہ کافی ووافی ہے، لیکن حضرت انور شاہؒ نے بیان کیا کہ مدرسہ ابھی اصلاح کا محتاج ہے اور یہ کہ اساتذہ اصلاح کی طرف مائل ہیں۔

حضرات! اس زمانہ میں اصلاح طریقہ تعلیم اور اشاعت اسلام مسلمانوں کی ضروریات میں سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہیں۔ یہ امر معلوم کر کے مجھے خوشی ہوئی کہ آپ ان کی اہمیت سے اچھی طرح واقف ہیں اور ان کی طرف توجہ فرما رہے ہیں، لہذا مجھے امید ہے کہ آپ ان کی طرف پوری توجہ مبذول فرمائیں گے۔

حضرات! نہایت افسوسناک امر ہے کہ غریب عام مسلمان، بھیڑ بکریوں سے بھی زیادہ مہمل چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ ہم میں سے کوئی شخص ان کی خبر ہی نہیں لیتا اور ان کی حالت نہایت قابل رحم ہو رہی ہے۔ ان لوگوں کی ہدایت کا کون متکفل ہوسکتا ہے؟ آپ یا آپ جیسے علمائے کرام سے امید کی جاسکتی ہے کہ ایسے عام مسلمانوں کی ہدایت اور تلقین کے لئے کمر بستہ ہوں گے اور اس کے متعلق کوئی مستقل انتظام کریں گے۔

اسلام میں مال و دولت کے لئے بھی کرامت ہے

حضرات! آپ نے اپنی سادگی اور اپنے طلبہ کے زہد و تقشّف کا ذکر کیا ہے۔ مرشدوں اور ہادیوں کو جو دوسروں کے لئے قدوہ اور نمونہ ہوں بالضرور ایسا ہی ہونا چاہیے، گو تمام مسلمان ایسے نہیں ہو سکتے۔ ہم نے خود بھی اپنے مدرسہ میں اس اصول کو ملحوظ رکھا ہے اور داخلہ کے قواعد میں فقیروں کے لڑکوں کو دولت مندوں کے صاحبزادوں پر ترجیح دی ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں فرمایا ہے ''قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ'' (سورۃ الاعراف ۳۲)

ترجمہ: تو کہہ کس نے حرام کیا اللہ کی زینت کو جو اس نے پیدا کی اپنے بندوں کے واسطے صاف اور ستھری چیزیں کھانے کی تو کہہ یہ نعمتیں اصل میں ایمان والوں کے واسطے ہیں دنیا کی زندگی میں خالص انہی کے واسطے ہیں قیامت کے دن۔

اور نیز فرمایا ہے ''وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَاءٌ''

(سورۃ النحل ۷۱)

ترجمہ: اور اللہ تعالی تم میں سے کچھ لوگوں کو رزق کے معاملے میں دوسرں پر فضیلت دی ہے تو جن لوگوں کو فضیلت دی گئی ہے وہ اپنا مال اپنے غلاموں کو اس طرح کبھی نہیں دینے والے کہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں غرضیکہ اسلام میں دولت کے لئے بھی کرامت و اجر و مرتبہ ہے، اگر وہ جائز

ذرائع سے حاصل کی جاوے اور صحیح مصارف میں صرف کی جائے اور فقر کے لئے بھی کرامت واجر ومرتبہ ہے، اگر اس کے ساتھ استغناء اور اہلیت ہو۔

حضرات! ہم دیکھتے ہیں کہ تحصیل علوم میں ہماری ہمتیں بہت پست ہوگئی ہیں، گذشتہ زمانہ میں جب کہ ریل اور دخانی جہاز موجود نہ تھے، علماء اندلس سے تحصیل علوم کے لئے بخارا تک جاتے تھے۔ اور جو عمدہ کتاب مشرق میں تصنیف ہوتی تھی بہت تھوڑے زمانہ میں اس کی نقلیں مغرب میں شائع ہو جاتی تھیں، مگر ہماری موجودہ پست ہمتی ہمارے علمی افلاس اور تباہی کا باعث ہورہی ہے، اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی جو صفات بیان فرمائی ہیں وہ ہم پر غیر منطبق ہیں۔

مثلاً ''وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا۔ (سورۃ النساء:۱۴۱)

ترجمہ: اور ہرگز نہ دیگا اللہ کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ کی راہ۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ (سورۃ المنافقون:۸)

ترجمہ: اور عزت تو اللہ تعالیٰ کی ہے اور اسکے رسول کی اور ایمان والوں کی۔

وَعَدَاللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً (سورۃ نور:۵۵)

ترجمہ: وعدہ کرلیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور کیے ہیں انہوں نے نیک کام تو ان کو ضرور زمین میں حکومت عطا کرے گا جیسا

کہ ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی اور جس دین کو ان کے لئے پسند کیا ہے اس کو ان کے لئے ضرور قوت دے گا اور ان کے خوف کے بعد ضرور اس کو امن سے بدل دیگا۔

آپ کو غور کرنا چاہئے کہ جو صفات مومنین کی بیان فرمائی ہیں کیا ہم نے اس کو نہیں بدلا ہے۔ اللہ نے ہرگز ایسا نہیں کیا بلکہ یہ خود ہمارے کرتوت کا نتیجہ ہے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍفَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (سورۃالشوریٰ ۳۰)

ترجمہ: اور جو پڑے تم پر کوئی سختی سو وہ بدلہ ہے اس کا جو کمایا تمہارے ہاتھوں نے اور معاف کرتا ہے بہت سے گناہ۔

مصر میں بھی مسلمانوں کی وہی حالت ہے جو آپ ہندستان میں دیکھ رہے ہیں۔

بہتر ہو کہ ہم اور آپ متفق ہو کر اپنے اس علمی افلاس کے دور کرنے کی کوشش کریں۔ آپ ہماری تجاویز سے واقف ہوں اور ہم آپ کے قیمتی مشوروں سے فائدہ اٹھائیں۔ (التربیۃ والتعلیم)

ف: سبحان اللہ! کیسی عمدہ نصائح ہیں جو صرف دارالعلوم کے طلبہ کے لئے نہیں بلکہ سارے علماء وطلبہ کے لئے نقش قلوب کئے جانے کے لائق ہیں، کاش کہ ان اوراق پارینہ کو پڑھ کر ہم ہدایت نافعہ کو دل میں جگہ دیتے تو علماء کی جماعت امت مرحومہ کے لئے نافع ثابت ہوتی اور سعادت دارین سے مشرف ہوتی۔ (مرتب)

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں علامہ سید رشید رضاؒ کی تقریر

ہم مسلمانوں کو تعلیم وتربیت کی جو ضرورت ہے وہ بدیہی ہے جس میں بیوقوفوں کے سوا کسی کو شک نہیں ہوسکتا۔ ازہر کے بڑے بڑے علماء نے جو مشاہیر علمائے اسلام ہیں اور نیز علمائے قسطنطنیہ نے جن کے اقتدار واثر سے بڑھ کر مملکت عثمانیہ میں کوئی اقتدار اور اثر نہیں ہے، اس بات کو تسلیم کرلیا ہے انہیں سالوں میں علمائے ازہر وقسطنطنیہ اور عہدہ داران حکومت کی متعدد مجلسیں اس غرض سے منعقد ہوئیں جن میں اصلاح تعلیم کے لئے بہت سے قوانین وضع کئے گئے۔ جدید نصاب مقرر کئے گئے جو کتابیں پہلے درس میں داخل نہ تھیں وہ داخل کی گئیں، جو داخل تھیں الگ کی گئیں۔ جدید علوم وفنون کی ضرورت سمجھی گئی اور ان کا اضافہ ہوا، خود ندوۃ العلماء میں بھی آپ لوگوں نے یہی کیا ہے۔ اور آپ لوگوں کو علمائے اسلام میں جو مرتبہ اور عزت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ علمائے ٹیونس بھی چند سال اس مسئلہ میں کوشاں تھے اور آخر انہوں نے بھی نظام تعلیم میں متعدد تغیرات کئے لیکن باوجود اس کے یہاں اور وہاں اور ہر جگہ بعض اشخاص ایسے بھی ہیں جو ہمیشہ اور یقینی طور سے اپنی راہ کو جس پر وہ اب تک چل رہے تھے اور اپنی پہلی حالت کو جس کے وہ خوگر ہو گئے تھے حقیقی مکمل چیز سمجھتے ہیں، جس میں کسی کمی وبیشی کی گنجائش نہیں، اعلیٰ اصلاح طلب جماعت اس موجودہ تعلیمی اصلاح کو جو ازہر اور قسطنطیہ میں ہوئی ہے حقیقی اصلاح نہیں سمجھتی بلکہ ایک تدریجی ترقی سمجھتے ہیں، جس میں ابھی تکمیل کی ضرورت ہے۔

(التربیۃ والتعلیم: صفحہ ۲۰)

اس کے بعد یوں نصیحت فرما رہے ہیں:

ہاں بے شک اللہ تعالیٰ نے ہماری دولت، ثروت، عزت اور حکومت کی حالت اسی وقت بدلی جب ہم نے اپنے استقلال رائے، صحت فیصلہ، حقیقت علم، مکارم اخلاق، محاسن اوصاف کو بدل ڈالا، اللہ کی رسی کو چھوڑ دیا۔ ایمان اور عمل صالح کی رشتہ داری قطع کر دی۔ راستی اور باہمی صبر کی نصیحت ترک کر دی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض چھوڑ دیا۔ ذاتی اغراض کو منافع عام پر ترجیح دیدی۔ اس کے سوا ان تمام محاسن سے ہم نے روگردانی اختیار کی جن کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اوصاف بنائے ہیں اور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔** (آل عمران ۱۱۰)

ترجمہ: تم سب سے بہتر قوم ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہو، اچھی باتوں کا حکم کرتے ہو، بری باتوں سے روکتے ہو اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اسی طرح ہماری کمزوری، محتاجی، بدحالی، ذلت، باہمی حسد، بغض، عداوت، گروہ بندی وغیرہ۔ جن کی ہم شکایت کرتے ہیں لیکن ان کے اسباب کو ہم ترک نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نہیں بدلے گا جب تک ہم اپنی اندرونی حالت نہ بدلیں، اور اس ہدایت کی طرف رخ نہ کریں جس پر ہمارے اسلاف تھے۔ اللہ رحمت نازل کرے امام مالکؒ پر جن کا قول ہے، ''آخری جماعت اسلامی کی انہیں طریقوں سے اصلاح ہوسکتی ہے جن سے اول جماعت اسلامی کی اصلاح ہوئی تھی''۔

برادران کرام! اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید تمام انسانوں کے لئے بھیجا ہے، ہدایت حاصل کرنا صرف ان مجتہدین کے لئے مخصوص نہیں ہے جو احکام عملیہ فقہیہ کا استنباط کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں آیات احکام ان آیات کے مقابلہ میں کم ہیں جن سے مقصود عقل اور روح کی ہدایت ہے۔ اور ان کو اعلیٰ مدارج فلاح تک پہنچانا ہے، ہمارے سلف صالحین ابتدائی صدیوں میں اسی قرآن سے ہدایت حاصل کرتے تھے اور اسی کی زندگی سے زندگی پاتے تھے۔ نادان کہتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا، سبحان اللہ! یہ واقعہ ہے کہ یہ مذہب تنہا ایک شخص یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوشش سے پیدا ہوا۔ ان کی قوم ان کی اخیر زندگی تک ان سے ہمیشہ لڑتی رہی اور ان کو کامل فتح اپنی قوم پر اپنے وفات کے کچھ ہی دن پہلے یعنی فتح مکہ کے سال حاصل ہوئی۔ پھر ان کے بزرگ دوستوں کی مختصر جماعت تمام حجاز میں پھیل گئی۔ ایسی حالت میں کیا اس مختصر جماعت کے لئے یہ ممکن تھا کہ تمام دنیا کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرے حالانکہ وہ مفتوح اقوام سے ایک نہایت معمولی ٹیکس جزیہ کے نام سے لیتے تھے۔ یہ ٹیکس اس قدر معمولی اور ادنی ہوتا تھا کہ جس سے کم کسی فاتح نے اپنی مفتوح قوم سے نہیں لیا۔ پھر اس کے ساتھ اپنے مفتوحین سے وہ حسن معاملہ اور عدل وانصاف کے ساتھ پیش آتے تھے، ان کو حقوق برابر کے عطا کرتے تھے، ان کو ہر قسم کی آزادی دیتے تھے اور ان کو اجازت تھی کہ باہمی نزاع ومخاصمت کے مقدمات اپنے رؤسا مذہبی کے سامنے لے جائیں اور ان سے فیصلہ چاہیں۔ انہوں نے کسی کو بزورِ شمشیر اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ ہاں انہوں نے لوگوں کے دل اور عقل کو

اپنی طرف کھینچ لیا کیوں؟ اس لئے کہ ان مفتوح اقوام نے ان صحابہ کرام کو تمام لوگوں سے زیادہ رحم دل، زیادہ عادل، زیادہ با اخلاق پایا۔ اس لئے ان کی اقتدا کی، اور چاہا کہ یہ بھی مثل ان کے ہو جائیں بلکہ انہیں میں سے ہو جائیں۔ اس بنا پر گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہونے لگے اور عربی زبان حاصل کرنے لگے تا کہ اس کو سیکھ کر اس کتاب عربی مبین کی روشنی سے ہدایت حاصل کریں۔ جس نے ان کمزور اور مسکین لوگوں کو دنیا کا پیشوا بنا دیا اور اسی بنا پر عربی زبان بھی مذہب اسلام کی اشاعت کے ساتھ ساتھ سرعت کے ساتھ اشاعت پاتی گئی۔ حالانکہ اس وقت عربی زبان کے لئے نہ مدارس قائم ہوئے تھے اور نہ کتابیں مدون ہوئی تھیں۔

قرآن پاک میں ہماری دوا ہے: برادران کرام! ہم بیمار ہیں اور ہماری دوا اس کتاب میں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر نازل فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَاهُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔ (سورۃ اسراء ۸۲)

ترجمہ: ''قرآن سے ہم وہ نازل کرتے ہیں جو مسلمانوں کے لئے شفا اور رحمت ہے''۔

ایسی حالت میں اس شخص کی شفا کی کیونکر امید کی جاسکتی ہے جو دوا ہی سے ناواقف ہو، یہ دوا صرف عربی زبان جاننے سے معلوم ہوسکتی ہے۔ پس اگر عرب مسلمان اور اس کے شفا کے درمیان ایک پردہ حائل ہے اور وہ بقصد شفا قرآن پاک میں غور وفکر نہ کرنا ہے تو غیر عرب مسلمانوں اور اس شفا کے درمیان دو پردے حائل ہیں۔ اور وہ قرآن شریف کی زبان سے ناواقف ہونا اور پھر

اس میں غور وفکر نہ کرنا اوران دونوں جماعتوں کے لئے ان پردوں کو اٹھانا نہایت آسان کام ہے۔ کیونکہ عوام عرب کو ہم نے قرآن شریف کے نصائح کا وعظ کہنا شروع کیا تو تجربہ سے معلوم ہوا کہ اس وعظ سے ان کو فائدہ ہوا، اسی طرح ان کے سوا اوروں کو بھی فائدہ ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (سورۃ الذاریات ۵۵) نصیحت کر، کیونکہ نصیحت مسلمانوں کو مفید ہوتی ہے۔ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى۔ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى۔ (سورۃ الاعلی ۹، ۱۰) نصیحت کر اگر نصیحت مفید ہو، جو ڈرتا ہے وہ نصیحت قبول کرے گا۔ (التربیۃ والتعلیم: ص ۵۰)

عربی زبان کا سیکھنا فرض ہے: برادران من! میں دلائل کی بناء پر اعتقاد رکھتا ہوں کہ عربی زبان کا سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر جو قرآن مجید میں غور وفکر وتدبر کرنا اوراس کا اتباع کرنا فرض قرار دیا ہے وہ بالکل اس کی زبان کے جاننے پر موقوف ہے، عربی زبان کی فرضیت بعض علمائے سلف سے بھی جن میں ایک امام شافعیؒ ہیں، مروی ہے اور صدر اول کا عمل بھی اسی پر رہا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ہماری شفا اور ہماری اصل زندگی اللہ تعالی کی کتاب میں ہے اوراس کتاب سے فائدہ حاصل کرنا بغیر عربی زبان کو زندہ کئے غیر ممکن ہے۔ چونکہ ترجمۂ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا خاص نازل کردہ قرآن نہیں ہے اسی لئے ترجمہ کی تاثیر دل میں زیادہ گہری نہیں ہوتی، (جتنی اصل عربی کلام کی) اور عربی زبان کا زندہ کرنا اوراس کی تعلیم کا آسان کرنا صرف اس اصلاح تعلیم سے ہوسکتا ہے جس کو میں بیان کر چکا ہوں، ان وجوہ سے آپ پر فرض ہے

کہ جولوگ اس اصلاح کے لئے کوشاں ہیں، ان کی آپ امداد کریں۔

(التربیۃ والتعلیم: ص ۵۴)

ف: یقینا حضرت العلامہ رشید رضا مصریؒ نے عربی سیکھنے کی طرف بجا طور پر ترغیب دی، اس لئے کہ قرآن وحدیث فہمی کے لئے تو ضروری ہے ہی، مزید عربوں میں دعوت وتبلیغ اور درس وتدریس کے لئے بھی عربی زبان میں مہارت لازم ہے۔ جس میں عام طور پر ہمارے اداروں میں کوتاہی ہورہی ہے، ہاں البتہ یہ کہا جارہا ہے کہ انگریزی ممالک میں دعوت کے لئے انگریزی زبان کے سیکھنے کی ضرورت ہے، چنانچہ اس کے لئے باقاعدہ انتظام ہورہا ہے جو یقینا مفید ہے، اس میں کلام نہیں، مگر میں سمجھتا ہوں کہ دارالعلوم میں قرآن پاک وحدیث کے علوم میں مزید تحقیقات کرنے اور اس میں کمال بصیرت حاصل کرنے کی ضرورت ہے، جو ان دارالعلوموں کی تاسیس کا مقصد عالی ہے، بلکہ ایسے اداروں کے قیام کی ضرورت ہے جو قرآن وحدیث کے علوم واحکام کی توضیح عربی زبان میں عرب ممالک میں کرسکیں اور اپنے اکابر کے علوم ومعارف کو ان کے باشندگان تک پہنچاسکیں تاکہ وہ حضرات بھی منتفع ہوں جس کی وجہ سے اپنے اکابر علماء ومشائخ سے یقینا قریب ہوں گے مجھے یاد ہے کہ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ حضرت مولانا شاہ محمد انور صاحب کشمیریؒ نے علامہ سید رشید رضا مصریؒ جب دارالعلوم دیوبند تشریف لائے تو ان کے روبرو عربی میں ایسی تقریر کی جس سے وہ متاثر ہوئے اور حدیث کے باب میں اپنے اکابر کے علوم سے روشناس کرایا۔ چنانچہ اہم مسائل میں وہ محدثین کے ارشادات نقل فرماکر فرماتے کہ ہمارے

استاد حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ اس حدیث کی تشریح میں یہ فرماتے تھے۔ جس سے علامہ رشید رضا مصریؒ بہت متاثر ہوئے۔ اور تعریف وتحسین کی کہ اگر میں یہاں نہ آتا تو میں سمجھتا کہ حدیث کا علم ہندوستان میں مفقود ہے۔ اوکما قال

اس لئے ہمارے طلبہ کے لئے ضروری ہے کہ کتاب وسنت کے علوم ومعارف اور اس کے احکام واسرار میں خاص کمال وحذاقت پیدا کریں اور اسی طرح ان کو عربوں میں پیش کرنے کے لئے عربی ادب کی تعلیم وتدریس کا خاص اہتمام کریں تاکہ ان کو اس کی قدر ہو۔ چنانچہ ہمارے حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ بھی ہم لوگوں سے چاہتے تھے کہ عربی لکھنے اور بولنے کی مشق کریں۔ اور اسی مقصد کے تحت حضرت مولانا سید ابوالحسن ندویؒ کی ادب عربی کی تصانیف القرأۃ الراشدہ وغیرہ کو منگوایا اور نصاب میں داخل فرمایا۔ (مرتب)

علی گڑھ یونیورسٹی کے طلبہ کو علامہ رشید رضا مصریؒ کی نصیحت:

اب ہم علی گڑھ یونیورسٹی کے طلبہ کو علامہ سید رشید رضا مصری نے جو نصیحت فرمائی ہیں ان کے بعض حصہ کو نقل کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔

وہ یہ ہے۔

تم کو اپنے نفوس کی تربیت، فضیلت، پرہیزگاری، عالی ہمت، قوۃ ارادہ اور پختگی عزم سے کام کرنا چاہئے، تاکہ تم بذات خود کامل اور اپنی قوم کے لئے نیک نمونہ بنو۔ مجھ کو معلوم ہے کہ تم میں سے اور تمہارے سوا دوسروں میں سے اکثر طالب علم اس غرض سے علم کی تحصیل کرتے ہیں کہ حصول معاش کا ایک ذریعہ ہو۔ اور غرض ان کی یہ نہیں ہوتی کہ وہ اپنے نفس کو علمی فضیلت سے آراستہ کریں یا اپنی

قوم کو ترقی دیں۔ مجھ کو یہ بھی معلوم ہے کہ (آدمیوں کی بھی، مثل چاندی اور سونے کے کانیں ہوتی ہیں) جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ پس جو شخص ایک شریف کان کا جوہر ہوگا اور اس میں ذاتی شرافت ہوگی وہ اپنے جوہر شرافت کو معلوم کرنے کے بعد ہرگز اس بات کو پسند نہ کرے گا کہ وہ ادنی اور پست درجہ کی کانوں میں شمار کیا جائے۔

کسب معیشت مذموم نہیں: میں کہتا ہوں کہ جو شخص کسب معیشت کی غرض سے دنیوی علوم کی تحصیل کرتا ہے وہ دنی الطبع اور قابل مذمت نہیں ہے۔ کیونکہ کسب معیشت بھی ضروری ہے، اور جس قدر علم اس کے وسائل کے لئے درکار ہے وہ بھی لابدی ہوگا۔ پس جو شخص علم کی تحصیل اس لئے کرتا ہے کہ وہ حاکم، یا ڈاکٹر یا انجینئر یا دواساز یا تاجر ہو جائے یا دیگر تمدنی کاموں میں سے کسی کام کے انجام دینے کے قابل ہو جائے تو وہ بلحاظ اپنے علم اور عمل کے قابل تعریف ہے، لیکن اس حیثیت سے وہ عوام کالانعام اور جہال سے زیادہ ممتاز نہ سمجھا جائے گا جن کے کاروبار مدارس واسکولوں کی تعلیم پر موقوف نہیں ہیں۔ مثلاً مزدور ادنیٰ درجہ کے پیشہ ور جیسے لوہار، بڑھئی، بھٹیاری، اور کوئلہ جھونکنے والے کشتیوں، ٹرینوں اور حماموں میں، پس قوم کے ضروری کاموں میں سے کوئی کام انجام دیتا ہے وہ جس قدر خوبی کے ساتھ انجام دے گا اور اس میں محنت اور کوشش کرے گا اسی قدر قوم کی شکر گذاری اور تعریف کا مستحق ہوگا۔ اور جس قدر اس میں کوتاہی کریگا اور اس کام کی تکمیل اور ترقی دینے میں جہاں تک کہ اس کی استطاعت ہے اس سے قاصر رہے گا، اس قدر ملامت اور مذمت کے قابل سمجھا جائے گا۔

پس یہ ضروری ہے کہ مدارس کے تعلیم یافتہ لوگوں کی خدمتیں، مزدوروں، ادنی پیشہ وروں اور عوام الناس کی خدمتوں سے زیادہ بلند اور برتر ہوں۔ نیز ضروری ہے کہ ان کا فائدہ متعدی ہو، ضروری ہے کہ وہ بلحاظ فضائل و اخلاق وآداب وخدمات عامہ انجام دینے کے دوسروں کے لئے نمونہ اور مثال ہوں۔ ضروری ہے کہ وہ قوم کو تربیت کرنے والے اور اس کی عزت اور شان کو ترقی دینے میں ساعی ہوں۔ اور وہ ایسے نہیں ہو سکتے، جب تک کہ وہ اپنے نفوس کی تربیت فضیلت اور پرہیزگاری پر نہ کریں۔ کیونکہ ہم نے بہت سے ایسے لوگوں کو جنہوں نے ملک یورپ کی اعلیٰ درسگاہوں میں تعلیم پائی ہے۔ دیکھا ہے کہ وہ اپنے فساد تربیت کی بدولت قوم کے لئے وبال جاں ثابت ہورہے ہیں، یا تو بوجہ بداخلاقی کے یا قومی مصلحتوں کو ذاتی فوائد پر قربان کردینے کے اور یا اپنی بدچلنی اور مذہبی احکام اور قومی آداب کی توہین کرنے کے۔ اس لئے تم کو لازم ہے کہ تم اپنے نفوس کی تربیت میں اس کی نسبت کا ہمیشہ لحاظ رکھو جو تم کو قوم کے ساتھ اور قوم کو تمہارے ساتھ ہے۔ اور اس میں یوروپین تقلید سے پرہیز کرنا چاہئے جو تم کو اپنی قومی خصوصیات سے دور کرنے والی ہو۔ اور تم کو قوم کے ساتھ شہد کے چھتے کے خانوں کی طرح ہونا چاہئے جو شش پہل اور ایک دوسرے کے ساتھ متصل ہوتے ہیں۔ اگرچہ بعض افراد قوم علم وحکمت کے باعث بعض سے ممتاز ہوتے ہیں جس طرح بعض خانے شہد کی وجہ سے ممتاز ہوتے ہیں بمقابلہ ان خانوں کے جن میں شہد نہیں ہوتا۔

بس جو شخص ذاتی شرافت، عالی ہمت، اولوالعزمی رکھتا ہے اس کے لئے

مناسب ہے کہ وہ ان تمام کاموں میں جن کو وہ انجام دے، قومی مصلحت اور ملکی منفعت کی نیت رکھے۔ اس سے کم از کم یہ فائدہ تو ضرور ہوگا کہ اس کی ذات میں ترقی اور اس کے نفسانی کمال میں اضافہ ہوگا اگر چہ وہ قومی مقصد نہ بھی حاصل ہو سکے جس کی اس نے نیت کی ہے۔ تمام اعمال میں کوئی عمل ایسا نہیں ہوسکتا جس میں منفعت عامہ کی نیت کرنا مشکل ہو۔

ایک نصیحت آموز واقعہ: اس کی تائید میں، میں آپ کے سامنے ایک مثال پیش کرتا ہو جو زندہ قوموں میں سے نقل کی گئی ہیں نہایت عجیب وغریب ہے

الاستاذ الامام (شیخ محمد عبدہ) نے اپنے ایک سفر کا واقعہ بیان فرمایا وہ ایک انگریزی جہاز میں سفر کر رہے تھے۔ انہوں نے ادنیٰ درجہ کے انگریزوں کے خیالات کا امتحان کرنا چاہا۔ اس جہاز کے انجن میں ایک انگریز جو کوئلہ جھونکنے پر نوکر تھا اس سے اس سخت محنت طلب کام اور اس کی اجرت کی بابت دریافت کیا۔ اس کے بعد اس سے پوچھا، کیا تم کو اس عمل کے ذریعہ سے اپنی زندگی میں ترقی کی امید ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ میں ایک نہایت عظیم الشان کام کی فکر اور بہت بڑی ترقی کے لئے کوشش کر رہا ہوں۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ دنیا میں کوئلہ کی کانیں محدود ہیں اور ان کی نسبت اندازہ لگایا ہے کہ وہ چند قرنوں کے بعد ختم ہو جائیں گی۔ پس میں ایک ایسے طریقے پر غور کر رہا ہوں جس سے کوئلہ کے خرچ میں کفایت ہو اور اس ذریعہ سے ہماری انگلش قوم تمام قوموں سے زیادہ دولت مند ہو جائے۔ اور میں بھی بے شمار دولت وثروت اور عزت وعظمت حاصل کروں۔ اللہ کے لئے اس مثال پر آپ کو غور کرنا چاہئے۔ ایک

ایسا شخص جو نہایت گھٹیا اور ادنیٰ درجہ کا کام کر رہا ہے اس کی عالی ہمتی اور اولوالعزمی قابل دید ہے کہ وہ اپنی عظیم الشان اور دولتمند قوم کو فائدہ پہنچانا اور اس کی دولت وثروت کو یہاں تک ترقی دینے کا ارادہ کر رہا ہے کہ دنیا کی تمام قومیں اس کی دست نگر ہو جائیں اور وہ اپنی قوم کو نفع پہنچا کر خود اپنی ذات کے لئے بھی نفع حاصل کرے کیا طالب علموں کے افراد میں سے ہر فرد ایسی نیک نیت اور ایسی عالی ہمتی نہیں رکھ سکتا۔

پس تم پر لازم ہے کہ تم ہمیشہ اپنی استعداد کی نسبت غور کرتے رہو۔ اور اس کو اپنی ذات اور اپنی قوم کے لئے طلب کمال میں صرف کرو۔ اور بلاشبہ تم اس کی قدرت رکھتے ہو۔ ؎

لم ار فی عیوب الناس عیبا　　کنقص القادرین علی التمام

ترجمہ: میں نے لوگوں میں اتنا بڑا عیب نہ دیکھا جو قدرت والوں کو کمال تک پہونچنے سے باز رکھے۔

تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ جو شخص اس غرض سے علم حاصل کرتا ہے کہ اس کو گورنمنٹ یا کسی پرائیویٹ کارخانہ میں ایک معین مشاہرہ کی نوکری مل جائے اس کی قیمت بقدر اس کے جثہ کے ہے جس کی غذا بہم پہنچانے کے لئے کوشش کر رہا ہے اور بلاشبہ یہ ایک نہایت حقیر اور ادنیٰ قیمت ہے جس کے لحاظ سے بیلوں اور گدھوں پر اس کو کوئی فضیلت نہیں ہے جو انسان سے کئی گنا زیادہ کھاتے اور انسان کی طرح رنج والم نہیں اُٹھاتے ہیں۔ اور جس شخص کی ہمت بلند ہوگی وہ ضرور اس بات کی خواہش کرے گا کہ اس کا وجود اس کے جسم کے محیط سے زیادہ

وسیع ہو۔ اور وہ بلا شک وشبہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوگا۔ پس اگر وہ اپنے شہر کو نفع پہنچانے کے لئے کمر بستہ ہوگا تو اس کا وجود اس کے شہر کے برابر ہوگا اس لئے کہ تمام اہل شہر کی زبانوں پر اس کا ذکر خیر جاری اور ساری ہوگا۔ لیکن اگر وہ اپنی قوم کی خدمت کے لئے کھڑا ہوگا اور اس کے لئے کوئی مفید کام انجام دے گا تو اس صورت میں اس کا معنوی وجود بقدر اس کی تمام قوم کی وسعت کے وسیع ہوگا۔ کوئی حصہ ملک کا اس سے ناواقف نہ رہے گا۔ اور اگر وہ تمام انسانوں کو فائدہ پہنچانے کی استطاعت رکھتا ہے تو اس کو ایسا کرنا چاہئے۔ اس صورت میں اس کا وجود بقدر اس عالم کے ہوگا جس نے اس کے عمل سے فائدہ اٹھایا، ایسے ہی جوانمرد وہ لوگ ہیں جن میں سے ہر واحد ایک قوم کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بابت فرمایا ہے۔ ''ان ابراھیم کان امة'' اور نیز اپنے ان خاص بندوں کی نسبت جن کو اس نے قوموں کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے تیار کیا ہے فرمایا ہے ''وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوارِثِيْنَ'' اور نیز ہم کو تعلیم دی ہے کہ ہم اس طرح دعا کریں، ''وَاجْعَلْنا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَاماً'' اس لئے تم کو لازم ہے عالی ہمتی اور قومی خدمت پر اپنے نفوس کی تربیت کرو تا کہ ائمہ میں تمہارا شمار ہو۔

ف: سبحان اللہ کس قدر بلند تر حکمت کی باتیں ہیں اللہ سب کو خصوصاً طلباء کو اس کی طرف توجہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین واللہ الموفق (مرتب)

انسان نیکی کا نمونہ عام لوگوں کے لئے مفید نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ خود فضائل اور اخلاق حمیدہ سے آراستہ نہ ہو، جہالت صاحب اخلاق حمیدہ کے لئے

اس قدر معیوب نہیں سمجھی جاتی جس قدر بداخلاقی ایک عالم کے لئے سمجھی جاتی ہے۔

ف: سبحان اللہ! کیا خوب حقیقت آشکارا فرمائی، جزاہم اللہ (مرتب)

قوموں کو اس قدر خراب اور تباہ کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے جس قدر ان کے علماء اور حکام اور ان کے لیڈروں کی بداخلاقی ہے۔ پس اگر تم اخلاقی فضائل سے خالی اور ان کے ملکات کی تربیت سے قاصر رہو گے تو تم اپنے علم سے قوم کو اس قدر فائدہ نہ پہونچا سکو گے جس قدر کہ تمہاری بداخلاقی سے اس کو نقصان پہونچے گا۔ انسان کے لئے اپنے نفس کی تربیت کا بہترین طریقہ یہ ہوگا کہ اس کو ایسے کاموں کا التزام کرنا چاہئے جس کا ملکہ نفس میں راسخ ہو جائے اور ان کو یہ تکلف کرنا چاہئے اور اس کی پابندی کرنی چاہئے اور کسی چھوٹے یا بڑے کام میں تساہل کو راہ نہ دینا چاہئے۔ بلکہ یہ بہتر ہے کہ اپنے کسی دوست کو اپنی حالت کا نگراں بنا دیا جائے جو بھول چوک کو یاد دلا دے۔ اور اگر کسی کام میں تساہل دیکھے تو ملامت کرے۔

ف: سبحان اللہ کیسی بہترین نصیحت ہے جسکی طرف ہمارے علماء و مشائخ توجہ دلاتے رہتے ہیں جو ہم سب کو لائحہ عمل بنانے کے لائق ہے (مرتب)

ایک واقعہ: ایک واقعہ جو بطور مثال کے بیان کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ طالبعلمی کے زمانہ میں میرا ایک رفیق تھا میں نے اس سے کہا کہ اگر تم میرا کوئی جھوٹ ثابت کر دو گے تو اس کی سزا کا تم کو اختیار دیتا ہوں۔ میں اپنی نسبت زبان کی لغزشوں اور شیطان کے وسوسوں سے بے خوف نہ تھا بلکہ میرا مقصد اس سے یہ تھا کہ جھوٹ جو بدترین رذائل اور سخت ترین نقصان دہ رذیلہ ہے اس سے بچنے کے لئے یہ نگرانی

معین ثابت ہوگی چنانچہ وہ سالہا سال کی صحبت میں رہنے کے باوجود الحمدللہ ایک جھوٹ بھی ثابت نہ کرسکا۔ اس سے مجھ کو اپنی برأت اور پاکی بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ بلکہ اے برادران کرام! میں آپ میں اصلاح کا ایک طریقہ بیان کرنا چاہتا ہوں جس کا میں نے بذات خود تجربہ کیا اور اس سے فائدہ اٹھایا ہے، شاید آپ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔ واللہ الموفق (التربیۃ والتعلیم: ص ۹۲)

اے ہونہار طالبعلمو! افراد انسان کی باہمی فضیلت کا کوئی معیار جن سے ان کے مراتب کمال کا اظہار ہوتا ہو۔ قوت ارادہ سے بڑھ کر نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کوئی قوت اس کی شان کو بلند و رفعت دینے والی اور اس کی استعداد کو ظاہر کرنے والی مثل قوت ارادہ کے عطا نہیں فرمائی۔ اسی قوت کی بدولت انسان نیچر میں تصرف کرتا اور اقسام مخلوقات کو اپنی منفعتوں کے لئے مسخر کرتا ہے۔ اور اسی کی بدولت بعض ذوالعزم افراد نے ایسے کام انجام دیئے ہیں جن کو قومیں صدیوں میں بھی نہیں کرسکتیں۔ (صفحہ ۱۱۵)

اے ہونہار نوجوانو! تم کو معلوم رہنا چاہئے کہ جس نے اپنا ارادہ کھودیا اس نے اپنی ذات کو کھودی۔ ایسا شخص دوسروں کے ہاتھوں میں مثل کٹھ پتلی کے رہے گا یا اپنی خواہش کا غلام ہوگا۔ ناممکن ہے کہ وہ کبھی بڑا آدمی بن جائے۔ تم کو لازم ہے کہ باطل خواہشات کے ترک کرنے اور حقانیت اور نیکی کی راہ میں صعوبتیں برداشت کرنے پر اپنے ارادہ کی تربیت کرو تاکہ تم اپنے نفس کے مالک رہو اور اس کے غلام نہ بن جاؤ۔ جو شخص اپنے نفس میں تصرف کرنے سے عاجز ہوگا اس کو کسی دوسری چیز پر کیونکر قابو حاصل ہوسکتا ہے۔ ہر ایک ضعیف الارادہ کمینہ اور

بزدل ہوتا ہے اور یہ ضروری بات ہے کہ بزدل یا تو خائن ہوگا یا منافق ہوگا۔ تم کو بہادری، اولوالعزمی، دلیری اور عالی ہمتی اختیار کرنا چاہئے۔ ان صفات کے بغیر تمہاری ذات میں انسانی فضائل وکمالات کے جوہر، ہرگز نمایاں نہ ہوں گے۔

تم کو ان عظیم الشان فرائض اور واجبات سے ہرگز نہیں ڈرنا چاہئے جن کا مطالبہ تمہاری قوم تم سے کر رہی ہے۔ کیونکہ سچا ارادہ ایسا ہے جس کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی۔ سچا ارادہ سب سے بڑی زبردست قوت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر پیدا کی ہے۔ تم کو اس کی تربیت سے غافل نہ رہنا چاہئے اور اپنے ملک میں اس سے فائدہ اٹھانے کوشش کرنا چاہئے اور شاذ و نادر ہی ایسا ہوسکتا ہے کہ سچا ارادہ کرنے والا کسی چیز کی تلاش میں ناکامیاب رہا ہے۔ بشرطیکہ وہ ان اسباب اور وسائل کو اختیار کرے جو اس کے حاصل کرنے کے کئے ضروری ہیں۔

سرسید کے متعلق اہم بات: جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس کی صحت پر تمہارے اس مدرسہ کا وجود نہایت سچی شہادت دے رہا ہے۔ تم کو معلوم ہے کہ اس مدرسہ کے بانی سرسید احمد خان نے اس راہ میں کیا کیا مصیبتیں اٹھائیں اور کس قدر تکلیفات برداشت کی ہیں۔ اگر ان کی قوت ارادہ اور ثابت قدمی نہوتی تو یہ مدرسہ اپنے عالم طفولیت ہی میں رحلت کر جاتا۔ لیکن اس کے بانی نے نہایت عزم اور استقلال کے ساتھ تمام مشکلات کا مقابلہ کیا اور ان پر غالب آیا اور یہ مدرسہ وسعت اور عظمت کے اس درجہ پر پہنچ گیا ہے کہ جس کو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ اور مزید ترقی اور کامیابی کی امید ہے۔ کیا مدرسہ کے قائم کرنے کے وقت اس عظمت اور وسعت کا خیال کسی بزدل اور ضعیف الارادہ شخص کے دل میں

گذر سکتا تھا؟ اگر بانی ٔیونیورسٹی علی گڑھ اس سے زیادہ اعلیٰ اور عام المنفعت کام کا ارادہ کرتے تو اس میں بھی اپنی قوت ارادہ کے ذریعہ سے کامیاب ہوتے۔ تم کو معلوم ہے یہ مدرسہ ایک خاص مقصد کے لئے قائم کیا گیا ہے جو مسلمانان ہندوستان کے لئے ضروری ہے، اور اس مقصد (اصلاح معیشت) کے حصول کا ایک ذریعہ ہے مگر ایک ایسی قوم کے لئے جیسی کہ تمہاری قوم ہے جو اس ملک میں تعداد کی کمی بیشی کے علاوہ علم اور دولت اور اتحاد میں غیروں کے زیادہ ترقی کر جانے کی وجہ سے اقتصادی اور اجتماعی خطرات میں محصور ہے۔ صرف یہی مقصد نہیں بلکہ اور بھی اغراض و مقاصد ہیں۔

ف: مثلاً رضائے الٰہی کی طلب اور فلاح آخرت کے حصول کی فکر۔ جس کو برائے کار لانے کی اشد ضرورت ہے۔ اگر یہ بھی ارادہ کر لیتے تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی پورا کر دیتے، بیشک حقیقی مقصد کو خوب ہی خوب واضح فرمایا۔ (مرتب)

تربیت کی اہمیت: میں نے عبرتوں اور نصیحتوں کو اس امید پر بار بار دہرایا ہے تا کہ اصحاب استعداد اپنی ہمتوں کو اپنے نفوس کی تربیت میں مصروف کریں۔ اور پستی اور گمنامی سے نکل کر اور صرف اس حیوانی جسم کی ضروریات مثلاً غذا و لباس کے مہیا کرنے پر قناعت نہ کر کے اپنی امت اور ملت کی خدمت کے لئے آمادہ ہوں۔

طلباء کرام سے خطاب: پس اے طلبائے کرام! تم کو فضیلت اور پرہیزگاری اور دینی فرائض اور آداب کی پابندی کرنے میں اپنی قوم کے لئے نیک نمونہ بننا چاہئے۔ تمہاری عقول میں استقلال اور تمہارے خیالات اور ارادوں

میں پختگی اس قدر ہونی چاہئے کہ حقانیت اور قومی مصلحت کی راہ میں تم کو کسی کی ملامت کی پرواہ نہ ہو۔تم کو یورپین فیشنوں اور مغربی بدعتوں سے جو تم کو قوم سے اور قوم کو تم سے جدا کرنے والی ہیں احتراز کرنا چاہئے۔ہندوستان کے مسلمان مثل تمام ممالک کے جہاں یورپین تعلیم داخل ہوئی ہیں، تین جماعتوں میں منقسم ہو گئے ہیں۔ایک جماعت جدید یورپین فیشن کی دلدادہ ہے، دوسری جماعت اس کے برخلاف قدامت پرستی پر منجمد اور ہر ایک جدید چیز سے متنفر ہے۔ان دونوں کے درمیان ایک معتدل جماعت ہے جو زمانہ قدیم کی مفید چیزوں کو باقی رکھنے اور مضر چیزوں کو بتدریج ترک کرنے اور نئی باتیں جو ضروری اور لابدی ہیں ان کے اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہیں بشرطیکہ قومی امتیازات اور خصوصیات کی حفاظت کی جائے۔اور قوم کو دوسری قوموں میں جذب ہونے سے بچایا جائے۔ تم کو اس معتدل جماعت میں ہونا چاہئے جو قدیم وجدید کو جمع کرنے والی ہے۔

انگریز قوم اپنی کسی رسم وعادت ا؎ کو ہرگز نہیں بدلتی

تمہارے سامنے انگریز قوم باعتبار اپنے اخلاق اور اپنی سیرت کے عبرت کا ایسا نمونہ موجود ہے جس کے برابر کوئی عبرت نہیں ہوسکتی۔وہ اپنی کسی عادت اور کسی رسم ورواج کو بہتر عادت اور رواج سے بھی تبدیل نہیں کرتی مگر جب کہ اس تبدیلی پر وہ مجبور ہو۔ایسی حالت میں بتدریج اس کو بدلتی ہے۔ورنہ اس پر قائم رہتی ہے

ا؎ مگر افسوس کہ یہی لوگ ممالک اسلامیہ کے مذہبی آثار ونقوش کو یکسر معدوم کرنے کی سعی کرتے ہیں اور ان کو ہمارے سربراہان قبول بھی فرمالیتے ہیں، حالانکہ آثار کے باقی رکھنے کی اہمیت ہے۔العیاذ باللہ تعالیٰ (مرتب)

جیسا کہ اپنے اوزان اور پیمانوں پر قائم ہے۔ان کو چھوڑ کران سے بہتر اوزان اور پیمانے اختیار نہیں کرتی ۔ عاقل وہی ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرے ۔ یعنی اپنی دینی و ایمانی شناخت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وعبادت بلکہ سنت عادیہ کو ہرگز غیروں کی تنقید میں ترک نہ کرنا چاہئے ۔ واللہ الموفق یعنی در اصل اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔اخیر میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں دعا کرتا ہوں کہ وہ تمہاری ذات سے تمہاری قوم کو نفع پہنچائے بیشک وہ سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔آمین ثم آمین (التربیۃ والتعلیم :ص ۱۲۰)

ف: ماشاء اللہ حضرت العلامہ سید رشید رضا مصری کا ہر ہی بیان موقع کے مناسب ہے جو یقینا مفید نصائح وھدایات پر مشتمل ہے جو ہر ادارہ کے طلبہ کے لئے خواہ کسی دارالعلوم کے ہوں نصیحت آمیز اور مفید ومؤثر ہے، اللہ تعالیٰ ہم سبکو راہ اعتدال اختیار کرنے کی توفیق دے ۔آمین ،مگر افسوس کہ آج عموماً جدید تعلیم یافتہ مسلمان اپنے دین اسلام کی ہر بات میں ترمیم بلکہ تبدیلی کو پسند کرتے ہیں ، حالانکہ صحابۂ کرام اور سلف صالحین نے ایک ایک سنت کو برقرار رکھنے کی سعی کی ،جس سے دین ہم تک پہنچا ہے اللہ تعالیٰ ہم کو اس کی قدر کی توفیق دے اور صحیح علم وعمل کی راہ پر ثابت فرمادے مگر افسوس کہ آج کل کے حالات اسکے خلاف ہوتے جارہے ہیں اللہ ہی اصلاح فرمائے (مرتب)

افسوس کی بات ہے کہ آج پوری انسانیت تباہی و بربادی کے دہانے پر ہے، پوری دنیا انتشار واختلاف کی بری طرح شکار ہے، ہر انسان دوسرے کے درپے آزار ہے، آج کسی بھی انسان کو دوسرے پر بھروسہ واعتماد نہیں ، ہر شخص

ایک دوسرے سے خائف وترساں ہے، پوری نسل انسانی حیران و پریشان ہے، ہر شخص ایک دوسرے کا مخالف و بدخواہ ہے، خواہ وہ کسی بھی مذہب کے ماننے والے ہوں، کسی بھی جماعت سے تعلق رکھنے والے ہوں، کسی بھی ملک وشہر کے باشندے ہوں سب ایک دوسرے سے بیزار نظر آرہے ہیں، اب تو حالات اس قدر سنگین ہو گئے کہ دو سگے بھائیوں، باپ بیٹے اور ماں بیٹی کے درمیان اتحاد واتفاق باقی نہیں رہا، ملکی جنگ ہی نہیں بلکہ ہم سب خانہ جنگی کے شکار ہو چکے ہیں ۔اس کی بنیادی وجہ یقینا یہ ہے کہ جب ہم نے اللہ تعالیٰ سے رشتہ توڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ہمارے آپسی رشتے میں رخنہ ڈال دیا، اور جب ہم نے اللہ تعالیٰ کے حقوق ضائع کئے تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے حقوق سے صرف نظر فرمالیا۔

ہمارے حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جب لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے تعلق خراب کرلیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے آپسی تعلقات میں بگاڑ پیدا فرمادیا۔

لہذا جب بندہ نے اپنے خالق و مالک کو بھلا دیا یعنی اس کے احکام کے امتثال اور حقوق کی ادائیگی سے غافل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے بھی بندوں کو خود اپنی ذات ہی سے غافل کردیا، یعنی ایسا کردیا کہ اپنے نفع ونقصان کا خیال تک نہ رہا۔ جیسا کہ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔

ترجمہ: اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے بھلا دیا اللہ تعالی کو

تو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالی نے خود ان کو اپنی جانوں سے غافل کر دیا، ایسے ہی لوگ ہیں فاسق۔

تشریح: یعنی جنھوں نے اللہ تعالی کے حقوق بھلا دیئے یعنی اس کی یاد سے غفلت اور بے پروائی برتی تو اللہ تعالی نے خود ان کی جانوں سے ان کو غافل اور بے خبر کر دیا کہ آنے والی آفات سے اپنے بچاؤ کی کچھ فکر نہ کی اور نافرمانیوں میں غرق ہو کر دائمی خسارے اور ابدی ہلاکت میں پڑ گئے (تفسیر عثمانی: ۷۲۷)

اس آیت کے تحت حضرت مولانا ابو طاہر اسحاق خاں صاحب المدنیؒ کیا ہی خوب تحریر فرماتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

خدا فراموشی کا لازمی نتیجہ خود فراموشی: سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم ان لوگوں کی طرح نہیں ہو جانا جنھوں نے اللہ تعالی کو بھلا دیا جس کے نتیجے میں اللہ تعالی نے ان کو خود ان کی جانوں سے غافل کر دیا۔ یعنی ان لوگوں کی خدا فراموشی کا نتیجہ ان کی خود فراموشی کی صورت میں نکلا۔ جس کے باعث وہ اپنی فوز و فلاح سے غافل و محروم ہو کر دائمی خسارے اور وبال میں مبتلا ہو گئے۔ العیاذ باللہ العظیم

سو اللہ تعالیٰ کا ذکر اور یاد خداوندی دراصل دارین کی سعادت و سرخروئی کی شاہ کلید ہے، اور اس سے غفلت ولا پرواہی خرابیوں کی خرابی اور ہلاکت و بربادی کی جڑ و بنیاد ہے۔ کیونکہ یاد خداوندی سے محرومی کے بعد انسان غافل ہو جاتا ہے، اپنے مال و انجام سے، اپنے مقصد حیات سے، اور اپنے فرائض وواجبات سے اور اس کے نتیجے میں وہ اپنی متاع حیات کو لایعنی اور بے کار مشاغل میں ضائع کر کے اپنے رب کے حضور سے خالی ہاتھ لوٹتا ہے، اور یہ ایسا بڑا خسارہ ہے اور اس قدر ہولناک نقصان وضیاع ہے کہ پھر اس کی تلافی و تدارک کی بھی کوئی صورت ممکن نہیں رہتی۔ والعیاذ باللہ العظیم

سو خدا فراموشی کے نتیجے میں ایسے لوگ اپنے شر و خیر سے بے خبر اور اپنی عافیت و انجام سے لا پرواہ، اور بے فکر ہو جاتے ہیں، جو کہ خساروں کا خسارہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہر حال میں اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

خدا فراموش لوگ فاسق اور بدکار: سو ارشاد فرمایا گیا اور حصر و قصر کے انداز و اسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے لوگ ہی فاسق ہیں جو اس کی اطاعت و بندگی کی حدود سے نکل کر دائمی عذاب کا شکار ہو گئے جو خساروں کا خسارہ ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم، سو انھوں نے اللہ کو بھلایا تو اس کے نتیجے میں یہ اپنی زندگی اور اس کے تقاضوں سے غافل و بے فکر ہو گئے اور اس طرح ایسے لوگ فاسق و بدکار، اور اپنے خالق و مالک کے نافرمان بن گئے۔ والعیاذ باللہ العظیم، (مرتب)

وفات: شیخ رشید رضاؒ نجد کے امیر سعود بن عبدالعزیز کو مصر کے شہر سویس رخصت کر کے جمعرات ۲۳/ جمادی الاولی ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۵ء کو قاہرہ واپس آ رہے تھے کہ راستہ میں حکم الٰہی آ پہونچا اور خالق الٰہی سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون اللہ تعالی اس عظیم مفکر و داعی و عالم کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ علامہ شام استاذ گرامی مرتبت شیخ محمد بہجۃ البیطارؒ نے اپنے مجموعہ ''کلمات واحادیث'' کے حاشیہ صفحہ ۹ پر تحریر کیا ہے کہ:

شیخ رشید اپنی تفسیر میں آیت کے اس حصہ پر پہونچے تو اچانک روح پرواز کر گئی: **توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔** (اے اللہ مجھ کو حالت اسلام پہ وفات دے اور صالحین سے مجھے ملا دے) **رحمہ اللہ تعالی رحمۃ واسعۃ**

(کلمات واحادیث۔ ص ۹۔ المکتب الاسلامی بیروت ۱۹۷۲ء)

تنبیہ: الحمدللہ اقوال سلف کا حصہ ہشتم تمام ہوا، اب اس کے بعد ان شاء اللہ حصہ نہم شروع ہوگا وہ بھی چودہویں صدی ہجری کے بزرگوں کے حالات وتعلیمات پر مشتمل ہوگا، اللہ تعالی اپنے فضل وکرم سے تکمیل تک پہونچائے، آمین

محمد قمر الزمان الہ آبادی

۵ رشعبان المعظم ۱۴۴۰ھ

مصادر مراجع اقوال سلف ہشتم

قرآن شریف	کلام اللہ تعالیٰ
تفسیر عثمانی	حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی
تفسیر عمدۃ البیان	حضرت مولانا ابوطاہر اسحاق خان مدنی
الاکلیل علی مدارک التنزیل	حضرت شیخ الدلائل مولانا عبدالحق الہ آبادیؒ
بخاری شریف	الامام محمد بن اسماعیل البخاریؒ
ارشاد الساری لشرح البخاری	علامہ احمد بن محمد القسطلانیؒ
ارشاد القاری فی شرح بخاری	علامہ عبدالرؤف مخلص ھرویؒ
مسلم شریف	الامام مسلم بن الحجاج القشیریؒ
مشکوۃ شریف	شیخ ابوعبداللہ محمد ولی الدین خطیب تبریزیؒ
اعیان الحجاج	محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ
البدایہ والنہایہ	علامہ اسماعیل بن عمر بن کثیرؒ
طبقات الشافعیۃ الکبریٰ	علامہ تاج الدین سبکیؒ
طبقات کبریٰ	حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ
تاریخ بغداد	علامہ احمد بن علی الخطیب بغدادیؒ
تذکرہ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ	مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
نزھۃ الخواطر	علامہ سید عبدالحی حسنی لکھنوئیؒ
مقدمہ مرقومات امدادیہ	مکرم جناب ڈاکٹر نثار احمد فاروقی استاذ دہلی یونیورسٹی
امداد المشتاق	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

مثنوی شریف	حضرت مولانا جلال الدین رومی صاحبؒ
کمالات امدادیہ	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
مکتوبات یعقوبی	حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ
ارواح ثلثہ	حضرت شاہ امیر خان صاحبؒ
محبوب التواریخ یعنی تذکرہ اولیاء دکن	محترم سید یوسف محمد حسینی صاحبؒ
بذل المجہود	حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ
تذکرہ مولانا محمد مظہر نانوتویؒ	حضرت مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی
اقامۃ الحجۃ علی ان الاکثار فی التعبد لیس ببدعۃ	حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوئیؒ
ترویح الجنان بتشریح حکم شرب الدخان	حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوئیؒ
تذکرہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ	حضرت مولانا محمد حسن صاحب نقشبندی مرادآبادیؒ
تذکرہ علماء پنجاب	محترم اختر راہی صاحب
شیراز ہند جون پور	محترم سید اقبال احمد جون پوریؒ
ماھنامہ معارف	دارالمصنفین اعظم گڈھ
حظیرۃ القدس وذخیرۃ الانس	حضرت مولانا نواب صدیق حسن خانصاحب بھوپالیؒ
اظہار الحق	حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ
بائبل سے قرآن تک ترجمہ اظہار الحق	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کراچی
کرامات موسویہ	حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوئیؒ
عہد رفتہ کے چند علماء ومشائخ	پروفیسر عبدالحی فاروقی لاہور
دیار پورب میں علم اور علماء	حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوریؒ
شخصیات افغانستان کی روح پرور یادیں	حضرت مولانا عبدالمالک صاحب پاکستانی

سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ	حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ ندوۃ العلماء لکھنؤ
سوانح حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ	حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
چھ باتیں	حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہریؒ
فضائل تبلیغ	حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ
تعارف مدرسہ امدادالعلوم خانقاہ تھانہ بھون	حضرت مولانا سید نجم الحسن صاحب تھانوی
ماھنامہ دارالعلوم دیوبند (جون ۱۹۹۲ء)	مضمون۔ مولانا منیر احمد صاحب قاسمی
تاریخ فکر اسلامی	حضرت مولانا محمد اجتباء ندویؒ
توضیح السنن	حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی پاکستانی
سوانح حضرت مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادیؒ	حضرت مولانا محمد الفاروقی صاحب الہ آبادیؒ
تذکرہ علماء اعظم گڈھ	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند
بیس بڑے مسلمان	حضرت مولانا عبدالرشید ارشد صاحب پاکستانی
تفہیمات الٰہیہ	حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ
مکاتیب رشیدیہ	عالم ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ
مشائخ چشت	حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ
تذکرہ علماء بنارس	حضرت مولانا مفتی وسیم احمد صاحب بنارسی
الواح الصنادید	حضرت مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب دہلی
تذکرہ علماء ہند (فارسی)	حضرت مولانا عبدالشکور (رحمان علی) الہ آبادیؒ
ترجمہ تذکرہ علماء ہند۔ اردو	حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی معروفیؒ
کاروان ایمان وعزیمت	مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ
یادگار سلف	حضرت مولانا نجم الدین اصلاحیؒ

ذکر صالحین دوم	حضرت مولانا مرغوب احمد صاحب ڈیوزبری
سوانح حضرت مولانا سید احمد حسن امروہویؒ	مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہویؒ
جدید شاعری	مکرم ڈاکٹر عبادت علی بریلوی شعبہ اردو پنجاب یونیورسٹی لاہور
چودہوی صدی کے علماء برصغیر ترجمہ ''نزھۃ الخواطر''	مترجم حضرت مولانا انوار الحق صاحب قاسمی کراچی
ترجمان الاسلام ماہنامہ بنارس	مدیر مولانا نظام الدین اسیر دروی صاحب مئو
تذکرہ الرشیدؒ	حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ
سوانح مولانا عبدالاول صاحب جون پوریؒ	حضرت مولانا عبدالباطن اور مولانا ابوالبشر جون پوریؒ
ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی	مدیر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی پاکستان
حالات مولانا سید محمد ظہور الاسلام فتحپوریؒ	ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتحپوری اور مولوی نجیب اصغر فتحپوری
یادرفتگاں	حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ
کلیات اکبر	مجموعہ کلام اکبر الہ آبادیؒ
صحبت با اہل دل	حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ
تاریخ طب	حکیم سید محمد حسان نگرامی
حیات خلیل	حضرت مولانا سید محمد الثانی حسنیؒ رائے بریلوی
سیرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ	حضرت مولانا سید محمد الحسنیؒ رائے بریلوی
ماہنامہ البرہان صفر و ربیع الاول ۱۳۴۷ھ	مضمون حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب، مفتی دارالعلوم دیوبند
تاریخ دارالعلوم دیوبند	حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند
تاریخ مظاہر العلوم	حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ
تحفہ مرضیہ برفوائد مکیہ	حضرت قاری جمشید علی قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند
رحمۃ اللعالمین	حضرت مولانا قاضی سلیمان صاحب منصور پوریؒ

سیرت محمد علی جوہرؒ	حضرت مولانا رئیس احمد ندوی
جوہر نامہ	حکیم محمد عرفان الحسینی
ملفوظات محدث کشمیریؒ	حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوریؒ
مراقی الفلاح	حضرت حسن بن عمار بن علی الشرنبلالیؒ
موافقات	حضرت ابراہیم بن موسیٰ الشاطبیؒ
سیرت مصطفیٰ	حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ
نقش دوام	حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ
تھوڑی دیر اہل حق کے ساتھ	مولانا محمد ارشد اعظمی بنارسی
رسالہ کانفرنس التربیۃ والتعلیم	مجموعہ تقاریر رشید رضا مصریؒ
اسیر مالٹا	حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ
الاعلام	علامہ خیر الدین زرکلی دمشقیؒ
معجم المولفین	علامہ عمر رضا کحالہ
الدلیل المشیر	علامہ ابوبکر حبشیؒ
رسالۃ الاوائل	علامہ سید بن سنبل۔ تحقیق مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ
نفحۃ العنبر (حالات علامہ انور شاہ کشمیری)	حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ
کلمات واحادیث	مولفہ شیخ محمد بہجۃ البیطار

الحمد للہ مندرجہ کتب مصادر پر کتاب مکمل ہوئی۔ محمد قمر الزمان الہ آبادی

۵ رشعبان المعظم ۱۴۴۰ھ